ISLAMIC
MOBILITY.COM

نہج البلاغہ

خطبات امیر المومنین علی علیہ السلام

علامہ سید رضی علیہ الرحمہ

ترجمہ: علامہ مفتی جعفر حسین

ای بک: مولانا صادق عباس فاضل قم

aalulbayt@gmail.com

موسسۃ آل البیتؑ لاہور

خطبہ 1

(اس میں ابتدائے آفرینش زمین و آسمان اور پیدائشِ آدم کا ذکر فرمایا ھے)

تمام حمد اس اللہ کیلئے ہے، جس کی روح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں، جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے۔ نہ کوشش کرنے والے اس کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ نہ بلند پرواز ہمتیں اسے پا سکتی ہیں نہ عقل و فہم کی گہرائیاں اس کی تہ تک پہنچ سکتی ہیں۔ اس کے کمالِ ذات کی کوئی حد معین نہیں۔ نہ اس کے لئے توصیفی الفاظ ہیں نہ اس (کی ابتداء) کے لئے کوئی وقت ہے، جسے شمار میں لایا جا سکے، نہ اس کی کوئی مدت ہے جو کہیں پر ختم ہو جائے۔ اس نے مخلوقات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا، اپنی رحمت سے ہواؤں کو چلایا، تھرتھراتی ہوئی زمین پر پہاڑوں کی میخیں گاڑی۔ دین ا کی ابتداء اس کی معرفت ہے۔ کمالِ معرفت اس کی تصدیق ہے، کمالِ تصدیق توحید ہے۔ کمالِ توحید تنزیہ و اخلاص ہے اور کمالِ تنزیہ و اخلاص یہ ہے کہ اس سے صفتوں کی نفی کی جائے۔ کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے۔ اور ہر موصوف شاہد ہے کہ وہ صفت کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ لہذا جس نے ذاتِ الٰہی کے علاوہ صفات مانے۔ اس نے ذات کا ایک دوسرا ساتھی مان لیا اور جس نے اس کی ذات کا کوئی اور ساتھی مانا۔ اس نے دوئی پیدا کی، اس نے اس کے لئے جز بنا ڈالا اور جو اس کے لئے اجزاء کا قائل ہوا وہ اس سے بے خبر رہا۔ اور جو اس سے بے خبر رہا۔ اس نے اسے قابلِ اشارہ سمجھ لیا اور جس نے اسے قابلِ اشارہ سمجھ لیا اس نے اس کی حد بندی کر دی اور جو اسے محدود سمجھا۔ وہ

اسے دوسری چیزوں ہی کی قطار میں لے آیا جس نے یہ کہا کہ وہ کس چیز میں ہے اس نے اسے کسی شے کے ضمن میں فرض کر لیا اور جس نے یہ کہا کہ وہ کس چیز پر ہے۔ اس نے اور جگہیں اس سے خالی سمجھ لیں۔ وہ ہے، ہوا نہیں۔ موجود ہے۔ مگر عدم سے وجود میں نہیں آیا۔ وہ ہر شے کے ساتھ ہے، نہ جسمانی اتصال کی طرح، وہ ہر چیز سے علیٰحدہ ہے، نہ جسمانی دُوری کے طور پر، وہ فاعل ہے، لیکن حرکات و آلات کا محتاج نہیں، وہ اس وقت بھی دیکھنے والا تھا جب کہ مخلوقات میں کوئی چیز دکھائی دینے والی نہ تھی۔ وہ یگانہ ہے۔ اس لئے کہ اس کوئی ساتھی نہیں ہے کہ جس سے وہ مانوس ہو اور اسے کھو کر پریشان ہو جائے۔ اس نے پہلے پہل خلق کو ایجاد کیا۔ بغیر کسی فکر کے جولانی کے اور بغیر کسی تجربہ کے جس سے فائدہ اٹھانے کی اسے ضرورت پڑی ہو اور وہ بغیر کسی حرکت کے جسے اس نے پیدا کیا اور بغیر کسی ولولہ اور جوش کے جس کے وہ بیتاب ہوا ہو۔ ہر چیز کو اس کے وقت کے حوالے کیا۔ بے جوڑ چیزوں میں توازن اور ہم آہنگی پیدا کی۔ ہر چیز کو جداگانہ طبیعت اور مزاج کا حامل بنایا۔ اور ان طبیعتوں کے لئے مناسب صورتیں ضروری قرار دیں۔ وہ ان چیزوں کو ان کے وجود میں آنے سے پہلے جانتا تھا۔ ان کی حدو نہایت پر احاطہ کیا ہوئے تھا اور ان کے نفوس و اعضاء کو پہچانتا تھا۔ پھر یہ کہ اس نے کشادہ فضا، وسیع اطراف و اکناف اور خلا کی وسعتیں خلق کیں اور ان میں ایسا پانی بہایا جس کے دریائے مواج کی لہریں طوفانی اور بحر زخار کی موجیں تہ بہ تہ تھیں اسے تیز ہوا اور تند آندھی کی صشت پر لادا۔ پھر اسے پانی کے پلٹانے کا حکم دیا اور اسے اس کے پابند رکھنے پر قابو دیا اور اسے پانی کی سرحد سے ملا دیا۔ اس کے نیچے ہوا دُور تک

پھیلی ہوئی تھی اوراوپر پانی ٹھاٹھیں ماررہا تھا۔ پھر اللہ سُبحانہ نے اس پانی کے اندر ایک ہوا خلق کی، جس کا چلنا بانجھ (بے ثمر) تھا اور اسے اس کے مرکز پر قرار رکھا۔ اس کے جھونکے تیز کر دیئے اور اس کے چلنے کی جگہ دُور و دراز تک پھیلا دی۔ پھر اس ہوا کو مامور کیا کہ وہ پانی کے ذخیرے کو تھپیڑے دے اور بحرِ بے کراں کی موجوں کو اچھالے۔ اس ہوا نے پانی کو یوں متھ دیا۔ جس طرح دہی کے مشکیزے کو متھا جاتا ہے اور اسے دھکیلتی ہوئی تیزی سے چلی۔ جس طرح خالی فضا میں چلتی ہے اور پانی کے ابتدائی حصے کو آخری حصے پر اور ٹھہرے ہوئے کو چلتے ہوئے پانی پر پلٹانے لگی۔ یہاں تک کہ اس متلاطم پانی کی سطح بلند ہوگئی اور وہ تہ بہ تہ پانی جھاگ دینے لگا اللہ نے وہ جھاگ کھلی ہوا اور کشادہ فضا کی طرف اٹھائی اور اس سے ساتوں آسمان پیدا کئے۔ نیچے والے آسمان کو رُکی ہوئی موج کی طرح بنایا اور اوپر والے آسمان کو محفوظ چھت اور بلند عمارت کی صورت میں اس طرح قائم کیا کہ نہ ستونوں کے سہارے کی حاجت تھی نہ بندھنوں سے جوڑنے کی ضرورت پھر ان کو ستاروں کی سج دھج اور روشن تاروں کی چمک دمک سے آراستہ کیا اور ان میں ضُو پاش چراغ اور جگمگاتا چاند رواں کیا جو گھومنے والے فلک چلتی پھرتی چھت اور جنبش کھانے والی لوح میں ہے۔ پھر خداوند عالم نے بلند آسمانوں کے درمیان شگاف پیدا کئے اور ان کی وسعتوں کو طرح طرح کے فرشتوں سے بھر دیا۔ کچھ ان میں سر بسجود ہیں جو رکوع نہیں کرتے، کچھ رکوع میں ہیں، جو سیدھے نہیں ہوتے، کچھ صفیں باندھے ہوئے ہیں جو اپنی جگہ نہیں چھوڑتے اور کچھ پاکیزگی بیان کر رہے ہیں جو اکتاتے نہیں، نہ ان کی آنکھوں میں نیند آتی ہے۔ نہ ان کی عقلوں میں بھول چوک

پیدا ہوتی ہے، نہ ان کے بدنوں میں سستی و کاہلی آتی ہے نہ ان پر نسیان کی غفلت طاری ہوتی ہے، ان میں کچھ تو وحی الٰہی کے امین، اس کے رسولوں کی طرف پیغام رسانی کے لئے زبانِ حق اور اس کے قطعی فیصلوں اور فرمانوں کو لے کر آنے جانے والے ہیں، کچھ اس کے بندوں کے نگہبان اور جنت کے دروازوں کے پاسبان ہیں، کچھ وہ ہیں، جن کے قدم زمین کی تہ میں جمے ہوئے ہیں۔ اور ان کے پہلو اطراف عالم سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ ان کے شانے عرش کے پایوں سے میل کھاتے ہیں۔ عرش کے سامنے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہیں اور اس کے نیچے اپنے پروں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ اور ان میں اور دوسری مخلوق میں عزت کے حجاب اور قدرت کے سراپردے حائل ہیں۔ وہ شکل و صورت کے ساتھ اپنے رب کا تصور نہیں کرتے، نہ اس پر مخلوق کی صفتیں طاری کرتے ہیں۔ نہ اسے محل و مکان میں گھرا ہوا سمجھتے ہیں۔ نہ اشباہ و نظائر سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

(آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بارے میں فرمایا)

پھر اللہ نے سخت و نرم اور شیریں و شورہ زار زمین سے مٹی جمع کی، اسے پانی سے اتنا بھگویا کہ وہ صاف ہو کر نتھر گئی اور تری سے اتنا گوندھا کہ اس میں لس پیدا ہو گیا۔ اس سے ایک ایسی صورت بنائی، جس میں موڑ ہیں اور جوڑ، اعضا ہیں اور مختلف حصے۔ اسے یہاں تک سکھایا کہ وہ خود تھم سکی اور اتنا سخت کیا کہ وہ کھنکھنانے لگی۔ ایک وقت معین اور مدت معلوم تک اسے یونہی رہنے دیا۔ پھر اس میں روح پھونکی، تو وہ ایسے انسان کی صورت میں کھڑی ہو گئی جو قوائے ذہنی کو حرکت دینے والا۔ فکری حرکات سے تصرف کرنے والا۔ اعضا و جوارح سے

خدمت لینے والا اور ہاتھ پیروں کو چلانے والا ہے اور ایسی شناخت کا مالک ہے۔جس سے حق و باطل میں تمیز کرتا ہے۔اور مختلف مزوں ، بوؤں ، رنگوں اور جنسوں میں فرق کرتا ہے۔ خود رنگا رنگ کی مٹی اور ملتی جلتی ہوئی موافق چیزوں اور مخالف ضدوں اور متضاد خلطوں سے اس کا خمیر ہوا ہے۔یعنی گرمی ،سردی ،تری خشکی کا پیکر ہے۔

پھر اللہ نے فرشتوں سے چاہا کہ وہ اس کی سونپی ہوئی ودیعت ادا کریں اور اس کے پیمان وصیت کو پورا کریں۔ جو سجدہ آدم کے حکم کو تسلیم کرنے اور اس کی بزرگی کے سامنے تواضع و فروتنی کے لئے تھا۔اس لئے اللہ نے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اسے عصبیت نے گھیر لیا۔ بدبختی اس پر چھا گئی۔آگ سے پیدا ہوانے کی وجہ سے اپنے کو بزرگ و برتر سمجھا۔اور کھنکھناتی ہوئی مٹی کی مخلوق کو ذلیل جانا۔اللہ نے اسے مہلت دی تا کہ وہ پورے طور پر غضب کا مستحق بن جائے

اور (بنی آدم) کی آزمائش پایہ تکمیل تک پہنچے اور وعدہ پورا ہو جائے۔چنانچہ اللہ نے اس سے کہا کہ تجھے وقتِ معین کے دن تک کی مہلت ہے۔پھر اللہ نے آدم کو ایسے گھر میں ٹھہرایا۔ جہاں ان کی زندگی کو خوش گوار رکھا۔انہیں شیطان اور اس کی عداوت سے بھی ہوشیار کر دیا۔ لیکن ان کے دشمن نے ان کے جنت میں ٹھہرنے اور نیکو کاروں میں مل جُل کر رہنے پر حسد کیا اور آخر کار انہیں فریب دے دیا۔آدم نے یقین کو شک اور ارادے کے استحکام کو کمزوری کے ہاتھوں بیچ ڈالا۔مسرت کو خوف سے بدل لیا۔اور فریب خوردگی کیوجہ سے ندامت اٹھائی۔پھر اللہ نے آدم کے لئے توبہ کی گنجائش رکھی۔انہیں رحمت کے کلمے سکھائے ، جنت

میں دوبارہ پہنچانے کا ان سے وعدہ کیا اور انہیں دارِ ابتلا و محل افزائشِ نسل میں اتار دیا۔
اللہ سبحانہ نے ان کی اولاد سے انبیاء چُنے۔ وحی پر ان سے عہدو پیمان لیا۔ تبلیغُ رسالت کا انہیں امین بنایا۔ جبکہ اکثر لوگوں نے اللہ کا عہد بدل دیا تھا۔ چنانچہ وہ اس کے حق سے بے خبر ہو گئے۔ اوروں کو اس کا شریک بنا ڈالا۔ شیاطین نے اس کی معرفت سے انہیں روگرداں اور اس کی عبادت سے الگ کر دیا۔ اللہ نے ان میں اپنے رسول مبعوث کئے۔ اور لگاتار انبیاء بھیجے تاکہ ان سے فطرت کے عہدو پیمان پورے کرائیں۔ اس کی بھولی ہوئی نعمتیں یاد دلائیں۔ پیغامِ ربانی پہنچا کر حجت تمام کریں۔ عقل کے دفینوں کو ابھاریں اور نہیں قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ یہ سروں پر بلند بام آسمان، ان کے نیچے بچھا ہوا فرشِ زمیں، زندہ رکھنے والا سامانِ معیشت فنا کرنے والی اجلیں، بوڑھا کر دینے والی بیماریاں اور پے در پے آنے والے حادثات۔
اللہ سبحانہ نے اپنی مخلوق کو بغیر کسی فرستادہ پیغمبر یا آسمانی کتاب یا دلیلِ قطعی یا طریقِ روشن کے کبھی یونہی نہیں چھوڑا۔ ایسے رسول، جنہیں تعداد کی کمی اور جھٹلانے والوں کی کثرت درماندہ و عاجز نہیں کرتی تھی۔ ان میں کوئی سابق تھا، جس نے بعد میں آنے والے کا نام و نشان بتایا۔ کوئی بعد میں آیا، جسے پہلا پہچنوا چکا تھا۔ اسی طرح مدتیں گذر گئیں۔ زمانے بیت گئے۔ باپ داداؤں کی جگہ پر ان کی اولادیں بس گئیں۔
یہاں تک کہ اللہ سبحانہ نے ایفائے عہد و اتمام نبوت کے لئے محمدؐ کو مبعوث کیا، جن کے متعلق نبیوں سے عہدو پیمان لیا جا چکا تھا، جن کے علاماتِ (ظہور) مشہور، محل ولادت مبارک و

مسعود تھا۔اس وقت زمین پر بسنے والوں کے مسلک جُدا جُدا خواہشیں متفرق و پراگندہ اور راہیں الگ الگ تھیں۔ یوں کہ کچھ اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دیتے، کچھ اس کے ناموں کو بگاڑ دیتے۔کچھ اسے چھوڑکر اوروں کی طرف اشارہ کرتے تھے خداوندِ عالم نے آپ کی وجہ سے انہیں گمراہی سے ہدایت کی راہ پر لگایا اور آپ کے وجود سے انہیں جہالت سے چھڑایا۔ پھر اللہ سبحانہ نے محمد کو اپنے لقا و قرب کے لئے چنا، اپنے خاص انعامات آپ کے لئے پسند فرمائے اور دارِ دنیا کی بود و باش سے آپ کو بلند تر سمجھا اور زحمتوں سے گھری ہوئی جگہ سے آپ کے رخ کو موڑا اور دنیا سے باعزت آپ کو اٹھالیا۔حضرت تُم میں اسی طرح کی چیز چھوڑ گئے، جو انبیاء اپنی امتوں میں چھوڑتے جاتے آئے تھے۔اس لئے کہ وہ طریق واضح ونشانِ محکم قائم کئے بغیر یوں ہی بے قید و بند انہیں نہیں چھوڑتے تھے۔پیغمبر نے تمہارے پروردگار کی کتاب تم میں چھوڑی ہے۔اس حالت میں کہ انہوں نے کتاب ۲ کے حلال و حرام، واجبات و مستحبات، ناسخ ومنسوخ رخص وعزائم، خاص و عام، عبر و امثال، مقید و مطلق، محکم ومتشابہ کو واضح طور سے بیان کر دیا۔مجمل آیتوں کی تفسیر کر دی۔اس کی گتھیوں کو سلجھا دیا۔اس میں کچھ آیتیں وہ ہیں، جن کے جاننے کی پابندی عائد کی گئی ہے اور کچھ وہ ہیں کہ اگر اس کے بندے ان سے ناواقف رہیں تو مضائقہ نہیں، کچھ احکام ایسے ہیں جن کا وجوب کتاب سے ثابت ہے اور حدیث سے ان کے منسوخ ہونے کا پتہ چلتا ہے اور کچھ احکام ایسے ہیں، جن پر عمل کرنا حدیثِ کی رُو سے واجب ہے لیکن کتاب میں ان کے ترک کی اجازت ہے۔اس کتاب میں بعض واجبات ایسے ہیں۔جن کو وجوب وقت سے وابستہ ہے

اور زمانہ آئندہ میں ان کو وجوب برطرف ہو جاتا ہے۔قرآن کے محرمات میں بھی تفریق ہے۔کچھ کبیرہ ہیں۔جن کے لئے آتشِ جہنم کی دھمکیاں ہیں اور کچھ صغیرہ ہیں جن کے لئے مغفرت کے توقعات پیدا کئے ہیں۔کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا تھوڑا سا حصہ بھی مقبول ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اضافہ کی گنجائش رکھی ہے۔

اسی خطبہ میں حج کے سلسلہ میں فرمایا

اللہ نے اپنے گھر کا حج تم پر واجب کیا۔ جسے لوگوں کا قبلہ بنایا۔ جہاں لوگ اس طرح کھنچ کر آتے ہیں۔جس طرح پیاسے حیوان پانی کی طرف اور اس طرح وارفتگی سے بڑھتے ہیں، جس طرح کبوتر اپنے آشیانوں کی جانب۔اللہ جلّ شان نے اس کو اپنی عظمت کے سامنے ان کی فروتنی وعاجزی اور اپنی عزت کے اعتراف کا نشان بنایا ہے۔اُس نے اپنی مخلوق میں سے سننے والے لوگ چن لیے جنہوں نے اس کی آواز پر لبیک کہیں اور اس کے کلام کی تصدیق کی وہ انبیاء کی جگہوں پر ٹھہرے۔عرش پر طواف کرنے والے فرشتوں سے مشابہت اختیار کی۔وہ اپنی عبادت کی تجارت گاہ ہیں منفعتوں کو سمیٹتے ہیں اور اس کی وعدہ گاہ مغفرت کی طرف بڑھتے ہیں۔اللہ سبحانہ نے اس گھر کو اسلام کا نشان پناہ چاہنے والوں کے لیے حرم بنایا ہے اس کا حج فرض اور ادائیگی حق کو واجب کیا ہے اور اس کی طرف راہ نوردی فرض کر دی ہے۔چنانچہ اللہ نے قرآن میں فرمایا کہ اللہ کا واجب الادا حق لوگوں پر یہ ہے کہ وہ خانۂ کعبہ کا حج کریں،جنہیں وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو اور جس نے کفر کیا تو جان لے کہ اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔

ا۔" دین کی اصل واساس خدا شناسی ہے" دین کے لغوی معنی اطاعت اور عرفی معنی شریعت کے ہیں یہاں خواہ لغوی معنی مراد لیے جائیں یا عرفی دونوں صورتوں میں اگر ذہن کسی معبود کے تصور سے خالی ہو، تو نہ اطاعت کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ کسی آئین کی پابندی کا کیونکہ جب کوئی منزل ہی سامنے نہ ہوگی، تو منزل کے رخ پر بڑھنے کے کیا معنی اور جب کوئی مقصد ہی پیشِ نظر نہ ہوگا تو اس کے لئے تگ و دو کرنے کا کیا مطلب! البتہ جب انسان کی عقل و فطرت اس کا رشتہ کسی مافوق الفطرت طاقت سے جوڑ دیتی ہے اور اس کا ذوق پرستاری و جذبہ معبودیت اسے کسی معبود کے آگے جھکا دیتا ہے تو وہ من مانی کر گزرنے کے بجائے اپنی زندگی کو مختلف قسم کی پابندیوں میں جکڑا ہوا محسوس کرتا ہے اور انہی پابندیوں کا نام دین ہے۔ جس کا نقطۂ آغاز صانع کی معرفت اور اس کی ہستی کا اعتراف ہے۔ معرفت کی بنیادی حیثیت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اس کے ضروری ارکان وشرائط بیان فرمائے ہیں اور عموماً افراد انسانی جن ناقص مراتب ادراک کو اپنی منزل آخر بنا کر قانع ہو جاتے ہیں ان کے ناکافی ہونے کا اظہار فرمایا ہے اور اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ فطرت کے وجدانی احساس اور ضمیر کی رہنمائی سے یا اہلِ مذاہب کی زبان سے سن کر اُس ان دیکھی ہستی کا تصور ذہن میں پیدا ہو جائے جو خدا کہی جاتی ہے۔ یہ تصور درحقیقت فکر ونظر کی ذمہ داری اور تحصیل معرفت کا حکم عائد ہونے کا عقلاً پیش خیمہ ہے لیکن تساہل پسند یا ماحول کے دباؤ میں اسیر ہستیاں اس تصور کے پیدا ہونے کے باوجود طلب کی زحمت گوارا نہیں کرتیں تو وہ تصور تصدیق کی شکل اختیار نہیں کرتا۔ اس صورت میں وہ معرفت سے محروم ہو جاتی ہیں اور باوجودِ تصور، بمنزل

تصدیق سے ان کی محرومی چونکہ بال اختیار ہوتی ہے۔ اس لیے وہ اس پر مواخذہ کی مستحق ہوتی ہیں لیکن جو اس تصور کی تحریک سے متاثر ہو کر قدم آگے بڑھاتا ہے وہ غور و فکر ضروری سمجھتا ہے اور اس طرح دوسرا درجہ ادراک کا حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مخلوقات کی بوقلمونیوں اور مصنوعات کی نیرنگیوں سے صانع عالم کا کھوج لگایا جائے۔ کیونکہ ہر نقش نقاش کے وجود پر اور ہر اثر مؤثر کی کارفرمائی پر ایک ٹھوس اور بے لچک دلیل ہے۔ چنانچہ انسان جب اپنے گرد و پیش نظر دوڑاتا ہے، تو اسے ایسی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی کہ جو کسی صانع کی کارفرمائی کے بغیر موجود ہو گئی ہو۔ یہاں تک کہ کوئی نقش قدم بغیر راہرو کے اور کوئی عمارت بغیر معمار کے کھڑی ہوتے ہوئے نہیں دیکھتا، تو کیونکر یہ باور کر سکتا ہے کہ یہ فلک نیلگوں اور اس کی پہنائیوں میں آفتاب و مہتاب کی تجلیّاں اور یہ زمین اور اس کی وسعتوں میں سبزہ و گل کی رعنائیاں بغیر کسی صانع کی صنعت طرازی کے موجود ہو گئی ہوں گی۔ لہٰذا موجودات عالم اور نظم کائنات کو دیکھنے کے بعد کوئی انسان اس نتیجہ تک پہنچنے سے اپنے دل و دماغ کو نہیں روک سکتا کہ اس جہان رنگ و بو کا کوئی بنانے سنوارنے والا ہے کیونکہ تہی دامنِ وجود سے فیضان وجود نہیں ہو سکتا اور نہ عدم سے وجود کا سر چشمہ پھوٹ سکتا ہے قرآن نے استدلال کی طرف اشارہ کیا ہے۔»

فی اللہ شك فاطر سمٰوات ولارض

کے اللہ کے وجود میں شک ہو سکتا جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے لیکن یہ درجہ بھی کافی ہے۔ جبکہ اس کی تصدیق میں غیر کی الوہیت کے عقیدہ کی آمیزش ہو۔ تیسرا درجہ یہ کہ اس کی

ہستی کا اقرارِ وحدت و یگانگت کے اعتراف کے ساتھ ہو۔ بغیر اس کے خدا کی تصدیق مکمل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جس کے ساتھ اور بھی خدا مانے گئے۔ وہ ایک نہیں ہو گا اور خدا کے لیے ایک ہونا ضروری ہے کیونکہ ایک سے زائد ہونے کی صورت میں یہ سوال پیدا ہو گا کہ اس کائنات کو ان میں سے ایک نے پیدا کیا ہے یا سب نے مل جل کر اگر ایک نے پیدا کیا ہے۔ تو اس میں کوئی خصوصیت ہونا چاہیئے ورنہ اس ایک کو بلا وجہ ترجیح ہو گی جو عقلاً باطل ہے اور اگر سب نے مل جل کر بنایا ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ دوسروں کی مدد کے بغیر اپنے امور کی انجام دہی نہ کر سکتا ہو گا یا ان کی شرکت و تعاون سے بے نیاز ہو گا۔ پہلی صورت میں اس کا محتاج دستِ نگر ہونا اور دوسری صورت میں ایک فعل کے لئے مستقل فاعلوں کا کارفرما ہونا لازم آئے گا اور یہ دونوں صورتیں اپنے مقام پر باطل کی جا چکی ہیں اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ سارے خداؤں نے حصہ رسدی مخلوقات کو آپس میں بانٹ کر ایجاد کیا ہے تو اس صورت میں تمام ممکنات کی ہر واجب الوجود سے یکساں نسبت نہ رہے گی، بلکہ صرف اپنے بنانے والے ہی سے نسبت ہو گی۔ حالانکہ ہر اجب کو ہر ممکن سے اور ہر ممکن کو ہر واجب سے یکساں نسبت ہونا چاہیے۔ کیونکہ تمام ممکنات اثر پذیری ہیں اور تمام واجب الوجود اثر اندازی ہیں ایک سے مانے گئے ہیں۔ تو اب اسے ایک مانے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے کیونکہ متعدد خالق ماننے کی صورت میں کسی چیز کے موجود ہونے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اور زمین و آسمان اور کائنات کی ہر شئے کے لیے تباہی و بربادی ضروری قرار پاتی ہے۔ اللہ سبحانہ نے اس دلیل کو ان لفظوں میں پیش کیا ہے

"لو کان فیھا الھۃ الا اللہ لفسدتا"

اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ اور بھی خدا ہوتے تو یہ زمین آسمان دونوں تباہ و برباد ہو جاتے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ اسے ہر نقص و عیب سے پاک سمجھا جائے اور جسم و صورت، تمثیل وتشبیہ، مکان و زمان، حرکت و سکون اور عجز و جہل سے منزہ مانا جائے۔ کیونکہ اس باکمال و بے عیب ذات میں نہ کسی نقص کا گزر ہوسکتا ہے نہ اس کے دامن پر کسی عیب کا دھبّہ ابھر سکتا ہے اور نہ اس کو کسی کے مثل و مانند ٹھرایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ تمام چیزیں وجوب کی بلندیوں سے اتار کر امکان کی پستیوں میں لے آنیوالی ہیں۔ چنانچہ قدرت نے توحید کے پہلو بہ پہلو اپنی تنزیہ و تقدیس کو بھی جگہ دی ہے:۔ 1۔ کہہ دو کہ اللہ یگانہ ہے اس کی ذات بے نیاز ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ اس کا کوئی ہم پلّہ ہے۔ 2۔ اس کو نگاہیں دیکھ نہیں سکتیں، البتہ وہ نگاہوں کو دیکھ رہا ہے اور وہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے آگاہ اور باخبر ہے۔ 3۔ اللہ کے لیے مثالیں نہ گڑھ لیا کرو۔ بے شک اصل حقیقت کو اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ 4۔ کوئی چیز اس کے مانند نہیں ہے وہ سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ہے۔ پانچواں درجہ یہ ہے جس سے معرفت مکمل ہوتی ہے کہ اس کی ذات میں صفتوں کو الگ سے نہ سمویا جائے کہ ذاتِ احدیت میں دوئی کی جھلک پیدا ہوجائے اور توحید اپنے صحیح مفہوم کو کھو کر ایک تین اور تین ایک کے چکر میں پڑ جائے۔ کیونکہ اسکی ذات جوہر و عرض کا مجموعہ نہیں کہ اس میں صفتیں اس طرح قائم ہوں جس طرح پھول میں خوشبو اور ستاروں میں چمک بلکہ اس کی ذات خود صفتوں کا سرچشمہ ہے اور وہ اپنے کمالاتِ ذاتی کے اظہار کے لیے کسی توسط کی محتاج

نہیں ہے اگر اسے عالم کہا جاتا ہے۔ تو اس بناء پر کہ اس کے علم کے آثار نمایاں ہیں اور اگر اسے قادر کہا جاتا ہے تو اس لیے کہ ہر ذرہ اسکی قدرت و کارفرمائی کا پتہ دے رہا ہے اور سمیع و بصیر کہا جاتا ہے تو اس وجہ سے کہ کائنات کی شیرازہ بندی اور مخلوقات کی چارہ سازی دیکھے اور سنے بغیر نہیں ہوسکتی۔ مگر ان صفتوں کی نمود اس کی ذات میں اس طرح نہیں ٹھہرائی جاسکتی، جس طرح ممکنات میں کہ اس میں علم آئے تو وہ عالم ہو اور ہاتھ پیروں میں توانائی آئے تو وہ توانا ہو کیونکہ صفت کو ذات سے الگ ماننے کا لازمی نتیجہ دوئی ہے اور جہاں دوئی کا تصور ہوا وہاں توحید کا عقیدہ رخصت ہوا۔ اسی لیے امیر المومنین نے زائد بر ذات صفات کی نفی فرما کر صحیح توحید کے خدوخال سے آشنا فرمایا ہے اور دامن وحدت کو کثرت کے دھبوں سے بدنما نہیں ہونے دیا۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس کے لیے کوئی صفت تجویز ہی نہیں کی جاسکتی کہ ان لوگوں کے مسلک کی تائید ہو، جو سلبی تصورات کے بھیانک اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں حلانکہ کائنات کا گوشہ گوشہ اس کی صفتوں کے آثار سے چھلک رہا ہے اور مخلوقات کا ذرہ ذرہ گواہی دے رہا ہے کہ وہ جاننے والا ہے۔ قدرت والا ہے۔ سننے اور دیکھنے والا ہے اور اپنے دامن ربوبیت میں پالنے والا اور سایہ رحمت میں پروان چڑھانے والا ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کی ذات میں الگ سے کوئی ایسی چیز تجویز نہیں کی جاسکتی کہ اسے صفت سے تعبیر کرنا صحیح ہو کیونکہ جو ذات ہے وہی صفت ہے اور جو صفت ہے وہی ذات ہے۔ اسی مطلب کو امام جعفر صادق کی زبانِ فیض ترجمان سے سماعت فرمایئے اور پھر مذاہب عالم کے عقیدہ توحید کو اس کی روشنی میں دیکھئے اور پرکھئے کہ توحید کے صحیح مفہوم سے

روشناس کرانے والی فردیں کون تھیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: "ہمارا خدائے بزرگ و برتر ہمیشہ سے عینِ علم رہا۔ حالانکہ معلوم ابھی کتم عدم میں تھا۔ اور عین سمع و بصر رہا حالانکہ نہ کسی آواز کی گونج بلند ہوئی تھی اور نہ کوئی دکھائی دینے والی چیز تھی اور عین قدرت رہا حالانکہ قدرت کے اثرات کو قبول کرنے والی کوئی شے نہ تھی۔ پھر جب اس نے ان چیزوں کو پیدا کیا اور معلوم کا وجود ہوا تو اس کا علم معلومات پر پوری طرح منطبق ہوا خواہ وہ سنی جانے والی صدائیں ہوں یا دیکھی جانے والی چیزیں ہوں اور مقدور کے تعلق سے اس کی قدرت نمایاں ہوئی"۔ یہ وہ عقیدہ ہے، جس پر ائمۂ اہلبیت کا اجماع ہے مگر سواد اعظم نے اس کے خلاف دوسرا راستہ اختیار کیا ہے اور ذات و صفات میں علیحدگی کا تصور پیدا کر دیا ہے۔ چنانچہ شہرستانی نے تحریر کیا ہے کہ: "ابوالحسن اشعری کہتے ہیں کہ باری تعالیٰ علم، قدرت، حیات، ارادہ، کلام اور سمع و بصر کے ذریعہ عالم، قادر، زندہ، مرید متکلم اور سمیع و بصیر ہے"۔ اگر صفتوں کو اس طرح زائد بر ذات مانا جائے گا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ صفتیں ہمیشہ سے اس میں ہوں گی یا بعد میں طاری ہوئی ہوں گی۔ پہلی صورت میں جتنی اس کی صفتیں مانی جائیں گی اتنے ہی قدیم اور ماننا پڑیں گے، جو قدامت میں اس کے شریک ہوں گے۔ تعالیٰ اللہ عما یشرکون اور دوسری صورت میں اس کی ذات کو محلِ حوادث قرار دینے کے علاوہ یہ لازم آئے گا کہ وہ ان صفتوں کے پیدا ہونے سے پہلے نہ عالم ہو، نہ قادر نہ سمیع ہو اور نہ بصیر اور یہ عقیدہ اساسی طور پر اسلام کے خلاف ہے۔

۲۔ قرآن مجید کے احکام کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ اس میں حلال و حرام کا بیان ہے، جیسے

احل اللہ البیع وحرم الربوا

اللہ نے خرید وفروخت کو جائز کیا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے »۔اس میں فرائض ومستحبات کا ذکر ہے۔جیسے « جب نماز (خوف) ادا کر چکو تو اٹھتے لیٹتے اللہ کو یاد کرو اور جب (دشمن کی طرف سے) مطمئن ہو جاؤ، تو پڑھ (معمول کے مطابق) نماز پڑھا کرو) نماز فرض ہے اور دوسرے اذکار مستحب ہیں۔اس میں ناسخ ومنسوخ بھی ہیں۔ناسخ جیسے عدہ وفات میں اربعۃ اشھر وعشرا (چار مہینے دس دن) اور منسوخ جیسے متاعاًالی الحول غیر اخراج جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدہ وفات ایک سال ہے۔اس میں مخصوص مواقع پر حرام چیزوں کے لئے رخصت و اجازت بھی ہے جیسے

فمن اضطر غیر باغ والا عادفلا اثم علیہ

اگر کوئی شخص بحالت مجبوری (حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ درآں صورتیکہ حدودِ شریعت کو توڑنا اور ان سے متجاوز ہونا نہ چاہتا ہو »۔اس میں اٹل احکام بھی ہیں جیسے لا یشرک بعبادۃ ربہٗ احدا۔ چاہئے کہ وہ اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔» اس میں خاص وعام بھی ہیں۔خاص وہ کہ جس کے لفظ میں وسعت ہو اور معنیٰ مقصود کا دائرہ محدود ہو جیسے **و انی فضلتکم علی العٰلمین** اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی ہے۔» اس سے عالمین سے صرف انہی کا زمانہ ہے اگرچہ لفظ تمام جہانوں کو شامل ہے اور عام وہ ہے جو اپنے معنیٰ میں پھیلاؤ رکھتا ہو۔جیسے « واللہ بکل شیئٍ علیم » اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔اس میں عبرتیں اور مثالیں بھی ہیں۔عبرتیں جیسے

فاخذہ اللہ نکال لاٰخرۃ والا ولیٰ ان فی ذٰلك لعبرۃ لمن یخشی خدا نے اسے دنیاوآخرت کے عذاب میں دھرلیا۔ جواللہ سے ڈرے اس کے لیےاس میں عبرت کا سامان ہے » اورمثالیں جیسے مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل جنۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ ۔« جولوگ اللہ کی راہ میں اپنامال خرچ کرتے ہیں۔ان کی مثال اس بیج کی سی ہے۔جس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سوسودانے ہوں۔ » اس میں مطلق ومقید ہیں۔مطلق وہ کہ جس میں کسی قسم کی تقییدو پابندی نہ ہو۔جیسے

واذ قال موسیٰ لقومہ ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ۔اس موقعہ کو یاد کرو کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہیں اللہ کا یہ حکم ہے کہ تم کوئی سی گائے ذبح کرو۔» اور مقید وہ کہ جس میں تشخص و قیود کی پابندی ہو۔جیسے انہ یقول انھا بقرۃ الادلول تثیرا لارض ولا الحرث اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو۔جو نہ ہل میں جوتی گئی ہو اورنہ اس سے کھیتوں کوسینچا گیا ہو۔» اس میں محکم ومتشابہہ بھی ہیں۔محکم وہ کہ جس میں کوئی گنجلک نہ ہوجیسے ان اللہ علیٰ کل شئیٍ قدیر ۔« بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔» اور متشابہہ وہ کہ جس کے معنی الجھے ہوئے ہوں جیسے الرحمن علے العرش استویٰ« جس کے ظاہر مفہوم سے یہ تو ہم بھی ہوتا ہے کہ وہ جسمانی طور سے عرش پر برقرار ہے۔لیکن مقصود غلبہ وتسلط ہے۔اس میں بعض احکام مجمل ہیں جیسے اقیموا الصلوٰۃ نماز قائم کرو۔» اس میں گہرے مطالب بھی ہیں جیسے وہ آیات کہ جن کے متعلق قدرت کا ارشاد ہے کہ لا یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم ان کی تاویل کو اللہ اور رسول اور علم کی گہرائیوں

میں اترے ہوئے لوگوں کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ پھر ایک دوسرے عنوان سے تفصیل بیان فرماتے ہیں کہ اس میں کچھ کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا جاننا ضروری ہے جیسے فاعلم انه الا اله الا الله۔ اس بات کو جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔» اور کچھ چیزیں وہ ہیں جن کا جاننا ضروری نہیں ہے جیسے ال م وغیرہ اور اس میں کچھ احکام ایسے ہیں جو سنتِ پیغمبر سے منسوخ ہو گئے ہیں۔ جیسے واللاتی یاتین الفاحشة من نساء کم فاشهدو اعلیهن اربعة منکم فان شهدو انا مسکوهن فی البیوت حتی یتو فاهن الموت تمہاری عورتوں میں سے جو بدچلنی کی مرتکب ہوں۔ ان کی بدکاری پر اپنے آدمیوں میں سے چار کی گواہی لو۔ اور اگر وہ گواہی دیں تو ایسی عورتوں کو گھروں میں بند کردو، یہاں تک کہ موت ان کی زندگی ختم کردے۔» یہ سزا اوائل اسلام میں تھی۔ لیکن بعد میں شوہردار عورتوں کے لئے اس حکم کو حکم رجم سے منسوخ کردیا گیا۔ اس میں کچھ احکام ایسے ہیں جن سے سنت پیغمبر منسوخ ہوگئی۔ جیسے فول وجهك شطر المسجد الحرام چاہئے کہ تم اپنا رخ مسجد حرام کی طرف موڑ لو۔» اس سے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم منسوخ کردیا گیا۔ اس میں ایسے احکام بھی ہیں جو صرف مقررہ وقت پر واجب ہوتے ہیں اس کے بعد ان کا وجوب باقی نہیں رہتا۔ جیسے اذا نودی للصلٰوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ جب جمعہ کے دن نماز کے لئے پکارا جائے، تو ذکر الٰہی کی طرف جلدی سے بڑھو۔» اس میں حرام کردہ چیزوں کی تفریق بھی قائم کی گئی ہے۔ جیسے گناہوں کا صغیرہ کبیرہ ہونا۔ صغیرہ جیسے قل للمومنین یغضوا من

ابصارھم ایمان والوں سے کہو کہ وہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور کبیرہ جیسے ومن یقتل مومناً متعمداً فجزاؤہ جھنم خالداً فیھا جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔» اس میں ان اعمال کا بھی ذکر ہے، جنہیں تھوڑا سا بجالانا بھی کفایت کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ بجالانے کی بھی گنجائش ہے۔ جیسے فاقرؤا ماتیسومن القرآن جتنا بآسانی قرآن پڑھ سکو اتنا پڑھ لیا کرو

خطبہ 2

صفین سے پلٹنے کے بعد فرمایا

اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہوں، اس کی نعمتوں کی تکمیل چاہنے اس کی عزت و جلال کے آگے سر جھکانے اور اس کی معصیّت سے حفاظت حاصل کرنے کے لئے اور اس سے مدد مانگتا ہوں اس کی کفایت و دستگیری کا محتاج ہونے کی وجہ سے۔ جسے وہ ہدایت کرے وہ گمراہ نہیں ہوتا، جسے وہ دشمن رکھے۔ اسے کوئی ٹھکانہ نہیں ملتا، جس کا وہ کفیل ہو، وہ کسی کا محتاج نہیں رہتا یہ (حمد اور طلبِ امداد) وہ کفیل ہو، وہ کسی کا محتاج نہیں رہتا یہ (حمد اور طلبِ امداد) وہ ہے جس کا ہر وزن میں آنے والی چیز سے پلہ بھاری ہے اور ہر گنج گراں مایہ سے بہتر و برتر ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جو یکتا و لاشریک ہے ایسی گواہی جس کا خلوص پرکھا جا چکا ہے اور جس کا نچوڑ بغیر کسی شائبے کے دل کا عقیدہ بن چکا ہے۔ زندگی بھر ہم اسی سے وابستہ رہیں گے۔ یہی گواہی ایمان کو مضبوط بنیاد اور حسنِ عمل کا پہلا قدم اور اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ اور شیطان کی دوری کا سبب ہے اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے عبد

اور رسول ہیں۔ جنہیں شہرت یافتہ دین، منقول شدہ نشان، لکھی ہوئی کتاب، ضُوفشاں نور، چمکتی ہوئی روشنی اور فیصلہ کن امر کے ساتھ بھیجا تاکہ شکوک وشبہات کا ازالہ کیا جائے اور دلائل (کے زور) سے حجت تمام کی جائے۔ آیتوں کے ذریعے ڈرایا جائے اور عقوبتوں سے خوف زدہ کیا جائے (اس وقت حالت یہ تھی کہ) لوگ ایسے فتنوں میں مبتلا تھے جہاں دین کے بندھن شکستہ، یقین کے ستون متزلزل، اصول مختلف اور حالات پراگندہ تھے۔ نکلنے کی راہیں تنگ و تاریک تھیں۔ ہدایت گمنام اور ضلالت ہمہ گیر تھی۔ (کھلے خزانوں) اللہ کی مخالفت ہوتی تھی اور شیطان کو مدد دی جارہی تھی ایمان بے سہارا تھا۔ چنانچہ اس کے ستون گر گئے۔ اس کے نشان تک پہچاننے میں نہ آتے تھے۔ اس کے راستے مٹ مٹا گئے، اور شاہراہیں اجڑ گئیں، وہ شیطان کے پیچھے لگ کر اس کی راہوں پر چلنے لگے اور اسکے گھاٹ پر اتُر پڑے۔ انہیں کی وجہ سے اس کے پھریرے ہر طرف لہرانے لگے تھے۔ ایسے فتنوں میں جوانہیں اپنے سموں سے روندتے اور اپنے کھِروں سے کچلتے تھے۔ اور اپنے پنجوں کے بَل مضبوطی سے کھڑے ہوئے تھے۔ تو وہ لوگ ان میں حیران و سرگرداں، جاہل وفریب خوردہ تھے۔ ایک ا ایسے گھر میں جو خود اچھا، مگر اس کے بسنے والے بُرے تھے۔ جہاں نیند کے بجائے بیداری اور سُرمے کی جگہ آنسو تھے۔ اس سرِ زمین پر عالم کے منہ میں لگام تھی۔ اور جاہل معزز وسرفراز تھا (اسی خطبہ کا ایک حصہ جاہل بیت نبی سے متعلق ہے) وہ سرِ خدا کے امین اور اس کے دین کی پناہ گاہ ہیں۔ علمِ الٰہی کے مخزن اور حکمتوں کے مرجع ہیں۔ کتب (آسمانی) کی گھاٹیاں اور دین کے پہاڑ ہیں۔ انہیں کے ذریعے اللہ نے اس کی پشت کا خم

سدھا کیا اور اس کے پہلوؤں سے ضعف کی کپکپی دُور کی (اسی خطبہ کا ایک حصہ جو دوسروں سے متعلق ہے) انھوں نے فسق و فجور کی کاشت کی غفلت و فریب کے پانی سے اسے سینچا اور اس سے ہلاکت کی جنس حاصل کی۔ اس امت میں کسی کو آلِ محمّد پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جن لوگوں پر ان کے احسانات ہمیشہ جاری رہے ہوں۔ وہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ وہ دین کی بنیاد اور یقین کے ستون ہیں۔ آگے بڑھ جانے والے کو ان کی طرف پلٹ کر آنا ہے اور پیچھے رہ جانے والے کو ان سے آ کر ملتا ہے۔ حقِ ولایت کی خصوصیات انہیں کے لئے ہیں اور انہی 2 کے بارے میں «پیغمبر کی» وصیت اور انہی کے لئے (نبی کی) وراثت ہے۔ اب یہ وقت وہ ہے کہ حق اپنے اہل کی طرف پلٹ آیا اور اپنی صحیح جگہ پر منتقل ہو گیا۔

1. اچھے گھر سے مراد مکہ اور برے ہمسایوں سے مراد کفار قریش ہیں۔

2۔ اہلبیت پیغمبر کے متعلق فرماتے ہیں کہ دنیا کی کسی فرد کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کی بلندی درجات میں کسی کو ان کا ہم پایہ سمجھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ دنیا ان کے احسانات کی گراں باریوں میں دبی ہوئی ہے اور انہی سے نعمتِ ہدایت پا کر اخروی نعمتوں کی مستحق ہوئی ہے۔ وہ دین کی اساس و بنیاد اور اس کی زندگی و بقا کا سہارا ہیں۔ وہ علم و یقین کے ایسے محکم ستون ہیں کہ شک و شبہات کے طوفانوں کا دھارا موڑ سکتے ہیں اور افراط و تفریط کی راہوں میں وہ درمیانی راستہ ہیں کہ اگر کوئی غلو و افراط کی حد تک پہنچ جائے یا کوتاہی و تفریط میں پڑ جائے تو ہو جب تک پیچھے ہٹ کر یا آگے بڑھ کر اس جادۂ اعتدال پر نہیں آئے گا۔ اسلام کی

راہ پر آ ہی نہیں سکتا اور انہی میں تمام وہ خصوصیتیں پائی جاتی ہیں جو امامت و قیادت میں ان کے حق کو فائق قرار دیتی ہیں۔ لہذا ان کے علاوہ کسی کو امت کی سرپرستی و نگہبانی کا حق نہیں پہنچتا۔ چنانچہ پیغمبر نے انہی کو اپنا وصی و وارث ٹھہرایا۔ وصیت و وراثت کے متعلق شارح معتزلی نے لکھا ہے کہ امیر المومنین کی وصایت میں تو کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ وراثت سے نیاب و جانشینی کی وراثت مراد نہیں ہے بلکہ وراثتِ علمی مراد ہے۔ اگرچہ فرقہ امامیہ اس سے خلاف و نیاب ہی مراد لیتا ہے اگر بقول ان کے وراثت سے وراثتِ علمی مراد لی جائے۔ جب بھی وہ اپنے مقصد میں کامران ہوتے ہوئے نظر نہیں آتے، کیونکہ اس معنی کی رو سے بھی نیابتِ پیغمبر کا حق کسی دوسرے کو نہیں پہنچتا۔ جب کہ یہ امر مسلم ہے کہ خلافت کے لئے سب سے بڑی ضرورت علم کی ہے۔ اس لئے کہ خلیفۃ الرسول کے اہم ترین فرائض میں سے مقدموں کا فیصلہ کرنا، شریعت کے مسائل حل کرنا، مشکل گتھیوں کو سلجھانا اور شرعی حدود کا اجراء کرنا ہے۔ اگر نائب رسول کے فرائض میں سے ان چیزوں کو الگ کر دیا جائے تو اس کی حیثیت صرف ایک دنیوی حکمران کی رہ جاتی ہے۔ اسے دینی اقتدار کا مرکز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ لہذا یا تو حکومت کو خلافت سے الگ رکھئے یا جو رسول کے علم کا وارث ہو، اسے ہی خلافت کے منصب کا اہل سمجھئے۔ ابنِ ابی الحدید کی یہ تشریح اس صورت میں قابلِ لحاظ ہو بھی سکتی تھی۔ جب یہ فقرہ اکیلا آپ کی زبان پر آیا ہوتا لیکن اس موقعہ کو دیکھتے ہوئے کہ خلافتِ ظاہری کے تسلیم ہونے کے بعد کہا گیا ہے کہ اور پھر اسی کے بعد اسرجع الحق الی اھلہٗ کا فقرہ موجود ہے۔ ان کی یہ تشریح بالکل بے بنیاد معلوم ہوتی ہے بلکہ وصایت سے بھی کوئی اور

وصیت نہیں بلکہ وہ نیابت و خلافت ہی کی وصیت مراد معلوم ہوتی ہے اور وراثت بھی نہ وراثتِ مالی اور نہ وراثتِ علمی، جس کے بیان کا یہ کوئی موقعہ نہیں بلکہ حق امات کی وراثت ہے جو صرف بر بنائے قرابت نہیں بلکہ بر بنائے اوصافِ کمال ان کے لئے منجانب اللہ ثابت تھی۔

خطبہ 3

یہ خطبہ شقشقیہ 1 کے نام سے مشہور ہے

خدا کی قسم! فرزند 2 ابو قحافہ نے پیراہنِ خلافت پہن لیا حالانکہ وہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس کی کیل کا ہوتا ہے میں وہ (کوہِ بلند ہوں) جس پر سے سیلاب کا پانی گزر کر نیچے گر جاتا ہے اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ (اس کے باوجود) میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے پہلوتہی کر لی اور سوچنا شروع کیا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس سے بھیانک تیرگی پر صبر کرلوں جس میں سنِ رسیدہ بالکل ضعیف اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اور مومن اس میں جدوجہد کرتا ہوا اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ مجھے اس اندھیر پر صبر ہی قرینِ عقل نظر آیا۔ لہذا میں نے صبر کیا۔ حالانکہ آنکھوں میں (غبار اندوہ کی) خلش تھی اور حلق میں (غم و رنج) کے پھندے لگے ہوئے تھے۔ میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت ابنِ خطاب کو دے گیا۔ (پھر حضرت نے بطورِ

تمثیل اعشی کا یہ شعر پڑھا3۔)

" کہاں یہ دن جو ناقہ کے پالان پر کٹتا ہے اور کہاں وہ دن جو حیان برادر جابر کی صحبت میں گزرتا تھا۔"

تعجب ہے کہ وہ زندگی میں تو خلافت سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا۔لیکن اپنے مرنے کے بعد اس کی بنیاد دوسرے کے لئے استوار کرتا گیا۔ بے شک ان دونوں نے سختی کے ساتھ خلافت کے تھنوں کو آپس میں بانٹ لیا۔ اس نے خلافت کو ایک سخت و درشت محل میں رکھ دیا۔جس کے چرکے کاری تھے۔جس کو چھو کر بھی درشتی محسوس ہوتی تھی۔ جہاں بات بات میں ٹھوکر کھانا اور پھر عذر کرنا تھا۔جس کا اس سے سابقہ پڑے ہوا ایسا ہے جیسے سرکش اونٹنی کو سوار کہ اگر مہار کھینچتا ہے تو (اس کی منہ زوری سے)اس کی ناک کا درمیانی حصہ ہی شگافتہ ہوا جاتا ہے جس کے بعد مہار دینا ہی ناممکن ہو جائے گا)اور اگر باگ کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس کے ساتھ مہلکوں میں پڑ جائے گا۔ اس کی وجہ سے بقائے ایزد کی قسم ! لوگ کجروی، سرکشی، متلون مزاجی اور بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے میں نے اس طویل مدت اور شدید مصیبت پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ دوسرا بھی اپنی راہ لگا، اور خلافت 4 کو ایک جماعت میں محدود کر گیا۔اور مجھے بھی اس جماعت کا ایک فرد خیال کیا۔ اے اللہ مجھے اس شوریٰ سے کیا لگاؤ؟ ان میں کے سب سے پہلے کے مقابلہ ہی میں میرے استحقاق وفضیلت میں کب شک تھا جو اب ان لوگوں میں میں بھی شامل کر لیا گیا ہوں۔ مگر میں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جب وہ زمین کے نزدیک پرواز کرنے لگیں تو میں بھی ایسا ہی کرنے لگوں اور جب وہ اونچے ہو کر اڑنے

لگیں تو میں بھی اسی طرح پرواز کروں (یعنی حتی الامکان کسی نہ کسی صورت سے نباہ کرتا رہوں۔) ان میں سے ایک شخص تو کینہ وعناد کی وجہ سے مجھ سے منحرف ہو گیا اور دوسرا مادی اور بعض نا گفتہ بہ باتوں کی وجہ سے ادھر جھک گیا۔ یہاں تک کہ اس قوم کا تیسرا شخص پیٹ پھلائے سرگین اور چارے کے درمیان کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ اس کے بھائی بند اٹھ کھڑے ہوئے۔ جو اللہ کے مال کو اس طرح نگلتے تھے جس طرح اونٹ 5 فصلِ ربیع کا چارہ چرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا۔ جب اس کی بٹی ہوئی رسی کے بَل کھِل گئے اور اس کی بداعمالیوں نے اسی کا کام تمام کر دیا۔ اور شکم پری نے اسے منہ کے بل گرا دیا۔ اس وقت مجھے لوگوں کے ہجوم نے دہشت زدہ کر دیا جو میری جانب بجو کے ایال کی طرح ہر طرف سے لگاتار بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ عالم یہ ہوا کہ حسن اور حسین کچلے جا رہے تھے اور میری ردا کے دونوں کنارے پھٹ گئے تھے وہ سب میرے گرد بکریوں کے گلے کی طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ مگر اس کے باوجود جب میں امر خلافت کو لے کر اٹھا تو ایک گروہ نے بیعت توڑ ڈالی اور دوسرا دین سے نکل گیا اور تیسرے گروہ نے فسق اختیار کر لیا۔ گویا انہوں نے اللہ کا یہ ارشاد سنا ہی نہ تھا کہ «یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے قرار دیا ہے جو دنیا میں نہ (بے جا) بلندی چاہتے ہیں نہ فساد پھیلاتے ہیں۔ اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لئے ہے۔» ہاں ہاں خدا کی قسم! ان لوگوں نے اس کو سنا تھا اور یاد کیا تھا۔ لیکن ان کی نگاہوں میں دنیا کا جمال کھب گیا اور اس کی سج دھج نے انہیں لبھا دیا۔ دیکھو اس ذات کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں۔ اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی

اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علماء سے لے رکھا ہے۔ کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون و قرار سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ ڈور اسی کے کندھے پر ڈال دیتا اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اس کے اوّل کو سیراب کیا تھا اور تم پانی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ نا قابلِ اعتنا پاتے۔

لوگوں کا بیان ہے کہ جب حضرت خطبہ پڑھتے ہوئے اس مقام تک پہنچے تو ایک عراقی باشندہ آگے بڑھا اور ایک نوشتہ حضرت سامنے پیش کیا، آپ اسے دیکھنے لگے۔ جب فارغ ہوئے تو ابنِ عباس نے کہا یا امیرالمومنین آپ نے جہاں سے خطبہ چھوڑا تھا۔ وہیں سے اس کا سلسلہ آگے بڑھائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اے ابن عباس یہ تو شقشقہ (گوشت کا وہ نرم لوتھڑا، جو اونٹ کے منہ سے مستی و ہیجان کے وقت نکلتا ہے) تھا جو ابھر کر دب گیا۔ ابن عباس کہتے تھے کہ مجھے کسی کلام کے متعلق اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا اس کلام کے متعلق اس بنا پر ہوا کہ حضرت وہاں تک نہ پہنچ سکے جہاں تک وہ پہنچنا چاہتے تھے علامہ رضی کہتے ہیں کہ خطبے کے ان الفاظ کو کاب الصعبۃ ان اشنق لھا خرم وان اسلس لھا تقحم سے مراد یہ ہے کہ سوار جب مہار کھینچنے میں ناقہ پر سختی کرتا ہے تو اس کھینچا تانی میں اس کی ناک زخمی ہوئی جاتی ہے اور اگر اسکی سرکشی کے باوجود باگ کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے تو وہ اسے کہیں نہ کہیں گرا دیگی اور اس کے قابو سے باہر ہو جائے گی۔ اشنق الناقہ اس وقت بولا جاتا ہے۔ جب سوار باگوں کو کھینچ کر اس کے سر کو اوپر کی طرف اٹھائے اور اسی طرح اشنق الناقہ استعمال ہوتا

ہے۔ ابن سکیت نے اصلاح المنطق میں اس کا ذکر کیا ہے حضرت نے اشنقھا کے بجائے اشنق لھا استعمال کیا ہے۔ چونکہ آپ نے یہ لفظ اسلس لھا کے بالمقابل، استعمال کیا ہے۔ اور سلاست اسی وقت باقی رہ سکتی تھی۔ جب ان دونوں لفظوں کا نہج استعمال ایک ہو۔ گویا حضرت ان اشنق لھا کو ان رفع لھا کی جگہ استعمال کیا ہے یعنی اس کی باگیں اوپر کی طرف اٹھا کر روک رکھے۔

1. یہ خطبہ، خطبہ شقشقیہ کے نام سے موسوم اور امیر المومنین علیہ السلام کے مشہور ترین خطبات میں سے ہے۔ جسے آپ نے مقامِ وجہ میں ارشاد فرمایا۔ اگر چہ بعض متعصب و تنگ نظر افراد نے اس کے کلام علی ہونے سے انکار کیا ہے اور اسے سید رضی کی طرف منسوب کر کے ان کے مسلمہ امانت و دیانت پر حرف رکھا ہے مگر حقائق پسند علماء نے اس کی صحت سے کبھی انکار نہیں کیا اور نہ انکار کی کوئی وجہ ہوسکتی ہے۔ جب کہ خلافت کے معاملہ میں امیر المومنین کا اختلاف کوئی ڈھکی چھپی ہوئی چیز نہیں ہے کہ اس قسم کے تعریضات کو بعدی سمجھا جائے اور پھر جن واقعات کی طرف اس خطبہ میں ارشادات کئے گئے ہیں۔ تاریخ انہیں اپنے دامن میں محفوظ کئے ہوئے ہے۔ اور بے کم و کاست ایک ایک حرف کی تصدیق اور ایک ایک جملہ کی ہمنوائی کرتی ہے تو جن واقعات کو مؤرخ کی زبانِ قلم بیان کرسکتی ہے وہی واقعات امیر المومنین کی نوک زبان پر آجائیں تو اس سے انکار کی کیا وجہ اور پیغمبر کے بعد جن نامساعد حالات سے آپ کو دو چار ہونا پڑا۔ اگر ان کی یاد سے کام و دہن تلخ ہوجائیں تو اس میں حیرت و استعجاب

ہی کیا ہے؟ بے شک اس سے بعض شخصیتوں کے وقار کو صدمہ پہنچتا ہے اور ان سے عقیدت و ارادت کو بھی دھچکا لگتا ہے۔ مگر اس کے کلام امیر المومنین ہونے سے انکار کر دینے سے اسے سنبھالا نہیں جا سکتا۔ جب تک اصل واقعات کا تجزیہ کر کے حقیقت کی نقاب کشائی نہ کی جائے۔ ورنہ محض اس بنا پر کہ اس میں چونکہ بعض افراد کی تنقیص ہے اس کے کلام امیر المومنین ہونے سے انکار کر دینا کوئی وزن نہیں رکھتا۔ جب کہ اس قسم کے تعریضات دوسرے ادباء و مورّخین نے بھی نقل کئے ہیں۔ چنانچہ عمرو ابنِ بحر جاحظ نے امیر المومنین کے ایک خطبے کے یہ الفاظ بھی درج کئے ہیں جو خطبہ شقشقیہ کی کسی نکتہ چینی سے وزن میں کم نہیں ہیں۔

"وہ دونوں گذر گئے اور تیسرا کوے کے مانند اٹھ کھڑا ہوا۔ جس کی ہمتیں پیٹ تک محدود تھیں۔ کاش اس کے دونوں پَر کتر دیتے ہوتے اور اس کا سر کاٹ دیا ہوتا تو یہ اس کے لئے بہتر ہوتا۔"

لہذا یہ خیال کہ یہ سید رضی کا گڑھا ہوا ہے۔ دُور از حقیقت اور عصبیت و جنبہ داری کا نتیجہ ہے۔ اور اگر یہ انکار کسی تحقیق و کاہش کا نتیجہ ہے تو اسے پیش کرنا چاہئے ورنہ اس قسم کی خوش فہمیوں میں پڑے رہنے سے حقائق اپنا رخ نہیں بدلا کرتے اور نہ ناک بھوں چڑھانے سے قطعی دلائل کا زور دُب سکتا ہے۔ اب ہم ان علماء محدثین کی شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ جنہوں نے اس کے کلامُ امیر المومنین ہونے کی صراحت کی ہے تا کہ اس کی تاریخی اہمیت واضح ہو جائے۔ ان علماء میں کچھ وہ ہیں۔ جن کو دور سید رضی سے پیشتر تھا اور کچھ ان کے ہم عصر ہیں

اور کچھ وہ ہیں جو ان کے بعد آئے اور اپنے اپنے سلسلہ سند سے اسے روایت کیا ہے۔

(۱) ابن ابی الحدید معتزلی تحریر کرتے ہیں کہ ہم سے ہمارے استاد مصدق ابن شبیب واسطی نے فرمایا کہ میں اس خطبہ کو شیخ ابو محمد عبد الہ ابن احمد سے کہ جو ابنِ خشاب کے نام سے مشہور ہیں پڑھا اور جب اس مقام پر پہنچا کہ (جہاں ابنِ عباس نے اس خطبہ کے نامکمل رہ جانے پر اظہار افسوس کیا ہے) تو ابنِ خشاب نے مجھ سے کہا کہ اگر میں ابنِ عباس سے افسوس کے کلمات سنتا تو ان سے ضرور کہتا کہ کیا آپ کے چچیرے بھائی کے جی میں ابھی کوئی حسرت رہ گئی ہے جو انہوں نے پوری نہ کی ہو۔ انہوں نے تو رسول کے علاوہ نہ اگلوں کو چھوڑا ہے نہ پچھلوں کو۔ جو کہنا چاہتے تھے سب کہہ ڈالا۔ اب افسوس کا ہے کا، کہ وہ اتنا نہ کہہ سکے جتنا کہنا چاہتے تھے۔ مصدق کہتے ہیں کہ ابن خشاب بڑے زندہ دل اور خوش مذاق تھے۔ میں نے کہا کیا آپ کا بھی یہی خیال ہے کہ یہ گڑھا ہوا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے تو اس کے کلام امیر المومنین ہونے کا اتنا ہی یقین ہے جتنا یہ کہ تم مصداق ابنِ شبیب ہو۔ میں نے کہا کہ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ رضی کا کلام ہے۔ فرمایا کہ بھلا رضی یا کسی اور میں یہ دم کہاں اور یہ انداز بیان کہاں۔ ہم نے رضی کی تحریریں دیکھی ہیں اور ان کے طرزِ نگارش و اندازِ تحریر سے آگاہ ہیں۔ کہیں بھی ان کا کلام سے میل نہیں کھاتا اور میں تو اسے ان کتابوں میں دیکھ چکا ہوں کہ جو سید رضی کے پیدا ہونے سے دو سو برس پہلے لکھی ہوئی ہیں، اور جانی پہنچانی ہوئی تحریروں میں میری نظر سے گزر چکا ہے کہ جن کے متعلق میں جانتا ہوں کہ وہ کن علماء اور کن ادباء کی لکھی ہوئی ہیں۔ اس وقت رضی تو کیا۔ ان کے باپ ابو احمد نقیب

بھی پیدا نہ ہوئے تھے۔

(۲) پھر تحریر کرتے ہیں کہ میں نے اس خطبہ کو اپنے شیخ ابوالقاسم بلخی (متوفی 713ھ) کی تصنیفات میں دیکھا ہے یہ مقتدر باللہ کے عہدِ حکومت میں بغداد کی جماعت معتزلہ کے امام تھے اور مقتدر کا دورِ رضی کے پیدا ہونے سے بہت پہلے تھا۔

(۳) پھر تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے اس خطبہ کو ابوجعفر ابنِ قبہ کی کتاب الانصاف میں دیکھا ہے۔ یہ ابوالقاسم بلخی کے شاگرد اور فرقہ امامیہ کے متکلمین میں سے تھے۔(شرح ابن ابی الحدید جلد1 ص96)۔

(۴) ابن میثم بحرانی اپنی شرح میں لکھتے ہی ں کہ میں نے اس خطبہ کا ایک نسخہ ایسا دیکھا ہے جس پر مقتدر باللہ کے وزیر ابوالحسن علی ابن محمد ابن الفرات (متوفی 213ھ) کی تحریر تھی۔

(۵) علامہ مجلسی علیہ الرحمتہ نے شیخ قطب الدین راوندی کی تصنیف منہاج البراعہ فی شرح نہج البلاغہ سے اس سلسلہ بند کو نقل کیا ہے۔" حافظ ابوبکر ابن مردویہ اصفہانی نے سلیمان ابن احمد طبرانی سے اس نے احمد ابنِ علی ابار سے اور اس نے اسحاق ابن سعید ابوسلمہ دمشقی سے اور

اس نے خلید ابن علج سے اور اس نے عطا ابن رباح سے اور اس نے ابن عباس سے اسے روایت کیا ہے۔(بحارالانوار ج8 ص161)"۔

(۶)علامہ مجلسی نے اس کے ذیل میں تحریر کیا ہے کہ یہ خطبہ ابوعلی جبائی (متوفی 303ءھ کے مصنفات میں بھی ہے۔

(۷)علامہ مجلسی نے اسی استناد کے سلسلے میں تحریر کیا ہے۔قاضی عبدالجبار جو متعصب معتزلی تھے۔اپنی کتاب مغنی میں اس خبطہ کے بعض کلمات کی توجیہہ وتاویل کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس سے پہلے خلفا پر کوئی زد نہیں پڑتی مگر اس کے کلام امیرالمومنین ہونے سے انکار نہیں کرتے۔

(۸)ابوجعفر محمد ابن علی ابن بابویہ متوفی ۳۸۱ئھ تحریر فرماتے ہیں: ہم سے محمد بن ابراہیم ابنِ اسحاق طالقانی نے بیان کیا۔اس نے کہا کہ مجھ سے عبدالعزیز ابن یحیٰ جلودی نے بیان کیا اور اس نے کہا کہ مجھ سے ابوعبداللہ ابن عمار بن خالد نے بیان کیا اور اس نے کہا کہ مجھ سے یحیٰ ابن عبدالحمید حمانی نے بیان کیا اور اس نے کہا کہ مجھ سے عیسیٰ ابنِ راشد نے اور اس نے علی ابن حذیفہ سے اور اس نے عکرمہ سے اور اس نے ابنِ عباس سے روایت کیا۔

(۹) پھر ابنِ بابویہ اس سلسلہ سند کو درج کرتے ہیں۔ ہم سے محمد ابنِ علی ماجیلویہ نے اس نے اپنے چچا محمد ابن ابی القاسم سے اس نے احمد ابن ابی عبداللہ برقی سے اس نے اپنے باپ سے، اس نے ابن عمیر سے اس نے ابان ابن عثمان سے اس نے ابان ابن تغلب اس نے عکرمہ سے اور اس نے ابنِ عباس سے اسے رویت کیا ہے۔

(۱۰) حسن ابن عبداللہ ابن سعید العسکری ۳۸۲ء ھ نے کہ جو اکابر علمائے اہلسنت سے ہیں اس خطبہ کی توضیح وتشریح کی ہے جسے ابنِ بابویہ نے علل اشرائع اور معانی الاخبار میں درج ہے۔

(۱۱) سید نعمت اللہ جزائری علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:۔ صاحب کتاب الغارات وابو اسحاق ثقفی نے اپنے سلسلہ سند کے ساتھ اسے نقل کیا ہے۔ اس کتاب کی تصنیف سے فراغت کی۔ تاریخ 31 شوال 553 ئھ روز سہ شنبہ ہے اور اسی سال سید مرتضی موسوی پیدا ہوئے۔ اور یہ اپنے بھائی سید رضی سے عمر میں بڑے تھے۔

(۱۲) سید علی ابن طاؤس علیہ الرحمۃ نے کتاب الغارات سے اس سلسہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے محمد نے اور اس نے حسنِ ابنِ علی زعفرانی سے اور اس نے محمد ابن زکریا قلابی سے اور اس نے یعقوب ابن جعفر ابن سُلیمان سے اور اس نے اپنے باپ سے اور اس نے اپنے جد سے اور اس نے ابنِ عباس سے روایت کیا ہے۔

(۱۳) شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی متوفی ۴۶۰ ھ تحریر فرماتے ہیں:۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے حفار نے اور اس نے ابوالقاسم وعبلی سے اور اس نے اپنے باپ سے اور اس نے اپنے بھائی وعبل سے اور اس نے محمد ابن سلامہ شامی سے اور اس نے زرراہ ابن اعین سے اور اس نے اوب جعفر محمد ابن علی سے اور انہوں نے ابنِ عباس سے اسے روایت کیا ہے۔

(۱۴) شیخ مفید متوفی ۴۱۶ ھ کو جو جناب سید رضی کے استاد تھے۔ اس خطبہ کے سلسلہ سند کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔ رواۃ کی ایک جماعت نے مختلف سلسلوں سے اس کو ابن عباس سے روایت کیا ہے۔

(۱۵) علم الہدائ سید مرتضی کہ جو سید مرتضی کے بڑے بھائی تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب شافی ۳۹۲ پر اسے درج کیا ہے۔

(۱۶) ابومنصور طبرسی تحریر کرتے ہیں:۔ رواۃ کی ایک جماعت نے مختلف سلسلوں سے اس کو ابنِ عباس سے روائت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں مقامِ رحبہ میں امیرالمؤمنین کے پاس موجود تھا کہ خلافت کا اور ان لوگوں کا کہ جو آپ سے پہلے خلیفہ گزرے تھے ذکر چھیڑا تو آپ نے آہ بھری اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

(۱۷)عبدارحمن ابن جوزی تحریر کرتے ہیں :۔ ہمارے شیخ ابو القاسم انباری نے اپنے سلسلہ سند سے کہ جو ابن عباس تک منتہی ہوتا ہے۔اس خطبہ کو ان سے نقل کیا فرمایا کہ جب امیرالمومنین کی بیعت ہو چکی تو آپ منبر پر رونق افروز تھے کہ ایک شخص نے کہا کہ امیرالمومنین آپ خاموش کیوں بیٹھے رہے تو آپ نے برجستہ یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

(۱۸) قاضی احمد شہاب خفاجی استشہاد کے سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں : امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے کلام میں وارد ہوا ہے کہ تعجب ہے کہ وہ زندگی میں تو خلافت سے دستبردار ہونا چاہتا تھا،لیکن مرنے کے بعد اس کی بنیاد دوسروں کے لئے مضبوط کرتا گیا۔

(۱۹) شیخ علاوالدولہ احمد ابن محمد السمنانی تحریر کرتے ہیں : امیر المومنین سید العارفین علی علیہ السلام نے اپنے ایک درخشاں خطبے میں فرمایا ہے تلک شقشقۃ ھدرت ۔

(۲۰)ابولفضل میدانی نے لفظ شقشقیہ کے ذیل میں لکھا ہے:امیرالمومنین علی کا ایک خطبہ خطبہ شقشقیہ کے نام سے مشہور ہے۔

(۲۱)نہایہ میں ابنِ اچیر جزری نے پندرہ مقامات پر اس خطبہ کے الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے اس کے کلام امیرالمومنین ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

(۲۲) شیخ محمد طاہر پٹنی نے مجمع بحارالانوار میں انہی الفظ کے معانی لکھتے ہوئے منہ حدیث علی کہہ کراس کے کلام امیرالمومنین ہونے کی توثیق کی ہے۔

(۲۳)ابوالفضل ابن منظور نے لسان العرب جلد 21 صفحہ 45 میں فی حدیث علی نی خطبۃ لہ تلک شقشقۃ ھدرت ثم قرت کہہ کراس کے کلام علی ابن ابی طالب ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

(۲۴) فیروزآبادی نے قاموس میں لفظ شقشقہ کے ذیل میں لکھا ہے: خطبہ شقشقیہ حضرت علی کا کلام ہے، جسے شقشقیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب ابنِ عباس نے آپ سے عرض کیا کہ آپ اپنے کلام کا سلسلہ وہاں سے شروع کریں جہاں تک آپ نے اسے پہنچایا تھا تو آپ نے فرمایا اے ابن عباس اب کہاں وہ تو ایک شقشقہ یعنی ایک ولولہ و جوش تھا جو اُبھرا اور تھم گیا۔

(۲۵) صاحب منتہی الارت تحریر کرتے ہیں۔ «خطبہ شقشقیہ علوی است۔ منسُوب بہ علی کرم اللہ وجہہ»۔

(۲۶) مفتی مصر شیخ محمد عبدہ نے اسے کلامِ امیرالمومنین تسلیم کرتے ہوئے اس کی شرح کی ہے۔

(۲۷) محمد محی الدین عبدالحمید فی کلیۃ اللغتہ العربیہ (جامع الازہر) نے نہج البلاغہ پر حواشی تحریر کئے ہیں اور اس کے پہلے ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں تمام ایسے خطبوں کو جن میں تعریضات پائے جاتے ہیں۔ امیرالمومنین کا کلام تسلیم کیا ہے۔ ان مستند شہادتوں اور نا قابلِ انکار گواہیوں کے بعد اس کی کیا گنجائش ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ امیرالمومنین کا کلام نہیں اور سید رضی نے خود گھڑ لیا ہے۔

۲۔ امیرالمومنین علیہ السلام نے حضرت ابوبکر کے سریر آرائے خلافت ہونے کو بطور استعارہ خلافت کا لبادہ اوڑھ لینے سے تعبیر کیا ہے اور یہ ایک عمدہ استعارہ ہے۔ چنانچہ جب حضرت عثمان کو خلافت سے دستبردار ہونے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے فرمایا لا انزع قمیصاً قمصنیہ اللہ میں اس قمیض کو نہیں اتاروں گا، جو اللہ نے مجھے پہنا دی ہے۔ بیشک امیرالمومنین نے اس قمیض پہنانے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں دی ہے بلکہ خود ان کی طرف دی ہے کیونکہ ان کی خلافت باتفاق کل منجانب اللہ نہ تھی بلکہ بطور خود تھی۔ چنانچہ حضرت فرماتے ہیں کہ فرزند ابوقحافہ نے زبردستی جامہ خلافت پہن لیا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ خلافت جامہ بود کہ برقامت من دوختہ بود اور اس میں میری وہی حیثیت تھی جو چکی میں کیل کی ہوتی ہے کہ نہ تو

اس کے بغیر وہ اپنے محور پر قائم رہ سکتی ہے اور نہ اس کا کوئی مصرف ہی باقی رہ جاتا ہے۔ یونہی میں خلافت کا مرکزی نقطہ تھا کہ اگر میں نہ ہوتا تو اس کا تمام نظام اپنے محور سے ہٹ جاتا اور میں ہی تھا جو اس کے نظم وضبط کا محافظ بن کر ہر آڑے وقت پر صحیح رہنمائی کرتا تھا۔ میرے سینہ سے علم کے دھارے امنڈتے تھے۔ جو ہر گوشہ کو سیراب کرتے تھے اور میرا پایا اتنا بلند تھا کہ طائرِ فکر بھی وہاں تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ مگر دنیا والوں کا ذوقِ جہانبانی میرے حق کے لئے سنگِ راہ بن گیا۔ اور مجھے گوشہ عزلت اختیار کرنا پڑا۔ چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرے پھیلے ہوئے تھے اور بھیانک ظلمتیں چھائی ہوئی تھیں۔ بچے بوڑھے ہو گئے اور بوڑھے قبروں میں پہنچ گئے۔ مگر یہ صبر آزمادہ دور ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ میں برابر اپنی آنکھوں سے اپنی میراث کو لٹتے ہوئے دیکھتا رہا اور جامِ خلافت کے دست بدست گردش کرنے کا منظر میری نظروں کے سامنے رہا۔ لیکن میں صبر کے تلخ گھونٹ پیتا رہا۔ اور بے سروسامانی کی وجہ سے ان کی درازدستیوں کو نہ روک سکا۔

خلیفۃُ الرسُول کی ضرورت اور اُس کا طریق تعین

پیغمبرِ اسلام کے بعد ایک ایسی ہستی کا وجود ناگزیر تھا جو امت کا شیرازہ بکھرنے نہ دے اور شریعت کو تبدیل وتحریف اور ان لوگوں کی دستبرد سے بچائے رکھے، جو اسے توڑ مروڑ کر اپنی خواہشوں کے مطابق ڈھال لینا چاہتے ہوں۔ اگر اس کی ضرورت ہی سے انکار کر دیا جائے تو پھر پیغمبر کے بعد ان کی نیابت وجانشینی کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دینے کے کوئی معنی نہیں رہتے کہ ان کی تجہیز وتکفین پر سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع کو مقدم سمجھ لیا جائے اور اگر اس کی

ضرورت ثابت ہے تو کیا پیغمبر کو بھی اس کی ضرورت و اہمیت کا احساس تھا یا نہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اس طرف متوجہ ہی نہیں ہو سکے کہ انہیں اس کی ضرورت یا عدم ضرورت کا احساس ہوتا تو پیغمبر کے ذہن کو ارتداد کی فتنہ انگیزیوں اور بدعتوں کی کارفرمائیوں کی خبر دینے کے باوجود ان کی روک تھام کی فکر و تدبیر سے خالی سمجھ لینا عقل و بصیرت سے محرومی کی سب سے بڑی دلیل ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ احساس تو تھا مگر مصلحت کی بناء پر اسے غیر طے شدہ چھوڑ جانے پر مجبور تھے۔ تو اس صورت میں اس مصلحت کو زیر نقاب رہنے کے بجائے کُھل کر سامنے آنا چاہیئے ورنہ بے وجہ خاموشی فرائض نبوت میں کوتاہی سمجھی جائے گی اور اگر کوئی مانع تھا تو اس مانع کو پیش کرنا چاہیئے، ورنہ اسے تسلیم کیجیئے کہ جس طرح آپ نے دین کا کوئی شعبہ ادھورا نہیں چھوڑا۔ اسے بھی نا تمام نہیں رہنے دیا اور ایک ایسا لائحہ عمل تجویز فرما دیا کہ جس کے بروئے کار لانے سے دین دوسروں کی دستبرد و استیلا سے محفوظ رہ سکتا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ لائحہ عمل اور طریق کار کیا تھا۔ اگر اجماع امت کو پیش کیا جائے تو اس کے وقوع پذیر ہونے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اجماع میں ایک ایک فرد کا اتفاق رائے ضروری ہوتا ہے اور انسانی طبائع کے اختلاف کو دیکھتے ہوئے یہ ناممکن ہے کہ وہ ایک نقطہ نظر پر متفق ہو جائیں اور نہ ایسی کوئی مثال ملتی ہے کہ جہاں ایسے مواد پر اختلاف کی کوئی آواز نہ اٹھی ہو تو پھر کیونکہ ایک ایسی بنیادی ضرورت کو ایک ناممکن الوقوع امر سے وابستہ کیا جا سکتا ہے کہ جس پر اسلام کے مستقبل کا انحصار اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا دارومدار ہو لہٰذا نہ عقل اس معیار کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے اور نہ نقل ہی اس سے ہمنوا ہے چنانچہ قاضی عضد الدین نے

مواقف میں تحریر کیا ہے۔

تمہیں جاننا چاہیئے کہ خلافت کا انعقاد اجماع پر منحصر نہیں۔ کیونکہ اس پر کوئی عقلی و نقلی دلیل قائم نہیں ہوسکتی۔

بلکہ مدعیان اجماع نے بھی جب یہ دیکھا کہ تمام راویوں کا متفق ہونا مشکل ہے تو اقلیت کے اختلاف کو نظر انداز کر کے اکثریت کے اتفاق کو اجماع کے قائم مقام ٹھہرالیا، لیکن اس صورت میں بھی اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ حق و ناحق اور جائز ناجائز وسائل کا زور اکثریت کا دھارا ادھر موڑ دیتا ہے کہ جہاں نہ شخصی فضیلت ہوتی ہے اور نہ ذاتی قابلیت جس کے نتیجہ میں اہل افراد دبکے پڑے رہ جاتے ہیں اور نااہل افراد ابھر کر سامنے آجاتے ہیں تو جہاں صلاحیتیں پھڑ پھڑا کر رہ جائیں اور ذاتی غرضیں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جائیں وہاں کسی صحیح شخصیت کے انتخاب کی کیونکہ توقع کی جاسکتی ہے اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ تمام رائے دینے والے ایسے افراد ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کی رائے آزاد اور بے لاگ ہے۔ نہ ان میں کوئی صاحب غرض ہے نہ کسی کی رو رعایت رکھتا ہے تو بھی یہ کہاں ضروری ہے کہ کثریت کا ہر فیصلہ صحیح ہو اور وہ بھٹک کر غلط راہ پر آ ہی نہ سکے۔ جب کہ مشاہدہ بتا رہا ہے کہ اکثریت نے تجربہ کے بعد خود اپنے فیصلوں کو غلط بھی ٹھہرایا ہے تو اگر اکثریت کا ہر فیصلہ صحیح ہی ہوتا ہے تو اس کے پہلے فیصلہ کو غلط ماننا پڑے گا۔ کیونکہ اس کو غلط قرار دینے کا فیصلہ بھی اسی کا فیصلہ ہے۔ اندریں حالات اگر خلیفہ و جانشین کا غلط انتخاب ہو گیا تو اس غلطی کے مہلک نتائج کا کون ذمہ

دار ہوگا۔ اور اسلام کی ہیئت اجتماعیہ کی تباہی و بربادی کا مظلمہ کس کی گردن پر آئے گا اور پھر انتخاب کی ہنگامہ آرائیوں اور شورش انگیزیوں میں جو خونریزی وفساد برپا ہوگا وہ کس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ جب کہ بزمِ اَدب آموز کے بیٹھنے والوں کو بھی دیکھا جا چکا ہے کہ وہ باہم آویزیوں سے نہ بچ سکے تو کسی اور کا دامن کیا بچ سکتا ہے۔ اگر ان مقاصد سے بچنے کے لئے اسے اہلِ حل وعقد پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنی صوابدید سے کسی ایک کو منتخب کرلیں، تو یہاں بھی وہی انتشار وکشمکش کی صورت پیش آئے گی۔ کیونکہ انسانی طبیعتوں کا یہاں بھی ہم آہنگ ہونا ضروری نہیں ہے اور نہ انہیں ذاتی اغراض کی سطح سے بلند قرار دیا جا سکتا ہے۔ جب کہ یہاں تصادم اور ٹکراؤ کے اسباب اور زیادہ قوی ہیں۔ کیونکہ ان میں سے سب نہیں تو اکثر خود اس منصب کے امیدوار ہوں گے اور اپنی کامیابی کے لئے حریف کو زک پہنچانے کی کوئی تدبیر اٹھا نہ رکھیں گے اور جس طرح بن پڑے گا اس کی راہ میں روڑے اٹکائیں گے۔ جس کا لازمی نتیجہ باہم آویزی وفتنہ انگیزی ہوگا۔ تو جس اختلاف وکشمکش سے بچنے کے لئے یہ صورت پیدا کی گئی تھی۔ اس سے بچاؤ نہ ہو سکے گا اور امت کسی صحیح فرد تک پہنچنے کے بجائے دوسروں کے ذاتی مفاد کا آلہ کار بن کر رہ جائے گی اور پھر یہ کہ اہل حل وعقد کا معیار کیا ہوگا؟ وہی جو ہر زمانہ میں آرہا ہے کہ جس نے چند ہوا خواہ جمع کر لئے اور کسی اجتماع میں چند مخصوص پرجوش لفظیں دہرا کر ہلڑ مچوا دیا وہ ابھر کر اہل حل وعقد کی صف میں آ گیا۔ یا صلاحیتوں کو بھی پرکھا جائے گا۔ اگر صلاحیتوں کو جانچنے اور پرکھنے کا ذریعہ یہی رائے عامہ ہے تو پھر وہی الجھنیں اور کشمکشیں یہاں بھی پیدا ہو جائیں گی، جن سے بچنے کے لئے یہ راہ اختیار کی گئی تھی

اور اگر کوئی اور معیار ہے تو اس پر ان کی صلاحیتوں کو پرکھنے کے بجائے خود اس کی صلاحیت کو کیوں پرکھ لیا جائے کہ جسے اس منصب کا اہل سمجھا جا رہا ہے اور پھر یہ کہ کتنے اہل حل وعقد کا فیصلہ سند سمجھا جائے گا، تو یہاں بھی معمول کے مطابق جو ایک دفعہ ہو گیا وہ ہمیشہ کے لئے سند بن گیا۔ اور جتنے اہل حل وعقد نے کبھی کوئی فیصلہ کیا تھا وہ تعداد حجت بن گئی۔ چنانچہ قاضی عضدالدین تحریر فرماتے ہیں: بلکہ اہل حل وعقد میں سے ایک دو فردوں کا کسی کو نامزد کر لینا کافی ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ صحابہ نے جو دین کے سختی سے پابند تھے، اسی پر اکتفا کی۔ جیسا کہ عمر نے ابو بکر کو اور عبدالرحمن ابن عوف نے عثمان کو منتخب کیا۔

لیجئے یہ ہے سقیفہ بنی ساعدہ کے اجماع کی کارگزاری اور بزمِ شوریٰ کی گرم بازاری کہ ایک ہی شخص کے کارنامہ کا نام اجماع اور ایک ہی فرد کی کارفرمائی کا نام شوریٰ رکھ دیا گیا۔ حضرت ابو بکر نے اس حقیقت کو خوب سمجھ لیا تھا۔ کہ اجماع ایک آدھ ہی کی رائے کا نام ہوا کرتا ہے جیسے بھولے بھالے عوام کے سر منڈھ دیا جاتا ہے۔ اس لئے انہوں نے اجماع وشوریٰ کا رنگ چڑھائے بغیر علانیہ حضرت عمر کو نامزد کر کے اجماع کی پابندی کثرت رائے کے معیار اور شورائی طریق انتخاب کو نظر انداز کر دیا اور حضرت عائشہ کے نزدیک بھی خلافت کو امت یا چند مخصوص افراد کی رائے پر چھوڑ دینا فتنہ وفساد کو دعوت دینے کے ہم معنی تھا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عمر کو بسترِ مرگ پر یہ پیغام بھجوایا۔ اُمّت محمد کو بغیر کسی پاسبان کے نہ چھوڑ جایئے۔ اس پر کسی کو خلیفہ مقرر کرتے جایئے اور اسے بے مہار نہ چھوڑ یئے۔ کیونکہ اس صورت میں مجھے اس کے متعلق فتنہ وشر کا اندیشہ ہے۔

جب انتخاب اہل حل وعقد کا طریقہ بھی کامیاب نہ ہوا تو اسے بھی ختم کر دیا گیا اور صرف « ہر کہ شمشیر زند سکہ بنا مش خوانند معیار بن کر رہ گیا یعنی جو دوسروں کو اپنے اقتدار کی گرفت اور تسلط کے بندھن میں جکڑ لے، وہی خلیفہ برحق اور جانشین پیغمبر ہے۔ یہ تھے وہ خود ساختہ اصول جن کے سامنے پیغمبر کے وہ تمام ارشادات جو انہوں نے دعوتِ عشیرہ، شبِ ہجرت، غزوہ تبوک تبلیغ سورہ برأت اور غدیر خم کے موقع پر فرمائے تھے۔ یکسر فراموش کر دیئے جاتے ہیں۔ حیرت ہے کہ جب تینوں خلافتیں ایک فرد ہی کی رائے سے طے پاتی ہیں اور اس ایک فرد کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جاتا ہے تو پھر کس دلیل کی بناء پر پیغمبر سے یہ حق سلب کیا جا سکتا ہے کہ وہ کسی کی تعیین خود فرما دیتے جب کہ تمام نزاعوں کے سدِ باب کا یہی ایک ذریعہ ہو سکتا تھا کہ وہ خود اسے طے کر کے بعد میں پیدا ہونے والے خلفشاروں سے امت کو محفوظ کر جاتے اور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں اس کا فیصلہ چھوڑنے سے اسے بچا لے جاتے جو نفسانی خواہشوں میں الجھے ہوئے اور خود غرض یوں جکڑے ہوئے ہیں اور یہی وہ صحیح طریقِ کار ہے جسے نہ صرف عقل کی تائید حاصل ہے۔ بلکہ پیغمبر کے صریحی ارشادات بھی اس کی حمایت میں ہیں۔

۳۔ حیان ابن سمین یمامہ میں قبیلہ بن حنیفہ کا سردار اور صاحبِ قلعہ وسپاہ تھا۔ جابر اس کے چھوٹے بھائی کا نام ہے اور اعشی کہ جس کا اصلی نام میمون ابن قیس ہے۔ اس کی بزمِ نا ؤ نوش میں ندیم ومصاحب کی حیثیت رکھتا تھا اور اس کے انعام واکرام سے خوشحالی وفارغ البالی کی

زندگی بسر کرتا تھا اس شعر میں اس نے اپنی پہلی زندگی کا موجودہ زندگی سے تقابل کیا ہے کہ کہاں وہ دن کہ جب رزق کی تلاش میں مارا مارا پھرتا تھا اور کہاں یہ دن جو حیان کی مصاحبت میں آرامی اور چین سے گزر رہے ہیں۔ امیر المومنین کے اس شعر کو بطور تمثیل لانے کا مقصد عموماً یہ سمجھا گیا ہے کہ اپنے اس دکھ بھرے زمانے کا مقابلہ اس زمانہ سے کریں جو پیغمبر کے دامانِ عاطفت میں گزرتا تھا اور ہر طرح کے غل وغش سے پاک اور روحانی سکون کا سروسامان لئے ہوئے تھا۔ لیکن محل تمثیل اور نیز مضمونِ شعر پر نظر کرتے ہوئے یہ مقصود ہوتا بعید نہیں ہے کہ برسرِ اقتدار افراد زمانہ رسول میں بے وقتی اور موجودہ حالت میں ان کے اقتدار و اختیار کا فرق دکھایا جائے۔ یعنی ایک وقت وہ تھا کہ رسول کے زمانے میں میرے سامنے ان کی بات بھی نہ پوچھی جاتی تھی اور اب یہ دور آیا ہے کہ یہ امورِ مسلمین کے واحد مالک بنے ہوئے تھے۔

4۔ جب حضرت عمر ابولولو کے ہاتھ سے زخمی ہوئے اور دیکھا کہ اس کاری زخم سے جانبر ہونا مشکل ہے تو آپ نے انتخاب خلیفہ کے لئے ایک مجلسِ شوریٰ تشکیل دی جس میں علی ابن ابی طالب، عثمان ابن عفان، عبدالرحمن ابن عوف، زبیر ابن عوام، سعد ابن ابی وقاص اور طلحہ ابن عُبید اللہ کو نامزد کیا اور ان پر یہ پابندی عائد کر دی کہ وہ ان کے مرنے کے بعد تین دن کے اندر اندر اپنے میں سے ایک کو خلافت کے لئے منتخب کر لیں اور یہ تینوں دن امامت کے فرائض صہیب انجام دیں۔ ان ہدایات کے بعد ارکانِ شوریٰ میں سے کچھ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ ہمارے متعلق جو خیالات رکھتے ہوں ان کا اظہار فرماتے جائیں تا کہ ان کی

روشنی میں قدم اٹھایا جائے اس پر آپ نے فرداً فرداً ہر ایک کے متعلق اپنی زریں رائے کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ سعد کے متعلق کہا کہ وہ درشت خُو اور تند مزاج ہیں اور عبدالرحمن اس امت کے فرعون ہیں اور زبیر خوش ہوں تو مومن اور غصہ میں ہوں تو کافر اور طلحہ غرور ونخوت کا پتلا ہیں۔ اگر انہیں خلیفہ بنایا گیا تو خلافت کی انگوٹھی اپنی بیوی کے ہاتھ میں پہنا دیں گے اور عثمان کو اپنے قوم قبیلہ کے علاوہ کوئی دوسرا نظر ہی نہیں آتا۔ رہے علی تو وہ خلافت پر ریجھے ہوئے ہیں۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ ایک وہی ایسے ہیں جو خلافت کو صحیح راہ پر چلائیں گے۔ مگر اس اعتراف کے باوجود آپ نے مجلسِ شوریٰ کی تشکیل ضروری سمجھی اور اس کے انتخاب ارکان اور طریق کار میں وہ تمام صورتیں پیدا کر دیں کہ جس سے خلافت کا رخ ادھر ہی بڑھے جدھر آپ موڑنا چاہتے تھے چنانچہ تھوڑی بہت سمجھ بوجھ سے کام لینے والا بآسانی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ اس میں حضرت عثمان کی کامیابی کے تمام اسباب فراہم تھے۔ اس کے ارکان کو دیکھئے تو ان میں ایک حضرت عثمان کے بہنوئی عبدالرحمن ابن عوف ہیں۔ اور دوسرے سعد ابن ابی وقاص ہیں جو امیر المومنین سے کینہ وعناد رکھنے کے علاوہ عبدالرحمٰن کے عزیز وہم قبیلہ بھی ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی حضرت عثمان کے خلاف تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تیسرے طلحہ ابن عبید اللہ تھے، جن کے متعلق علامہ محمد عبدہ حواشی نہج البلاغہ میں تحریر کرتے ہیں۔ طلحہ حضرت عثمان کی طرف مائل تھے اور مائل ہونے کی یہی وجہ کیا کم ہے کہ وہ حضرت علی سے منحرف تھے کیونکہ یہ تیمی تھے اور ابوبکر کے خلیفہ ہو جانے کے سبب سے بنی تیم وبنی ہاشم میں رنجشیں پیدا ہو چکی تھیں۔

رہے زبیر تو یہ اگر حضرت کا ساتھ دیتے بھی تو ایک اکیلی رائے کیا بنا سکتی تھی۔ طبری وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طلحہ اس موقعہ پر مدینہ میں موجود نہ تھے۔ لیکن ان کی عدم موجودگی حضرت عثمان کی کامیابی میں سدِ راہ نہ تھی بلکہ وہ موجود بھی ہوتے جیسا کہ شوریٰ کے موقعہ پر پہنچ گئے تھے اور انہیں امیر المومنین کا ہمنوا بھی سمجھ لیا جائے جب بھی حضرت عثمان کی کامیابی میں کوئی شبہ نہ تھا کیونکہ حضرت عمر کے ذہن رسا نے طریق کار یہ تجویز کیا تھا کہ: اگر تین ایک پر اور تین ایک پر رضامند ہوں تو اس صورت میں عبداللہ ابن عمر کو ثالث بناؤ۔ جس طریق کے متعلق وہ حکم لگائے۔ وہی فریق اپنے میں سے خلیفہ کا انتخاب کرے اور اگر وہ عبداللہ ابن عمر کے فیصلہ پر رضامند نہ ہوں تو تم اس فریق کا ساتھ دو جس میں عبدالرحمن ابن عوف ہو، اور دوسرے لوگ اگر اس سے اتفاق نہ کریں تو انہیں اس متفقہ فیصلے کے خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے قتل کردو۔

اس مقام پر عبداللہ ابنِ عمر کے فیصلہ پر نارضامند رہے کیا معنی جب کہ انہیں یہ ہدایت کردی جاتی ہے کہ وہ اسی گروہ کا ساتھ دیں جس میں عبدالرحمن ہوں۔ چنانچہ عبداللہ کو حکم دیا کر: اے عبداللہ اگر قوم میں اختلاف ہو تو تم اکثریت کا ساتھ دینا اور اگر تین ایک طرف ہوں اور تین ایک طرف تو تم اس فریق کا ساتھ دینا جس میں عبدالرحمن ہوں۔

اس فہمائش سے اکثریت کی ہمنوائی سے بھی یہی مراد ہے کہ عبدالرحمن کا ساتھ دیا جائے کیونکہ دوسری طرف اکثریت ہو ہی کیونکر سکتی تھی۔ جب کہ ابوطلحہ انصاری کی زیر قیادت

پچاس خونخوار تلواروں کو حزبِ مخالف کے سروں پر مسلط کر کے عبدالرحمن کے اشارہ چشم و ابرو پر جھکنے کے لئے مجبور کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ امیرالمومنین کی نظروں نے اسی وقت بھانپ لیا تھا کہ خلافت حضرت عثمان کی ہوگی۔ جیسا کہ آپ کے اس کلام سے ظاہر ہے جو ابن عباس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ خلافت کا رخ ہم سے موڑ دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیسے معلوم ہوا۔ فرمایا کہ میرے ساتھ عثمان کو بھی لگا دیا ہے اور یہ کہا کہ اکثریت کا ساتھ دو اور اگر دو ایک پر اور دو ایک پر رضامند ہوں تو تم ان لوگوں کا ساتھ دو جن میں عبدالرحمن بن عوف ہو۔ چنانچہ سعد تو اپنے چچیرے بھائی عبدالرحمن کا ساتھ دیگا اور عبدالرحمن تو عثمان کا بہنوئی ہوتا ہی ہے۔

بہر حال حضرت عمر کی رحلت کے بعد حضرت عائشہ کے حجرہ میں یہ اجتماع ہوا، اور دروازہ پر ابوطلحہ انصاری پچاس آدمیوں کے ساتھ شمشیر بکف آ کھڑا ہوا، طلحہ نے کاروائی کی ابتداء کی اور سب کو گواہ بنا کر کہا کہ میں اپنا حق رائے دہندگی حضرت عثمان کو دیتا ہوں۔ اس پر زبیر کی رگِ حمیت پھڑکی (کیونکہ ان کی والدہ حضرت کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں) اور انہوں نے اپنا حق رائے دہندگی علی ابن ابی طالب کو سونپ دیا۔ پھر سعد ابن ابی وقاص نے اپنا حق رائے دہندگی عبدالرحمن کے حوالے کر دیا اب مجلسِ شوریٰ کے ارکان صرف تین رہ گئے۔ جن میں سے عبدالرحمن نے کہا کہ میں اس شرط پر اپنے حق سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہوں کہ آپ دونوں (علی ابنِ ابی طالب اور عثمان ابنِ غفان) اپنے میں سے ایک کو منتخب کر لینے کا حق مجھے دے دیں۔ یا آپ میں سے کوئی ایک دستبردار ہو کر یہ حق لے

لے۔ یہ ایک ایسا جال تھا جس میں امیر المومنین کو ہر طرف سے جکڑ لیا گیا تھا۔ کہ یا تو اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں یا عبدالرحمٰن کو اپنی من مانی کاروائی کرنے دیں پہلی صورت آپ کے لئے ممکن ہی نہ تھی کہ حق سے دستبردار ہو کر عثمان یا عبدالرحمن کو منتخب کریں۔ اسلئے آپ اپنے حق پر جمے رہے اور عبدالرحمن نے اپنے اس سے الگ کر کے یہ اختیار سنبھال لیا اور امیر المومنین سے مخاطب ہو کر کہا ابایعک علیٰ کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ وسیرۃ الشیخین ابی بکر و عمر میں اس شرط پر آپ کی بیعت کرتا ہوں کہ آپ کتابِ خدا سنت رسول اور ابو بکر اور عمر کی سیرت پر چلیں۔ آپ نے کہا بل علیٰ کتاب اللہ وسنتہ رسول اللہ واجتھا درائی نہیں بلکہ میں اللہ کی کتاب رسول کی سنت اور اپنے مسلک پر چلوں گا۔ تین مرتبہ دریافت کرنے کے بعد جب یہی جواب ملا تو حضرت عثمان سے مخاطب ہر کر کہا کیا آپ کو یہ شرائط منظور ہیں ان کے لئے انکار کی کوئی وجہ ہی نہ تھی۔ انہوں نے ان شرائط کو مان لیا اور ان کی بیعت ہو گئی۔ جب امیر المومنین نے اپنے حق کو یوں پامال ہوتے دیکھا تو فرمایا: یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے ہم پر زیادتی کی ہو اب صبر جمیل کے علاوہ کیا چارہ ہے اور جو باتیں تم کرتے ہو اس پر اللہ ہی مددگار ہے۔ خدا کی قسم! تم نے عثمان کو اس امید پر خلافت دی ہے کہ وہ اسے کل تمہارے حوالہ کر جائے۔

ابن ابی الحدید نے شوریٰ کے واقعات کو لکھنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ جب حضرت عثمان کی بیعت ہو گئی تو امیر المومنین نے عبدالرحمن اور عثمان کو مخاطب کر کے کہا دق اللہ بینکما عطر منشم خدا تمہارے درمیان عطرِ منشم چھڑ کے اور تمہاری ایک دوسرے سے بن نہ آئے۔ چنانچہ

ایسا ہی ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے سخت دشمن ہو گئے اور عبد الرحمن نے مرتے دم تک حضرت عثمان سے بات چیت کرتا گوارا نہ کی اور بسترِ مرگ پر بھی انہیں دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

ان واقعات کو دیکھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شوریٰ اسی کا نام ہے جو چھ آدمیوں میں منحصر ہو اور پھر تین میں اور آخر میں ایک ہی فرد میں منحصر ہو کر رہ جائے اور کیا انتخاب خلافت کے لئے سیرتِ شیخین کی شرط حضرت عمر کی طرف سے تھی یا عبدالرحمن نے امیر المومنین اور خلافت کے درمیان ایک دیوار کھڑی کرنے کے لئے پیش کی تھی حالانکہ اول نے خلیفہ ثانی کو نامزد کرتے وقت یہ شرط نہیں لگائی تھی کہ تمہیں میری سیرت پر چلنا ہو گا۔ تو اس کا یہاں پر کیا محل تھا۔

بہر صورت امیر المومنین نے فتنہ و فساد کو روکنے اور حجت تمام کرنے کے لئے اس میں شرکت گوارا فرمالی تا کہ ان کے ذہنوں پر قفل پڑ جائیں اور یہ نہ کہتے پھریں کہ ہم تو انہیں کے حق میں رائے دیتے مگر خود انہوں نے شوریٰ سے کنارہ کشی کر لی اور ہمیں موقع نہ دیا کہ ہم آپ کو منتخب کرتے۔

۵۔ عہد ثالث کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کے برسرِ اقتدار آتے ہی بنی امیہ کی بن آئی اور انہوں نے بیت المال کو لوٹنا شروع کر دیا اور جس طرح چوپائے خشک سالیوں کے بعد ہرا بھرا سبزہ دیکھ لیں تو اسے پامال کر کے چھوڑتے ہیں یونہی یہ اللہ کے مال پر بے تحاشا ٹوٹ پڑے اور اسے تباہ کر کے رکھ دیا۔ آخر اس خود پروری اور خویش نوازی نے انہیں وہ روزِ بد دکھایا کہ لوگوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کر کے انہیں تلواروں کی زد پر رکھ لیا اور سب

کھایا پیا اگلوالیا۔اس دور میں جس طرح کی بدعنوانیاں ہوئیں ان پر کسی مسلمان کا دل دکھے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جلیل القدر صحابہ تو گوشوں میں پڑے ہوں۔غربت ان پر چھائی ہوئی ہو، افلاس انہیں گھیرے ہوئے ہو اور بیت المال پر تسلط ہو تو بنی امیہ کا عہدوں پر چھائے ہوئے ہوں تو انہیں کے نوخیز و ناتجربہ کار افراد مسلمانوں کی مخصوص ملکیتوں پر قبضہ ہو تو ان کا تمام چراگاہوں میں چوپائے چریں تو ان کے محلات تعمیر ہوں تو ان کے باغات لگیں تو ان کے اور کوئی دردمندان بے اعتدالیوں کے خلاف زبان ہلائے تو اس کی پسلیاں توڑ دی جائیں اور کوئی سرمایہ داری کے خلاف آواز بلند کرے تو اسے شہر بدر کر دیا جائے۔زکوٰۃ صدقات جو فقراء اور مساکین کا حق تھا اور بیت المال جو مسلمانوں کا مشترکہ سرمایہ تھا اس کا مصرف کیا قرار دیا گیا تھا وہ ذیل کے چند نمونوں سے ظاہر ہے۔

ا۔حکم ابن عاص کو کہ جسے رسول نے مدینہ سے نکلوا دیا تھا نہ صرف سنت رُسول بلکہ سیرت شیخین کی بھی خلاف ورزی کرتے ہوئے اسے مدینہ واپس بلوالیا اور بیت المال سے ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔(معاف ابن قتیبہ صفحہ 49)

۲۔ولید ابن عقبہ کو کہ جسے قرآن نے فاسق کہا ہے۔مسلمانوں کے مال میں سے ایک لاکھ درہم دیئے(عقد الفرید ج3 صفحہ 49)

۳۔مروان ابن حکم سے اپنی بیٹی ابان کی شادی کی تو ایک لاکھ درہم بیت المال سے دیئے (شرح ابنِ ابی الحدید صفحہ 93 جلد 1)

۴۔حارث ابن حکم سے اپنی بیٹی عائشہ کا عقد کیا تو ایک لاکھ درہم بیت المال سے اسے عطا فرمائے۔(شرح ابن ابی الحدید جلد 1 صفحہ 93)

۵۔ابوسفیان ابن حرب کو لاکھ درہم عطا فرمائے۔(شرح ابن ابی الحدید جلد صفحہ 93)

٦۔عبداللہ ابن خالد کو چار لاکھ درہم عطا فرمائے۔(معاف صفحہ 48)

۷۔مال افریقہ کا خمس (پانچ لاکھ دینار) مروان کی نذر کر دیا۔(معاف صفحہ 48)

۸۔فدک کہ جسے صدقہ عام کہہ کر پیغمبر کی قدسی صفات بیٹی سے روک لیا گیا تھا۔مروان کو عطائے خس دانہ کے طور پر دے دیا۔(معاف ابن قتیبہ صفحہ 48)

۹۔بازارِ مدینہ میں بہزور ایک جگہ تھی جسے رسول نے مسلمانوں کے لئے وقف عام قرار دیا تھا۔حارث ابن حکم کو بخش دی۔(معارف صفحہ 48)

۱۰۔مدینہ کے گرد جتنی چراگاہیں تھیں ان میں بنی امیہ کے علاوہ کسی کے اونٹوں کو چرنے کی اجازت نہ تھی۔(شرح ابنِ ابی الحدید 93 جلد 1)

۱۱۔مرنے کے بعد ایک لاکھ پچاس ہزار دینار اور دس لاکھ درہم آپ کے ہاں نکلے۔ جاگیروں کا کچھ ٹھکانا نہیں۔صرف چند ایک جاگیروں کی قیمت کا اندازہ ایک لاکھ دینار تھا۔ اونٹوں اور گھوڑوں کا شمار نہیں ہوسکتا۔(مروج الذہب جلد 1 صفحہ 534)

۱۲۔مرکزی شہروں پر آپ ہی کے عزیز واقارب حکمران تھے۔چنانچہ کوفہ پر ولید ابن عقبہ حاکم تھا۔مگر جب اس نے شراب کے نشہ میں چور ہو کر صبح کی نماز دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھا دی،تو لوگوں کے شور مچانے پر اسے معزول تو کر دیا۔مگر اس کی جگہ پر سعید ابن

عاص جیسے فاسق کو مقرر کر دیا۔ مصر پر عبداللہ ابن ابی سرح شام پر معاویہ ابنِ ابی سفیان اور بصرہ پر عبداللہ ابنِ عامر آپ کے مقرر کر دہ حکمران تھے۔ (مروج الذہب جلد 1 صفحہ 524)

خطبہ 4

حضرت علیہ السلام کی دور رس بصیرت اور دین میں یقین کامل اور حضرت موسی علیہ السلام کے خوفزدہ ہونے کی وجہ

ہماری وجہ سے تم نے (گمراہی) کی تیرگیوں میں ہدایت کی روشنی پائی اور رفعت و بلندی کی چوٹیوں پر قدم رکھا، اور ہمارے سبب سے اندھیری راتوں کو اندھیاریوں سے صبح (ہدایت) کے اجالوں میں آ گئے۔ وہ کان بہرے ہو جائیں جو چلانے والے کی چیخ و پکار کو نہ سنیں، بھلا وہ کیونکر میری کمزور اور دھیمی آواز کو سن پائیں گے جو اللہ و رسول کی بلند بانگ صداؤں کے سننے سے بھی بہرے رہ چکے ہوں، ان دلوں کو سکون و قرار نصیب ہو، جن سے خوفِ خدا کی دھڑکنین الگ نہیں ہوتیں میں تم سے ہمیشہ غدرو، بیوفائی ہی کے نتائج کا منتظر رہا اور فریب خوردہ لوگوں کے سے رنگ ڈھنگ کے ساتھ تمہیں بھانپ لیا تھا۔ اگر چہ دین کی نقاب نے مجھ کو تم سے چھپائے رکھا۔ لیکن میری نیت کے صدق و صفا نے تمہاری صورتیں مجھے دکھا دی تھیں۔ میں بھٹکانے والی راہوں میں تمہارے لئے جادۂ حق پر کھڑا تھا۔ جہاں تم ملتے ملاتے تھے مگر کوئی راہ دکھانے والا نہ تھا۔ تم کنواں کھودتے تھے مگر پانی نہیں نکال سکتے تھے۔ آج میں نے اپنی اس خاموش زبان کو جس میں بڑی بیان کی قوت ہے، گویا کیا ہے، اس

شخص کی رائے کے لئے دوری ہو، جس نے مجھ سے کنارہ کشی کی۔ جب سے مجھے حق دکھایا گیاہے میں نے کبھی اس میں شک وشبہ نہیں کیا۔ حضرت موسیٰ انے اپنی جان کے لئے خوف کالحاظ کبھی نہیں کیا۔ بلکہ جاہلوں کے غلبہ اور گمراہی کے تسلط کا ڈر تھا (اسی طرح میری اب تک کی خاموشی کو سمجھنا چاہیئے) آج ہم اور تم حق و باطل کے دوراہے پر کھڑے ہوئے ہیں جسے پانی کا اطمینان ہو وہ پیاس نہیں محسوس کرتا۔ اسی طرح میری موجودگی میں تمہیں میری قدر نہیں۔

1.حضرت موسیٰ کے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب ان کے مقابلے میں جادوگر بلائے گئے اورانہوں نے رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک کر اپنا سحر دکھایا تو آپ ڈرنے لگے۔ چنانچہ قدرت کا ارشاد ہے: موسیٰ یوں محسوس ہوا کہ وہ دوڑ رہی ہیں جس سے وہ جی میں ڈرے۔ ہم نے کہا کہ موسیٰ تم کوئی اندیشہ نہ کرو۔ یقینا تم ہی غالب رہو گے۔ امیرالمومنین فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے خوف کھانے کا باعث یہ نہیں تھا کہ وہ چونکہ رسیوں اور لاٹھیوں کی سانپ کی طرح دوڑتے دیکھ رہے تھے۔ اس لئے انہیں اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا ہو اور وہ اس سبب سے خائف ہو گئے ہوں بلکہ ان کے ڈرنے کا سبب یہ خیال تھا کہ کہیں دنیا والے ان شعبدہ بازیوں سے متاثر ہو کر گمراہی میں نہ پڑ جائیں اور ان نظر بندیوں سے باطل کی بنیادیں مستحکم نہ ہو جائیں۔ چنانچہ موسیٰ کو یہ کہ ڈھارس نہیں دی جاتی کہ تمہاری جان محفوظ ہے۔ بلکہ یہ کہا گیا کہ تم ہی غالب رہو گے۔ اور تمہارا ہی بول بالا ہو گا۔ چونکہ انہیں اندیشہ حق کے دب جانے اور باطل کے ابھر آنے کا تھا نہ اپنی جان کے جانے کا کہ حق کی فتح

وکامرانی کے بجائے حفظ جان کی انہیں تسلی دی جاتی ۔حضرت فرماتے ہیں کہ مجھے بھی خوف یہی ہے کہ کہیں دنیاوالے ان لوگوں (طلحہ وزبیروغیرہ) کی فریب کاریوں کے پھندے میں نہ پھنس جائیں اورحق سے منہ توڑ کرضلالت وگمراہی میں نہ جاپڑیں۔ ورنہ مجھے اپنی جان کی کبھی پرواہ نہیں ہوئی۔

خطبہ 5

ابو سفیان نے جب آپ علیہ السلام کی بیعت کرنی چاھی تو فرمایا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے رحلت فرمائی تو عباس اور ابوسفیان ابن حرب 1 نے آپ سے عرض کیا کہ ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں جس پر حضرت نے فرمایا۔

اے لوگو! فتنہ وفساد کی موجوں کونجات کی کشتیوں سے چیر کر اپنے کونکال لے جاؤ۔تفرقہ و انتشار کی راہوں سے اپنا رخ موڑ لو،فخر ومباہات کے تاج اتار ڈالو۔صحیح طریقۂ عمل اختیار کرنے میں۔کامیاب وہ ہے جو اٹھے تو پروبال کے ساتھ اٹھے اورنہیں تو (اقتدار کی کرسی) دوسروں کے لئے چھوڑ بیٹھے اوراس طرح خلق خدا کو بدامنی سے راحت میں رکھے۔(اس وقت طلبِ خلافت کے لئے کھڑا ہونا) یہ ایک گندلا پانی اورایسا لقمہ ہے جوکھانے والے کے گلوگیر ہوکر رہے گا۔پھلوں کوان کے پکنے سے پہلے چننے والا ایسا ہے جیسے دوسروں کی زمین میں کاشت کرنے والا۔اگر بولتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ دنیوی سلطنت پر مٹے ہوئے ہیں اور چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں کہ موت سے ڈر گئے۔افسوس اب یہ بات جب کہ میں ہر طرح کے نشیب وفراز دیکھے بیٹھا ہوں۔خدا کی قسم ابوطالب 2 کا بیٹا موت سے اتنا مانوس

ہے کہ بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے اتنا مانوس نہیں ہوتا۔ البتہ ایک علم پوشیدہ میرے سینے کی تہوں میں لپٹا ہوا ہے کہ اسے ظاہر کردوں تو تم اسی طرح پیچ و تاب کھانے لگو جس طرح گہرے کنوؤں میں رسیاں لرزتی اور تھرتھراتی ہیں۔

1۔ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو ابو سفیان مدینہ میں موجود نہ تھا۔ واپس آرہا تھا کہ راستہ میں اس المناک حادثہ کی اطلاع ملی۔ فوراً پوچھنے لگا کہ مسلمانوں کی امارت و قیادت کس کو ملی ہے اسے بتایا گیا کہ لوگوں نے ابو بکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ یہ سن کر عرب کا مانا ہوا فتنہ پرداز سوچ میں پڑ گیا اور آخر ایک تجویز لے کر عباس ابن عبد المطلب کے پاس آیا اور کہا کہ دیکھو ان لوگوں نے دھاندلی مچا کر خلافت ایک تیمی کے حوالے کر دی اور بنی ہاشم کو ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا اور یہ اپنے بعد بنی عدی کے ایک درشت خو و تند مزاج کو ہمارے سروں پر مسلط کر جائے گا۔ چلو علی ابن ابی طالب سے کہیں کہ وہ گھر کا گوشہ چھوڑیں اور اپنا حق لینے کے لیے میدان میں اتر آئیں۔ چنانچہ وہ عباس کو ہمراہ لے کر حضرت کے پاس آیا اور کہا کہ آپ ہاتھ بڑھائیں۔ میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ اور کوئی مخالفت کے لئے اٹھا تو میں مدینہ کے گلی کوچوں کو سواروں اور پیادوں سے بھر دوں گا۔ امیر المومنین کے لیے یہ انتہائی نازک مرحلہ تھا۔ وہ اپنے کو پیغمبر کا صحیح وارث و جانشین سمجھتے تھے اور ابو سفیان ایسا جتھے قبیلے والا امداد کے لیے آمادہ کھڑا تھا۔ صرف ایک اشارہ کافی تھا کہ جنگ کے شعلے بھڑکنے لگتے، مگر امیر المومنین کے تدبر و اصابت رائے نے مسلمانوں کو فتنہ سے بچالیا اور آپ کی دور رس نظروں نے بھانپ لیا کہ یہ قبائلی تعصب اور نسلی امتیاز کو اُبھا

رکر آپس میں لڑوانا چاہتا ہے تا کہ اسلام میں ایک ایسا زلزلہ آئے جو اس کی بنیاد تک کو ہلا دے، لہذا آپ نے اس کی رائے کو ٹھکرا کر اسے سختی سے جھڑکا اور اس موقع پر یہ کلمات ارشاد فرمائے جن میں لوگوں کو فتنہ انگیزیوں اور بیجا سر بلندیوں سے روکا ہے اور اپنا موقف یہ بتایا ہے کہ میرے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا تو جنگ کے لیے اٹھ کھڑا ہوں یا اپنے حق سے دستبردار ہو کر ایک گوشہ میں چپکے سے بیٹھ جاؤں۔ اگر جنگ کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو کوئی یارو مددگار دکھائی نہیں دیتا کہ ان ابھرنے والے فتنوں کو دبا سکوں۔ اب یہی چارہ کار ہے کہ خاموشی سے وقت کا انتظار کروں یہاں تک کہ حالات سازگار ہوں۔

اس موقع پر امیرالمومنین کی خاموشی مصلحت بینی و دُور اندیشی کی آئینہ دار تھی، کیونکہ ان حالات میں اگر مدینہ مرکز جنگ بن جاتا تو اس کی آگ تمام عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ مہاجرین و انصار میں جس رنجش و چپقلش کی ابتداء ہو چکی تھی وہ بڑھ کر اپنی انتہا کو پہنچتی۔ منافقین کی ریشہ دوانیاں اپنا کام کرتیں اور اسلام کی کشتی ایسے گرداب میں جا پڑتی کہ اس کا سنبھلنا مشکل ہو جاتا۔ اس لئے امیرالمومنین نے دکھ سہے، کڑیاں جھیلیں، مگر ہاتھوں کو جنبش نہیں دی۔ تاریخ شاہد ہے کہ پیغمبر نے مکہ کی زندگی میں ہر طرح کی تکلیفیں اور زحمتیں برداشت کیں، مگر صبر و استقلال کو چھوڑ کر لڑنے الجھنے کے لیے تیار نہ ہوئے، چونکہ آپ جانتے تھے کہ اگر اس وقت جنگ چھڑ گئی تو اسلام کے پھلنے پھولنے کی راہیں بند ہو جائیں گی، البتہ جب پشت پر اتنے اعوان و انصار ہو لیے کہ جو کفر کی طغیانیوں کو دبانے اور فتنوں کو کچلنے کی طاقت رکھتے تھے تو دشمن کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی طرح امیرالمومنین

پیغمبر کی سیرت کو مشعل راہ بناتے ہوئے تلوار کی قوت اور دست و بازو کے زور کا مظاہرہ نہیں کرتے، چونکہ آپ سمجھ رہے تھے کہ دشمن کے مقابلہ میں بے یار و مددگار اٹھ کھڑا ہونا کامرانی و کامیابی کے بجائے شورش انگیزی و زیاں کاری کا سبب بن جائے گا۔ اس لیے اس موقع کے لحاظ سے طلبُ امارت کو ایک گندلے پانی اور گلے میں پھنس جانے والے لقمہ سے تشبیہ دی، چنانچہ جن لوگوں نے چھینا جھپٹی کر کے اس لقمہ کو چھین لیا تھا اور ٹھونس کر اسے نگل لینا چاہا، ان کے گلے میں بھی یہ لقمہ اٹک کر رہ گیا نہ نگلتے بنتی تھی اور نہ اگلتے بنتی تھی۔۔ یعنی نہ تو وہ اسے سنبھال سکتے تھے جیسا کہ ان لغزشوں سے ظاہر ہے جو اسلامی احکام کے سلسلے میں کھائی جاتی تھیں اور نہ یہ پھندا اپنے گلے سے اتارنے کے لیے تیار ہوتے تھے۔ پھر اسی مطلب کو دوسرے لفظوں میں یوں بیان فرمایا ہے کہ اگر میں ان ناسازگار حالات میں خلافت کے ثمر نا رسیدہ کو توڑنے کی کوشش کرتا تو اس سے باغ بھی اجڑتا اور میرے ہاتھ بھی کچھ نہ آتا۔ جیسے کہ ان لوگوں کی حالت ہے کہ غیر کی زمین میں کھیتی تو کر بیٹھے مگر نہ اس کی حفاظت کر سکے نہ جانوروں سے اسے بچا سکے۔ نہ وقت پر پانی دے سکے اور نہ اس سے کوئی جنس حاصل کر سکے، بلکہ ان لوگوں کی تو یہ حالت ہے کہ اگر کہتا ہوں کہ اس زمین کو خالی کر دو تا کہ اس کا مالک خود کاشت کرے اور خود نگہداشت کرے تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ کتنے حریص اور لالچی ہیں اور چپ رہتے ہیں تو یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ موت سے ڈر گئے ہیں۔ بھلا یہ تو بتائیں کہ میں کس موقعہ پر ڈرا اور کب جان بچا کر میدان سے بھاگا، جبکہ ہر چھوٹا بڑا معرکہ میری بے جگری کا شاہد اور میری جرأت و ہمت کا گواہ ہے جو تلواروں سے کھیلے اور پہاڑوں سے ٹکرائے وہ

موت سے نہیں ڈرا کرتا۔ میں تو موت سے اتنا مانوس ہوں کہ بچہ ماں کی چھاتی سے بھی اتنا مانوس نہیں ہوتا۔ سنو! میرے چپ رہنے کی وجہ وہ علم ہے جو پیغمبر نے میرے سینے میں ودیعت فرمایا ہے۔ اگر ابھی سے اسے ظاہر کر دوں تو تم سراسیمہ و مضطرب ہو جاؤ گے، کچھ دن گزرنے دو تو تم خود میری خاموشی کی وجہ جان لو گے اور دیکھ لو گے کہ اسلام کے نام پر کیسے کیسے لوگ اس مسند پر آئیں گے اور کیا کیا تباہیاں مچائیں گے۔ میری خاموشی کا یہی سبب ہے کہ یہ ہو کر رہے گا، ورنہ بے وجہ خاموشی نہیں۔

خموشی معنی وارد کہ در گفتن نمی آید

2. موت کے متعلق فرماتے ہیں کہ مجھے اتنی محبوب ہے کہ بچے اپنی ماں کی آغوش میں اپنے سر چشمہ غذا کی طرف ہمک کر بڑھنا اتنا محبوب نہیں ہوتا، کیونکہ ماں کی چھاتی سے بچے کا انس ایک طبعی تقاضے کے زیرِ اثر ہوتا ہے اور طبعی تقاضے سن کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں، چنانچہ زمانہ رضاعت کا محدود عرصہ گزارنے کے بعد جب اس کی طبیعت پلٹا کھاتی ہے تو جس سے مانوس رہتا ہے پھر اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا اور نفرت سے منہ پھیر لیتا ہے، لیکن لقائے پروردگار سے انبیاء اولیاء کا انس عقلی و روحانی ہوتا ہے اور عقلی و روحانی تقاضے بدلا نہیں کرتے اور ان میں ضعف و انحطاط آیا کرتا ہے، چونکہ موت لقائے پروردگار کا ذریعہ اور اس منزل کا پہلا زینہ ہے۔ اس لیے موت سے بھی ان کی شیفتگی اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ اس کی سختیاں ان کے لیے راحت کا ساز و سامان اور اس کی تلخیاں ان کے کام و

دہن کے لیے لذت اندوزی کا سروسامان بن جایا کرتی ہیں اوراس سے ان کا انس ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ پیاسے کا کنویں سے اور بھٹکے ہوئے مسافر کا منزل سے، چنانچہ امیر المومنین جب ابن ملجم کے قاتلانہ حملے سے مجروح ہوئے تو فرمایا کہ « میں موت کا چشمہ لگا تار ڈھونڈ رہا تھا کہ اس کے گھاٹ پر آ پہنچا اور اسی منزل کی طلب وتلاش میں تھا کہ اسے پالیا اور نیکو کاروں کے لیے اللہ کے یہاں کی نعمتوں سے بڑھ چڑھ کر کیا ہوسکتا ہے اور پیغمبر اکرم کا بھی ارشاد ہے کہ لیس للمومن راحۃ ودن لقاء اللہ لقائے ربانی کے علاوہ مومن کہیں پر راحت کا سروسامان نہیں ہے۔

خطبہ 6

جب آپ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ آپ طلحہ و زبیر کا پیچھا نہ کریں اور ان سے جنگ کرنے کی نہ ٹھان لیں تو آپ نے فرمایا:

خدا کی قسم میں اس بجوّ کی طرح نہ ہوں گا جو لگا تار کھٹکھٹائے جانے سے سوتا ہوا بن جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا طلب گار (شکاری) اس تک پہنچ جاتا ہے اور گھات لگا کر بیٹھنے والا اس پر اچانک قابو پالیتا ہے بلکہ میں تو حق کی طرف بڑھنے والوں اور گوش بر آواز اطاعت شعاروں کو لیکر ان خطاؤ شک میں پڑنے والوں پر اپنی تلوار چلاتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ میری موت کا دن آجائے۔ خدا کی قسم! جب سے اللہ نے اپنے رسول کو دنیا سے اٹھایا۔ برابر دوسروں کو مجھ پر مقدم کیا گیا اور مجھے میرے حق سے محروم رکھا گیا۔

جب امیرالمومنین نے طلحہ وزبیر کے عقب میں جانے کا ارادہ کیا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے، ایسا نہ ہو کہ ان سے آپ کو کوئی گزند پہنچے تو اس کے جواب میں آپ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے۔ جن کا ماحصل یہ ہے « کہ میں کب تک اپنا حق چھنتا ہوا دیکھتا رہوں گا اور خاموشی بیٹھا رہوں گا۔ اب تو جب تک میرے دم میں دم ہے، میں ان سے لڑوں گا اور انہیں کیفر کردار تک پہنچا کر رہوں گا۔ اور انہیں یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ میں بجوّ کی طرح باسانی ان کے قابو آجاؤنگا»۔

ضبع کے معنی بجوّ کے ہیں۔ اس کی کنیت ام عامر اور ام طریق ہے اور اسے حضاجر بھی کہا جاتا ہے۔ حضاجر حضجر کی جمع ہے جس کے معنی پیٹو کے ہوتے ہیں، لیکن جب جمع کی صورت میں اسے استعمال کیا جائے تو اس سے بجو مراد لی جاتی ہے، کیونکہ یہ ہر چیز نگل جاتا ہے اور جو پاتا ہے ہڑپ کر جاتا ہے گویا اس میں کئی ایک پیٹ جمع ہو گئے ہیں جو بھرنے میں نہیں آتے اور اسے نعثل بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بڑا سیدھا سادھا اور بڑا بیوقوف جانور ہوتا ہے۔ اگر کسی کی انتہائی حماقت دکھانا مقصود ہو تو یہ کہا جاتا ہے « فلاں احمق من الضبع » فلاں تو بجو سے بھی زیادہ بیوقوف ہے، چنانچہ اس کی حماقت اس کے باسانی شکار ہو جانے ہی سے ظاہر ہے کہ شکاری اس کے بھٹ کے گرد گھیرا ڈال لیتا ہے اور لکڑی سے یا پیر سے زمین کو تھپتھپاتا ہے اور چپکے سے کہتا ہے « اطرقی ام طریق خاصری ام عامر »۔ اے بجوّ اپنے سر کو جھکا لے، اے بجوّ چھپ جا، اس جملہ کو دہرانے اور زمین کو تھپتھپانے سے وہ بھٹ کے ایک گوشے میں چھپ کر بیٹھ جاتا ہے۔ پھر شکاری کہتا ہے « ام عامر لیست فی وجارھا ام عامر نائمہ » بھلا وہ

اپنے بھٹ میں کہاں وہ تو کسی گوشہ میں سویا پڑا ہوگا»۔ یہ سن کر وہ ہاتھ پیر پھیلا دیتا ہے اور سوتا ہوا بن جاتا ہے اور شکاری اس کے پیروں میں پھندا ڈال کر اسے باہر کھینچ لیتا ہے اور یہ بزدلوں کی طرح بغیر مقابلہ کئے اس کے قابو میں آ جاتا ہے۔

خطبہ 7

منافقین 1 کی حالت

انہوں نے اپنے ہر کام کا کرتا دھرتا شیطان کو بنا رکھا ہے اور اس نے ان کو اپنا آلہ کار بنا لیا ہے۔ اس نے ان کے سینوں میں انڈے دیئے ہیں اور بچے نکالے ہیں اور انہیں کی گود میں وہ بچے رینگتے اور اچھلتے کودتے ہیں۔ وہ دیکھتا ہے تو ان کی آنکھوں سے، اور بولتا ہے تو ان کی زبانوں سے۔ اس نے انہیں خطاؤں کی راہ پر لگایا ہے اور بُری باتیں سجا کر ان کے سامنے رکھی ہیں جیسے اس نے انہیں اپنے تسلط میں شریک بنا لیا ہو اور انہیں کی زبانوں سے اپنے کلام باطل کے ساتھ بولتا ہو۔

1. منافقین کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ لوگ شیطان کے رفیق کار اور اس کے معین و عدہ گار ہیں اور اس نے بھی ان سے اتنی راہ و رسم پیدا کر لی ہے کہ انہی کے ہاں ڈیرے ڈال دیئے ہیں اور انہی کے سینوں کو اپنا آشیانہ بنا لیا ہے۔ یہیں پر وہ انڈے بچے دیتا ہے اور وہ بچے بغیر کسی جھجک کے ان کی گودیوں میں اچھل کود مچاتے ہیں یعنی ان کے دلوں میں شیطانی

وسوسے جنم لیتے ہیں اور وہیں پر فروغ پاتے اور پروان چڑھتے ہیں۔ نہ ان کے لیے کوئی روک ٹوک ہے نہ کسی قسم کی بندش اور وہ اس طرح ان کے خون میں رچ گیا اور روح میں بس گیا ہے کہ دوئی کے پردے اٹھ چکے ہیں۔ اب آنکھیں ان کی ہیں اور نظر اس کی۔ زبان ان کی ہے اور قول اس کا۔ جیسا کہ پیغمبر نے فرمایا: «ان الشیطان یجری من ابن آدم مجری الدم» شیطان اولادِ آدم کے رگ و پے میں خون کی جگہ دوڑتا ہے «یعنی جس طرح خون کی گردش نہیں رکتی یوں ہی اس کی وسوسہ اندازیوں کا سلسلہ رکنے نہیں پاتا اور وہ انسان کو اس کے سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے برابر برائیوں کی طرف کھینچ کر لاتا ہے اور اس طرح اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے کہ ان کا ہر قول و عمل ہو بہو اس کے قول و عمل کی تصویر بن جاتا ہے جن کے سینے ایمان کی ضیا باریوں سے جگمگا رہے ہیں وہ ان وسوسوں کی روک تھام کرتے ہیں اور کچھ ان کی پذیرائی کے لیے ہر وقت آمادہ و مستعد رہتے ہیں اور وہی لوگ ہیں جو اسلام کی نقاب اوڑھ کر کفر کو فروغ دینے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

خطبہ 8

جب زبیر نے کہا کہ اس نے دل سے بیعت نہیں کی تھی تو فرمایا

یہ کلام زبیر 1 کے متعلق اس وقت فرمایا جب کہ حالات اسی قسم کے بیان کے مقتضی تھے۔

وہ ایسا ظاہر کرتا ہے کہ اس نے بیعت ہاتھ سے کر لی تھی مگر دل سے نہیں کی تھی۔ بہر صورت اس نے بیعت کا تو اقرار کر لیا۔ لیکن اس کا یہ ادعا کہ اس کے دل میں کھوٹ تھا تو اسے چاہیے

کہ اس دعویٰ کے لئے کوئی دلیل واضح پیش کرے ورنہ جس بیعت سے منحرف ہوا ہے اس میں واپس آئے۔

1. جب زبیر ابن عوام نے امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد بیعت شکنی کی تو وہ اس کے لئے کبھی یہ عذر کرتے تھے کہ مجھے بیعت کے لئے مجبور کیا گیا تھا اور مجبوری کی بیعت کوئی بیعت نہیں ہوا کرتی اور کبھی یہ فرماتے تھے کہ یہ تو صرف دکھاوے کی بیعت تھی۔ میرا دل اس سے ہمنوا نہ تھا۔ گویا کہ وہ خود ہی اپنی زبان سے اپنے ظاہر و باطن کے مختلف ہونے کا اعتراف کر لیا کرتے تھے۔ لیکن یہ عذر ایسا ہی ہے جیسے کوئی اسلام لانے کے بعد منحرف ہو جائے اور سزا سے بچنے کے لئے یہ کہدے کہ میں نے صرف زبان سے اسلام قبول کیا تھا۔ دل سے نہیں مانا تھا تو ظاہر ہے کہ یہ عذر مسموع نہیں ہوسکتا اور نہ اس ادعا کی بنا پر وہ سزا سے بچ سکتا ہے۔ اگر انہیں یہ شبہ تھا کہ حضرت کے اشارے پر عثمان کا خون بہایا گیا ہے تو یہ شبہ اس وقت بھی دامن گیر ہونا چاہیئے تھا کہ جب اطاعت کے لئے حلف اٹھایا جا رہا تھا اور بیعت کے لئے ہاتھ بڑھ رہا تھا یا یہ کہ اب توقعات ناکام ہوتے ہوئے نظر آئے اور کہیں اور سے امید کی جھلکیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔

حضرت نے مختصر سے لفظوں میں ان کے دعویٰ کو یوں باطل کیا ہے کہ جب وہ اعتراف کرتے ہیں کہ ہاتھ سے بیعت کی تھی تو پھر جب تک بیعت کے توڑنے کا جواز پیدا نہیں ہوتا۔ انہیں

بیعت پر برقرار رہنا چاہیے اور اگر بقول ان کے کہ دل اس سے ہم آہنگ نہ تھا تو اس کے لئے انہیں کوئی واضح ثبوت پیش کرنا چاہیئے۔لیکن دلی کیفیات پر تو کوئی دلیل لائی نہیں جا سکتی تو وہ اس کے لئے دلیل کہاں سے لائیں گے اور دعویٰ بے دلیل قبول خرد نہیں۔

خطبہ 9

اصحابِ جمل کا بودا پن

وہ ارعد کی طرح گرجے اور بجلی کی طرح چمکے۔مگر ان دونوں باتوں کے باوجود بزدلی ہی دکھائی اور ہم جب تک دشمن پر ٹوٹ نہیں پڑتے گرجتے نہیں اور جب تک (عملی طور پر) برس نہیں لیتے (لفظوں کا) سیلاب نہیں بہاتے۔

1.اصحاب جمل کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ خوب گرجتے گونجتے دندناتے ہوئے اٹھے مگر جب رن پڑا تو تنکوں کی طرح اڑتے ہوئے نظر آئے۔کہاں تو وہ زمین و آسمان کے قلابے ملاتے کہ یہ کر دیں گے وہ کر دیں گے اور کہاں یہ بودا پن کہ میدان چھوڑتے بنی اور اپنی کیفیت یہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم لڑائی سے پہلے نہ دھمکیاں دیا کرتے ہیں اور نہ شیخیاں بگھارا کرتے ہیں اور نہ خواہ مخواہ کا ہلڑ مچا کر دشمن کو مرعوب کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ بہادروں کا یہ وتیرہ نہیں ہوتا کہ وہ ہاتھ کے بجائے زبان سے کام لیں۔ چنانچہ آپ نے اس موقعہ پر اپنے ساتھیوں سے فرمایا۔ایاکم و کثرۃ الکلام فانہ فشل زیادہ باتیں بنانے سے اجتناب کرو۔کیونکہ یہ بزدلی کی علامت ہے۔

خطبہ 10

طلحہ اور زبیر کے بارے میں

شیطان 1 (نے اپنے گروہ کو جمع کر لیا ہے اور اپنے سوار و پیادے سمیٹ لئے ہیں۔ میرے ساتھ یقینا میری بصیرت ہے نہ میں نے خود (جان بوجھ کر) کبھی اپنے کو دھوکا دیا اور نہ مجھے واقعی کبھی دھوکا ہوا۔ خدا کی قسم میں ان کے لئے ایک ایسا حوض چھلکاؤں گا۔ جس کا پانی نکالنے والا میں ہوں۔ انہیں ہمیشہ کے لئے نکلنے یا (نکل کر) پھر واپس آنے کا کوئی امکان ہی نہ ہوگا۔

1. جب طلحہ و زبیر بیعت توڑ کر الگ ہو گئے اور حضرت عائشہ کی ہمراہی میں بصرہ کو روانہ ہوئے، تو حضرت نے یہ کلمات ارشاد فرمائے جو ایک طویل خطبہ کے اجزاء ہیں۔

ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے کہ اس خطبہ میں شیطان سے مراد شیطان حقیقی بھی لیا جا سکتا ہے اور معاویہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ در پردہ معاویہ ہی طلحہ و زبیر سے ساز باز کر کے امیر المومنین سے لڑنے کے لئے آمادہ کر رہا تھا۔ لیکن شیطان حقیقی مراد لینا موقع و محل کے اعتبار سے مناسب اور زیادہ واضح ہے۔

خطبہ 11

جب جنگ جمل میں عَلَم ا پنے فرزند محمد بن حنفیہ ا کو دیا، تو ان سے فرمایا:

پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں مگر تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ اپنے دانتوں کو بھینچ لینا۔2 اپنا کاسۂ سر اللہ کو عاریت دے دینا۔ اپنے قدم زمین میں گاڑ دینا۔ لشکر کی آخری صفوں پر اپنی نظر رکھنا اور (دشمن کی کثرت و طاقت سے) آنکھوں کو بند کر لینا اور یقین رکھنا کہ مدد خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

ا۔ مُحمد بنِ حنفیہ امیر المومنین کے صاحبزادے تھے اور مادری نسبت سے انہیں ابنِ حنفیہ کہا جاتا ہے۔ ان کی والدہ گرامی کا نام خولہ بنت جعفر تھا۔ جو قبیلہ بنی حنیفہ کی نسبت سے حنفیہ کے لقب سے یاد کی جاتی تھیں۔ جب اہل یمامہ کو زکوٰۃ کے روک لینے پر مرتد قرار دے کر قتل و غارت کیا گیا اور ان کی عورتوں کو کنیزوں کی صورت میں مدینہ لایا گیا، تو ان کے ساتھ آپ بھی وارد مدینہ ہوئیں۔ جب ان کے قبیلہ والے اس پر مطلع ہوئے تو وہ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے خواہش کی کہ وہ انہیں کنیزی کے داغ سے بچا کر ان کی خاندانی عزت و شرافت کو بچائیں۔ چنانچہ حضرت نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا اور بعد میں ان سے عقد کیا اور محمد کی ولادت ہوئی۔

بیشتر مؤرخین نے ان کی کنیت ابو القاسم تحریر کی ہے۔ چنانچہ صاحبِ استیعاب نے ابو راشد ابنِ حفض زہری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے صحابہ زادوں میں سے چار ایسے افراد دیکھے ہیں جن میں سے ہر ایک کا نام محمد اور کنیت ابو القاسم تھی۔ محمد ابنِ حنفیہ محمد ابنِ ابو بکر محمد ابنِ طلحہ محمد ابنِ سعد۔ اس کے بعد تحریر ہے کہ محمد ابنِ طلحہ کا نام اور کنیت پیغمبر نے رکھی تھی اور واقدی نے لکھا ہے کہ محمد ابنِ ابی بکر کا نام اور کنیت عائشہ نے تجویز کی تھی۔ بظاہرِ پیغمبر اکرم کا محمد ابنِ طلحہ کے لئے اس نام اور کنیت کو جمع کر دینا درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر نے اس کو امیر المومنین کے ایک فرزند کے لئے مخصوص کر دیا تھا اور وہ محمد ابنِ حنفیہ تھے۔ چنانچہ ابنِ خلکان نے محمد ابنِ حنفیہ کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے۔

لیکن ان کی کنیت ابو القاسم اس بناء پر تھی جو کہا جاتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی اجازت تھی کہ آپ نے علی ابنِ ابی طالب سے فرمایا کہ میرے بعد تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ میں نے اسے اپنا نام اور اپنی کنیت عطا کی ہے اور اس کے بعد میری امت میں سے کسی کے لئے اس کنیت اور نام کو جمع کرنا جائز نہ ہوگا۔

اس قول کے پیش نظر کیونکر یہ صحیح سمجھا جا سکتا ہے کہ پیغمبر نے اس نام اور کنیت کو کسی اور کے لئے بھی جمع کر دیا ہوگا۔ جب کہ خصوصی اجازت کے معنی ہی یہ ہوتے ہیں کہ کوئی دوسرا اس میں شریک نہ ہو اور پھر بعض لوگوں نے ابن طلحہ کی کنیت ابو القاسم کے بجائے ابو سلیمان تحریر

کی ہے جس سے ہمارے مسلک کو مزید تائید حاصل ہوتی ہے۔ یوں ہی محمد ابنِ ابی بکر کی کنیت اگراس بناء پرتھی کہ ان کے بیٹے کا نام قاسم تھا جو فقہائے مدینہ میں سے تھےتو حضرت عائشہ کے یہ کنیت تجویز کرنے کے کیا معنی اور اگر نام کے ساتھ ہی کنیت تجویز کردی تھی تو بعد میں محمد بن ابی بکر نے اس چیز کو کیونکر گوارا کرلیا ہوگا۔ جب کہ امیرالمومنین کے زیرِ سایہ پرورش پانے کی وجہ سے پیغمبر کا یہ ارشاد ان سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا اور پھر یہ کہ اکثر لوگوں نے ان کی کنیت ابوعبدالرحمن لکھی ہے جس سے ابوراشد کے قول کو ضعف پہنچتا ہے۔

ان لوگوں کی کنیت کا ابوالقاسم ہونا تو درکنار خود ابن حنفیہ کی بھی یہ کنیت ثابت نہیں ہے۔ اگرچہ ابن خلکان نے امیرالمومنین کے اس فرزند سے کہ جس کے لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خصوصیت قراردی ہے۔ محمد ابن حنفیہ ہی کو مرادلیا ہے۔ مگر علامہ مامقانی تحریر کرتے ہیں کہ:

اس حدیث کو محمد ابن حنفیہ پر منطبق کرنے میں ابنِ خلکان کو اشتباہ ہوا ہے، کیونکہ امیرالمومنین کے اس فرزند سے مراد کہ جس کے علاوہ کسی اور کے لئے نام اور کنیت کو جمع کرنا جائز نہیں ہے وہ حضرت حجت (ارواحنا فداہ) ہیں نہ محمد ابن حنفیہ اور نہ ان کی کنیت ابوالقاسم ثابت ہے۔ بلکہ اہل سنت نے مراد پیغمبر سے غافل رہنے کی بناء پر اس سے محمد ابن حنفیہ کو مراد لے لیا ہے۔

بہر حال محمد ابن حنفیہ صلاح و تقویٰ میں نمایاں زہد و عبادت میں ممتاز، علم و فضل میں بلند مرتبہ اور باپ کی شجاعت کے ورثہ دار تھے۔ جمل و صفین میں ان کے کارناموں نے ان کی شجاعت و بے جگری کی ایسی دھاک عرب پر بٹھا دی تھی کہ اچھے اچھے شاہزور آپ کے نام سے کانپ اٹھتے تھے اور امیر المومنین کو بھی ان کی ہمت و شجاعت پر ناز تھا اور ہمیشہ معرکوں میں انہیں آگے آگے رکھتے تھے۔ چنانچہ شیخ بہائی علیہ الرحمہ نے کشکول میں تحریر کیا ہے کہ علی ابن ابی طالب انہیں جنگوں میں پیش پیش رکھتے تھے اور حسن و حسین علیہما السلام کو معرکوں میں پیش قدمی کی اجازت نہ دیتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ ھوولدی وھما ابنا رسول اللہ یہ میرا بیٹا ہے اور وہ دونوں رسول کے بیٹے ہیں اور جب ایک خارجی نے ابن حنفیہ سے یہ کہا کہ علی تمہیں جنگ کے شعلوں میں دھکیل دیتے تھے اور حسن و حسین کو بچا لے جاتے تھے تو آپ نے کہا کہ انا یمینہ وھما عیناہ فھو یدفع عن عینیہ بیمینہ۔ میں ان کا دست و بازو تھا اور وہ دونوں بمنزلہ آنکھوں کے تھے اور وہ ہاتھ سے آنکھوں کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ لیکن علامہ مامقانی نے تنقیح المقال میں لکھا ہے کہ یہ ابنِ حنیفہ کا جواب نہیں بلکہ خود امیر المومنین کا ارشاد ہے کہ جب جنگِ صفین میں محمد نے شکوہ آمیز لہجے میں آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ تو میرا ہاتھ ہے اور وہ میری آنکھیں ہیں لہذا ہاتھ کو آنکھوں کی حفاظت کرنا چاہئے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے امیر المومنین نے محمد ابن حنفیہ کو یہ جواب دیا ہوگا اور بعد میں کسی نے محمد ابن حنفیہ سے اس چیز کا ذکر کیا ہوگا تو انہوں نے اس جواب کو پیش کر دیا ہوگا کہ اس سے زیادہ بلیغ جواب ہو نہیں سکتا اور اس جملہ کی بلاغت سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ پہلے

علی ابن ابی طالب کی زبانِ بلاغت ترجمان ہی سے نکلا ہے کہ جسے بعد میں محمد ابن حنفیہ نے اپنا لیا ہے۔اس لئے یہ دونوں روائیتیں صحیح سمجھی جاسکتی ہیں اور ان میں کوئی منافات نہیں۔ بہر صورت آپ عہد ثانی میں پیدا ہوئے اور عبدالملک ابنِ مروان کے دورِ حکومت میں 56 سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔سنہ وفات بعض نے 80 ئھ اور بعض نے 81 ھ ءلکھا ہے اور محلِ وفات میں بھی اختلاف ہے۔بعض نے مدینہ بعض نے ایلہ اور بعض نے طائف تحریر کیا ہے۔

2.جب جنگِ جمل میں محمد ابن حنفیہ کو میدان کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا کہ بیٹا کوہِ عزم و ثبات بن کر دشمن کے سامنے اس طرح جم جاؤ کہ تمہیں فوج کے ریلے جنبش نہ دے سکیں اور دانت پیس کر دشمن پر حملہ کرو، کیونکہ دانت پر دانت جما لینے سے سر کے اعصاب میں تناؤ پیدا ہو جاتا ہے جس سے تلوار کا وار اچٹ جاتا ہے۔جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے۔غضو اعلی النواجذ فانہ انبا للسیوف عن الھام۔دانتوں کو بھینچ لو کہ اس سے تلوار کی دھار سر سے اچٹ جاتی ہے۔پھر فرماتے ہیں کہ بیٹا اپنا سر اللہ کو عاریت دے دو، تاکہ اس حیاتِ فانی کے بدلے حیاتِ باقی حاصل کر سکو۔کیونکہ عاریت دی ہوئی چیز کے واپس لینے کا حق ہوتا ہے۔ لہذا جان سے بے نیاز ہو کر لڑو، اور یوں بھی اگر خیال جان میں اٹکا رہے گا تو مہلکوں میں قدم رکھنے سے ہچکاؤ گے۔جس سے تمہاری شجاعت پر حرف آئے گا۔اور دیکھو اپنے قدموں کو ڈگمگانے نہ دو، کیونکہ قدموں کی لغزش سے دشمن کی ہمت بڑھ جایا کرتی ہے اور

اکھڑے ہوئے قدم حریف کے قدم جما دیا کرتے ہیں اور آخری صفوں کو اپنا مطمح نظر بناؤ تا کہ دشمن تمہارے عزم کی بلندیوں سے مرعوب ہو جائیں اوران کی صفوں کو چیر کر نکل جانے میں تمہیں آسانی ہو اوران کی نقل وحرکت بھی تم سے مخفی نہ رہے اور دیکھوان کی کثرت کو نگاہ میں نہ لانا ورنہ حوصلہ پست اور ہمت ٹوٹ جائے گی۔اس جملہ کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اس طرح آنکھیں پھاڑ کر نہ دیکھنا کہ ہتھیاروں کی چمک دمک نگاہوں میں خیرگی پیدا کر دے اور دشمن اس سے فائدہ اٹھا کر وار کر بیٹھے اوراس چیز کو ہمیشہ پیش نظر رکھو کہ فتح و کامرانی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم اگر اللہ نے تمہاری مدد کی تو پھر کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔لہذا مادی اسباب پر بھروسا کرنے کے بجائے اس کی تائید ونصرت کا سہارا ڈھونڈو۔

خطبہ 12

عمل کا دارومدار نیت پر ہے

جب 1 خداوندِ عالم نے آپ کو جمل والوں پر غلبہ عطا کیا تو اس موقعہ پر آپ کے ایک صحابی نے آپ سے عرض کیا کہ میرا فلاں بھائی بھی یہاں موجود ہوتا تو وہ بھی دیکھتا کہ اللہ نے کیسی آپ کو دشمنوں پر فتح و کامرانی عطا فرمائی ہے تو حضرت نے فرمایا کہ کیا تمہارا بھائی ہمیں دوست رکھتا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں،تو آپ نے فرمایا کہ وہ ہمارے پاس موجود تھا بلکہ ہمارے اس لشکر میں وہ اشخاص بھی موجود تھے جو ابھی مردوں کی صلب اور عورتوں کے شکم میں ہیں۔عنقریب زمانہ انہیں ظاہر کرے گا اوران سے ایمان کو تقویت پہنچے گی۔

1. اگر کوئی شخص اسباب وذرائع کے ہوتے ہوئے کسی عملِ خیر میں کوتاہی کر جائے، تو یہ کوتاہی وبے التفاقی اس کی نیت کی کمزوری کی آئینہ دار ہوگی۔ اگر عمل میں کوئی مانع سدراہ ہوجائے یا زندگی وفا نہ کرے جس کی وجہ سے عمل تشنہ تکمیل رہ جائے تو اس صورت میں انما الاعمال بالنیات کی بناء پر اللہ اسے اجروثواب سے محروم نہ کرے گا۔ کیونکہ اس کی نیت تو بہرحال عمل کے بجالانے کی تھی، لہٰذا کسی حد تک وہ ثواب کا مستحق بھی ہوگا۔

عمل میں تو ممکن ہے کہ ثواب سے محرومی ہوجائے اس لئے کہ عمل میں ظاہر داری وریا کاری ہوسکتی ہے۔ مگر نیت تو دل کی گہرائیوں میں مخفی ہوتی ہے۔ اس میں نہ دکھاوا ہوسکتا ہے نہ اس میں ریا کا شائبہ آسکتا ہے۔ وہ خلوص وصداقت اور کمال صحت کی جس حد پر ہوگی اسی حد پر رہے گی خواہ عمل کسی مانع کی وجہ سے نہ ہوسکے بلکہ اگر موقع ومحل کے گزر جانے کی وجہ سے نیت وارادہ کی گنجائش نہ بھی ہو۔ لیکن دل میں ایک تڑپ اور ولولہ ہو تو انسان اپنے قلبی کیفیات کی بناء پر اجروثواب کا مستحق ٹھہرے گا اور اسی چیز کی طرف امیر المومنین نے اس خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے۔ اگر تمہارے بھائی کو ہم سے محبت تھی، تو وہ ان لوگوں کے ثواب میں شریک ہوگا۔ جنہوں نے ہماری معیت میں جامِ شہادت پیا ہے۔

خطبہ 13

اهل بصره کی مذمت میں 1

تم ایک عورت کی سپاہ اور ایک چوپائے کے تابع تھے۔ وہ بلبلایا تو تم لبیک کہتے ہوئے بڑھے اور وہ زخمی ہوا تو تم بھاگ کھڑے ہوئے۔ تم پست اخلاق وعہد شکن ہو۔ تمہارے دین

کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ تمہاری سرزمین کا پانی تک شور ہے تم میں اقامت کرنے والا گناہوں کے جال میں جکڑا ہوا ہے اور تم میں سے نکل جانیوالا اپنے پروردگار کی رحمت کو پالینے والا ہے۔ وہ (آنیوالا) منظر میری آنکھوں میں پھر رہا ہے۔ جبکہ تمہاری مسجد یوں نمایاں ہوگی۔ جس طرح کشتی کا سینہ درآنحالیکہ اللہ نے تمہارے شہر پر اس کے اوپر اور اسکے نیچے سے عذاب بھیج دیا ہوگا۔ اور وہ اپنے رہنے والوں سمیت ڈوب چکا ہوگا۔

(ایک اور روایت میں یوں ہے) خدا کی قسم تمہارا شہر غرق 2 ہوکر رہے گا۔ اس حد تک کہ اس کی مسجد کشتی کے اگلے حصے یا سینے کے بھل بیٹھے ہوئے شترمرغ کی طرح گویا مجھے نظر آرہی ہے۔ (ایک اور روایت میں اس طرح ہے جیسے پانی کے گہراؤ میں پرندے کا سینہ۔ (ایک اور روایت میں اس طرح ہے) تمہارا شہر اللہ کے سب شہروں سے مٹی کے لحاظ سے گندا اور بدبودار ہے یہ (سمندر کے) پانی سے قریب اور آسمان سے دور ہے۔ برائی کے دس حصوں میں سے نو حصے اس میں پائے جاتے ہیں جو اس میں آپہنچا وہ اپنے گناہوں میں اسیر ہے اور جو اس سے چل دیا؟ عفوالٰہی! اس کے شریکِ حال رہا۔ گویا میں اپنی آنکھوں سے اس بستی کو دیکھ رہا ہوں کہ سیلاب سے اسے اس حد تک ڈھانپ لیا ہے کہ مسجد کے کنگروں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور وہ یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے سمندر کے گہراؤ میں پرندے کا سینہ۔

1.ابنِ میثم لکھتے ہیں کہ جب جنگ جمل ختم ہوگئی، تو اس کے تیسرے دن حضرت نے بصرہ مسجد جامع میں صبح کی نماز ادا کی اور نماز سے فارغ ہو کر مصلّی کی دائیں جانب دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اہل بصرہ کے پستی اخلاق اور ان کی سبکی عقل کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ بے سوچ سمجھے دوسروں کے بھڑکانے پر بھڑک اٹھے اور ایک عورت کے ہاتھوں میں اپنی کمان سونپ کر اونٹ کے پیچھے لگ گئے۔ اور بیعت کے بعد پیمان شکنی کی اور دورخی کر کے اپنی پست کرداری و بدباطنی کا ثبوت دیا۔ اس خطبہ میں عورت سے مراد حضرت عائشہ اور چوپائے سے مراد وہ اونٹ ہے کہ جس کی وجہ سے بصرہ کا معرکہ کارزار جنگ جمل کے نام سے مشہور ہوا۔

اس جنگ کی داغ بیل یوُں پڑی کہ جناب عائشہ باوجودیکہ حضرت عثمان کی زندگی میں ان کی سخت مخالفت کیا کرتی تھیں اور محاصرہ میں ان کو چھوڑ کر مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئی تھیں اور اس اعتبار سے ان کے قتل میں ان کا کافی ہاتھ تھا جس کی تفصیل آئندہ مناسب موقعوں پر آئے گی۔ مگر جب آپ نے مکہ سے مدینہ کی طرف پلٹتے ہوئے عبداللہ ابن ابی سلمہ سے یہ سنا کہ عثمان کے بعد علی ابن ابی طالب خلیفہ تسلیم کر لئے گئے ہیں تو بے ساختہ آپ کی زبان سے نکلا « لیت ان ھذا انطبقت علی ھذہ ان لم الامر لصاحبک ردونی ردونی » اگر تمہارے ساتھی کی بیعت ہوگئی ہے تو کاش یہ آسمان زمین پر پھٹ پڑے مجھے اب مکہ ہی کی طرف جانے دو۔ » چنانچہ آپ نے مکہ کی واپسی کا تہیّہ کر لیا اور فرمانے لگیں۔ « قتل واللہ عثمان مظلوما واللہ » خدا کی قسم عثمان مظلوم مارے گئے اور میں ان کے خون کا انتقام لے کر

رہوں گی زمین و آسمان بدلا ہوا دیکھا تو حیرت سے کہا کہ یہ آپ کیا فرما رہی ہیں۔ آپ تو فرمایا کرتی تھیں۔ «اقتلوہ نعثلا فقد کفر» اس نعثل کو قتل کردو یہ بے دین ہو گیا۔ آپ نے فرمایا میں کیا سب ہی لوگ یہ کہا کرتے تھے مگر چھوڑ ان باتوں کو جو میں اب کہہ رہی ہوں وہ سنو۔ وہ زیادہ بہتر اور زیادہ قابل توجہ ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ پہلے تو ان سے توبہ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے اور پھر اس کا موقع دیئے بغیر انہیں قتل بھی کردیا جاتا ہے۔ اس پر ابن ابی سلمہ نے آپ سے مخاطب ہو کر یہ شعر پڑھے۔

فمنك البداء ومنك الغير ومنك الرياح ومنك المطر

« آپ ہی نے پہل کی اور آپ ہی نے (مخالفت کے) طوفانِ بادوباراں اٹھائے اور اب آپ ہی اپنا رنگ بدل رہی ہیں۔

وانت امرت بقتل الامام وقلت لنا انه قد كفر

« آپ ہی نے خلیفہ کے قتل کا حکم دیا اور ہم سے کہا کہ وہ بے دین ہو گئے ہیں۔»

فهبنا اطعناك فى قتله وقاتله عندنا من امر

« ہم نے مانا کہ آپ کا حکم بجالاتے ہوئے یہ قتل ہمارے ہاتھوں سے ہوا مگر اصلی قاتل تو ہمارے نزدیک وہ ہے جس نے اس کا حکم دیا ہو۔»

ولم يسقط السقف من فوقنا ولم ينكسف شمسا والقمر

«(سب کچھ ہو گیا مگر) نہ آسمان ہمارے اوپر پھٹا، اور نہ چاند سورج کو گہن لگا۔»

وقد بايع الناس ذا تدرء يزيل الشبا ويقيم الصغر

«اورلوگوں نے اس کی بیعت کرلی جوقوت وشکوہ سے دشمنوں کو ہنکانے والا ہے۔تلواروں کی دھاروں کوقریب پھٹکنےنہیں دیتااور(گردن کشوں کے)بل نکال دیتا ہے۔»

ویلبس للحرب اتوا بہا وما من وفی قد غدر

«اورلڑائی کے پورے سازوسامان سے آراستہ رہتا ہےاوروفا کرنے والا غدار کے مانند نہیں ہوا کرتا۔

بہرحال جب آپ انتقامی جذبے کولے کرمکہ پہنچیں،توحضرت عثمان کومظلومیت کے چرچے کرکےلوگوں کوان کےخون کا بدلہ لینے کے لئے ابھارنا شروع کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے عبداللہ ابن عامرحضرمی نے اس آواز پر لبیک کہی جوحضرت عثمان کےعہد میں مکہ کا والی رہ چکا تھا اور ساتھ ہی مروان ابن حکم،سعید ابن عاص اور دوسرے بنی امیہ ہم نوا بن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ادھرطلحہ ابنِ عبیداللہ اورزبیرابنِ عوام بھی مدینہ سے مکہ چلے آئے۔یمن سےیعلی ابن منبہ جودورِعثمان میں وہاں کا حکمران تھا آپہنچااوربصرہ کا سابق حکمران عبداللہ ابنِ عامرابن کریزبھی پہنچ گیااورآپس میں ایک دوسرے سے گٹھ جوڑکرکےمنصوبہ بندی میں لگ گئے جنگ تو بہرحال طےتھی مگرلازم گاہ کی تجویز میں فکریں لڑرہی تھیں۔حضرت عائشہ کی رائے تھے کہ مدینہ ہی کوتاخت وتاراج کا نشانہ بنایا جائےمگرکچھ لوگوں نے اس کی مخالفت کی اورکہا کہ اہلُ مدینہ سے نپٹنا مشکل ہےاورکسی جگہ کومرکز بنانا چاہیئے آخر بڑی ردوکداورسوچ بچارکے بعدطے پایا کہ بصرہ کی طرف بڑھنا چاہیئے۔وہاں ایسےلوگوں کی کمی

نہیں جو ہمارا ساتھ دے سکیں۔ چنانچہ عبداللہ ابن عامر کی بے پناہ دولت اور یعلی ابن منبہ کی چھ لاکھ درہم اور چھ سو اونٹوں کی پیش کش کے سہارے تین ہزار کی فوج ترتیب دے کر بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ راستے میں معمولی سی رکاوٹ پیدا ہوئی جس کی وجہ سے ام المومنین نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک مقام پر آپ نے کتوں کے بھونکنے کی آواز سنی تو ساربان سے پوچھ لیا کہ اس جگہ کا کیا نام ہے۔ اس نے کہا کہ حواب پیغام سنتے ہی پیغمبر کی تنبیہ یاد آ گئی کہ انہوں نے ایک دفعہ ازواج سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا لیت شعري ایتكن تنجها كلاب الحواب۔ کچھ پتہ تو چلے کہ تم میں کون ہے جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔» چنانچہ جب آپ کو معلوم ہوا کہ ازواج کے پردے میں میں ہی مخاطب تھی تو اونٹ کو تھپکی دے کر بٹھایا اور سفر کو ملتوی کر دینے کا ارادہ کیا مگر ساتھ والوں کی وقتی سیاست نے بگڑے کام کو سنبھال لیا۔ عبداللہ ابن زبیر نے قسم کھا کر یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ مقام حوأب نہیں۔ طلحہ نے بھی اس کی تائید کی اور مزید تشفی کے لئے وہاں کے پچاس آدمیوں کو بلوا کر اس پر گواہی بھی دلوادی۔ اب جہاں پوری قوم کا اجماع ہو وہاں ایک اکیلی رائے کیا بنا سکتی تھی، آخر انہی کی جیت ہوئی اور اُم المومنین پھر اسی جوش و خروش کے ساتھ آگے چل پڑیں۔

جب یہ سپاہ بصرہ کے قریب پہنچی، تو اس میں ام المومنین کی سواری دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جاریہ ابنِ قدامہ نے آگے بڑھ کر کہا کہ اے ام المومنین قتل عثمان تو ایک مصیبت تھی ہی لیکن اس سے کہیں یہ بڑھ کر مصیبت ہے کہ آپ اس ملعون اونٹ پر بیٹھ

کر نکل کھڑی ہوں اور اپنے ہاتھوں سے اپنا دامنِ عزت وحرمت چاک کر ڈالیں۔ بہتر یہی ہے کہ واپس پلٹ جائیں۔ مگر جب حواَب کا واقعہ عناں گیر نہ ہوسکا اور قرن فی بیوتکن اپنے گھروں میں ٹک کر بیٹھی رہو۔ کا حکم زنجیر پا نہ بن سکا تو ان آوازوں کا کیا اثر ہوسکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے سنی ان سنی کر دی۔

جب اس لشکر نے شہر میں داخل ہونا چاہا تو والی بصرہ عثمان ابنِ حنیف فوج کا ایک دستہ لے کر ان کی روک تھام کے لئے بڑھے۔ جب آمنا سامنا ہوا تو دونوں فریقوں نے تلواریں نیاموں سے نکال لیں اور ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے، جب دونوں طرف سے اچھی خاصی تعداد میں آدمی مارے گئے تو حضرت عائشہ نے اپنے اثر سے کام لے کر بیچ بچاؤ کرادیا۔ اور فریقین اس قرارداد پر صلح کے لئے آمادہ ہو گئے کہ جب تک امیر المومنین علیہ السلام خود آنہیں جاتے۔ موجود نظم ونسق میں کوئی ترمیم نہ کیا جائے اور عثمان ابن حنیف اپنے منصب پر بحال رہیں۔ مگر دو ہی دن گزرنے پائے تھے کہ انہوں نے سارے عہد و پیمان توڑ کر عثمان ابن حنیف پر شبخون مارا۔ اور چالیس بے گناہوں کو مار ڈالا اور عثمان ابن حنیف کو زدوکوب کرنے کے بعد ان کی داڑھی کا ایک ایک بال نوچ ڈالا اور اپنی حراست میں لیکر بند کر دیا پھر بیت المال پر حملہ کیا اور اسے لوٹنے کے ساتھ بیس آدمی قتل کر ڈالے اور پچاس آدمیوں کو گرفتار کرنے کے بعد تہ تیغ کیا، پھر غلہ کے انبار پر دھاوا بول دیا جس پر بصرہ کے ایک ممتاز سر برآوردہ بزرگ حکیم ابنِ جبلہ تڑپ اٹھے۔ اور اپنے آدمیوں کو لے کر وہاں پہنچ گئے اور عبداللہ ابن زبیر سے کہا کہ اس غلہ میں سے کچھ اہل شہر کے لئے بھی رہنے دیا جائے آخر ظلم کی بھی

کوئی حد ہوتی ہے تم نے ہر طرف خونریزی و غارت گری کا طوفان مچا رکھا ہے اور عثمان ابنِ حنیف کو قید میں ڈال دیا ہے۔ خدا کے لئے ان تباہ کاریوں سے باز آؤ۔ اور عثمان ابن حنیف کو چھوڑو کیا تمہارے دلوں میں اللہ کا خوف نہیں ابنِ زبیر نے کہا کہ یہ خونِ عثمان کا بدلہ ہے۔ آپ نے کہا جن لوگوں کو قتل کیا گیا ہے کیا وہ عثمان کے قاتل تھے خدا کی قسم اگر میرے پاس اعوان وانصار ہوتے تو میں ان مسلمانوں کے خون کا بدلہ ضرور لیتا۔ جنہیں تم لوگوں نے ناحق مار ڈالا ہے۔ ابنِ زبیر نے جواب دیا کہ نہ تو ہم اس غلہ میں سے کچھ دیں گے اور نہ عثمان ابنِ حنیف کو چھوڑا جائے گا۔ آخر ان دونوں فریق میں لڑائی کی ٹھن گئی۔ مگر چند آدمی اتنی بڑی فوج سے کیونکر نپٹ سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حکیم ابنِ جبلہ اور ان کے بیٹے اشرف ابن حکیم اور ان کے بھائی رعل ابنِ جبلہ اور ان کے قبیلہ کے ستر آدمی مار ڈالے گئے۔ غرضیکہ ہر طرف مار دھاڑ اور لوٹ کھسوٹ کی گرم بازاری تھی، نہ کسی کی جان محفوظ تھی اور نہ کسی کی عزت و مال کے بچاؤ کی کوئی صورت تھی۔

جب امیر المومنین کو بصرہ کی روانگی کی اطلاع دی گئی تو آپ اس پیش قدمی کو روکنے کے لئے ایک فوج کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے اس عالم میں کہ ستر بدر میں اور چار سو بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ آپ کے ہمرکاب تھے۔ جب مقامِ ذی وقار پر پہنچ کر منزل کی تو حسن علیہ السلام اور عمار ابنِ یاسر کو کوفہ روانہ کیا کہ وہاں کے لوگوں کو جہاد کی دعوت دیں۔ چنانچہ ابوموسیٰ اشعری کی رخنہ اندازیوں کے باوجود وہاں کے سات ہزار نبرد آزمان کھڑے ہوئے اور امیر المومنین کی فوج میں مل گئے۔ یہاں سے فوج کو مختلف سپہ سالاروں

کی زیر قیادت ترتیب دے کر دشمن کے تعاقب میں چل پڑے۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جب یہ سپاہ بصرہ کے قریب پہنچی تو سب سے پہلے انصار کا ایک دستہ سامنے آیا جس کا پرچم ابو ایوب انصاری کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے بعد ہزار سواروں کا ایک اور دستہ نمودار ہوا۔ جس کے سپہ سالار خزیمہ بن ثابت انصاری تھے۔ پھر ایک اور دستہ نظر پڑا جس کا عَلَم ابو قتادہ ابن ربعی اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر ایک ہزار بوڑھے اور جوانوں کا جمگھٹا دکھائی دیا۔ جن کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان چمک رہے تھے

جب امیر المومنین کو بصرہ کی روانگی کی اطلاع دی گئی تو آپ اس پیش قدمی کو روکنے کے لئے ایک فوج کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے اس عالم میں کہ ستر بدر میں اور چار سو بیعت رضوان میں شریک ہونے والے صحابہ آپ کے ہمرکاب تھے۔ جب مقامِ ذی وقار پر پہنچ کر منزل کی تو حسن علیہ السلام اور عمار ابنِ یاسر کو کوُفہ روانہ کیا کہ وہاں کے لوگوں کو جہاد کی دعوت دیں۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری کی رخنہ اندازیوں کے باوجود وہاں کے سات ہزار نبرد آزمان کھڑے ہوئے اور امیر المومنین کی فوج میں مل گئے۔ یہاں سے فوج کو مختلف سپہ سالاروں کی زیر قیادت ترتیب دے کر دشمن کے تعاقب میں چل پڑے۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جب یہ سپاہ بصرہ کے قریب پہنچی تو سب سے پہلے انصار کا ایک دستہ سامنے آیا جس کا پرچم ابو ایوب انصاری کے ہاتھ میں تھا۔ اس کے بعد ہزار سواروں کا ایک اور دستہ نمودار ہوا۔ جس کے سپہ سالار خزیمہ بن ثابت انصاری تھے۔ پھر ایک اور دستہ نظر پڑا جس کا عَلَم ابو

قتادہ ابن ربعی اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر ایک ہزار بوڑھے اور جوانوں کا جمگھٹا دکھائی دیا۔ جن کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان چمک رہے تھے۔ چہرے پر خشیت الٰہی کے نقاب پڑے ہوئے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا جلالِ کبریا کے سامنے موقف حساب میں کھڑے ہیں۔ ان کا سپہ سالار سبز گھوڑے پر سوار سفید لباس میں ملبوس اور سر پر عمامہ باندھے۔ باآواز بلند قرآن کی تلاوت کرتا جارہا تھا یہ حضرت عمار ابن یاسر تھے۔ پھر ایک دستہ نظر آیا جس کا علم قیس ابنِ سعد ابن عبادہ کے ہاتھ میں تھا پھر ایک فوج دیکھنے میں آئی، جس کا قائد سفید لباس پہنے اور سر پر سیاہ عمامہ باندھے تھا اور خوش جمال اتنا کہ نگاہیں اس کے گرد طواف کررہی تھی، یہ عبداللہ ابن عباس تھے۔ پھر اصحاب پیغمبر کا ایک دستہ آیا جس کے علمبردار قثم ابن عباس تھے تو پھر چند دستوں کے گزرنے کے بعد ایک انبوہِ کثیر نظر آیا۔ جس میں نیزوں کی یہ کثرت تھی کہ ایک دوسرے میں گتھے جارہے تھے اور رنگا رنگ کے پھریرے لہرارہے تھے۔ ان میں ایک بلند و بالا علم امتیازی شان لئے ہوئے تھا اور اس کے پیچھے جلال وعظمت کے پہروں میں ایک سوار دکھائی دیا۔ جس کے بازو بھرے ہوئے اور نگاہیں زمین میں گڑی ہوئی تھیں، اور ہیبت ووقار کا یہ عالم تھا کہ کوئی نظر اٹھا کر نہ دیکھ سکتا تھا۔ یہ اسداللہ الغالب علی ابن ابی طالب تھے جن کے دائیں بائیں حسن اور حسین علیہما السلام تھے اور آگے آگے محمد ابن حنفیہ پرچم فتح واقبال لئے ہوئے آہستہ آہستہ قدم اٹھارہے تھے اور پیچھے جوانانِ بنی ہاشم، اصحابُ بدر اور عبداللہ ابن جعفر ابن ابی طالب تھے۔ جب یہ لشکر مقام زاویہ پر پہنچا تو امیر المومنین گھوڑے سے نیچے اتر آئے اور چار رکعت نماز پڑھنے کے

بعد خاک پر رخسار رکھ دیئے۔ اور جب سر اٹھایا تو زمین آنسوؤں سے تر تھی اور زبان پر یہ الفاظ تھے۔ اے آسمان و زمین اور عرشِ بریں کے پروردگار! یہ بصرہ ہے اس کی بھلائی سے ہمارا دامن بھر اور اس کے شر سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھ۔

پھر یہاں سے آگے بڑھ کر میدانِ جمل میں اُتر پڑے کہ جہاں حریف پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ حضرت نے سب سے پہلے اپنے لشکر میں اعلان فرمایا کہ دیکھو کوئی کسی پر ہاتھ نہ اٹھائے اور نہ لڑائی میں پہل کرے۔ یہ فرما کر فوجِ مخالف کے سامنے آئے اور طلحہ و زبیر سے کہا کہ تم عائشہ سے خدا اور رسول کی قسم دے کر پوچھو کہ کیا میں خونِ عثمان سے بری الذمہ نہیں ہوں اور جو کچھ تم ان کے متعلق کہا کرتے تھے کیا میں بھی وہی کچھ کہا کرتا تھا اور کیا میں نے تم کو بیعت کے لیے مجبور کیا تھا یا تم نے خود اپنی رضامندی سے بیعت کی تھی؟ طلحہ تو ان باتوں پر چراغ پا ہونے لگے مگر زبیر نرم پڑ گئے، اور حضرت اس گفتگو کے بعد پلٹ آئے اور مسلم مجاشعی کو قرآن دے کر ان کی طرف بھیجا۔ تاکہ انہیں قرآن مجید کا فیصلہ سنائیں۔ مگر ان لوگوں نے دونوں کو تیروں کی ضد پر رکھ لیا اور اس مردِ باخدا کا جسم چھلنی کر دیا۔ پھر عمار یاسر تشریف لے گئے تاکہ انہیں سمجھائیں بجھائیں اور جنگ کے نتائج سے آگاہ کریں۔ مگر ان کی باتوں کا جواب بھی تیروں سے دیا گیا۔ ابھی تک امیرالمومنین نے ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دی تھی جس کی وجہ سے دشمن کے حوصلے بڑھتے گئے اور وہ لگاتار تیر برساتے رہے۔ آخر چند جانبازوں کے دم توڑنے سے امیرالمومنین کی فوج میں بوکھلاہٹ سی پیدا ہوئی اور

کچھ لوگ چند لاشیں لے کر آپ کے سامنے آئے اور کہا کہ یا امیر المومنین آپ ہمیں لڑنے کی اجازت نہیں دیتے اور وہ ہمیں چھلنی کئے جا رہے تھے۔ بھلا کب تک ہم اپنے سینوں کو خاموشی سے تیروں کا ہدف بناتے رہیں گے اور ان کی زیادتیوں پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے۔ اس موقعہ پر حضرت کے تیور بدلے، مگر ضبط و حلم سے کام لیا اور اسی حالت میں بے زرہ و سلاح اُٹھ کر دشمن کی فوج کے سامنے آئے اور پکار کر کہا کہ زبیر کہاں ہے۔ پہلے تو زبیر سامنے آنے سے ہچکچائے۔ مگر جب دیکھا کہ امیر المومنین کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے تو وہ سامنے بڑھ کر آئے۔ حضرت نے فرمایا کیوں اے زبیر تمہیں یاد ہے کہ ایک دفعہ رسول نے تم سے کہا تھا کہ O اے زبیر تم علی سے ایک دن جنگ کرو گے اور ظلم و زیادتی تمہاری طرف سے ہوگی۔ زبیر نے کہا کہ ہاں فرمایا تھا، تو آپ نے کہا پھر کیوں آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ذہن سے اُتر گیا تھا اور اگر پہلے سے یاد آ گیا ہوتا تو کبھی ادھر کا رخ نہ کرتا۔ فرمایا اچھا اب تو یاد آ گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں اور یہ کہہ کر وہ سیدھے ام المومنین کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ میں تو واپس جا رہا ہوں ام المومنین نے کہا کہ اس کی وجہ؟ کہا ابوالحسن نے ایک بھولی ہوئی بات یاد دلا دی ہے۔ میں بے راہ ہو چکا تھا مگر اب راہ پر آ گیا ہوں اور کسی قیمت پر بھی علی ابنِ ابی طالب سے نہیں لڑوں گا۔ اُم المومنین نے کہا کہ تم اولادِ عبدالمطلب کی تلواروں سے ڈر گئے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ایسا نہیں اور یہ کہہ کر باگیں موڑ لیں۔ بہرصورت یہی غنیمت ہے کہ ارشادِ پیغمبر کا کچھ تو پاس و لحاظ کیا ورنہ مقامِ حواب پر تو رسول کی بات یاد آ جانے کے باوجود وقتی تاثر کے علاوہ کوئی دیر پا اثر نہیں لیا گیا تھا۔ بہر حال جب

امیر المومنین اس گفتگو کے بعد پلٹ کر آئے تو دیکھا کہ دشمنوں نے فوج کے داہنے اور بائیں حصّے پر حملہ کر دیا ہے۔ حضرت نے یہ دیکھا تو فرمایا کہ بس اب حجت تمام ہو چکی ہے۔ میرے بیٹے محمد کو بلاؤ، وہ حاضر ہوئے تو فرمایا بیٹا اب حملہ کر دو محمد نے سر جھکایا اور علم لے کر میدان کی طرف بڑھے مگر تیر اس کثرت سے آ رہے تھے کہ ٹھک کر رک گئے امیر المومنین نے یہ دیکھا تو پکار کر کہا کہ محمد آگے کیوں نہیں بڑھتے۔ کہا کہ بابا تیروں کی بوچھاڑ میں آگے بڑھنے کا کوئی راستہ بھی ہو، بس اتنا توقف فرمائے کہ تیروں کا ذرا زور تھم جائے۔ فرمایا کہ نہیں تیروں اور سنانوں کے اندر گھس کر حملہ کرو۔ ابنِ حنفیہ کچھ آگے بڑھے۔ مگر تیر اندازوں نے اس طرح گھیرا ڈالا کہ قدم روک لینے پڑے۔ یہ دیکھ کر امیر المومنین کی جبین پر شکن آئی اور آگے بڑھ کر تلوار کا دستہ محمد کی پشت پر مارا اور فرمایا: 0 یہ مادری رگ کا اثر ہے۔ اور یہ کہہ کر علم ان کے ہاتھ سے لے لیا اور آستینوں کو چڑھا کر اس طرح حملہ کیا کہ ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک فوج دشمن میں تہلکہ مچ گیا جس صف کی طرف مڑے وہی صف خالی تھی اور جدھر کا رُخ کیا لاشے تڑپتے ہوئے اور سر گھوڑے کے سموں سے لنڈ ھکتے ہوئے نظر آتے تھے۔ جب صفوں کو تہ و بالا کر کے پھر اپنے مرکز کی طرف پلٹ آئے تو ابنِ حنفیہ سے فرمایا کہ دیکھو بیٹا اس طرح سے جنگ کی جاتی ہے اور یہ کہہ کر پھر علم انہیں دیا۔ فرمایا کہ اب بڑھو، محمد انصار کا ایک دستہ لے کر دشمن کی طرف بڑھے۔ دشمن بھی نیزے ہلاتے ہوئے اور برچھیاں تولتے ہوئے آگے نکل آئے مگر شیر دل باپ کے جرّی بیٹے نے سب پرے الٹ دیئے اور دوسرے جانباز مجاہدوں نے بھی میدانِ کارِزار کو لالہ

زار بنا دیا اور کشتوں کے ڈھیر لگا دیئے۔

ادھر سے بھی جاں نثاری کا حق پوری طرح ادا کیا جا رہا تھا۔ لاشوں پر لاشیں گر رہی تھیں۔ مگر اونٹ کے گرد پروانہ وار جان دیتے رہے اور بنی ضبہ کی تو یہ حالت تھی کہ اونت کی نکیل تھامنے پر ہاتھ کہنیوں سے کٹ رہے تھے اور سینے چھدر رہے تھے۔ مگر زبانوں پر موت کا ترانہ گونجتا تھا۔

الموت احلی عندنا من العسل ۔0-----نحن بنی ضبة اصحاب الجمل

ہمارے نزدیک موت شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ ہم ہیں جو بنوں ضبة اونٹ کے رکھوالے 0۔

نحن بنو الموت اذا الموت نزل ننعی ابن عقان باطراف الاسل

ہم موت کے بیٹے ہیں جب موت آئے ہم ابنِ عقان کی کہانی نیزوں کی زبانی سناتے ہیں 0
ردوا علے نا شے خنا ثم بجل

ہمیں ہمارا سردار واپس پلٹا دو (ویسے کا ویسا) اور بس 0

ان بنی ضبہ کی پست کرداری اور دین سے بے خبری کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے جسے مدائنی نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں ایک شخص کا کان کٹا ہوا دیکھا تو اس سے اس کا سبب پوچھا اس نے بتایا کہ میں جمل کے میدان میں کشتوں کا منظر دیکھ رہا تھا کہ ایک زخمی نظر آیا جو کبھی سر اٹھاتا تھا اور کبھی زمین پر دے مارتا تھا۔ میں قریب ہوا تو اس کی زبان پر دو شعر تھے۔

لقد اوردتنا حومة الموت امنا فلم تنصرف الا ونحن رداء

ہماری ماں نے ہمیں موت کے گہرے پانی میں دھکیل دیا اور اس وقت تک پلٹنے کا نام نہ لیا جب تک ہم جھک کر سیراب نہ ہوئے۔ O

اطعنا بنی تیم لشقوة جدنا وما تیم الا اعبد و اماء

ہم نے شومیِ قسمت سے بنی تیم کی اطاعت کر لی، حالانکہ ان کے مرد غلام اور ان کی عورتیں کنیزیں ہیں O

میں نے اس سے کہا کہ اب شعر پڑھنے کا کون سا موقع ہے۔ اللہ کو یاد کرو اور کلمہ شہادت پڑھو، یہ کہنا تھا کہ اُس نے مجھے غصہ کی نظروں سے دیکھا اور ایک سخت قسم کی گالی دے کر کہا

کہ تو مجھ سے کہتا ہے کہ میں کلمہ پڑھوں اور آخری وقت میں ڈر جاؤں اور اب بے صبری کا مظاہرہ کروں یہ سن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی اور مزید کچھ کہنا سننا مناسب نہ سمجھا اور پلٹنے کا ارادہ کیا۔ جب اُس نے جانے کے لیئے مجھے آمادہ پایا تو کہا کہ ٹھہرو تمہاری خاطر اسے پڑھ لیتا ہوں۔ لیکن مجھے سکھا دو۔ میں اُسے کلمہ پڑھانے کے لیے قریب ہوا تو اس نے کہا اور قریب آؤ میں اور قریب ہوا تو اس نے میرا کان دانتوں میں دبا لیا اور اُس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ اُسے جڑ سے نہ کاٹ لیا۔ میں نے سوچا کہ اس مرتے ہوئے پر کیا ہاتھ اٹھاؤں اسے لعن طعن کرتا ہوا پلٹنے کے لیے تیار ہوا تو اس نے کہا کہ ایک بات اور سن لو۔ میں نے کہا کہ وہ بھی سنا لو تا کہ تمہیں کوئی حسرت نہ رہ جائے۔ اس نے کہا کہ جب اپنی ماں کے پاس جانا اور وہ پوچھے کہ یہ کان کس نے کاٹا ہے تو کہنا کہ عمرو ابن ہلب ضبی نے کہ جو ایک ایسی عورت کے بھرّے میں آ گیا تھا جو امیر المومنین بننا چاہتی تھی۔ بہرصورت جب تلواروں کی کوندتی ہوئی بجلیوں نے ہزاروں کے خرمنِ ہستی کو بھسم کر دیا اور بنی ازدو بنی ضبہ کے سینکڑوں آدمی نکیل پکڑنے پر کٹ مرے تو حضرت نے فرمایا ٥اس اعقروا الجمل فانہ شیطان،، اونٹ کو پے کرو۔ یہ شیطان ہے ٭٥ اور یہ کہہ کر ایسا سخت حملہ کیا کہ چاروں طرف سے الامان والحفیظ کی صدائیں آنے لگیں۔ جب اونٹ کے قریب پہنچے تو اشتر نخعی سے کہا کہ دیکھتے کیا ہو اسے پے کرو۔ چنانچہ اشتر نے ایسا بھرپور ہاتھ چلایا کہ وہ بلبلاتا ہوا سینہ کے بل زمین پر گرا، اور اونٹ کا گرنا تھا کہ فوجِ مخالف میں بھگدڑ مچ گئی اور جنابِ عائشہ کا ہودج یکہ وتنہا رہ گیا۔ اصحابِ امیر المومنین نے بڑھ کر سنبھالا اور محمد ابنِ ابی بکر نے امیر المومنین

کے حکم سے حضرت عائشہ کو صفیہ بنت حارث کے مکان پر پہنچا دیا۔ 01 جمادی الثانیہ ۳٦ ھ کو یہ معرکہ ظہر کے وقت شروع ہوا اور اسی دن شام کو ختم ہو گیا۔ اس میں امیر المومنین کے بائیس ہزار کے لشکر میں سے سترہ ہزار، ایک ہزار ستر اور دوسری روائت کی بنا پر پانچ سو افراد شہید ہوئے اور ام المومنین کے تیس ہزار کے لشکر میں سے سترة ہزار، دوسرے قول کی بنا پر بیس ہزار کام آئے اور پیغمبر کے اس ارشاد کی پوری تصدیق ہو گئی کہ ٥ ،،**لن یفلح قوم ولوا امرھم امراة**٥ وہ قوم کبھی کامرانی کا منہ نہیں دیکھ سکتی، جس کی قیادت عورت کے ہاتھ میں ہو٥

2.ابنِ ابی الحدید نے لکھا ہے کہ امیر المومنین کی اس پیشین گوئی کے مطابق بصرہ دو دفعہ غرقاب ہوا۔ ایک دفعہ قادر باللہ کے دور میں اور ایک دفعہ قائم بامراللہ کے عہد میں اور غرق ہونے کی بالکل یہی صورت تھی کہ شہر تو زیر آب تھا اور مسجد کے کنگرے جیسے کوئی پرندہ سینہ ٹیکے بیٹھا ہو۔

خطبہ 14

یہ بھی اہلِ بصرہ کی مذمت میں ھے:

تمہاری زمین (سمندر کے) پانی سے قریب اور آسمان سے دور ہے۔ تمہاری عقلیں سبک اور دانائیاں خام ہیں تم ہر تیر انداز کا نشانہ۔ ہر کھانے والے کا لقمہ اور ہر شکاری کی صید افگنیوں کا شکار ہو۔

خطبہ 15

حضرت عثمان کی عطا کردہ جاگیریں جب مسلمانوں کو پلٹا دیں، تو فرمایا۔

خدا کی قسم! اگر مجھے ایسا مال بھی کہیں نظر آتا جو عورتوں کے مہر اور کنیزوں کی خریداری پر صرف کیا جا چکا ہوتا تو اسے بھی واپس پلٹا لیتا۔ چونکہ عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے میں وسعت ہے اور جسے عدل کی صورت میں تنگی محسوس ہو اُسے ظلم کی صورت میں اور زیادہ تنگی محسوس ہوگی۔

خطبہ 16

جب مدینہ میں آپ کی بیعت ہوئی تو فرمایا:

میں اپنے قول کا ذمہ دار اور اس کی صحت کا ضامن ہوں۔ جس شخص کو اس کے دیدۂ عبرت نے گذشتہ عقوبتیں واضح طور سے دکھا دی ہوں، اسے تقویٰ شبہات میں اندھا دھند کودنے سے روک لیتا ہے۔ تمہیں جاننا چاہیے کہ تمہارے لیے وہی ابتلآت پھر پلٹ آئے ہیں، جو رسول کی بعثت کے وقت تھے۔ اس ذات کی قسم جس نے رسول کو حق وصداقت کے ساتھ بھیجا۔ تم بری طرح تہ و بالا کیے جاؤ گے اور اس طرح چھانٹے جاؤ گے جس طرح چھلنی سے کسی چیز کو چھانا جاتا ہے اور اس طرح غلط ملط کئے جاؤ گے جس طرح (چمچے سے ہنڈیا) یہاں تک کہ تمہارے ادنےٰ اعلیٰ اور اعلیٰ ادنیٰ ہو جائیں گے جو پیچھے تھے آگے بڑھ جائیں گے اور جو

ہمیشہ آگے رہتے تھے وہ پیچھے چلے جائیں گے۔خدا کی قسم میں نے کوئی بات پردے میں نہیں رکھی، نہ کبھی کذب بیانی سے کام لیا۔ مجھے اس مقام اور اس دن کی پہلے ہی سے خبر دی جا چکی ہے۔معلوم ہونا چاہیے کہ گناہ اس سرکش گھوڑوں کے مانند ہیں جن پر ان کے سواروں کو سوار کر دیا گیا ہو اور باگیں بھی ان کی اتار دی گئی ہوں اور وہ لے جا کر انہیں دوزخ میں پھاند پڑیں اور تقویٰ رام کی ہوئی۔سواریوں کے مانند ہے جن پر ان کے سواروں کو سوار کیا گیا ہو۔اس طرح کہ باگیں ان کے ہاتھ میں دے دی گئی ہوں اور وہ انہیں (با اطمینان) لے جا کر جنت میں اتار دیں۔ایک حق ہوتا ہے اور ایک باطل اور کچھ حق والے ہوتے ہیں، کچھ باطل والے۔اب اگر باطل زیادہ ہو گیا تو یہ پہلے بھی بہت ہوتا رہا ہے اور اگر حق کم ہو گیا ہے تو بسا اوقات ایسا ہوا ہے اور بہت ممکن ہے کہ وہ اس کے بعد باطل پر چھا جائے۔ اگر چہ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کوئی چیز پیچھے ہٹ کر آگے بڑھے۔

علامہ رضی فرماتے ہیں کہ اس مختصر سے کلام میں واقعی خوبیوں کے اتنے مقام ہیں کہ احساس خوبی کا اس کے تمام گوشوں کو پا نہیں سکتا اور اس کلام سے حیرت و استعجاب کا حصہ پسندیدگی کی مقدار سے زیادہ ہوتا ہے۔اس حالت کے باوجود جو ہم نے بیان کی ہے اس میں فصاحت کے اتنے بے شمار پہلو ہیں کہ جن کے کرنے کا یارا نہیں۔ نہ کوئی انسان اس کی عمیق گہرائیوں تک پہنچ سکتا ہے۔میری اس بات کو وہی جان سکتا ہے جس نے اس فن کا پورا پورا حق ادا کیا ہو، اور اس کے رگ و ریشہ سے واقف ہو اور جاننے والوں کے سوا کوئی ان کو نہیں سمجھ سکتا۔

اسی خطبے کا ایک حصہ یہ ہے۔جس کے پیشِ نظر دوزخ و جنت ہو،اس کی نظر کسی اور طرف نہیں اٹھ سکتی، جو تیز قدم دوڑنے والا ہے، وہ نجات یافتہ ہے اور جو طلب گار ہو،مگر سست رفتار اُسے بھی توقع ہو سکتی ہے۔مگر جو (ارادۃً) کوتاہی کرنے والا ہو، اُسے تو دوزخ ہی میں گرنا ہے۔دائیں بائیں گمراہی کی راہیں ہیں اور درمیانی راستہ ہی صراطِ مستقیم ہے۔اس راستے پر اللہ کی ہمیشہ رہنے والی کتاب اور نبوت کے آثار ہیں۔اسی سے شریعت کا نفاذ و اجراء ہوا۔ اور اسی کی طرف) آخر کار بازگشت ہے جس نے (غلط) ادعا کیا وہ تباہ و برباد ہوا اور جس نے افتراء باندھا، وہ ناکام و نامراد رہا جو حق کے مقابلے میں کھڑا ہوتا ہے۔تباہ ہو جاتا ہے اور انسان کی جہالت اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ وہ اپنی قدر و منزلت کو نہ پہچانے 2 وہ اصل و اساس، جو تقویٰ پر ہو، برباد نہیں ہوتی، اور اس کے ہوتے ہوئے کسی قوم کی کشت (عمل) بے آب و خشک نہیں رہتی۔تم اپنے گھر کے گوشوں میں چھپ کر بیٹھ جاؤ آپس کے جھگڑوں کی اصلاح کرو، توبہ تمہارے عقب میں ہے۔حمد کرنے والا صرف اپنے پروردگار کی حمد کرے اور بھلا برا کہنے والا اپنے ہی نفس کی ملامت کرے۔

بعض نسخوں میں من ابدی صفحته للحق هلك کے بعد « عند جهلة الناس» بھی مرقوم ہے۔اس بناء پر اس جملہ کے یہ معنی ہوں گے کہ جو حق کی خاطر کھڑا ہو وہ جاہلوں کے نزدیک تباہ برباد ہوتا ہے۔

2۔عظمت و جلالِ الٰہی سے دل و دماغ کے متاثر ہونے کا نام تقویٰ ہے جس کے نتیجے میں انسان کی روح خوف و خشیت الٰہی سے معمور ہو جاتی ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ

عبادت وریاضت میں سرگرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ ناممکن ہے کہ دل میں اس کا خوف بسا ہو اور اس کا اظہار انسان کے افعال واعمال سے نہ ہو اور عبادت و نیاز مندی سے چونکہ نفس کی اصلاح اور روح کی تربیت ہوتی ہے۔ لہذا جوں جوں عبادت میں اضافہ ہوتا ہے۔ نفس کی پاکیزگی بڑھتی جاتی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں تقویٰ کا اطلاق کبھی خوف وخشیت پر، کبھی بندگی اور نیاز مندی پر اور کبھی پاکیزگی قلب وروح پر ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ فایای فاتقون میں تقویٰ سے مراد خوف ہے اور اتقو اللہ حق تقاتہٗ میں تقویٰ سے مراد عبادت و بندگی ہے اور من یخش اللہ و یتقہ فاؤلٰئِک ھم الفائزون میں تقویٰ سے مراد پاکیزگی نفس طہارتِ قلب ہے۔

احادیث میں تقویٰ کے تین درجے قرار دیئے گئے ہیں۔ پہلا درجہ یہ کہ انسان واجبات کی پابندی اور محرمات سے کنارہ کشی کرے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ مستحبات کی بھی پابندی کرے اور مکروہات سے بھی دامن بچا کر رہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ شبہات میں مبتلا ہونے کے اندیشہ سے حلال چیزوں سے بھی ہاتھ اٹھا لے۔ پہلا درجہ عوام کا، دوسرا درجہ خواص کا اور تیسرا درجہ خاص الخواص کا ہے۔ چنانچہ خداوندِ عالم نے ان تینوں درجوں کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا۔

لیس علی اللذین امنوا وعملوا الصلحت جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا وامنوا وعملوا الصلحت ثم اتقوا و امنوا ثم اتقوا و احسنوا واللہ یحب المحسنین

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اعمال بجالائے ان پر جو وہ (پہلے) کھا پی چکے ہیں اس میں کچھ گناہ نہیں۔ جب انہوں نے پرہیزگاری اختیار کرلی اور ایمان لے آئے اور نیک کام کئے، پھر پرہیزگاری کی اور ایمان لے آئے پھر پرہیزگاری کی اور اچھے کام کئے اور اللہ اچھے کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

امیرالمومنین فرماتے ہیں کہ اسی عمل کے لئے جماؤ ہے۔ جس کی بنیاد تقویٰ پر ہو اور وہی کشتِ عمل پھلے پھولے گی۔ جسے تقویٰ کے پانی سے سینچا گیا ہو، کیونکہ عبادت وہی ہے جس میں احساسِ عبودیت کارفرما ہو، جیسا کہ اللہ سبحانہ، کا ارشاد ہے: افمن اسس بنیانہ علی تقویٰ من اللہ ورضوان خیرام من اسس بنیانہ علی شفا جرف ھارف نہار یبہ فی نار جھنم ۔کیا وہ شخص کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی خوشنودی پر رکھی، وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد وہ ایک گرنے والی کھائی کے کنارے پر رکھی کہ جو اسے لے کر جہنم کی آگ میں گر پڑے۔

چنانچہ ہر وہ اعتقاد جس کی اساس علم ویقین پر نہ ہو، اس عمارت کے مانند ہے جو بغیر بنیاد کے کھڑی کی گئی ہو۔ جس میں ثبات وقرار نہیں ہوسکتا اور ہر وہ عمل جو بغیر تقویٰ کے ہو، اس کھیتی کے مانند ہے جو آبیاری کے نہ ہونے کی وجہ سے سوُکھ جائے۔

خطبہ 17

ان لوگوں1 کے بارے میں جو امت کے فیصلے چکانے کے لئے مسند قضا پر بیٹھ جاتے ھیں حالانکہ وہ اس کے اھل نہیں ھوتے۔

تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک مبغوض دو شخص ہیں۔ ایک وہ جسے اللہ نے اس کے نفس کے حوالے کر دیا ہو (یعنی اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے اپنی توفیق سلب کر لی) جس کے بعد وہ سیدھی راہ سے ہٹا ہوا بدعت کی باتوں پر فریفتہ اور گمراہی کی تبلیغ پر مٹا ہوا ہے۔ وہ اپنے ہواخواہوں کے لئے فتنہ اور سابقہ لوگوں کی ہدایت سے برگشتہ ہے۔ وہ تمام ان لوگوں کے لئے جو اس کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد اس کی پیروی کریں، گمراہ کرنے والا ہے۔ وہ دوسروں کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے اور خود اپنی خطاؤں میں جکڑا ہوا ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے جہالت کی باتوں کو (ادھر ادھر سے) بٹور لیا ہے۔ وہ امت کے جاہل افراد میں دوڑ دھوپ کرتا ہے اور فتنوں کی تاریکیوں میں غافل و مدہوش پڑا رہتا ہے اور امن و آشتی کے فائدوں سے آنکھ بند کر لیتا ہے۔ چند انسانی شکل وصورت سے ملتے جلتے ہوئے لوگوں نے اسے عالم کا لقب دے رکھا ہے۔ حالانکہ وہ عالم نہیں وہ ایسی (بے سود) باتوں کے سمیٹنے کے لئے منہ اندھیرے نکل پڑتا ہے جن کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس گندے پانی سے سیراب ہو لیتا ہے اور لایعنی باتوں کو جمع کر لیتا ہے تو لوگوں میں قاضی بن کر بیٹھ جاتا ہے اور دوسروں پر مشتبہ رہنے والے مسائل کے حل کرنے کا ذمہ لے لیتا ہے اگر کوئی الجھا مسئلہ اس کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اپنی رائے سے

اس کے لئے بھرتی کی فرسودہ دلیلیں مہیا کر لیتا ہے اور پھر اس پر یقین بھی کر لیتا ہے۔ اس طرح وشبہات کے الجھاؤ میں پھنسا ہوا ہے۔ جس طرح مکڑی خود ہی اپنے جالے کے اندر۔ وہ خود یہ نہیں جانتا کہ اس نے صحیح حکم دیا ہے یا غلط۔ اگر صحیح بات بھی کہی ہو، تو اسے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں غلط نہ ہو۔ اور غلط جواب ہو تو اسے یہ توقع رہتی ہے کہ شاید یہی صحیح ہو، وہ جہالتوں میں بھٹکنے والا جاہل اور اپنی نظر کے دھندلا پن کے ساتھ تاریکیوں میں بھٹکنے والی سواریوں پر سوار ہے۔ نہ اس نے حقیقت علم کو پرکھا نہ اس کی تہ تک پہنچا۔ وہ روایات کو اس طرح درہم و برہم کرتا ہے جس طرح ہوا سوکھے ہوئے تنکوں کو۔ خدا کی قسم! وہ ان مسائل کے حل کرنے کا اہل نہیں جو اس سے پوچھے جاتے ہیں۔ اور نہ اس منصب کے قابل ہے جو اسے سپرد کیا گیا ہے جس چیز کو وہ نہیں جانتا اس چیز کو وہ کوئی قابلِ اعتنا علم ہی نہیں قرار دیتا اور جہاں تک وہ پہنچ سکتا ہے۔ اس کے آگے یہ سمجھتا ہی نہیں کہ کوئی دوسرا پہنچ سکتا ہے اور جو بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی اسے پی جاتا ہے، کیونکہ وہ اپنی جہالت کو خود جانتا ہے۔ (ناحق بہائے ہوئے) خون اس کے ناروا فیصلوں کی وجہ سے چیخ رہے ہیں اور غیر مستحق افراد کو پہنچی ہوئی میراثیں چلا رہی ہیں۔ اللہ ہی سے شکوہ ہے ان لوگوں کا جو جہالت میں جیتے ہیں اور گمراہی میں مرجاتے ہیں۔ ان میں قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہیں جب کہ اسے اس طرح پیش کیا جائے جیسا پیش کرنے کا حق ہے اور اس قرآن سے زیادہ ان میں کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں۔ اس وقت جب کہ اس کی آیتوں کا بے محل استعمال کیا جائے۔ ان کے نزدیک نیکی سے زیادہ کوئی برائی اور برائی سے زیادہ کوئی نیکی نہیں۔

۱۔امیر المومنین نے دو قسم کے لوگوں کو اللہ کے نزدیک مبغوض اور بدترین خلائق قرار دیا ہے۔ایک وہ جو سرے سے اصول عقائد ہی میں گمراہ ہیں اور گمراہی کی نشر و اشاعت میں لگے رہتے ہیں اور دوسرے وہ جو قرآن و سنت کر پسِ پشت ڈال کر اپنے قیاس و رائے سے احکام گھڑ لیتے ہیں اور اپنے مقلدین کا ایک حلقہ پیدا کر کے ان میں خود ساختہ شریعت کی ترویج کرتے رہتے ہیں ایسے لوگوں کی گمراہی و کجروی صرف ان کی ذات تک محدود نہیں رہتی۔ بلکہ ان کی ضلالت کا بویا ہوا بیج برگ و بار ملاتا ہے۔اور ایک تناور شجر کی صورت اختیار کر کے گمراہوں کو ہمیشہ اپنے سایہ میں پناہ دیتا رہتا ہے اور یہ گمراہی بڑھتی ہی رہتی ہے اور چونکہ اس گمراہی کے اصل بانی یہی لوگ ہوتے ہیں۔اس لئے دوسروں کی گمراہی کا بوجھ بھی انہی کے سر لادا جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ولیحملن اثقالھم و اثقالا مع اثقالھم۔ یہ لوگ اپنے (گناہوں) کا بوجھ تو یقینا اٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے ساتھ (جنہیں گمراہ کیا ہے)ان کے بوجھ بھی انہیں اٹھانا پڑیں گے۔

خطبہ 18

فتاویٰ میں علماء کے مختلف الآرا ہونے کی مذمت میں فرمایا:

جب ان میں سے کسی ایک کے سامنے کوئی معاملہ فیصلہ کے لئے پیش ہوتا ہے تو وہ اپنی رائے سے اس کا حکم لگا دیتا ہے۔پھر وہی مسئلہ بعینہٗ دوسرے کے سامنے پیش ہوتا ہے تو وہ اس پہلے کے حکم کے خلاف حکم دیتا ہے پھر یہ تمام کے تمام قاضی اپنے اس خلیفہ کے پاس جمع ہوتے ہیں جس نے انہیں قاضی بنا رکھا ہے تو وہ سب کی رایوں کو صحیح قرار دیتا ہے۔حالانکہ

ان کا اللہ ایک، نبی ایک اور کتاب ایک ہے۔(انہیں غور تو کرنا چاہیئے) کیا اللہ نے انہیں اختلاف کا حکم دیا تھا اور یہ اختلاف کر کے اس کے حکم بجا لاتے ہیں یا اس نے تو حقیقتاً اختلاف سے منع کیا ہے اور یہ اختلاف کر کے عمداً اس کی نافرمانی کرنا چاہتے ہیں۔ یا یہ کہ اللہ نے دین کو ادھورا چھوڑ دیا تھا اور ان سے تکمیل کے لئے ہاتھ بٹانے کا خواہشمند ہوا تھا یا یہ کہ اللہ کے شریک تھے کہ انہیں اس کے احکام میں دخل دینے کا حق ہو، اور اس پر لازم ہو کہ وہ اس پر رضا مند رہے یا یہ کہ اللہ نے تو دین کو مکمل اتارا تھا مگر اس کے رسول نے اس کے پہنچانے اور ادا کرنے میں کوتاہی کی تھی۔ اللہ نے قرآن میں تو یہ فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور اس میں ہر چیز کا واضح بیان کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کے بعض حصے بعض حصوں کی تصدیق کرتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ چنانچہ اللہ کا یہ ارشاد ہے کہ اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کا بھیجا ہوا ہوتا، تو تم اس میں کافی اختلاف پاتے اور یہ کہ اس کا ظاہر خوش نما اور باطن گہرا ہے۔ نہ اس کے عجائبات مٹنے والے اور نہ اس کے لطائف ختم ہونے والے ہیں۔ ظلمت (جہالت) کا پردہ اسی سے چاک کیا جاتا ہے۔

1. یہ مسئلہ محل نزاع ہے کہ جس چیز پر شرع کی رو سے قطعی دلیل قائم نہ ہو۔ آیا واقع میں اس کا کوئی حکم ہوتا بھی ہے یا نہیں ابوالحسن اشعری اور انکے استاد ابو علی جبائی کا مسلک یہ ہے کہ اللہ نے اس کے لئے کوئی حکم تجویز ہی نہیں کیا بلکہ ایسے موارد میں تشریح و حکم کا اختیار مجتہدین کو

سونپ دیا ہے کہ وہ اپنی صوبدید سے جسے حرام ٹھہرالیں اسے واقعی حرام قرار دے دیا جائے گا۔اور جسے حلال کردیں، اسے واقعی حلال سمجھ لیا جائے گا اور اگر کوئی کچھ کہے اور کوئی کچھ تو پڑھ جتنی ان کی رائے ہوں گی اتنے احکام بنتے چلے جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک کا نقطہ نگاہ حکم واقعی کا ترجمان ہوگا۔ مثلاً اگر ایک مجتہد کی رائے یہ ٹھہری کہ نبیذ حرام ہے اور دوسرے مجتہد کی رائے یہ ہوئی کہ نبیذ حلال ہے تو وہ واقع میں حلال بھی ہوگی اور حرام بھی۔ یعنی جو اسے حرام سمجھے اس کے لئے پینا ناجائز ہے اور جو حلال سمجھ کر پیئے اس کے لئے پینا جائز ہے۔ چنانچہ شہرستانی اس تصویب کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔

اصولیین کا ایک گروہ اس کے قائل ہے کہ جن مسائل میں اجتہاد کیا جاتا ہے، ان کے لئے جواز وعدم جواز اور حلال وحرام کے اعتبار سے کوئی طے شدہ حکم نہیں ہوتا، بلکہ جو مجتہد کی رائے ہوتی ہے، وہی خدا کا حکم ہوتا ہے۔ کیوں کہ حکم کا قرار پانا ہی اس پر موقوف ہے کہ وہ کسی مجتہد کے نظریئے سے طے ہو۔ اگر یہ چیز نہ ہوگی تو حکم بھی ثابت نہ ہوگا۔ اور اس مسلک کی بناء پر ہر مجتہد اپنی رائے میں درست ہوگا۔

اس صورت میں مجتہد کو خطا سے اس لئے محفوظ سمجھا جاتا ہے کہ خطا تو وہاں متصور ہوا کرتی ہے۔ جہاں کوئی قدم واقع کے خلاف اٹھے اور جہاں کوئی واقع ہی نہ ہو وہاں خطا کے کیا معنی اس کے علاوہ اس صورت میں بھی مجتہد سے خطا کا امکان نہ ہوگا کہ جب یہ نظریہ قائم کرلیا جائے کہ مجتہدین کی آئندہ جتنی رائے ہونے والی تھیں اللہ نے ان سے باخبر ہونے کی بنا پر پہلے ہی سے اتنے احکام بنا رکھے ہیں کہ جس کی وجہ سے ہر رائے حکمُ واقعی کے مطابق ہی

پڑتی ہے یا یہ کہ اس نے یہ التزام کر رکھا ہے کہ مجتہدین کی رایوں کو ان طے شدہ احکام سے باہر نہ ہونے دے گا، یا کہ بر سبیلُ اتفاق ان میں سے ہر ایک کی رائے ان احکام میں سے کسی ایک نہ ایک حکم سے بہر صورت موافقت کرے گی۔

لیکن فرقہ امامیہ کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ نے نہ کسی کو شریعت سازی کا حق دیا ہے اور نہ کسی چیز کے حکم کو مجتہد کی رائے کے تابع ٹھہرایا ہے اور نہ آراء کے مختلف ہونے کی صورت میں ایک ہی چیز کے لئے واقع میں متعدد احکامات بنائے ہیں۔ البتہ جب مجتہد کی حکم واقعی تک رسائی نہیں ہونے پاتی تو تلاش و تفحص کے بعد جو نظریہ اس کا قرار پاتا ہے۔ اس پر عمل پیرا ہونا اس کے لئے اور اس کے مقلدین کے لئے کفایت کر جاتا ہے۔ لیکن اس کی حیثیت صرف حکم ظاہری کی ہوتی ہے جو حکمُ واقعی کا بدل ہے اور ایسی صورت میں حکمُ واقعی کے چھوٹ جانے پر وہ معذور قرار پاتا ہے۔ کیونکہ اس نے اس دریائے ناپیدا کنار میں غوطہ لگانے اور تہ تک پہنچنے میں کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ مگر اس پر کیا اختیار کہ درِ شاہوار کے بجائے خالی صدف ہی اس کے ہاتھ لگے۔ لیکن وہ یہ نہیں کہتا کہ دیکھنے والے اسے موتی سمجھیں اور موتی کے بھاؤ بکے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوششوں کا پرکھنے والا اس کی بھی آدھی قیمت لگا دے تا کہ نہ اس کی محنت اکارت جائے اور نہ اس کی ہمت ٹوٹنے پائے۔ اگر اس تصویب کے اصول کو مان لیا جائے تو پھر ہر فتویٰ کو درست اور ہر قول کو صحیح ماننا پڑے گا۔ جیسا کہ میبذی نے فواتح میں لکھا ہے۔

« حق دریں مسئلہ مذہب اشعری است پس تو اند بود کہ مذاہب متناقصہ ہمہ حق باشند زنہار

درشانِ علماء گمان بدمبر وزبان بطعن ایشاں مکشا۔»

جب متضاد نظریئے اور مختلف فتوے تک صحیح تسلیم کئے جاتے ہیں تو حیرت ہے کہ بعض نمایاں افراد کے اقدامات کو خطائے اجتہادی سے کیوں تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب کہ مجتہد کے لئے خطا کا تصور ہی نہیں ہوسکتا۔ اگر عقیدہ تصویب صحیح ہے تو امیر شام اور ام المومنین کے اقدامات درست ماننا پڑیں گے اور اگر ان کے اقدامات غلط سمجھے جاتے ہیں تو تسلیم کیجئے کہ اجتہاد ٹھوکر بھی کھا سکتا ہے اور تصویب کا عقیدہ غلط ہے اور یہ اپنے مقام پر طے ہوتا رہے گا کہ ام المومنین کے اجتہاد میں انوثیت تو سدِ راہ نہیں ہوتی یا امیر شام کا یہ اجتہاد تھا یا کچھ اور۔ بہر صورت یہ تصویب کا عقیدہ خطاؤں کو چھپانے اور غلطیوں پر حکمِ الٰہی کی نقاب ڈالنے کے لئے ایجاد کیا گیا تھا تا کہ نہ مقصد برآریوں میں روک پیدا ہو، اور نہ من مانی کارروائیوں کے خلاف کوئی زبان کھول سکے۔ امیر المومنین نے اس خطبہ میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اللہ کی راہ سے کٹ کر اور وحی الٰہی کی روشنی سے آنکھیں بند کر کے قیاس ورائے کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں اور دین کو افکار و آرا کی آماجگاہ بنا کر نت نئے فتوے دیتے رہتے ہیں اور اپنے جی سے احکام گڑھ کر اختلافات کے شاخسانے چھوڑتے رہتے ہیں اور پھر تصویب کی بناء پر تمام مختلف و متضاد احکام کو اللہ کی طرف سے سمجھ لیتے ہیں۔ گویا ان کا ہر حکم وحی الٰہی کا ترجمان کہ نہ ان کا کوئی حکم غلط ہوسکتا ہے اور نہ کسی موقعہ پر وہ ٹھوکر کھا سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اس مسلک کی رد میں فرماتے ہیں کہ

1) جب اللہ ایک، کتاب ایک اور رسول ایک ہے، تو پھر دین بھی ایک ہی ہونا چاہئے اور

جب دین ایک ہے تو ایک ہی چیز کے لئے مختلف ومتضاد احکام کیونکر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ حکم تضاد اس صورت میں ہوا کرتا ہے کہ جب حکم دینے والا پہلا حکم بھول چکا ہو، یا اس پر غفلت یا مدہوشی طاری ہوگئی ہو، اب جان بوجھ کر ان بھول بھلیوں میں رکھنا چاہتا ہو اور اللہ ورسول ان چیزوں سے بلند تر ہیں۔ لہذا اس اختلاف کو ان کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ یہ اختلافات ان لوگوں کے خیالات وآراء کا نتیجہ ہیں کہ جنہوں نے قیاس آرائیوں سے دین کے نقوش کو مسخ کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

2) اللہ نے یا تو ان اختلافات سے منع کیا ہوگا یا اختلاف پیدا کرنے کا حکم دیا ہوگا۔ اگر حکم دیا ہے تو وہ کہاں اور کس مقام پر ہے اور ممانعت کو سننا چاہو تو قرآن کہتا قل اللہ اذن لکم ام علی اللہ تفترون ان کو کہو کہ کیا اللہ نے تمہیں اجازت دے دی ہے یا تم اللہ پر افتراء کرتے ہو۔« یعنی ہر وہ چیز جو بحکم خدا نہ ہو وہ افترا ہے اور افتراع ممنوع وحرام ہے اور افترا پردازوں کے لئے عقبیٰ میں نہ تو زو کامرانی ہے نہ فلاح وبہبود، چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:۔

جو تمہاری زبانوں پر جھوٹی باتیں چڑھی ہوئی ہیں۔ انہیں کہا نہ کرو اور نہ اپنی طرف سے حکم لگایا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تا کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندXX ے لگو اور جو افترا پردازیاں کرتے ہیں وہ کامیابی وکامرانی سے ہمکنار نہ ہوں گے۔

3) اگر اللہ ہی نے دین کو نا تمام رکھا ہے تو ادھورا چھوڑنے کی یہ وجہ ہوگی کہ اس نے اپنے بندوں سے یہ چاہا ہوگا کہ وہ شریعت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اس کا ہاتھ بٹائیں اور شریعت سازی میں اس کے شریک ہوں تو یہ عقیدہ سراسر شرک ہے۔

اگر اس نے دین کو مکمل اتارا ہے تو پھر پیغمبر نے اس کے پہنچانے میں کوتاہی کی ہو گی تا کہ دوسروں کے لئے اس میں قیاس ورائے کی گنجائش رہے تو معاذ اللہ یہ پیغمبر کی کمزوری اور انتخاب ُقدرت پر بدنما دھبہ ہوگا۔

4) اللہ سبحانہ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کو اٹھا نہیں رکھا اور ہر ایک چیز کو کھول کر بیان کر دیا ہے تو پڑھ قرآن سے ہٹ کر جو حکم تراشا جائے گا وہ شریعت سے باہر ہو گا اور اس کی اساس علم و بصیرت اور قرآن وسنت پر ہو گی۔ بلکہ اپنی ذاتی رائے اور اپنا ذاتی فیصلہ ہوگا۔جس کا دین و مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں سمجھا جا سکتا۔

5) قرآن دین کا مبنیٰ و ماخذ اور احکامِ شریعت کا سرچشمہ ہے۔ اگر احکامِ شریعت مختلف اور جُدا جدا ہوتے تو پھر اس میں بھی اختلاف ہونا چاہیئے تھا اور اس میں اختلاف ہوتا تو یہ اللہ کا کلام نہ رہتا اور جب یہ اللہ کا کلام ہے تو پھر شریعت کے احکام مختلف ہو ہی نہیں سکتے مختلف و متضاد نظریوں کو صحیح سمجھ لیا جائے اور قیاسی فتوؤں کو اس کا حکم قرار دے دیا جائے۔

خطبہ 19

اشعث بن قیس کی غداری کا واقعہ

امیر المومنین علیہ السلام منبرِ کوفہ پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اشعث ابنِ قیس ا نے آپ کے کلام پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یا امیر المومنین یہ بات تو آپ کے حق میں نہیں بلکہ آپ کے خلاف پڑتی ہے۔تو حضرت نے اسے نگاہ غضب سے دیکھا اور فرمایا:۔

تجھے کیا معلوم کہ کون سی چیز میرے حق میں ہے اور کون سی چیز میرے خلاف جاتی ہے۔ تجھ

پر اللہ کی پھٹکار اور لعنت کرنے والوں کی۔تو جولاہے کا بیٹا جولاہا اور کافر کی گود میں پلنے والا منافق ہے۔تو ایک دفعہ کافروں کے ہاتھوں میں اور ایک دفعہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں اسیر ہوا۔لیکن تجھ کو تیرا مال اور حسب اس عار سے نہ بچا سکا اور جو شخص اپنی قوم پر تلوار چلوا دے اور اس کی طرف موت کو دعوت اور ہلاکت کا بلاوا دے، وہ اسی قابل ہے کہ قریبی اس سے نفرت کریں اور دور والے بھی اس پر بھروسہ نہ کریں۔

سید رضی فرماتے ہیں کہ یہ ایک دفعہ کفر کے زمانہ میں اور ایک دفعہ اسلام کے زمانہ میں اسیر کیا گیا تھا۔رہا حضرت کا یہ ارشاد کہ جو شخص اپنی قوم پر تلوار چلوا دے،تو اس سے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو اشعث کو خالد ابنِ ولید کے مقابلہ میں یمامہ میں پیش آیا تھا کہ جہاں اس نے اپنی قوم کو فریب دیا تھا اور ان سے چال چلی تھی۔ یہاں تک کہ خالد نے ان پر حملہ کر دیا اور اس واقعہ کے بعد اس کی قوم والوں نے اس کا لقب عرف النار رکھ دیا اور یہ ان کے محاورہ میں غدار کے لئے بولا جاتا ہے۔

اشعث ابنِ قیس کندی

اس کا اصل نام معد یکرب اور کنیت ابو محمد ہے۔مگر اپنے بالوں کی پراگندگی کی وجہ سے اشعث (پراگندہ مُو) کے لقب سے زیادہ مشہور ہے۔ جب بعثت کے بعد یہ اپنے قبیلہ سمیت مکہ آیا تو پیغمبر نے اسے اور اسکے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی۔لیکن یہ سب منہ موڑ کر چلتے ہوئے۔اور ایک بھی اسلام قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوا۔اور جب ہجرت کے بعد اسلام کے قدم جم گئے اور اس کا پرچم لہرانے لگا اور اطراف و جوانب کے وفد جوق در جوق

مدینہ آنا شروع ہوئے تو یہ بھی بنی کندہ کے ایک وفد کے ہمراہ پیغمبر کی خدمت میں آیا اور اسلام قبول کیا۔ صاحبِ استیعاب لکھتے ہیں کہ یہ پیغمبرِ اسلام کے بعد مرتد ہو گیا اور حضرت ابو بکر کے زمانہ خلافت میں کہ جب اسے اسیر کر کے مدینہ لایا گیا تو پھر کے اسلام قبول کیا مگر اس وقت بھی اس کا اسلام صرف دکھاوے کا تھا۔ چنانچہ شیخ محمد عبدہ نے حاشیہ نہج البلاغہ پر تحریر کیا ہے کہ جس طرح عبداللہ ابنِ ابی ابنِ سلول اصحابِ رُسول میں تھا۔ ویسا ہی اشعث علی ابنِ ابی طالب کی جماعت میں تھا اور یہ دونوں اپنے اپنے عہد میں چوٹی کے منافق تھے۔ جنگِ یرموک میں اس کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی۔ چنانچہ قتیبہ نے المعارف میں اسے کانوں کی فہرست میں درج کیا ہے اور حضرت ابو بکر کی بہن ام فروہ بنتِ ابی قحافہ جو پہلے ایک ازوی کے نکاح میں اور پھر تمیم دارمی کے عقد میں تھیں۔ تیسری دفعہ اسی اشعث سے بیاہی گئیں۔ جن سے تین لڑکے محمد، اسماعیل اور اسحاق پیدا ہوئے۔ کتبِ رُجال میں لکھا ہے کہ یہ بھی ایک آنکھ سے معذور تھیں ابن ابی الحدید نے ابو الفرج سے یہ عبارت نقل کی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ قتل امیر المومنین کی سازش میں برابر کا شریک تھا۔ شبِ ضرب ابن ملجم اشعث ابنِ قیس کے پاس آیا اور دونوں علٰیحدگی میں مسجد کے ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ کہ اُدھر سے حجر ابن عدی کا گزر ہوا، تو انہوں نے سنا کہ اشعث ابن ملجم سے کہہ رہا ہے کہ بس اب جلدی کرو، ورنہ پو پھوٹ کر تمہیں رسوا کر دے گی۔ حجر نے یہ سنا تو اشعث سے کہا کہ اے کانے تو علی کے قتل کا سرو سامان کر رہا ہے اور پھر تیزی سے علی ابن ابی طالب کی طرف گئے۔ مگر جب امیر المومنین کو نہ پا کر پلٹے تو ابنِ ملجم اپنا کام کر چکا تھا، اور لوگ کہہ

رہے تھے کہ امیر المومنین قتل کر دیئے گئے۔اس کی بیٹی جعدہ نے حضرت امام حسن کو زہر دے کران کی زندگی کا خاتمہ کر دیا تھا۔ چنانچہ مسعودی نے لکھا ہے کہ:۔آپ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث کندی نے آپ کو زہر دیا اور معاویہ نے اس سے یہ ساز باز کی تھی کہ اگر تم کسی طریقہ سے حسن کو زہر دے دو۔تو میں تمہیں ایک لاکھ درہم دوں گا اور یزید سے تمہارا عقد کر دوں گا۔اس کا بیٹا محمد ابن اشعث کوفہ میں حضرت مسلم کو فریب دینے اور کربلا میں خون سید الشہدا بہانے میں شریک تھا مگر ان سب باتوں کے باوجود بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابنِ ماجہ کے راویانِ حدیث میں سے ہے۔

1.جنگِ نہروان کے بعد مسجد کوفہ میں تحکیم کی بدعنوانیوں کے سلسلہ میں حضرت خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ امیر المومنین آپ نے پہلے تو ہمیں اس تحکیم سے روکا اور پھر اس کا حکم بھی دے دیا ہمیں نہیں معلوم کہ ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات زیادہ صحیح اور مناسب تھی۔حضرت نے یہ سن کر ہاتھ پر ہاتھ مارا اور فرمایا ھذا اجزاء من ترک العقدۃ جو ٹھوس رائے کو چھوڑ دیتا ہے۔اسے ایسا ہی خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔یعنی یہ تمہارے کرتوت کا پھل ہے جو تم نے حزم و احتیاط کا دامن چھوڑ کر تحکیم کے مان لینے پر اصرار کیا تھا۔مگر اشعث اس سے یہ سمجھا کہ حضرت اپنے بارے میں فرما رہے ہیں کہ میری یہ حیرانی و سرگرادانی تحکیم کے مان لینے کا نتیجہ ہے۔لہذا بول اٹھا کر یا امیر المومنین اس سے تو آپ ہی کی ذات پر حرف آتا ہے جس پر حضرت نے بگڑ کر فرمایا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں کیا

کہہ رہا ہوں اور تم کیا جانو کہ کون سی چیز میرے حق میں ہے اور کون سی چیز میرے خلاف پڑتی ہے۔تم جولا ہے اور جولا ہے کے بیٹے اور کافر کی گود میں پروان چڑھنے والے منافق ہو۔تم پر اللہ کی اور ساری دنیا کی لعنت ہو۔شارحین نے امیر المومنین کے اشعث کو حائک (جولاہا) کہنے کی چند وجہیں لکھی ہیں۔پہلی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ اور اس کا باپ اپنے اکثر اہلِ وطن کی طرح کپڑا بنے کا دھندا کرتے تھے۔اس لئے اس کے پیشہ کی پستی و دنایت کی طرف اشارہ کرنے کے لیے اسے جولاہا کہا ہے یوں تو یمنیوں کے پیشے اور بھی کئی تھے۔مگر زیادہ دھندا ان کے ہاں یہی ہوتا تھا چنانچہ خالد ابنِ صفوان نے ان کے پیشوں کا تعارف کراتے ہوئے پہلے اسی پیشے کا ذکر کیا ہے۔میں اس قوم کے بارے میں کیا کہوں کہ جن میں صرف کپڑا بننے والے، چمڑا رنگنے والے، بندر نچانے والے اور گدھے پر سوار ہونے والے ہی ہوتے ہیں۔ ہُدہُد نے ان کا ٹھکانا بتایا۔ایک چوہیا نے انہیں غرق کر دیا۔اور ایک عورت نے ان پر حکومت کی۔دوسری وجہ یہ ہے کہ حیاکت کے معنی جھوم کر اور بَل کھا کر چلنے کے ہیں اور یہ چونکہ غرور اور تکبر کی وجہ سے شانے مٹکا کر اور بل کھا کر چلتا تھا۔اس بنا پر اسے حائک فرمایا۔تیسری وجہ یہ ہے اور یہی زیادہ نمایاں اور واضح ہے کہ اس کی حماقت و دنائیت ظاہر کرنے کے لیے اسے جولاہا کہا ہے چونکہ ہونی وفرد مایہ کو مثل کے طور پر جولاہا کہہ دیا جاتا ہے۔ان کے فہم و فراست کا یہی عروج کیا کم تھا کہ ان کی حماقتیں ضرب المثل بن چکی تھیں جب کہ کسی خصوصی امتیاز کے بغیر کوئی چیز ضرب المثل کی حیثیت حاصل نہیں کیا کرتی کہ امیر المومنین نے بھی اسکی توثیق فرما دی کہ جس کے بعد کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہ

جاتی۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ جو اللہ و رسول کے خلاف جوڑ توڑ کرے اور افترا پردازیوں کے جال بنے کہ جو صرف منافق ہی کا شیوہ ہوتا ہے۔ چنانچہ وسائل الشیعہ میں ہے کہ:۔امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے حائک کے ملعون ہونے کا ذکر ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ ہے جو اللہ و رسول پر افترا باندھتا ہے۔لفظ حائک کے بعد لفظ منافق ارشاد فرمایا ہے اور دونوں میں واو عطف کا بھی فاصلہ نہیں رکھا تا کہ دونوں کے قریب المعنی ہونے پر روشنی پڑے اور پھر اس نفاق و حق پوشی کی بنا پر اسے اللہ اور لعنت کرنے والوں کی لعنت کا مستحق ٹھرایا ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے۔ وہ لوگ جو ہماری اتاری ہوئی نشانیوں اور رہنماؤں کو چھپاتے ہیں باوجود یہ کہ ہم نے کتاب میں انہیں کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا ہے تو یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ تم کفر میں بھی اسیری کی ذلت سے نہ بچ سکے اور اسلام لانے کے بعد بھی ان رسوائیوں نے تمہارا پیچھا نہ چھوڑا اور تمہیں اسیر بنا لیا گیا۔ چنانچہ کفر کی حالت میں اس کی اسیری کی صورت یہ ہوئی کہ جب اس کے باپ قیس کو قبیلہ بنی مراد نے قتل کر ڈالا، تو اس نے بنی کندہ کے جنگ آزماؤں کو جمع کیا اور انہیں تین ٹولیوں میں بانٹ دیا۔ ایک ٹولی کی باگ ڈور خود سنبھالی اور دوسری دو ٹولیوں پر کبش ابن ہانی اور قشعم ابن ارقم کو سردار مقرر کیا اور بنی مراد پر حملہ کرنے کے لئے چل کھڑا ہوا۔ مگر بدبختی جو آئی تو بنی مراد کے بجائے بنی حارث ابنِ کعب پر حملہ کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کبش ابن ہانی اور قشعم ابنِ راقم قتل کر دیئے گئے۔ اور اسے زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ آخر تین ہزار اونٹ فدیہ کے دے کر ان

سے جان چھڑائی۔ امیر المومنین کے ارشاد نما فداک من واحدۃ منھما مالک ولا حسبک (تجھے تیرا مال وحسب ان دونوں گرفتاریوں میں سے کسی ایک سے بھی نہ چھڑا سکا) میں فدیہ سے مراد حقیقی فدیہ نہیں ہے کیونکہ وہ فدیہ دے کر ہی آزاد ہوا تھا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اسے مال کی فراوانی اور کنبہ میں توقیر وسربلندی اس عار سے نہ بچا سکی اور وہ اسیری کی ذلتوں سے اپنا دامن محفوظ نہ رکھ سکا۔ اس کی دوسری اسیری کا واقعہ یہ ہے کہ جب پیغمبر اسلامؐ نے دنیا سے رحلت فرمائی تو حضرموت کے علاقہ میں بغاوت پھیل گئی جسے فرو کرنے کے لئے حضرت ابو بکر نے وہاں کے حاکم زیاد ابن لبید کو لکھا ہے کہ وہ ان لوگوں سے بیعت لے اور ان سے زکوٰۃ وصدقات وصول کرے۔ چنانچہ جب زیادہ ابن لبید قبیلہ بنی عمرو ابنِ معاویہ کے ہاں زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے گیا تو شیطانِ ابنِ حجر کی ایک اونٹنی جو بڑی خوبصورت اور مضبوط ڈیل ڈول کی تھی اسے پسند آ گئی۔ اس نے بڑھ کر اس پر قبضہ کر لیا۔ شیطان اسے دینے پر رضامند نہ ہوا، اور کہا کہ اسے رہنے دیجئے اور اس کے بدلہ میں کوئی اور اونٹنی لے لیجئے مگر زیاد نہ مانا۔ شیطان نے اپنے بھائی عداء ابنِ حجر کو اپنی حمایت کے لئے بلا لیا۔ اس نے بھی آ کر کہا سنا مگر زیاد اپنی ضد پر اڑا رہا۔ اور کسی صورت میں اونٹنی سے ہاتھ اٹھانے پر آمادہ نہ ہوا۔ آخر ان دونوں بھائیوں نے مسروق ابن معدیکرب سے فریاد کی۔ چنانچہ مسروق نے بھی اپنا زور لگایا کہ کسی طرح زیاد اس اونٹنی کو چھوڑ دے مگر اس نے صاف صاف انکار کر دیا۔ جس پر مسروق کو جوش آیا اور اس نے بڑھ کر اونٹنی کھول لی اور شیطان کے حوالہ کر دی۔ زیاد اس پر بھڑک اٹھا اور اپنے آدمیوں کو جمع کیا اور مرنے مارنے کے لئے تل گیا۔ ادھر بنی لبید بھی

مقابلہ کے لئے اکٹھا ہو گئے۔ مگر زیاد شکست نہ دے سکے، بلکہ بُری طرح اس کے ہاتھوں پٹے۔ عورتیں چھنوائیں اور مال ومتاع لٹوایا۔ آخر جو بچے کھچے رہ گئے تھے وہ اشعث کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اشعث نے اس شرط پر کمک کا وعدہ کیا کہ اسے اس علاقہ کا حکمران مان لیا جائے۔ ان لوگوں نے اس شرط کو تسلیم کر لیا اور باقاعدہ اس کی رسمِ تاجپوشی بھی ادا کر دی۔ جب یہ اپنا اقتدار منوا چکا تو ایک فوج کو ترتیب دے کر زیاد سے لڑنے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ ادھر حضرت ابوبکر نے مہاجرین امیہ والی یمن کو لکھ رکھا تھا کہ وہ ایک دستہ لے کر زیاد کی مدد کو پہنچ جائے۔ چنانچہ مہاجر فوجی دستہ لئے آرہا تھا کہ اس کا سامنا ہو گیا۔ اور دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر تلواریں سونت لیں اور مقام زرقان میں معرکہ کارزار گرم کر دیا۔ مگر نتیجہ میں اشعث میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اور باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ قلعہ بخیر میں قلعہ بند ہو گیا۔ دشمن ایسے نہ تھے کہ پیچھا چھوڑ دیتے انہوں نے قلعہ کے گرد محاصرہ ڈال دیا۔ اشعث نے سوچا کہ وہ اس بے سروسامانی کے عالم میں کب تک قلعہ میں محصور رہ سکتا ہے۔ رہائی کی کوئی ترتیب کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ چپکے سے ایک رات قلعہ سے باہر نکلا، زیاد اور مہاجر سے جا کر ملا اور ان سے یہ ساز باز کی کہ اگر اسے اور اس کے گھر کے نو آدمیوں کو امان دے دی جائے تو قلعہ کا دروازہ کھلوا دے گا۔ انہوں نے اس شرط کو مان لیا اور اس سے کہا کہ ان کے نام لکھ کر ہمیں دے دو۔ اس نے نو نام لکھ کر ان کے حوالے کر دیئے اور اپنی روایتی دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنا نام اس فہرست میں بھول گیا۔ ادھر یہ طے کرنے کے بعد اپنی قوم سے جا کر یہ کہا کہ میں تمہارے لئے امان حاصل کر چکا ہوں۔

اب قلعہ کا دروازہ کھول دیا جائے۔ جب دروازہ کھولا گیا تو زیاد کی فوج ان پر ٹوٹ پڑی۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہم سے تو امان کا وعدہ کیا گیا تھا۔ زیاد کی سپاہ نے کہا کہ غلط، اشعث نے صرف اپنے گھر کے دس آدمیوں کے لئے امان چاہی تھی۔ جن کے نام ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ غرضکہ آٹھ سو آدمیوں کو تہ تیغ کر دیا گیا اور کئی عورتوں کے ہاتھ قلم کئے گئے اور حسبِ معاہدہ نو آدمیوں کو چھوڑ دیا گیا۔ مگر اشعث کا معاملہ پیچیدہ ہو گیا اور آخر یہ طے پایا کہ اسے حضرت ابوبکر کے پاس بھیج دیا جائے وہی اس کا فیصلہ کریں گے، آخر ایک ہزار قیدی عورتوں کے ساتھ اسے بیڑیوں میں جکڑ کر مدینہ روانہ کر دیا گیا۔ راستے میں اپنے، بیگانے، عورتیں، مرد سب اس پر لعنت کرتے جاتے تھے اور عورتیں اسے غدار کہہ کر پکار رہی تھیں۔ اور جو اپنی قوم پر تلوار چلا دے اس سے زیادہ غدار ہو بھی کون سکتا ہے۔ بہرصورت جب یہ مدینہ پہنچا تو حضرت ابوبکر نے اسے رہا کر دیا اور اسی موقع پر ام فروہ سے اس کا عقد ہوا۔

خطبہ 20

موت کی ہولناکی

جن چیزوں کو تمہارے مرنے والوں نے دیکھا ہے اگر تم بھی دیکھ لیتے تو گھبرا جاتے اور سراسیمہ اور مضطرب ہو جاتے اور (حق کی بات) سنتے اور اس پر عمل کرتے۔ لیکن جو انہوں نے دیکھا ہے وہ ابھی تم سے پوشیدہ ہے اور قریب ہے کہ وہ پردہ اٹھا دیا جائے۔ اگر تم چشمِ بینا و گوش شنوا رکھتے ہو تو تمہیں سنایا اور دکھایا ہے اور ہدایت کی طلب ہے تو تمہیں ہدایت کی جا چکی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ عبرتیں تمہیں بلند آواز سے پکار چکی ہیں، اور دھمکانے والی

چیزوں سے تمہیں دھمکایا جاچکا ہے۔ آسمانی رسولوں (فرشتوں) کے بعد بشر ہی ہوتے ہیں جوتم تک اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح میری زبان سے جو ہدایت ہورہی ہے۔ درحقیقت اللہ کا پیغام ہے جوتم تک پہنچ رہا ہے۔

خطبہ 21

یہ تعلیم کہ دنیا میں کیسے رہا جائے

تمہاری منزل مقصود تمہارے سامنے ہے۔ موت کی ساعت تمہارے عقب میں ہے، جو تمہیں آگے کی طرف لے چل رہی ہے۔ ہلکے پھلکے رہو تاکہ آگے بڑھنے والوں کو پاسکو۔ تمہارے اگلوں کو پچھلوں کا انتظار کرایا جارہا ہے۔(کہ یہ بھی ان تک پہنچ جائیں) سید رضی فرماتے ہیں کہ کلامِ خدا ورسول کے بعد جس سے بھی ان کلمات کا موازنہ کیا جائے توحسن و خوبی میں ان کا پلہ بھاری رہے گا اور ہر حیثیت سے بڑھے چڑھے رہیں گے اور آپ کا یہ ارشاد کہ تخففوا تلحقوا اس سے بڑھ کر تو کوئی جملہ سننے ہی میں نہیں آیا جس کے الفاظ کم ہوں اور معنی بہت ہوں۔ اللہ اکبر! کتنے اس کلمہ کے معنی بلند اور اس حکمت کا چشمہ صاف وشفاف ہے اور ہم نے اپنی کتاب خصائص میں اس فقرے کی عظمت اور اس کے معنی کی بلندی پر روشنی ڈالی ہے۔

خطبہ 22

قتلِ عثمان کا الزام اعائد کرنے والوں کے بارے میں

معلوم ہونا چاہیئے کہ شیطان نے اپنے گروہ کو بھڑکانا شروع کر دیا اور اپنی فوجیں فراہم کر لی ہیں تا کہ ظلم اپنی انتہا کی حد تک اور باطل اپنے مقام پر پلٹ آئے۔ خدا کی قسم! انہوں نے مجھ پر کوئی سچا الزام نہیں لگایا اور نہ انہوں نے میرے اور اپنے درمیان انصاف برتا۔ وہ مجھ سے اس حق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جسے خود ہی انہوں نے چھوڑ دیا۔ اور اس خون کا عوض چاہتے ہیں۔ جسے انہوں نے خود بہایا ہے اب اگر اس میں مَیں ان کا شریک تھا تو پھر اس میں ان کا بھی تو حصہ نکلتا ہے اور اگر وہی اس کے مرتکب ہوئے ہیں، مَیں نہیں تو پھر اس کی سزا صرف انہی کو بھگتنا چاہیئے جو سب سے بڑی دلیل وہ میرے خلاف پیش کریں گے وہ انہی کے خلاف پڑے گی۔ وہ اس ماں کا دودھ پینا چاہتے ہیں جس کا دودھ منقطع ہو چکا ہے۔ اور مری ہوئی بدعت کو پھر سے زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ اُف کتنا نامراد یہ جنگ کے لئے پکارنے والا ہے۔ یہ کون ہے جو للکارنے والا ہے اور کس مقصد کے لئے اس کی بات کو سنا جا رہا ہے اور میں تو اس سے خوش ہوں کہ ان پر اللہ حجت تمام ہو چکی ہے اور ہر چیز اس کے علم میں ہے۔ اگر ان لوگوں نے اطاعت سے انکار کیا، تو میں تلوار کی باڑ ان کے سامنے رکھ دوں گا جو باطل سے شفا دینے اور حق کی نصرت کے لئے کافی ہے۔ حیرت ہے کہ وہ مجھے یہ پیغام بھیجتے ہیں کہ میں نیزہ زنی کے لئے میدان میں اتر آؤں اور تلواروں کی جنگ کے لئے جمنے پر تیار رہوں۔ رونے والیں ان کے غم میں روئیں۔ مَیں تو ہمیشہ ایسا رہا کہ جنگ سے مجھے دھمکایا

نہیں جا سکا اور شمشیر زنی سے خوفزدہ نہیں کیا جا سکا اور میں اپنے پروردگار کی طرف سے یقین کے درجہ پر فائز ہوں اور اپنے دین کی حقانیت میں مجھے کوئی شک نہیں ہے۔

1. جب امیر المومنین علیہ السلام پر قتلِ عثمان کی تہمت لگائی گئ تو اس غلط الزام کی تردید میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں الزام رکھنے والوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ انتقام کی رٹ لگانے والے یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ تنہا میں ہی قاتل ہوں اور اس میں کوئی اور شک نہ تھا اور نہ یہ کہہ کر سامنے کے واقعات کو جھٹلا سکتے ہیں کہ وہ خود اس سے بے تعلق تھے، تو پھر اس انتقام کے لئے مجھے ہی کیوں آگے دھر لیا ہے۔ میرے ساتھ اپنے کو بھی شریک کریں اور اگر مَیں اس سے بری الذمہ ہوں تو وہ تو خود اپنی برائت ثابت نہیں کر سکتے۔ لہذا اس پاداش سے اپنے کو کیوں الگ کرتے ہیں۔

حقیقت امر یہ ہے کہ مجھے موردِ الزام ٹھہرانے سے ان کا مقصد یہ ہے کہ میں ان سے وُہی روش اختیار کروں جس کے یہ عادی رہ چکے ہیں۔ لیکن ان کو مجھ سے یہ توقع نہ رکھنا چاہیئے کہ میں سابقہ دور کی بدعتوں کو پھر سے زندہ کروں۔ رہا جنگ کا سوال تو میں نہ اس سے کبھی ڈرا ہوں اور نہ اب خائف ہوں۔ میری نیت کو اللہ جانتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ یہ انتقام کا سہارا لے کر کھڑے ہونے والے ہی ان کے خون سے ہاتھ رنگنے والے ہیں۔ چنانچہ تاریخ اس سے ہمنوا ہے کہ جن لوگوں نے اشتعال دلا کر ان کی موت کا سر و سامان کیا تھا اور جنازہ پر پتھر برسا کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے تک سے مانع ہوئے تھے وہ وہی لوگ تھے، جو ان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اس سلسلہ میں طلحہ ابنِ

عبیداللہ، زبیر ابنِ عوام اور اُم المومنین عائشہ کا نام سرِ فہرست نظر آتا ہے اور دونوں موقعوں پر ان کی کوششیں نمایاں ہو کر سامنے آتی ہیں۔

چنانچہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:۔

جن لوگوں نے قتلِ عثمان کے سلسلے میں واقعات تحریر کئے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے قتل کے دن طلحہ کی یہ حالت تھی کہ وہ لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے حضرت عثمان کے گھر پر تیر بارانی کر رہے تھے۔

اور اس سلسلہ میں زبیر کے خیالات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

مورّخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ زبیر یہ کہتے تھے کہ عثمان کو قتل کر دو۔ اس نے تمہارا دین ہی بدل ڈالا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ کا بیٹا تو ان کے دروازے پر کھڑا ہوا، ان کی حفاظت کر رہا ہے۔ آپ نے کہا کہ خواہ میرا بیٹا ہی پہلے کام آ جائے۔ مگر عثمان قتل کر دیا جائے۔ یہ تو کل صل صراط پر مردار کی صورت میں پڑا ہوگا۔

مغیرہ ابنِ شعبہ حضرت عائشہ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا۔ اے ابو عبداللہ! کاش تم جمل کے موقعہ پر میری حالت دیکھتے کہ کس طرح تیر میرے ہودج کو چیرتے ہوئے نکل رہے تھے۔ یہاں تک کہ کچھ تو میرے جسم سے ٹکرا جاتے تھے مغیرہ نے کہا کہ خدا کی قسم میں تو یہ چاہتا تھا کہ ان میں سے ایک آدھ تیر آپ کا خاتمہ کر دیتا۔ آپ نے کہا کہ خدا تمہارا بھلا کرے یہ کیسی بات کہہ رہے ہو۔ اس نے کہا کہ یہ اس لیے کہ حضرت عثمان کے خلاف جو آپ نے تگ و دو کی تھی اس کا کچھ تو کفارہ ہو جاتا۔

خطبہ 23

حسد سے باز رہنے اور عزیز و اقارب سے حسنِ سلوک کے بارے میں

ہر شخص کے مقسوم میں جو کم یا زیادہ ہوتا ہے، اسے لے کر فرمان قضا آسمان سے زمین پر اس طرح اترتے ہیں جس طرح بارش کے قطرات لہذا اگر کوئی شخص اپنے کسی بھائی کے اہل و مال و نفس میں فراوانی و وُسعت پائے تو یہ چیز اس کے لئے کبیدگی خاطر کا سبب نہ بنے۔ جب تک کوئی مرد مسلمان کسی ایسی ذلیل حرکت کا مرتکب نہیں ہوتا کہ جو ظاہر ہو جائے، تو اس کے تذکرہ سے اسے آنکھیں نیچی کرنا پڑیں اور جس سے ذلیل آدمیوں کی جرأت بڑھے۔ وہ اس کامیاب جواری کے مانند ہے جو جوئے کے تیروں کا پانسہ پھینک کر پہلے مرحلے پر ہی ایسی جیت کا متوقع ہوتا ہے، جس سے اسے فائدہ حاصل ہو اور پہلے نقصان ہو بھی چکا ہے، تو وہُ دور ہو جائے۔ اسی طرح وہ مسلمان بددیانتی سے پاک دامن ہو، وہ اچھائیوں میں سے ایک کا منتظر رہتا ہے۔ یا اللہ کی طرف سے بلاوا آئے تو اس شکل میں اللہ کے یہاں کی نعمتیں ہی اس کے لئے بہتر ہیں اور یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے (دنیا کی) نعمتیں حاصل ہوں تو اس صورت میں اس کے مال بھی ہے اور اولاد بھی اور پھر اس کا دین اور عزتِ نفس بھی برقرار رہے۔ بیشک مال و اولاد دنیا کی کھیتی اور عمل صالح آخرت کی کشتِ زار ہے اور بعض لوگوں کے لئے اللہ ان دونوں چیزوں کو یکجا کر دیتا ہے۔ جتنا اللہ نے ڈرایا ہے اتنا اس سے ڈرتے رہو اور اتنا اس سے خوف کھاؤ کہ تمہیں عذر نہ کرنا پڑے۔ عمل بے ریا کرو اس لئے کہ جو شخص کسی اور کے لئے عمل کرتا ہے۔ اللہ اس کو اسی کے حوالہ کر دیتا ہے۔ ہم اللہ سے شہیدوں کی

منزلت، نیکوں کی ہمدمی اور انبیاء کی رفاقت کا سوال کرتے ہیں۔

اے لوگو! کوئی شخص بھی اگر چہ وہ مالدار ہو اپنے قبیلہ والوں اور اس امر سے کہ وہ اپنے ہاتھوں اور زبانوں سے اس حمایت کریں بے نیاز نہیں ہوسکتا اور وہی لوگ سب سے زیادہ اس کے پشت پناہ اور اس کی پریشانیوں کو دور کرنے والے اور مصیبت پڑنے کی صورت میں اس پر شفیق ومہربان ہوتے ہیں۔ اللہ جس شخص کا سچا ذکرِ خیر لوگوں میں برقرار رکھتا ہے۔ تو یہ اس مال سے کہیں بہتر ہے۔ جس کا وہ دوسروں کو وارث بنا جاتا ہے۔

اسی خطبہ کا ایک جزیہ ھے

دیکھو تم میں سے اگر کوئی شخص اپنے قریبیوں کو فقر وفاقہ میں پائے تو ان کی احتیاج کو اس امداد سے دُور کرنے میں پہلوتہی نہ کرے جس کے روکنے سے یہ کچھ بڑھ نہ جائے گا اور صرف کرنے سے اس میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ جو شخص اپنے قبیلے کی اعانت سے ہاتھ روک لیتا ہے۔ تو اس کا تو ایک ہاتھ رکتا ہے لیکن وقت پڑنے پر بہت سے ہاتھ اس کی مدد سے رُک جاتے ہیں جو شخص نرم خو ہو وہ اپنی قوم کی محبت ہمیشہ باقی رکھ سکتا ہے

شریف رضی فرماتے ہیں کہ یہاں پر غفیرۃ کے معنی کثرت وزیادتی کے ہیں اور یہ عربوں کے قول الجم الغفیر اور الجماء الغفیر (اژدہام) سے ماخوذ ہے اور بعض روایتوں میں غفیرہ کے بجائے عفوہ ہے اور عفوہ کسی شے کے عمدہ اور منتخب حصہ کو کہتے ہیں۔ یوں کہا جاتا ہے اکلت عفوۃ الطعام یعنی میں نے منتخب اور عمدہ کھانا کھایا۔ ومن یقبض یدہ عن عشیرتہ (تا آخر کلام) کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس جملہ کے معنی کتنے حسین ودلکش ہیں۔ حضرت کی مراد یہ ہے کہ جو

شخص اپنے قبیلہ سے حُسنِ سلوک نہیں کرتا تو اس نے ایک ہی ہاتھ کی منفعت کو روکا۔ لیکن جب ان کی امداد کی ضرورت پڑے گی۔ اور ان کی ہمدردی و اعانت کے لیے لاچار و مضطر ہو گا تو وہ ان سے بہت سے بڑھنے والے ہاتھوں اور اٹھنے والے قدموں کی ہمدردیوں اور چارہ سازیوں سے محروم ہو جائے گا۔

خطبہ 24

جنگ پر آمادہ کرنے کے لیے فرمایا

مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں حق کے خلاف چلنے والوں اور گمراہی میں بھٹکنے والوں سے جنگ میں کسی قسم کی رُو رعایت اور سستی نہیں کروں گا۔ اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور اس کے غضب سے بھاگ کر اس کے دامنِ رحمت میں پناہ لو، اللہ کی دکھائی ہوئی راہ پر چلو اور اس کے عائد کردہ احکام کو بجالاؤ (اگر ایسا ہو تو) علی تمہاری نجاتِ اُخروی کا ضامن ہے۔ اگرچہ دنیوی کامرانی تمہیں حاصل نہ ہو۔

خطبہ 25

بسر بن ارطاۃ کی تاخت و تاراج کے بعد جنگ سے جی چرانے والے ساتھیوں کے متعلق فرمایا

جب امیر المومنین کو پے در پے یہ اطلاعات ملیں کہ مُعاویہ کے اصحاب (آپ کے مقبوضہ شہروں پر تسلط جما رہے ہیں اور یمن کے عامل عبید اللہ ابنِ عباس اور سپہ سالارِ لشکر سعید ابنُ

نمران بسر ابن ابی ارطات سے مغلوب ہو کر حضرت کے پاس پلٹ آئے تو آپ اپنے اصحاب کی جہاد میں سُستی اور رائے کی خلاف ورزی سے بددل ہو کر منبر کی طرف بڑھے اور فرمایا۔

یہ عالم ہے اس کوفہ کا، جس کا بندوبست میرے ہاتھ میں ہے (اے شہر کوفہ) اگر تیرا یہی عالم رہا کہ تجھ میں آندھیاں چلتی رہیں، تو خدا تجھے غارت کرے۔ پھر آپ نے شاعر کا یہ شعر بطورِ تمثیل پڑھا۔

اے عمرو! تیرے اچھے باپ کی قسم، مجھے تو اس برتن سے تھوڑی سی چکناہٹ ہی ملی ہے (جو برتن کے خالی ہونے کے بعد اس میں لگی رہ جاتی ہے) مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ بسر یمن پر چھا گیا ہے۔ بخدا میں تو اب ان لوگوں کے متعلق یہ خیال کرنے لگا ہوں کہ وہ عنقریب سلطنت و دولت کو تم سے ہتھیا لیں گے، اس لئے کہ وہ (مرکز) باطل پر متحد و یکجا ہیں اور تم اپنے (مرکز) حق سے پراگندہ و منتشر۔ تم امرِ حق میں اپنے امام کے نافرمان اور وہ باطل میں بھی اپنے امام کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ وہ اپنے ساتھی (معاویہ) کے ساتھ امانت داری کے فرض کو پورا کرتے ہیں اور تم خیانت کرنے سے نہیں چوکتے۔ وہ اپنے شہروں میں امن بحال رکھتے ہیں اور تم شورشیں برپا کرتے ہو میں اگر تم میں سے کسی کو لکڑی کے ایک پیالے کا بھی امین بناؤں تو یہ ڈر رہتا ہے کہ وہ اس کے کنڈے کو توڑ کر لے جائے گا۔ اے اللہ وہ مجھ سے تنگ دل ہو چکے ہیں اور میں ان سے۔ وہ مجھ سے تنگ دل ہو چکے ہیں اور میں ان سے۔ وہ مجھے سے اکتا چکے ہیں اور میں ان سے۔ مجھے ان کے بدلے میں اچھے لوگ عطا کر اور میرے بدلے میں

انہیں کوئی اور بُرا حاکم دے۔ خدایا ان کے دلوں کو اس طرح (اپنے غضب سے) پگھلا دے جس طرح نمک پانی میں گھول دیا جاتا ہے۔ خدا کی قسم میں اس چیز کو دوست رکھتا ہوں کہ تمہارے بجائے میرے پاس بنی فراس ابن غنم کے ایک ہی ہزار سوار ہوتے ایسے (جن کا وصف شاعر نے یہ بیان کیا ہے کہ) اگر تم کسی موقعہ پر انھیں پکارو، تو تمہارے پاس ایسے سوار پہنچیں جو تیز روی میں گرمیوں کے ابر کے مانند ہیں اس کے بعد حضرت منبر سے نیچے آتر آئے۔

سید رضی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس شعر میں لفظ ارمیہ رمی کی جمع ہے، جس کے معنی اَبر کے ہیں اور حمیم کے معنی یہاں پر موسمِ گرم کے ہیں اور شاعر نے گرمیوں کے ابر کی تخلیق اس لئے کی ہے کہ وہ سریع السیر اور تیز ہوتا ہے اور ابر سست گام اس وقت ہوتا ہے جب اس میں پانی بھرا ہوا ہو اور ویسے ابرِ (ملک عُرب) عموماً سردیوں میں اٹھتے ہیں۔ اس شعر سے شاعر کا مقصود یہ ہے کہ انہیں جب مدد کے لئے پکارا جاتا ہے اور ان سے فریاد سی کی جاتی ہے تو وہ تیزی سے بڑھتے ہیں اور اس کی دلیل شعر کا پہلا مصرع ہے۔ ھنا لک لو دعوت اتاک منھم (اگر تم پکارو تو وہ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔

1. جب تحکیم کے بعد معاویہ کے قدم مضبوطی سے جم گئے تو اس نے اپنا دائرہ سلطنت وسیع

کرنے کے لئے امیر المومنین کے مقبوضہ شہروں پر قبضہ جمانے کی تدبیریں شروع کردیں اور مختلف علاقوں میں اپنی فوجیں بھیج دیں تا کہ وہ جبر و تشدد سے امیرِ شام کے لئے بیعت حاصل کریں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں بسر ابن ابی ارطاۃ کو حجاز روانہ کیا۔ جس نے حجاز سے لے کر یمن تک ہزاروں بے گناہوں کے خون بہائے قبیلوں کے قبیلے زندہ آگ میں جلا دیئے اور چھوٹے چھوٹے بچوں تک کو قتل کیا یہاں تک کہ عبید اللہ ابنِ عباس والی یمن کے دو کمسن بچوں قثم اور عبدالرحمٰن کو ان کی ماں حوریہ بنت خالد کے سامنے ذبح کر دیا۔

امیر المومنین کو جب اس کی سفاکیوں اور خونریزیوں کا علم ہوا تو آپ نے اس کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ کرنا چاہا مگر پیہم جنگ آزمائیوں کی وجہ سے لوگ جنگ سے جی چھوڑ بیٹھے تھے اور سرگرمی کے بجائے بددلی ان میں پیدا ہو چکی تھی۔ حضرت نے جب ان کو جنگ سے پہلو بچاتے ہوئے دیکھا تو یہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں انہیں حمیت و غیرت دلائی ہے، اور دشمن کی باطل نوازیوں اور ان کے مقابلے میں ان کی کوتاہیوں کا تذکرہ کر کے انہیں جہاد پر اُبھارا ہے۔ آخر جاریہ ابنِ قدامہ نے آپ کی آواز پر لبیک کہی، اور دو ہزار کے لشکر کے ساتھ اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور اس کا پیچھا کر کے اسے امیر المومنین کے مقبوضات سے نکال باہر کیا۔

خطبہ 26

پیغمبر کے بعد دنیا کی بے رخی اور معاویہ و عمرو بن العاص کا معاھدہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کو (ان کی بداعمالیوں سے) متنبہ کرنے والا اور اپنی وحی کا امین بنا کر بھیجا۔ اے گروہ عرب اس وقت تم بدترین دین پر اور بدترین گھروں میں تھے۔ کھردرے پتھروں اور زہریلے سانپوں میں تم بودو باش رکھتے تھے تم گدلا پانی پیتے اور لوٹا جھوٹا کھاتے تھے۔ ایک دوسرے کا خون بہاتے اور رشتہ قرابت قطع کیا کرتے تھے۔ تمہارے درمیان گڑے ہوئے تھے اور گناہ تم سے چمٹے ہوئے تھے اسی خطبہ کا ایک حصہ یہ ہے:۔ میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، تو مجھے اپنے اہل بیت کے علاوہ کوئی اپنا معین و مددگار نظر نہ آیا۔ میں نے انہیں موت کے منہ میں دینے سے بخل کیا۔ آنکھوں میں خس وخاشاک تھا مگر میں نے چشم پوشی کی، حلق میں پھندے تھے مگر میں نے غم وغصہ کے گھونٹ پی لئے اور گلوگرفتگی کے باوجود حنظل سے زیادہ تلخ حالات پر صبر کیا۔ اسی خطبہ کا ایک جُز یہ ہے۔ اس نے اس وقت تک معاویہ کی بیعت نہیں کی۔ جب تک یہ شرط اس سے منوا نہ لی کہ وہ اس بیعت کی قیمت ادا کرے اس بیعت کرنے والے کے ہاتھوں کو فتح و فیروز مندی نصیب نہ ہو اور خریدنے والے کے معاہدے کے ذلت و رسوائی حاصل ہو (لو اب وقت آ گیا کہ) تم جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس کے لئے ساز و سامان مہیا کر لو۔ اس کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں اور لپٹیں بلند ہو رہی ہیں اور جامعہ صبر پہن لو، کہ اس سے نصرت و کامرانی حاصل ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

1. حضرت نے نہروان کی طرف متوجہ ہونے سے قبل ایک خطبہ ارشاد فرمایا تھا جس کے تین ٹکڑے یہ ہیں۔ پہلے ٹکڑے میں بعثت سے قبل جو عرب کی حالت تھی۔ اس کا تذکرہ فرمایا ہے اور دوسرے حصے میں رسول کی رحلت کے بعد جن حالات نے آپ کو گوشہ عزلت میں بیٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان کی طرف اشارہ کیا ہے اور تیسرے حصے میں مُعاویہ اور عمرو بن عاص کے درمیان جو قول و قرار ہوا تھا اس کا ذکر کیا ہے۔ اس باہمی معاہدہ کی صورت یہ تھی کہ جب امیر المومنین نے جریر ابنِ عبداللہ بجلی کو بیعت لینے کے لئے معاویہ کے پاس روانہ کیا تو اس نے جریر کو جواب دینے کے بہانے روک لیا اور اس دوران میں اہل شام کو ٹٹولنا شروع کیا کہ وہ کہاں تک اس کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ چنانچہ جب ان کو خونِ عثمان کے انتقام پر اُبھار کر اپنا ہمنوا بنا لیا تو اپنے بھائی عتبہ ابنِ ابی سفیان سے مشورہ کیا۔ اس نے رائے دی کہ اگر اس کام میں عمرو ابنِ عاص کو ساتھ ملا لیا جائے تو وہ اپنی سُوجھ سے بہت سی مشکلوں کو آسان کر سکتا ہے لیکن وہ یوں ہی تمہارے اقتدار کی بنیادوں کو مستحکم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوگا۔ جب تک کہ اس کی منہ مانگی قیمت حاصل نہ کرے گا۔ اگر تم اس کے لئے تیار ہو تو وہ تمہارے لئے بہترین مشیر و معاون ثابت ہوگا۔ معاویہ نے اس مشورہ کو پسند کیا اور عمرو ابنِ عاص کو بُلا کر اس سے گفتگو کی اور آخر یہ طے پایا کہ وہ حکومت مصر کے بدلے میں امیر المومنین کو موردِ الزام ٹھہرا کر قتلِ عثمان کا انتقام لے گا اور جس طرح بن پڑے گا مُعاویہ کے شامی اقتدار کو متزلزل نہ ہونے دے گا۔ چنانچہ ان دونوں نے معاہدہ کی پابندی کی اور اپنے قول و قرار کو پوری طرح نباہا۔

خطبہ 27

جہاد سے برانگیختہ ہونے والوں کے لیے فرمایا

جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جسے اللہ نے اپنے خاص دوستوں کے لئے کھولا ہے۔ یہ پرہیز گاری کا لباس اللہ کی محکم زرہ اور مضبوط سپر ہے جو اس سے پہلو بچاتے ہوئے اسے چھوڑ دیتا ہے۔ خدا اسے ذلت و خواری کا لباس پہنا اور مصیبت و ابتلا کی ردا اوڑھا دیتا ہے اور ذلتوں اور خواریوں کے ساتھ ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ اور مدہوشی و غفلت کا پردہ اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔ اور جہاد کو ضائع و برباد کرنے سے حق اس کے ہاتھ سے لے لیا جاتا ہے۔ ذلت اسے سہنا پڑتی ہے اور انصاف اس سے روک لیا جاتا ہے۔ میں نے اس قوم سے لڑنے کے لئے رات بھی اور دن بھی اعلانیہ بھی اور پوشیدہ بھی تمہیں پکارا اور للکارا، اور تم سے کہا کہ قبل اس سے کہ وہ جنگ کے لئے بڑھیں تم ان پر دھاوا بول دو۔ خدا کی قسم جن افراد قوم پر ان کے گھروں کے حدود کے اندر ہی حملہ ہو جاتا ہے۔ وہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ لیکن تم نے جہاد کو دوسروں پر ٹال دیا اور ایک دوسرے کی مدد سے پہلو بچانے لگے۔ یہاں تک کہ تم پر غارت گریاں ہوئیں اور تمہارے شہروں پر زبردستی قبضہ کر لیا گیا۔ اسی بنی غامد کے آدمی (سفیان ابنِ عوف) ہی کو دیکھ لو کہ اس کی فوج کے سوار (شہر) انبار کے اندر پہنچ گئے اور حسان ابنِ حسان بکری کو قتل کر دیا اور تمہارے محافظ سواروں کو سرحدوں سے ہٹا دیا اور مجھے تو یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ اس جماعت کا ایک آدمی مسلمان اور ذمی عورتوں کے گھروں میں گھس جاتا تھا اور اس کے پیروں سے کڑے (ہاتھوں سے کنگن) اوگلو بند اور

گوشوارے اتار لیتا تھا اوران کے پاس اس سے حفاظت کا کوئی ذریعہ نظر نہ آتا تھا۔ سوا اس کے کہ اِنّاَ لِلّٰہِ وَ اِنّاَ اِلَیہِ رَاجِعُون کہتے صبر سے کام لیں یا خوشامدیں کر کے اس سے رحم کی التجا کریں۔ وہ لدے پھندے ہوئے پلٹ گئے۔ نہ کسی کے زخم آیا نہ کسی کا خون بہا۔ اب اگر کوئی مسلمان ان سانحات کے بعد رنج و ملال سے مر جائے تو اسے ملامت نہیں کی جا سکتی بلکہ میرے نزدیک ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ العجب ثم العجب خدا کی قسم ان لوگوں کا باطل پر ایکا کر لینا اور تمہاری جمعیت کا حق سے منتشر ہو جانا۔ دل کو مردہ کر دیتا ہے اور رنج و اندوہ بڑھا دیتا ہے۔ تمہارا بُرا ہو۔ تم غم و حزن میں مبتلا رہو۔ تم تو تیروں کا از خود نشانہ بنے ہوئے ہو، تمہیں ہلاک و تاراج کیا جا رہا ہے مگر تمہارے قدم حملے کے لئے نہیں اٹھتے۔ وہ تم سے لڑ بھڑ رہے ہیں اور تم جنگ سے جی چراتے ہو۔ اللہ کی نافرمانیاں ہو رہی ہیں اور تم راضی ہو رہے ہو۔ اگر گرمیوں میں تمہیں ان کی طرف بڑھنے کے لئے کہتا ہوں تو تم یہ کہتے ہو کہ یہ انتہائی شدت کی گرمی کا زمانہ ہے۔ اتنی مہلت دیجئے کہ گرمی کا زور ٹوٹ جائے۔ اور اگر سردیوں میں چلنے کے لئے کہتا ہوں۔ تو تم یہ کہتے ہو کہ کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا ہے، اتنا ٹھہر جایئے کہ سردی کا موسم گزر جائے۔ یہ سب سردی اور گرمی سے بچنے کے لئے باتیں ہیں۔ جب تم سردی اور گرمی سے اس طرح بھاگتے ہو تو پھر خدا کی قسم! تم تلواروں کو دیکھ کر اس سے کہیں زیادہ بھاگو گے۔ اے مردوں کی شکل وصورت والے نامردو! تمہاری عقلیں بچوں کی سی، اور تمہاری حجلہ نشین عورتوں کے مانند ہے۔ میں تو یہی چاہتا تھا کہ نہ تم کو دیکھتا، نہ تم سے جان پہچان ہوتی۔ ایسی شناسائی جو ندامت کا سبب اور رنج و اندوہ کا باعث بنی ہے۔ اللہ تمہیں مارے، تم نے

میرے دل کو پیپ سے بھر دیا ہے۔ اور میرے سینے کو غیظ و غضب سے چھلکا دیا ہے۔ تم نے مجھے غم و غزن کے جرعے پے درَپے پلائے، نافرمانی کر کے میری تدبیر و رائے کو تباہ کر دیا۔ یہاں تک کہ قریش کہنے لگے کہ علی ہے تو مردِ شجاع۔ لیکن جنگ کے طور طریقوں سے واقف نہیں۔ اللہ ان کا بھلا کرے، کیا ان میں سے کوئی ہے جو مجھ سے زیادہ جنگ کی مذاولت رکھنے والا اور میدانِ وغا میں میرے پہلے سے کارنمایاں کئے ہوئے ہو، میں تو ابھی بیس برس کا بھی نہ تھا کہ حرب و ضرب کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور اب تو ساٹھ سے اوپر ہو گیا ہوں، لیکن اس کی رائے ہی کیا جس کی بات نہ مانی جائے۔

1۔ جنگِ صفین کے بعد معاویہ نے ہر طرف کشت و خون کا بازار گرم کر رکھا تھا اور امیر المومنین کے مقبوضہ شہروں پر جارحانہ اقدامات شروع کر دیئے تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ہیت، انبار اور مدائن پر حملہ کرنے کے لئے سفیان ابنِ عوف غامدی کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا۔ وہ پہلے تو ہیت پہنچا، مگر اسے خالی پا کر انبار کی طرف بڑھ نکلا۔ یہاں امیر المومنین کی طرف سے پانچ سو سپاہیوں کا ایک دستہ حفاظت کے لئے مقرر تھا۔ مگر وہ مُعاویہ کے اس لشکرِ جرار کو دیکھ کر جم نہ سکا۔ صرف سو آدمی اپنے مقام پر جمے رہے اور انہوں نے جہاں تک ممکن تھا، ڈٹ کر مقابلہ بھی کیا۔ مگر دشمن کی فوج نے مل کر ایسا سخت حملہ کیا کہ ان کے بھی قدم اکھڑ گئے اور رئیس لشکر حسان ابن حسان بکری تیس آدمیوں کے ساتھ شہید کر دیئے گئے۔ جب میدان خالی ہو گیا، تو دشمنوں نے پوری آزادی کے ساتھ انبار کو لُوٹا اور شہر کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

امیر المومنین کو جب اس حملہ کی اطلاع ملی، تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو دشمن کی سرکوبی کے لئے ابھارا، اور جہاد کی دعوت دی مگر کسی طرف سے صدائے «لبیک» بلند نہ ہوئی، تو آپ پیچ و تاب کھاتے ہوئے منبر سے نیچے اتر آئے، اور اسی عالم میں پیادہ پا دشمن کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا، تو ان کی غیرت وحمیت بھی جوش میں آئی، اور وہ بھی پیچھے پیچھے ہو لئے۔ جب وادی نخیلہ میں پہنچ کر حضرت نے منزل کی، تو ان لوگوں نے آپ کے گرد گھیرا ڈال لیا، اور باصرار کہنے لگے کہ یا امیر المومنین آپ پلٹ جائیں۔ ہم فوجِ دشمن سے نپٹ لینے کے لئے کافی ہیں۔ جب ان لوگوں کا اصرار حد سے بڑھا، تو آپ پلٹنے کے لئے آمادہ ہو گئے اور سعید ابنِ قیس آٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ ادھر روانہ ہو گئے۔ مگر سفیان ابنِ عوف کا لشکر جا چکا تھا اور سعید ابنِ قیس بے لڑے واپس آ ئے۔ جب سعید کوفہ پہنچے، تو ابنِ ابی الحدید کی روایت کی بناء پر حضرت رنج واندوہ کے عالم میں باب السدّہ پر آ کر بیٹھ گئے اور ناسازی وطبیعت کی وجہ سے یہ خطبہ لکھ کر اپنے غلام سعد کو دیا کہ وہ پڑھ کر سنا دے۔ مگر مبرو نے ابن عائشہ سے یہ روایت کیا ہے کہ حضرت نے یہ خطبہ مقامِ نخیلہ میں ایک بلندی پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا، اور ابنِ میثم نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

خطبہ 28

دنیا کی بیثباتی اور آخرت کی اہمیت کا تذکرہ

دنیا نے پیٹھ پھرا کر اپنے رخصت ہونے کا اعلان اور منزلِ عقبیٰ نے سامنے آکر اپنی آمد سے آگاہ کر دیا ہے۔

آج کا دن تیاری کا ہے، اور کل دوڑ کا ہوگا۔ جس طرف آگے بڑھنا ہے وہ تو جنت ہے اور جہاں کچھ اشخاص (اپنے اعمال کی بدولت بلا اختیار) پہنچ جائیں گے، وہ دوزخ ہے۔ کیا موت سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والا کوئی نہیں اور کیا اس روز مصیبت کے آنے سے پہلے عمل (خیر) کرنے والا ایک بھی نہیں، تم امیدوں کے دور میں ہو جس کے پیچھے موت کا ہنگامہ ہے۔ تو جو شخص موت سے پہلے ان امیدوں کے دنوں میں عمل کر لیتا ہے تو یہ عمل اُس کے لیے سودمند ثابت ہوتا ہے اور موت اُس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی اور جو شخص موت سے قبل زمانہ امید و آرزو میں کوتاہیاں کرتا ہے، تو وہ عمل کے اعتبار سے نقصان رسیدہ رہتا ہے اور موت اس کے لیے پیغامِ ضرر لے کر آتی ہے۔ لہٰذا جس طرح اس وقت جب ناگوار حالات کا اندیشہ ہو نیک اعمال میں منہمک ہوتے ہو، ویسا ہی اس وقت بھی نیک اعمال کرو جبکہ مستقبل کے آثار مسرت افزا محسوس ہو رہے ہوں۔ مجھے جنت ہی ایسی چیز نظر آرہی ہے جس کا طلب گار سویا پڑا ہو اور جہنم ہی ایسی چیز دکھائی دیتی ہے جس سے دور بھاگنے والا خوابِ غفلت میں محو ہو۔ جو حق سے فائدہ نہیں اٹھاتا اسے باطل کا نقصان وضرر اٹھانا پڑے گا۔ جس کو ہدایت ثابت قدم نہ رکھے اسے گمراہی ہلاکت کی طرف کھینچ لے جائے گی۔ تمہیں کوچ کا

حکم مل چکا ہے اور زادِراہ کا پتہ دیا جا چکا ہے۔ مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ دو ہی چیزوں کا خطرہ ہے۔ایک خواہشات کی پیروی اور دوسرے امیدوں کا پھیلاؤ۔اس دنیا میں رہتے ہوئے اس سے اتنا زاد لے لو جس سے کل اپنے نفسوں کو بچا سکو۔

خطبہ 29

جنگ کے موقع پر حیلہ بہانے کرنے والوں کے لیے فرمایا

اے وہ لوگو جن کے جسم یکجا اور خواہشین جُدا جُدا ہیں تمہاری باتیں تو سخت پتھروں کو بھی نرم کردیتی ہیں، اور تمہارا عمل ایسا ہے کہ جو دشمنوں کو تم پر دندان آز تیز کرنے کا موقعہ دیتا ہے۔ اپنی مجلسوں میں تو تم کہتے پھرتے ہو کہ یہ کر دیں گے اور وہ کر دیں گے اور جب جنگ چھڑ ہی جاتی ہے،تو تم اس سے پناہ مانگنے لگتے ہو، جو تم کو مدد کے لئے پکارے اس کی صدا بے وقعت اور جس کا تم جیسے لوگوں سے واسطہ پڑا ہو، اس کا دل ہمیشہ بے چین ہے۔ حیلے حوالے ہیں غلط سلط اور مجھ سے جنگ میں تاخیر کرنے کی خواہشیں ہیں۔ جیسے نادہند مقروض اپنے قرض خواہ کو ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔ ذلیل آدمی ذلت آمیز زیادتیوں کی روک تھام نہیں کرسکتا اور حق تو بغیر کوشش کے نہیں ملا کرتا۔ اس گھر کے بعد اور کون سا گھر ہے۔جس کی حفاظت کرو گے اور میرے بعد اور کس امام کے ساتھ ہو کر جہاد کرو گے۔ خدا کی قسم جسے تم نے دھوکا دے دیا ہو اس کے فریب خوردہ ہونے میں کوئی شک نہیں اور جسے تم جیسے لوگ ملے ہوں تو اس کے حصہ میں وہ تیر آتا ہے جو خالی ہوتا ہے اور جس نے تم کو (تیروں کی طرح) دشمنوں پر پھینکا ہو، اس نے گویا ایسا تیر پھینکا ہے، جس کا سوفار ٹوٹ چکا ہو اور پیکان بھی شکستہ ہو۔ خدا

کی قسم! میری کیفیت تو اب یہ ہے نہ میں تمہاری کسی بات کی تصدیق کر سکتا ہوں اور نہ تمہاری نصرت کی آس مجھے باقی رہی، اور نہ تمہاری وجہ سے دشمن کو جنگ کی دھمکی دے سکتا ہوں۔ تمہیں کیا ہو گیا، تمہارا مرض کیا ہے اور اس کا چارہ کیا ہے اس قوم (اہلِ شام) کے افراد بھی تو تمہاری ہی شکل و صورت کے مرد ہیں، کیا باتیں ہی باتیں رہیں گی۔ جانے بُوجھے بغیر اور صرف غفلت و مدہوشی ہے۔ تقویٰ و پرہیز گاری کے بغیر (بلندی کی) حرص ہی حرص ہے۔ مگر بالکل ناحق۔

1. جنگ نہروان کے بعد معاویہ نے ضحاک ابن قیس فہری کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اطراف کوفہ میں اس مقصد سے بھیجا کہ وہ ان نواح میں شورش و انتشار پھیلائے، اور جسے پائے اسے قتل کر دے اور جہاں تک ہو سکے قتل و غارت کا بازار گرم کرے تاکہ امیرالمومنین سکون و اطمینان سے نہ بیٹھ سکیں۔ چنانچہ وہ اس مقصد کو سرانجام دینے کے لئے روانہ ہوا، اور بے گناہوں کے خون بہاتا ہوا، اور ہر طرف تباہی مچاتا ہوا مقام ثعلبیہ تک پہنچ گیا۔ یہاں پر حجاج کے ایک قافلہ پر حملہ کیا اور ان کا سارا مال و اسباب لوٹ لیا اور پھر مقامِ قطقطانہ پر صحابی رسول عبداللہ ابن مسعود کے بھتیجے عمرو ابن عمیس اور ان کے ساتھیوں کو تہ تیغ کر دیا اور یُوں ہی ہر جگہ وحشت و خونخواری شروع کر دی۔ امیرالمومنین کو جب ان غارت گریوں کا علم ہوا، تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو جنگ کے لئے بلایا تاکہ ان درندگیوں کی روک تھام کی جائے۔ مگر لوگ جنگ سے پہلو بچاتے ہوئے نظر آئے۔ آپ ان لوگوں کی سست قدمی و

بددلی سے متاثر ہو کر منبر پر تشریف لے گئے اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ان لوگوں کو غیرت دلائی ہے کہ وہ بزدلوں کی طرح جنگ سے بچنے کی کوشش نہ کریں، اور اپنے ملک کی حفاظت کے لئے جوانمردوں کی طرح اُٹھ کھڑے ہوں، اور غلط سلط حیلے حوالوں سے کام نہ لیں۔ آخر حجر ابن عدی کندی چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ دشمن کی سرکوبی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور مقام تدمر پر اسے جالیا۔ ابھی دونوں فریق میں معمولی سی چھڑپ ہوئی تھی کہ رات کا اندھیرا پھیلنے لگا، اور وہ صرف انیس آدمی کٹوا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ امیر المومنین کی فوج میں سے بھی دو آدمیوں نے جامِ شہادت پیا۔

خطبہ 30

قتلِ عثمانؓ کی حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے فرمایا

اگر میں ان کے قتل کا حکم دیتا، تو البتہ ان کا قاتل ٹھہرتا اور اگر ان کے قتل سے (دوسروں کو) روکتا تو ان کا معاون و مددگار رہوتا (میں بالکل غیر جانبدار رہا) لیکن حالات ایسے تھے کہ جن لوگوں نے ان کی نصرت وامداد کی، وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ ہم ان کی نصرت نہ کرنے والوں سے بہتر ہیں، اور جن لوگوں نے ان کی نصرت سے ہاتھ اٹھالیا وہ نہیں خیال کرتے کہ ان کی مدد کرنے والے ہم سے بہتر و برتر ہیں۔ میں حقیقت امر کو تم سے بیان کئے دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے (اپنے عزیزوں کی) طرف داری کی، تو طرف داری بُری طرح کی اور تم گھبرا گئے، تو بُری طرح گھبرا گئے اور (ان دونوں فریق) بے جا طرف داری کرنے والے،

گھبرا اٹھنے والے کے درمیان اصل فیصلہ کرنے والا اللہ ہے۔

1۔ حضرت عثمان اسلامی دور کے پہلے اموی خلیفہ ہیں جو یکم محرم 24 ھ ء میں ستر برس کی عمر میں مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ اور بارہ برس تک مسلمانوں کے سیاہ سفید کے مالک بنے رہنے کے بعد انہی کے ہاتھوں سے 18 ذی الحجہ 35 ھ ء میں قتل ہو کر حشِ کوکب میں دفن ہوئے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا کہ حضرت عثمان کا قتل ان کی کمزوریوں اور ان کے عمال کے سیاہ کارناموں کا نتیجہ تھا۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ مسلمان متفقہ طور پر ان کے قتل پر آمادہ اور ان کی جان لینے کے درپے ہو جاتے اور ان کے گھر کے چند آدمیوں کے علاوہ کوئی ان کی حمایت و مدافعت کے لئے کھڑا نہ ہوتا۔ مسلمان یقیناً ان کے سنِ وسال ان کی بزرگی و وقار اور شرفِ مصاحبت کا پاس ولحاظ کرتے مگر ان کے طور طریقوں نے فضا کو اس طرح بگاڑ رکھا تھا کہ کوئی ان کی ہمدردی و پاسداری کے لئے آمادہ نظر نہ آتا تھا۔ پیغمبر کے برگزیدہ صحابیوں پر جو ظلم و ستم ڈھایا گیا تھا، اس نے قبائل عرب میں ان کے خلاف غم وغصہ کی لہر دوڑا رکھی تھی۔ ہر شخص پیچ وتاب کھا رہا تھا اور ان کی خود سری و بے راہروی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوذر کی توہین وتذلیل اور جلاوطنی کے سبب سے بنی غفار اور ان کے حلیف قبائل، عبداللہ ابن مسعود کو بے دردی سے پٹوانے کی وجہ سے بنی ہذیل اور ان کے حلیف بنی زہرہ، عمار ابنِ یاسر کی پسلیاں توڑ دینے کے باعث بنی مخزوم اور ان کے حلیف قبیلے اور محمد ابنِ ابی

بکر کے قتل کا سروسامان کرنے کی وجہ سے بنی تیم کے دلوں میں غصہ کا ایک فوفان موجزن تھا۔دوسرے شہروں کے مسلمان بھی ان کے عمال کے ہاتھوں سے نالاں تھے کہ جو دولت کی سرشاریوں اور بارہ عشرت کی سرمستیوں میں جو چاہتے تھے کہ گزرے تھے، اور جسے چاہتے تھے پامال کر کے رکھ دیتے تھے، نہ انہیں مرکز کی طرف سے عتاب کا ڈر تھا، اور نہ کسی باز پرُس کا اندیشہ۔۔لوگ ان کے پنجہ استبداد سے نکلنے کے لئے پھڑ پھڑاتے تھے مگر کوئی ان کے کرب واذیت کی صدائیں سننے کے لئے آمادہ نہ ہوتا تھا۔نفرت کے جذبات اُبھر رہے تھے، مگرانہیں دبانے کی کوئی فکر نہ کی جاتی تھی، صحابہ بھی ان سے بددل ہو چکے تھے۔کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے، کہ امنِ عالم تباہ، نظم ونسق تہ و بالا اور اسلامی خدوخال مسخ کئے جارہے ہیں۔نادار وفاقہ کش سُوکھے ٹکڑوں کو ترس رہے ہیں اور بنی امیّہ کے ہاں ہن برس رہا ہے۔ خلافت شکم پری کا ذریعہ اور سرمایہ اندوزی کا وسیلہ بن کر رہ گئی ہے۔لہذا وہ بھی ان کے قتل کے لئے زمین ہموار کرنے میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔بلکہ انہی کے خطوط و پیغامات کی بنا پر کوفہ، بصرہ اور مصر کے لوگ مدینہ میں آجمع ہوئے تھے۔چنانچہ اہل مدینہ کے اس رویہ کو دیکھتے ہوئے حضرت عثمان نے معاویہ کو تحریر کیا کہ:۔واضح ہو کہ اہل مدینہ کافر ہو گئے ہیں اور اطاعت سے منہ پھیر لیا ہے اور بیعت توڑ ڈالی ہے۔تم شام کے لڑنے بھڑنے والوں کو تندوتیز سواریوں کو میری طرف بھیجو۔مُعاویہ نے اس خط کے پہنچنے پر جو طرف عمل اختیار کیا، اس سے بھی صحابہ کی حالت پر روشنی پڑتی ہے۔چنانچہ طبری نے اس کے بعد لکھا ہے کہ:۔ جب معاویہ کو یہ خط ملا، تو اس نے توقف کیا اور اصحابِ پیغمبر کی کھلم کھلا مخالفت کو بُرا جانا چونکہ

اسے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ ان کی مخالفت پر یکجہتی سے متفق ہیں۔ ان واقعات کے پیشِ نظر حضرت عثمان کے قتل کو وقتی جوش اور ہنگامی جذبہ کا نتیجہ قرار دے کر چند بلوائیوں کے سر تھوپ دینا، حقیقت پر پردہ ڈالنا ہے۔ جبکہ ان کی مخلافت کے تمام عناصر مدینہ ہی میں موجود تھے اور باہر سے آنے والے تو ان کی آواز پر اپنے دکھ درد کی چارہ جوئی کے لئے جمع ہوئے تھے۔ جن کا مقصد صرف اصلاحِ حال تھا۔ نہ قتل و خونریزی۔ اگر ان کی داد فریاد سُن لی جاتی، تو اس خون خرابے تک کبھی نوبت نہ پہنچتی۔ مگر ہوا یہ کہ جب اہلِ مصر حضرت عثمان کے دُودھ شریک بھائی عبداللہ ابن سعد ابن ابی سرح کے ظلم و تشدد سے تنگ آ کر مدینہ کی طرف بڑھے اور شہر کے قریب وادی ذی خشب میں پڑاؤ ڈال دیا۔ تو ایک شخص کے ہاتھ خط بھیج کر حضرت عثمان سے مطالبہ کیا کہ ان کے مظالم مٹائے جائیں، موجودہ روش کو بدلا جائے۔ اور آئندہ کے لئے توبہ کی جائے۔ مگر آپ نے جواب دینے کی بجائے۔ اس شخص کو گھر سے نکلوا دیا اور ان کے مطالبہ کو قابلِ اعتنا نہ سمجھا، جس پر وہ لوگ اس غرور طغیان کے خلاف آواز بلند کرنے کے لئے شہر کے اندر داخل ہوئے اور لوگوں سے حکومت کی ستمرانیوں کے ساتھ اس طرزِ عمل کا بھی شکوہ کیا۔ ادھر کوفہ اور بصرہ کے بھی سینکڑوں آدمی اپنے شکوے شکایات لے کر مدینہ آئے ہوئے تھے۔ جو ان سے ہمنوا ہو کر اہلِ مدینہ کی پشت پناہی پر آگے بڑھے، اور حضرت عثمان کو پابندِ مسکن بنا دیا۔ مگر ان کے لئے مسجد میں آنے جانے کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ لیکن انہوں نے پہلے ہی جمعہ میں جو خطبہ دیا۔ اس میں ان لوگوں کو سخت الفاظ میں بُرا بھلا کہا اور ملعون تک قرار دیا۔ جس پر لوگوں نے مشتعل ہو کر ان پر سنگریزے پھینکے۔ جس پر بے حال ہو کر

منبر سے نیچے گر پڑے اور چند دنوں کے بعد ان کے مسجد میں آنے جانے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ جب حضرت عثمان نے اس حد تک حالات بگڑے ہوئے دیکھے، تو بڑی لجاجت سے امیر المومنین سے خواہش کی کہ وہ ان کے لئے چھٹکارے کی کوئی سبیل کریں اور جس طرح بن پڑے ان لوگوں کو متفرق کر دیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں کس قرارداد پر انہیں جانے کے لیے کہوں جب کہ ان کے مطالبات حق بجانب ہیں۔ حضرت عثمان نے کہا کہ میں اس کا اختیار آپ کو دیتا ہوں، آپ ان سے جو بھی معاہدہ کریں گے۔ میں اس کا پابند رہوں گا۔ چنانچہ حضرت مصریوں سے جا کر ملے اور ان سے بات چیت کی۔ اور وہ اس شرط پر واپس پلٹ جانے کے لئے آمادہ ہو گئے کہ تمام مظالم مٹائے جائیں۔ اور ابن ابی سرح کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد ابن ابی بکر کو مقرر کیا جائے۔ امیر المومنین نے پلٹ کر حضرت عثمان کے سامنے ان کا مطالبہ رکھا جسے انہوں نے بغیر کسی پس و پیش کے مان لیا اور یہ کہا کہ ان تمام مظالم سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کچھ مہلت ہونا چاہیئے۔ حضرت نے فرمایا جو چیزیں مدینہ سے متعلق ہیں اُن میں مہلت کے کوئی معنی نہیں۔ البتہ دوسری جگہوں کے لئے اتنا وقفہ دیا جا سکتا ہے کہ تمہارا پیغام وہاں تک پہنچ سکے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں مدینہ کے لئے بھی تین دن کی مہلت ہونی چاہیئے۔ حضرت نے مصریوں سے بات چیت کرنے کے بعد اسے بھی منظور کر لیا۔ اور ان کی تمام ذمہ داری ذی خشب میں آ کر ٹھہر گئے، اور یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اس واقعہ کے دوسرے دن مروان نے حضرت سے کہا کہ خیر یہ لوگ تو چلتے بنے، مگر دوسرے شہروں سے آنے والوں کی روک تھام کے لئے آپ ایک بیان دیں تا کہ وہ

ادھر کا رخ نہ کریں اور اپنی اپنی جگہ پر مطمئن ہو کر بیٹھے رہیں۔ اور وہ بیان یہ ہو کہ کچھ لوگ مصر کے جھوٹ سچ باتیں سن کر مدینہ میں جمع ہو گئے تھے اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ وہ جو سنتے تھے غلط تھا، تو وہ مطمئن ہو کر واپس چلے گئے ہیں۔ حضرت عثمان ایسا صریح جھوٹ بولنا نہ چاہتے تھے۔ مگر مروان نے کچھ ایسا چکمہ دیا کہ وہ آمادہ ہو گئے اور مسجد نبوی میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:۔ ان مصریوں کو اپنے خلیفہ کے متعلق کچھ خبریں ملی تھیں اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ وہ سب غلط اور بے سرو پا تھیں تو وہ اپنے شہروں کی طرف پلٹ گئے۔ یہ کہنا تھا کہ مسجد میں ایک ہُلّڑ مچ گیا اور لوگوں نے پکار پکار کر کہنا شروع کیا کہ اے عثمان! توبہ کرو، اللہ سے ڈرو، یہ کیا جھوٹ کہہ رہے ہو۔ حضرت عثمان اس ہڑبونگ میں سٹپٹا کر رہ گئے اور توبہ کرتے ہی بنی۔ چنانچہ قبلہ کی طرف رخ کر کے اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑائے اور پھر گھر پلٹ آئے۔ امیرالمومنین نے غالباً اسی واقعہ کے بعد حضرت عثمان کو یہ مشورہ دیا کہ تم سابقہ لغزشوں سے کھلم کھلا توبہ کرو، تا کہ یہ شورشیں ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں۔ ورنہ کل کو کہیں اور کے لوگ آ گئے تو پھر مجھے چمٹو گے کہ تمہاری گلو خلاصی کراؤں۔ چنانچہ انہوں نے مسجدِ نبوی میں خطبہ دیا۔ جس میں اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ کی اور آئندہ محتاط رہنے کا عہد کیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ جب میں منبر سے اُتروں تو تمہارے نمائندے میرے گھر پر آئیں۔ میں تمہاری شکایتوں کا ازالہ کروں گا اور تمہارے مطالبے پورے کروں گا۔ جس پر لوگوں نے آپ کے اس قدام کو بہت سراہا اور بڑی حد تک دلی کدورتوں کو آنسوؤں سے دھو ڈالا۔ یہاں سے فارغ ہو کر جب دولت سرا پر پہنچے، تو مروان نے کچھ کہنے کی اجازت چاہی۔ مگر

حضرت عثمان کی زوجہ نائلہ بنت فرافصہ مانع ہوئیں اور مروان سے مخاطب ہو کر کہا کہ خدا کے لئے تم چپ رہو، تم کوئی ایسی ہی بات کہو گے جو ان کے لئے موت کا پیش خیمہ بن کر رہے۔ مروان نے بگڑ کر کہا کہ تمہیں ان معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ تم اس کی بیٹی ہو جسے مرتے دم تک وضو کرنا بھی نہ آیا۔ نائلہ نے جھلاّ کر کہا کہ تم غلط کہتے ہو اور بہتان باندھتے ہو میرے باپ کو کچھ کہنے سے پہلے ذرا اپنے باپ کا حلیہ بھی دیکھ لیا ہوتا۔ اگر ان بڑے میاں کا خیال نہ ہوتا تو پھر وہ سناتی کہ لوگ کانوں پر ہاتھ رکھتے اور ہر بات میں میری ہاں میں ہاں ملاتے۔ حضرت عثمان نے جب بات بڑھتے دیکھی، تو انہیں روک دیا۔ اور مروان سے کہا کہ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ مروان نے کہا کہ یہ آپ مسجد میں کیا کہہ آئے ہیں اور کیسی توبہ کر آئے ہیں۔ میرے نزدیک تو گناہ پر اڑے رہنا آپ کی اس توبہ سے ہزار درجہ بہتر تھا۔ کیونکہ گناہ خواہ کس حد تک بڑھ جائیں، ان کے لئے توبہ کی گنجائش رہتی ہے۔ اور مارے باندھے کی توبہ کوئی توبہ نہیں ہوتی۔ کہنے کو تو آپ کہہ آئے ہیں۔ مگر اس صلائے عام کا نتیجہ دیکھ لیجئے کہ دروازے پر لوگوں کے ٹھٹھ لگے ہوئے ہیں۔ تو اب آگے بڑھیئے اور پورا کیجئے ان کے مطالبات کو۔ حضرت عثمان نے کہا کہ خیر میں جو کہہ آیا سو کہہ آیا۔ اب تم ان لوگوں سے نپٹ لو۔ میرے بس کا یہ روگ نہیں کہ میں انہیں نپٹاؤں۔ چنانچہ مروان آپ کا ایماء پا کر باہر آیا اور لوگوں سے خطاب کر کے کہا کہ تم لوگ یہاں کیوں جمع ہو؟ کیا دھاوا بولنے کا ارادہ ہے یا لوٹ مار کا قصد ہے؟ یاد رکھو کہ تم بآسانی ہمارے ہاتھوں سے اقتدار نہیں چھین سکتے اور یہ خیال دلوں سے نکال ڈالو کہ تم ہمیں دبا لو گے۔ ہم کسی سے دب کر رہنے

والے نہیں ہیں۔ یہاں سے مُنہ کالا کرو، خدا تمہیں رسوا و ذلیل کرے۔ لوگوں نے یہ بگڑے ہوئے تیور اور بدلا ہوا نقشہ دیکھا تو غیظ و غضب میں بھرے ہوئے وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور سیدھے امیرالمومنین کے ہاں پہنچے، اور انہیں ساری روئیداد سنائی جسے سن کر حضرت مارے غصے کے پیچ و تاب کھانے لگے اور اسی وقت اٹھ کر عثمان کے ہاں گئے اور ان سے کہا «واہ سبحان اللہ» ! کیا مسلمانوں کی درگت بنائی ہے۔ تم نے ایک بے دین و بدکردار کی خاطر دین سے بھی ہاتھ اٹھا لیا اور عقل کو بھی جواب دے دیا۔ آخر تمہیں کچھ تو اپنے وعدے کا پاس و لحاظ ہونا چاہیئے تھا۔ یہ کیا مروان کے اشارے پر آنکھ بند کر کے چل پڑو۔ یاد رکھو کہ وہ تمہیں ایسے اندھے کنوئیں میں پھینکے گا۔ کہ پھر اس سے نکل نہ سکو گے۔ تم تو مروان کی سواری بن گئے ہو کہ وہ جس طرح چاہے تم پر سواری گانٹھ لے، اور جس غلط راہ پر چاہے تمہیں ڈال دے۔ آئندہ سے میں تمہاری معاملہ میں کوئی دخل نہ دوں گا اور نہ لوگوں سے کچھ کہوں سنوں گا۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔ اتنا کہہ سن کر حضرت تو واپس ہوئے، اور نائلہ کی بن آئی۔ انہوں نے حضرت عثمان سے کہا کہ مَیں کہتی تھی کہ مروان سے پیچھا چھڑا یئے ورنہ وہ ایسا کلنک کا ٹیکہ لگائے گا کہ مٹائے نہ مٹے گا، بھلا اس کے کہنے پر کیا چلنا کہ جو لوگوں میں بے آبرو اور نظروں سے گرا ہوا ہو۔ علی ابن ابی طالب کو منایئے ورنہ یاد رکھئے کہ بگڑے ہوئے حالات کا بنانا نہ آپ کے بس میں ہے اور نہ مروان کے اختیار میں ہے۔

حضرت عثمان اس سے متاثر ہوئے اور امیرالمومنین کے پیچھے آدمی بھیجا۔ مگر حضرت نے ملنے سے صاف انکار کر دیا۔ خود حضرت عثمان کے گرد گو محاصرہ نہ تھا۔ مگر جبا زنجیر پا تھی، کون سامنہ

لے کر گھر سے باہر نکلتے۔ مگر نکلے بغیر کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ لہذا رات کے پردے میں چپکے سے نکلے اور امیر المومنین کے ہاں جا پہنچے اور اپنی بے بسی اور لاچاری کا رونا رویا۔ عذر معذرت بھی کی، وعدے کی پابندی کا یقین بھی دلایا۔ مگر حضرت نے فرمایا کہ تم مسجد نبوی میں منبر رسول پر کھڑے ہو کر مسلمانوں کے بھرے مجمع میں ایک وعدہ کرتے ہو، تو اس کا ایفا یوں ہوتا ہے کہ جب لوگ تمہارے ہاں پہنچتے ہیں تو انہیں بُرا بھلا کہا جاتا ہے اور گالیاں تک دی جاتی ہیں۔ جب تمہارے قول و قرار کی یہ صورت ہے جسے دنیا دیکھ چکی ہے تو کس بھروسے پر میں آئندہ کے لئے تمہاری کسی بات پر اعتماد کرلوں۔ اب مجھ سے کوئی توقع نہ رکھو۔ میں تمہاری طرف سے کوئی ذمہ داری اپنے سر پر لینے کے لئے تیار نہیں۔ راستے تمہارے سامنے کھلے ہوئے ہیں جو راستہ چاہو اختیار کرو، اور جس دھڑے پر چاہو چلو۔ اس بات چیت کے بعد حضرت عثمان پلٹ آئے اور الٹا امیر المومنین کو موردِ الزام ٹھہرانا شروع کر دیا کہ ان کی شہ پر یہ ہنگامے اٹھ رہے ہیں، اور سب کچھ کر سکنے کے باوجود کچھ نہیں کرتے۔ ادھر توبہ کا جو حشر سو ہوا۔ اب دوسری طرف کی سنیئے کہ جب محمد ابن ابی بکر حجاز کی سرحد طے کر کے دریائے قلزم کے کنارے مقامِ ایلہ تک پہنچے تو لوگوں کی نظریں ایک ناقہ سوار پر پڑیں جو اپنی سواری کو اس طرح بگٹٹ دوڑائے لئے جا رہا تھا، جیسے دشمن اس کے تعاقب میں ہوں۔ ان لوگوں کو اس پر کچھ شبہ ہوا، تو اسے بلا کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں حضرت عثمان کا غلام ہوں۔ پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا کہ مصر کا۔ پوچھا کہ کس کے پاس جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں والی مصر کے پاس۔ لوگوں نے کہا کہ والی مصر تو

ہمارے ہمراہ ہیں۔ تم کس کے پاس جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ مجھے ابنِ ابی سرح کے پاس جانا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ تمہارے پاس کوئی خط وغیرہ بھی ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ پوچھا کہ کس مقصد سے جا رہے ہو؟ اس نے کہا کہ یہ نہیں معلوم۔ لوگوں نے کہا کہ جامہ تلاشی لینا چاہیئے۔ چنانچہ تلاشی لی گئی مگر اس سے کوئی چیز برآمد نہ ہوئی۔ کنانہ بن بشر نے کہا، کہ ذرا اس کا مشکیزہ تو دیکھو۔ لوگوں نے کہا کہ چھوڑو، بھلا پانی میں خط کہاں ہو۔ سکتا ہے! کنانہ نے کہا کہ تم کیا جانو کہ یہ لوگ کیا کیا چالیں چلا کرتے ہیں۔ چنانچہ مشکیزہ کھول کر دیکھا گیا تو اس میں سیسے کی ایک نلکی تھی، جس میں خط رکھا ہوا تھا۔ جب کھول کر پڑھا گیا تو فرمانِ خلافت یہ تھا کہ « جب محمد ابنِ ابی بکر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تمہارے پاس پہنچے، تو ان میں سے فلاں کو قتل کرو، فلاں کے ہاتھ کاٹو اور فلاں کو جیل میں ڈالو، اور اپنے عہدہ پر برقرار رہو۔ یہ پڑھ کر سب پر سناٹا چھا گیا، اور حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ ابوالعجبی است اب آگے بڑھنا موت کے منہ میں جانا تھا، چنانچہ اس غلام کو ساتھ لے کر سب مدینہ کی طرف۔ پلٹ پڑے اور وہاں پہنچ کر وہ خط صحابہ کے مجمع کے سامنے رکھ دیا۔ اس واقعہ کو جس نے سُنا، انگشت بدنداں ہو کر رہ گیا اور کوئی ایسا شخص نہ تھا کہ جو حضرت عثمان کو بُرا نہ کہہ رہا ہو۔ اس کے بعد چند صحابہ ان لوگوں کے ہمراہ حضرت عثمان کے ہاں پہنچے اور وہ خط ان کے سامنے رکھ دیا اور پوچھا کہ اس خط پر مُہر کس کی ہے؟ کہا کہ میری۔ پوچھا کہ یہ تحریر کس کی ہے؟ کہا کہ میرے کاتب کی۔ پوچھا یہ غلام کس کا ہے؟ کہا کہ میرا۔ پوچھا کہ یہ سواری کس کی ہے؟ کہا کہ حکومت کی۔ پوچھا کہ یہ بھیجا کس نے ہے؟

فرمایا کہ اس کا مجھے علم نہیں۔لوگوں نے کہا کہ سبحان اللہ! سب کچھ آپ کا اور آپ کو یہ تک پتہ نہ چلنے پائے کہ یہ کس نے بھیجا ہے! جب آپ اتنے ہی بے بس ہیں، تو چھوڑ یئے خلافت کو اور الگ ہو جایئے تا کہ کوئی ایسا شخص آئے جو مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال کر سکتا ہو۔ انہوں نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اس پیرہن کو اتار دوں جو اللہ نے مجھے پہنایا ہے۔البتہ توبہ کیے لیتا ہوں۔لوگوں نے کہا کہ توبہ کی بھلی کہی۔اس کی مٹی تو اسی دن خراب ہو گئی تھی جب آپ کے دروازے پر مروان آپ کی ترجمانی کر رہا تھا اور رہی سہی کسر اس خط نے نکال دی ہے۔اب ہم ان بھرّ وں میں آنے والے نہیں ہیں۔خلافت کو چھوڑ یئے اگر آپ کے بھائی بند ہمارے سدّ ُ ہوئے تو ہم انہیں روکیں گے اور اگر لڑنے کے لئے آمادہ ہوئے تو ہم بھی لڑیں گے۔ نہ ہمارے ہاتھ شَل ہیں اور نہ ہماری تلواریں کُند ہیں۔ اگر آپ مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں اور انصاف کے علمبردار جانوں سے کھیلنا چاہ رہا ہے۔مگر آپ نے اس مطالبہ کو ٹھکرا دیا اور مروان کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا جس پر لوگوں نے کہا کہ پھر یہ خط بھی آپ ہی کے حکم سے لکھا گیا ہے۔ بہرصورت سدھرے ہوئے حالات پھر سے بگڑ گئے، اور انہیں بگڑنا ہی چاہیئے تھا۔کیونکہ مطلوبہ مدّت کے گزر جانے کے باوجود ہر چیز جوں کی توں تھی اور رائی برابر بھی ادھر سے اُدھر نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ توبہ کا انجام دیکھنے کے لئے وادی خشب میں جو لوگ ٹھہرے ہوئے تھے، وہ بھی پھر سیلاب کی طرح بڑھے، اور مدینہ کی گلیوں میں پھیل گئے اور ہر طرف سے ناکہ بندی کر کے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ انہی محاصرہ کے دنوں میں پیغمبر کے ایک صحابی نیاز ابنِ عیاض نے حضرت

عثمان سے بات چیت کرنا چاہی اوران کے ہاں پہنچ کر انہیں پکارا۔ جب انہوں نے اوپر سے جھانک کر دیکھا تو آپ نے کہا کہ اے عثمان! خدا کے لئے اس خلافت سے دست بردار ہو جاؤ، اور مسلمانوں کو اس خون خرابے سے بچاؤ۔ ابھی وہ بات کر ہی رہے تھے کہ حضرت عثمان کے آدمیوں میں سے ایک نے انہیں تیر کا نشانہ بنا کر جان سے مار ڈالا۔ جس پر لوگ بھڑک اٹھے اور پکار کر کہا کہ نیاز کا قاتل ہمارے حوالہ کرو مگر حضرت عثمان نے فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنے ایک مددگار کو تمہارے حوالے کر دوں۔ اس سینہ زوری نے آگ میں ہوا کا کام کیا اور لوگوں نے جوش میں آ کر ان کے گھر کے دروازے کو آگ لگا دی۔ اور اندر گھسنے کے لئے آگے بڑھے کہ مروان ابن حکم، سعید ابن عاص اور مغیرہ ابنِ اخنس اپنے اپنے جتھّوں کے ہمراہ محاصرہ کرنے والوں پر ٹوٹ پڑے اور دروازے پر کشت وخون شروع ہو گیا۔ لوگ گھر کے اندر گھسنا چاہتے تھے۔ مگر انہیں دھکیل دیا جاتا تھا۔ اتنے میں عمرو ابن حزم انصاری نے کہ جن کا مکان حضرت عثمان کے مکان سے متصل تھا۔ اپنے گھر کا دروازہ کھول دیا اور للکار کر کہا کہ آؤ ادھر سے بڑھو۔ چنانچہ محاصرہ کرنے والے اس مکان کے ذریعہ کاشانہ خلافت کی چھت پر پہنچ گئے اور وہاں سے گھر کے صحن میں اتُر کر تلواریں سونت لیں۔ ابھی ایک آدھ جھڑپ ہی ہونے پائی تھی کہ حضرت عثمان کے گھر والوں کے علاوہ ان کے ہواخواہ اور بنی امّیہ مدینہ کی گلیوں میں بھاگ کھڑے ہوئے، اور کچھ اُم حبیبہ کے گھر میں جا چھپے اور جو رہ گئے وہ حضرت عثمان کا حقِ نمک ادا کرتے ہوئے ان کے ساتھ قتل ہو گئے۔ (تاریخ الخلفاء و تاریخ طبری) آپ کے قتل پر شعراء نے مرثیے کہے۔

سر دستِ ابو ہریرہ کے مرثیہ کا ایک شعر پیش نظر ہے «لوگوں کو تو آج کے دن صرف ایک صدمہ ہے، لیکن مجھے برابر کے دو صدمے ہیں ایک حضرت عثمان کے قتل ہونے کا، اور دوسرا اپنے تھیلے کے کھو جانے کا۔» ان واقعات کو دیکھنے کے بعد امیر المومنین کا موقف واضح ہو جاتا ہے کہ نہ آپ اس جماعت کا ساتھ دے رہے تھے جو ان کے قتل پر اُبھار رہی تھی، اور نہ اس گروہ میں لائے جاسکتے ہیں کہ جو ان کی حمایت و مدافعت پر کھڑا ہوا تھا۔ بیشک جہاں تک حالات اجازت دیتے رہے، وہ ان کے بچاؤ کی صورتیں انہیں سمجھاتے رہے اور جب یہ دیکھا کہ جو کہا جاتا ہے، وہ عملاً کیا انہیں جاتا، تو آپ اپنا دامن بچا کر الگ ہو گئے۔ جب دونوں فریق کو دیکھا جاتا ہے تو جن لوگوں نے حضرت عثمان کی نصرت سے ہاتھ اٹھا لیا تھا، ان میں اُم المومنین عائشہ اور روایاتِ جمہور کے مطابق عشرہ مبشرہ بقیہ اہلِ شوریٰ، انصار و مہاجرین اوّلین اصحابِ بدر اور دیگر ممتاز و جلیل القدر افراد نظر آتے ہیں اور دوسری طرف بارگاہِ خلافت کے چند غلام اور بنی اُمیہ کی چند فرویں دکھائی دیتی ہیں۔ اگر مروان و سعید ابن عاص جیسے لوگوں کو مہاجرین اوّلین پر فوقیت نہیں دی جاسکی، تو پھر صحابہ کی اس زبردست اتفاق رائے پر انگشت نمائی مشکل ہو گی۔

خطبہ 31

جب جنگ جمل شروع ہونے سے پہلے حضرت نے ابن عباس کو زبیر کے پاس اس مقصد سے بھیجا کہ وہ انہیں اطاعت کی طرف پلٹائیں، تو اس موقعہ پر ان سے فرمایا۔

طلحہ سے ملاقات نہ کرنا۔ اگر تم اس سے ملے، تو تم اس کو ایک ایسا سرکش بیل پاؤ گے۔ جس کے سینگ کانوں کی طرف مڑے ہوئے ہوں۔ وہ منہ زور سواری پر سوار ہوتا ہے اور پھر کہتا یہ ہے کہ یہ رام کی ہوئی سواری ہے بلکہ تم زبیر سے ملنا اس لئے کہ وہ نرم طبیعت ہے اور اس سے یہ کہنا کہ تمہارے ماموں زاد بھائی نے کہا ہے کہ تم حجاز میں تو مجھ سے جان پہنچان رکھتے تھے اور یہاں عراق میں آ کر بالکل اجنبی بن گئے۔ آخر اس تبدیلی کا کیا سبب ہے۔

علامہ رضی فرماتے ہیں کہ اس کلام کا آخری جملہ «فما عدا مما بدا» جس کا مطلب یہ ہے کہ اس تبدیلی کا کیا سبب ہوُا۔ سب سے پہلے آپ ہی کی زبان سے سنا گیا ہے۔

خطبہ 32

دنیا کی مذمت اور اهل دنیا کی قسمیں

اے لوگو! ہم ایک ایسے کج رفتار زمانہ اور ناشکر گذار دنیا میں پیدا ہوئے ہیں کہ جس میں نیکو کار کو خطا کار سمجھا جاتا ہے، اور ظالم اپنی سرکشی میں بڑھتا ہی جاتا ہے۔ جن چیزوں کو ہم

جانتے ہیں، ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور جن چیزوں کو نہیں جانتے، انہیں دریافت نہیں کرتے اور جب تک مصیبت آ نہیں جاتی، ہم خطرہ محسوس نہیں کرتے۔ (اس زمانے کے) لوگ چار طرح کے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جنہیں مفسدہ انگیزی سے مانع صرف ان کے نفس کا بے وقعت ہونا، ان کی دھار کا کند ہونا۔ اوران کے پاس مال کا حاکم ہونا ہے اور کچھ لوگ وہ ہیں جو تلواریں سونتے ہوئے علانیہ شر پھیلا رہے ہیں اور انہوں نے اپنے سوار اور پیادے جمع کر رکھے ہیں۔ صرف کچھ مال بٹورنے کسی دستہ کی قیادت کرنے، یا منبر پر بلند ہونے کے لئے انہوں نے اپنے نفسوں کو وقف کر دیا ہے اور دین کو تباہ و برباد کر ڈالا ہے کتنا ہی بُرا سودا ہے کہ تم دنیا کو اپنے نفس کی قیمت اور اللہ کے یہاں کی نعمتوں کا بدل قرار دے لو۔ اور کچھ لوگ وُہ ہیں جو آخرت والے کاموں سے دنیا طلبی کرتے ہیں اور یہ نہیں کرتے کہ دنیا کے کاموں سے بھی آخرت کا بنانا مقصود رکھیں۔ یہ اپنے اوپر بڑا سکون و وقار طاری رکھتے ہیں۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہیں اور دامنوں کو اوپر کی طرف سمیٹتے رہتے ہیں اور اپنے نفسوں کو اس طرح سنوار لیتے ہیں کہ لوگ انہیں امین سمجھ لیں۔ یہ لوگ اللہ کی پردہ پوشی سے فائدہ اٹھا کر اس کا گناہ کرتے ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں جنہیں ان کے نفسوں کی کمزوری اور ساز وسامان کی نافراہمی ملک گیری کے لئے اٹھنے نہیں دیتی۔ ان حالات نے انہیں ترقی و بلندی حاصل کرنے سے درماندہ و عاجز کر دیا ہے۔ اس لئے قناعت کے نام سے انہوں نے اپنے آپ کو آراستہ کر رکھا ہے اور زاہدوں کے لباس سے اپنے کو سج لیا ہے۔ حالانکہ انہیں ان چیزوں سے کسی وقت کبھی کوئی لگاؤ نہیں رہا۔ اس کے بعد تھوڑے سے وہ لوگ رہ گئے جن کی آنکھیں

آخرت کی یاد اور حشر کے خوف سے جھکی ہوئی ہیں۔ جو دنیا والوں سے الگ تھلگ تنہائی میں پڑے ہیں۔ اور کچھ خوف و ہراس کے عالم میں ذلتیں سہہ رہے ہیں، اور بعض نے اس طرح چپ سادھ لی ہے کہ گویا ان کے منہ باندھ دیئے گئے ہیں۔ کچھ خلوص سے دُعائیں مانگ رہے ہیں کچھ غم زدہ و درد رسیدہ ہیں۔ جنہیں خوف نے گمنامی کے گوشہ میں بٹھا دیا ہے اور خستگی و درماندگی ان پر چھائی ہوئی ہے وہ ایک شور دریا میں ہیں۔ (کہ باوجود پانی کی کثرت کے پھر وہ پیاسے ہیں) ان کے منہ بند اور دل مجروح ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو اتنا سمجھایا، بجھایا، کہ وہ اکتا گئے اور اتنا ان پر جبر کیا گیا کہ وہ بالکل دب گئے اور اتنے قتل کئے گئے کہ ان میں (نمایاں) کمی ہوگئی۔ اس دنیا کو تمہاری نظروں میں کیکر کے چھلکوں اور ان کے ریزوں سے بھی زیادہ حقیر و پست ہونا چاہیئے اور اپنے قبل کے لوگوں سے تم عبرت حاصل کرلو۔ اس سے قبل کہ تمہارے حالات سے بعد والے عبرت حاصل کریں اور اس دنیا کی بُرائی محسوس کرتے ہوئے اس سے قطع تعلق کرو۔ اس لئے کہ اس نے آخر میں ایسوں سے قطع تعلق کرلیا جو تم سے زیادہ اس کے والہ و شیدا تھے۔

سید رضی فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اپنی لاعلمی کی بناء پر اس خطبہ کو معاویہ کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ یہ امیر المومنین علیہ السلام کا کلام ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ بھلا سونے کی مٹی سے کیا نسبت اور شیریں پانی کو شور پانی سے کیا ربط۔ چنانچہ اس وادی میں راہ دکھانے والے ماہرِ فن اور پرکھنے والے بابصیرت عمرو ابن بحر جاحظ نے اس کی

خبر دی ہے، اور اپنی کتاب «البیان والتبین» میں اس کا ذکر کیا ہے اور ان لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے، جنہوں نے اسے معاویہ کی طرف منسوب کیا ہے اس کے بعد کہا ہے کہ یہ کلام علی علیہ السلام کے کلام سے ہُو بہو ملتا جلتا ہے اور اس میں جو لوگوں کی تقسیم اور ان کی ذلت و پستی اور خوف و ہراس کی حالت بیان کی ہے، یہ آپ ہی کے مسلک سے میل کھاتی ہے۔ ہم نے تو کسی حالت میں بھی معاویہ کو زاہدوں کے انداز اور عابدوں کے طریقہ پر کلام کرتے ہوئے نہیں پایا۔

خطبہ 33

جب جنگ جمل کے لیے نکلے تو فرمایا

امیر المومنین جب اہل بصرہ سے جنگ کے لئے نکلے تو عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ میں مقامِ ذی قار میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ اپنا جوتا ٹانک رہے ہیں۔ (مجھے دیکھ کر فرمایا کہ اے ابنِ عباس اس جوتے کی کیا قیمت ہوگی؟) میں نے کہا کہ اب تو اس کی کچھ بھی قیمت نہ ہوگی، تو آپ نے فرمایا کہ اگر میرے پیش ُنظر حق کا قیام اور باطل کا مٹانا نہ ہو تو تُم لوگوں پر حکومت کرنے سے یہ جوتا مجھے کہیں زیادہ عزیز ہے۔ پھر آپ باہر تشریف لائے اور لوگوں میں یہ خطبہ دیا۔ اللہ نے محمدؐ کو اس وقت بھیجا کہ جب عربوں میں نہ کوئی کتاب (آسمانی) کا پڑھنے والا تھا نہ کوئی نبوت کا دعوے دار۔ آپ نے ان لوگوں کو ان کے (صحیح) مقام پر اتارا، اور نجات کی منزل پر پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ ان کے سارے خم جاتے رہے اور حالات محکم و استوار ہو گئے۔ خدا کی قسم! میں بھی ان لوگوں میں تھا جو اس

صورتِ حال میں انقلاب پیدا کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ انقلاب مکمل ہو گیا۔ میں نے (اس کام میں) نہ کمزوری دکھائی نہ بزدلی سے کام لیا۔ اور اب بھی میرا اقدام ویسے ہی مقصد کے لئے ہے تو سہی جو میں باطل کو چیر کر حق کو اس کے پہلو سے نکال لُوں۔ مجھے قریش سے وجہ نزاع ہی اور کیا ہے۔ خدا کی قسم! میں نے تو ان سے جنگ کی، جبکہ وہ کافر تھے اور اب بھی جنگ کروں گا جبکہ وہ باطل کے ورغلانے میں آ چکے ہیں اور جس شان سے مَیں کل اُن کا مدّ مُقابل رہ چکا ہوں، ویسا ہی آج ثابت ہوں گا۔

خطبہ 34

لوگوں کو اھلِ شام سے آمادہ جنگ کرنے کے لئے فرمایا۔

حیف ہے تم پر، میں تو تمہیں ملامت کرتے کرتے بھی اُکتا گیا ہوں ا کیا تمہیں آخرت کے بدلے دنیوی زندگی اور عزت کے بدلے ذلّت ہی گوارا ہے؟ جب تمہیں دشمنوں سے لڑنے کے لئے بلاتا ہوں تو تمہاری آنکھیں اس طرح گھومنے لگ جاتی ہیں کہ گویا تم موت کے گرداب میں ہو اور جان کنی کی غفلت اور مدہوشی تم پر طاری ہے۔ میری باتیں جیسے تمہاری سمجھ ہی میں نہیں آتیں، تو تم ششدر رہ جاتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے۔ جیسے تمہاری دل ودماغ پر دیوانگی کا اثر ہے کہ تم کچھ عقل سے کام نہیں لے سکتے۔ تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے اپنا اعتماد کھو چکے ہو۔ نہ تم کوئی قوی سہارا ہو کہ تم پر بھروسہ کر کے دشمنوں کی طرف رُخ کیا جائے۔ اور نہ تم عزت وکامرانی کے وسیلے ہو، کہ تمہاری ضرورت محسوس ہو، تمہاری مثال تو ان اونٹوں کی سی ہے۔ جن کے چرواہے گُم ہو گئے ہوں، اگر انہیں ایک طرف سے سمیٹا جائے، تو دوسری

طرف سے تِتر بتر ہوجائیں گے۔خدا کی قسم تم جنگ کے شعلے بھڑکانے کے لئے بہت بُرے ثابت ہوئے ہو۔تمہارے خلاف سب تدبیریں ہوا کرتی ہیں اور تم دشمنوں کے خلاف کوئی تدبیر نہیں کرتے۔تمہارے (شہروں کے) حدود (دن بہ دن) کم ہوتے جارہے ہیں۔مگر تمہیں غصہ نہیں آتا۔وہ تمہاری طرف سے کبھی غافل نہیں ہوتے،اور تم ہو کہ غفلت میں سب کچھ بھولے ہوئے ہو۔خدا کی قسم ایک دوسرے پر ٹالنے والے ہارا ہی کرتے ہیں۔خدا کی قسم میں تمہارے متعلق یہ گمان رکھتا ہوں کہ اگر جنگ زور پکڑ لے اور موت کی گرم بازاری ہو،تو تم ابن ابی طالب سے اس طرح کٹ جاؤ گے،جس طرح بدن سے سَر (کہ دوبارہ پلٹنا ممکن ہی نہ ہو) جو شخص کہ اپنے دشمن کو اس طرح اپنے پر قابو دے دے کہ وہ اس کی ہڈیوں سے گوشت تک اڑا ڈالے،اور ہڈیوں کو توڑ دے،اور کھال کو پارہ پارہ کردے،تو اس کا عجز انتہا کو پہنچا ہوا ہے اور سینے کی پسلیوں میں گھرا ہوا (دل) کمزور و ناتواں ہے۔اگر تم ایسا ہونا چاہتے ہو تو ہوا کرو۔لیکن میں تو ایسا اس وقت تک نہ ہونے دوں گا۔جب تک مقام مشارف کی (تیز دھار) تلواریں چلا نہ لوں کہ جس سے سَر کی ہڈیوں کے پرخچے اڑ جائیں،اور بازو اور قدم کٹ کٹ کر گرنے لگیں۔اس کے بعد جو اللہ چاہے،وہ کرے۔اے لوگو!ایک تو میرا تم پر حق ہے،اور ایک تمہارا مجھ پر حق ہے کہ میں تمہاری خیر خواہی پیشِ نظر رکھوں اور بیت المال سے تمہیں پورا پورا حصہ دوں اور تمہیں تعلیم دوں تاکہ تم جاہل نہ رہو اور اس طرح تمہیں تہذیب سکھاؤں،جس پر تم عمل کرو اور میرا تُم پر یہ حق ہے کہ بیعت کی ذمہ داریوں کو پورا کرو،اور سامنے اور پسِ پشت خیر خواہی کرو،جب بلاؤں تو میری صدا پر لبیک کہو،اور جب

کوئی حکم دوں تو اس کی تعمیل کرو۔

1. یہ جملہ ایسی علٰیحدگی کے لئے استعمال ہوتا ہے کہ جس کے بعد پھر مل بیٹھنے کی کوئی آس نہ رہے۔ صاحبِ درہ نجفیہ نے اس کی توجیہ میں چند اقوال نقل کئے ہیں:

(الف) ابنِ درید کا قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح سَر بدن سے کٹ جاتا ہے، تو پھر اس کا جڑنا ناممکن ہوتا ہے۔ یُونہی تم ایک دفعہ ساتھ چھوڑنے کے بعد پھر مجھ سے نہ مل سکو گے۔

(ب) مفضل کا قول ہے کہ راس (سَر) ایک شخص کا نام تھا اور شام کا ایک گاؤں « بیت الراس » اسی کے نام پر ہے جو اپنا گھر بار چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا۔ اور پھر پلٹ کر اپنے گاؤں میں نہ آیا۔ جس سے یہ کہاوت چل نکلی، کہ تم تو یوں گئے جس طرح راس گیا تھا۔

(ج) ایک معنی یہ ہیں کہ جس طرح سر کی ہڈیوں کے جوڑ الگ الگ ہو جائیں تو پھر آپس میں جڑا نہیں کرتے، یُونہی تم مجھ سے کٹ کر پھر نہ جڑ سکو گے۔

(د) یہ بھی کہا گیا ہے کہ جُملہ « الفرجتم عنی راسا » (یعنی تم پورے طور پر مجھ سے الگ ہو جاؤ

گے) کے معنی میں ہے۔شارح معتزلی نے یہ معنی قطب الدین راوندی کی شرح سے نقل کرنے کے بعد تحریر کیا ہے کہ یہ معنی درست نہیں ہیں۔ کیونکہ راس جب کلیۃً کے معنی میں آتا ہے،تو اس پر الف لام داخل نہیں ہوا کرتا۔

(ڈ)اس کے یہ معنی بھی کئے جاتے ہیں کہ تم مجھ سے اس طرح دامن چھڑا کر چلتے بنو گے،جس طرح کوئی سر بچا کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔اس کے علاوہ ایک آدھ معنی اور بھی کہے گئے ہیں مگر بعید ہونے کی وجہ سے انہیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔سب سے پہلے اس کا استعمال حکیم عرب اکثم ابنِ صیفی نے اپنے بچوں کو اتفاق واتحاد کی تعلیم دیتے ہوئے کیا۔ چنانچہ اس کا قول ہے کہ :۔بیٹو! سختی کے وقت ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جانا ،ورنہ پھر کبھی ایک جگہ جمع نہ ہوسکو گے۔

خطبہ 35

تحکیم کے بارے میں

تحکیم ا کے بعد فرمایا:۔ (ہر حالت میں) اللہ کے لئے حمد و ثنا رہے۔ گو زمانہ (ہمارے لیے) جانکاہ مصیبتیں اور صبر آزما حادثے لے آیا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ یکتا و لاشریک ہے۔ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہیں اور محمدؐ اس کے عبد اور رسول ہیں۔ (تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ) مہربان، باخبر اور تجربہ کار ناصح کی مخالفت کا ثمرہ، حسرت و ندامت ہوتا ہے میں نے اس تحکیم کے متعلق اپنا فرمان سُنا دیا تھا، اور اپنی قیمتی رائے کا نچوڑ تمہارے سامنے رکھ دیا تھا۔ کاش کہ « قصیر ۲» کا حکم مان لیا جاتا۔ لیکن تم تو تُند خو مخالفین اور عہد شکن نافرمانوں کی طرح انکار پر تُل گئے۔ یہاں تک کہ ناصح خود اپنی نصیحت کے متعلق سوچ میں پڑ گیا، اور طبیعت اس چقماق کی طرح بجھ گئی کہ جس نے شعلے بھڑکانا بند کر دیا ہو میرے اور تمہاری حالت شاعر بنی ہوازان ۳ کے اس قول کے مطابق ہے۔ میں نے مقامِ منعرج اللوی (ٹیلے کا موڑ) پر تمہیں اپنے حکم سے آگاہ کیا (گو اس وقت تم نے میری نصیحت پر عمل نہ کیا) لیکن دوسرے دن کی چاشت کو میری نصیحت کی صداقت دیکھ لی۔

1. جب اہل عراق کی خونریز تلواروں سے شامیوں کی ہمت ٹوٹ گئی اور لیلۃ الہریر کے تابڑ توڑ حملوں نے ان کے حوصلے پست اور وَلوے ختم کر دیئے تو عمرو بن عاص نے معاویہ کو یہ

چال سُوجھائی کہ قرآن کو نیزوں پر بلند کر کے اسے حَکَم ٹھہرانے کا نعرہ لگایا جائے۔ جس کا اثر یہ ہوگا کہ کچھ لوگ جنگ کو رکوانا چاہیں گے اور کچھ جاری رکھنا چاہیں گے اور ہم اس طرح ان میں پھوٹ ڈلوا کر جنگ کو دوسرے موقعہ کے لئے ملتوی کرا سکیں گے۔ چنانچہ قرآن نیزوں پر بلند کئے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند سر پھروں نے شور و غوغا مچا کر تمام لشکر میں انتشار و برہمی پیدا کر دی، اور سادہ لوح مسلمانوں کی سرگرمیاں فتح کے قریب پہنچ کر دھیمی پڑ گئیں اور بے سوچے سمجھے پکارنے لگے کہ ہمیں جنگ پر قرآن کے فیصلے کو ترجیح دینا چاہیے۔ امیر المومنین نے جب قرآن کو آلہ کار بنتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اے لوگو! اس مکر و فریب میں نہ آؤ۔ یہ صرف شکست کی روسیاہیوں سے بچنے کے لئے چال چل رہے ہیں۔ میں ان میں سے ایک ایک کی سیرت کو جانتا ہوں۔ نہ یہ قرآن والے ہیں، اور نہ دین و مذہب سے انہیں کوئی لگاؤ ہے۔ ہمارے جنگ کرنے کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ یہ لوگ قرآن کو مانیں اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہوں۔ خدا کے لئے ان کی فریب کاریوں میں نہ آؤ۔ عزم و ہمت کے ولولوں کے ساتھ آگے بڑھو اور دم توڑتے ہوئے دشمن کو ختم کر کے دم لو۔ مگر باطل کا پرفریب حربہ چل چکا تھا، لوگ طغیان و سرکشی پر اُتر آئے۔ سور ابن فدکی تمیمی اور زید ابنِ حصین طائی دونوں بیس ہزار آدمیوں کے ساتھ آگے بڑھے، اور امیر المومنین سے کہا کہ اے علی! اگر آپ نے قرآن کی آواز پر لبیک نہ کہی، تو پھر ہم آپ کا وہی حشر کریں گے جو عثمان کا کیا تھا۔ آپ فوراً جنگ ختم کرائیں اور قرآن کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔ حضرت نے بہت سمجھانے بجھانے کی کوشش کی، لیکن شیطان قرآن کا جامہ پہنے ہوئے سامنے کھڑا تھا۔ اس

نے ایک نہ چلنے دی۔ اوران لوگوں نے امیرالمومنین کو مجبور کر دیا کہ وہ کسی کو بھیج کر مالک اشتر کو میدانِ جنگ سے واپس لوٹا دیں۔ حضرت نے لاچار ہو کر یزید ابنِ ہانی کو مالک کے بُلانے کے لئے بھیجا۔ مالک نے جب یہ حکم سنا تو وہ چکرا سے گئے اور کہا کہ ان سے کہیے کہ یہ موقعہ مورچہ سے الگ ہونے کا نہیں ہے۔ کچھ دیر توقف فرمائیں تو میں نوید فتح لے کر حاضرِ خدمت ہوتا ہوں۔ یزید ابن ہانی نے پلٹ کر یہ پیغامِ دیا تو لوگوں نے غُل مچایا کہ آپ نے چپکے سے انہیں جنگ پر جمے رہنے کے لئے کہلوا بھیجا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھے اس کا موقعہ کہاں ملا ہے کہ میں علٰیحدگی میں اسے کوئی پیغام دیتا۔ جو کچھ کہا ہے تمہارے سامنے کہا ہے۔ لوگوں نے کہا آپ اسے دوبارہ بھیجیں اور اگر مالک نے آنے میں تاخیر کی، تو پھر آپ اپنی جان سے ہاتھ دھولیں۔ حضرت نے ہانی کو پھر روانہ کیا اور کہلوا بھیجا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ جس حالت میں ہو فوراً آؤ۔ چنانچہ ہانی نے مالک سے جا کر کہا کہ تمہیں فتح عزیز ہے یا امیرالمومنین کی جان! اگر ان کی جان عزیز ہے، تو جنگ سے ہاتھ اٹھاؤ اور ان کے پاس پہنچو۔ مالک فتح کی کامرانیوں کو چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور حسرت و اندوہ لئے ہوئے حضرت کی خدمت میں پہنچے، وہاں ایک ہڑبونگ مچا ہوا تھا۔ آپ نے لوگوں کو بہت بُرا بھلا کہا۔ مگر حالات اس طرح پلٹا کھا چکے تھے کہ انہیں سدھارا نہ جا سکتا تھا۔ اب یہ طے پایا کہ دونوں فریق میں سے ایک ایک حَکَم منتخب کر لیا جائے تا کہ وہ قرآن وسنت کے مطابق خلافت کا فیصلہ کریں۔ معاویہ کی طرف سے عمرو ابنُ عاص قرار پایا، اور حضرت کی طرف سے لوگوں نے ابومُوسیٰ اشعری کا نام پیش کیا۔ حضرت نے اس غلط انتخاب کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم

نے تحکیم کے بارے میں میرا حکم نہیں مانا، تو اتنا تو کرو کہ اس (ابوموسیٰ) کو حکم نہ بناؤ۔ یہ بھروسے کا آدمی نہیں ہے۔ یہ عبداللہ ابن عباس ہیں، یہ مالک اشتر ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرلو۔ مگرانہوں نے ایک نہ سنی اور اسی کے نام پر اَڑ گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا جو چاہو کرو۔ اور وُہ دن دُور نہیں ہے کہ اپنی بے راہ رویوں پر اپنے ہاتھ کاٹو گے۔ حکمین کی نامزدگی کے بعد جب عہد لکھا جانے لگا، تو علی ابنِ ابی طالب کے نام کے ساتھ امیر المومنین لکھا گیا۔ عمرو ابنِ عاص نے کہا کہ اس لفظ کو مٹا دیا جائے۔ اگر ہم انہیں امیر المومنین سمجھتے ہوتے، تو یہ جنگ ہی کیوں لڑی جاتی۔ حضرت نے پہلے تو اسے مٹانے سے انکار کیا اور جب وہ کسی طرح نہ مانے، تو اسے مٹا دیا اور فرمایا کہ یہ واقعہ حدیبیہ کے واقعہ سے بالکل ملتا جلتا ہے کہ جب کفار اس پر اَڑ گئے تھے کہ پیغمبر کے نام کے ساتھ رسول اللہ کی لفظ مٹا دی جائے اور پیغمبر نے اسے مٹا دیا۔ اس پر عمرو ابن عاص نے بگڑ کر کہا کہ کیا آپ ہمیں کفار کی طرح سمجھتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہیں کس دن ایمان والوں سے لگاؤ رہا ہے، اور کب ان کے ہمنوا رہے ہو؟ بہرصورت اس قرارداد کے بعد لوگ منتشر ہو گئے اور ان دونوں حکموں نے آپس میں صلاح و مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ علی ابن ابی طالب اور معاویہ دونوں کو معزول کرکے لوگوں کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ جسے چاہیں منتخب کرلیں۔ جب اس کے اعلان کا وقت آیا، تو عراق اور شام کے درمیان مقام دومۃ الجندل میں اجتماع ہوا اور یہ دونوں حکم بھی مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ سنانے کے لئے پہنچ گئے۔ عمرو ابن عاص نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے ابوموسیٰ سے کہا کہ میں آپ پر سبقت کرنا سوٗ اَدب سمجھتا

ہوں۔آپ سنِ وسال کے لحاظ سے بزرگ ہیں لہٰذا پہلے آپ اعلان فرمائیں۔ چنانچہ ابوُ موسیٰ تانتے میں آ گئے اور جھوُ متے ہوئے مجمع کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے مسلمانوں ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ علی ابن ابی طالب اور معاویہ کو معزول کر دیا جائے اور انتخاب ُخلافت کا حق مسلمانوں کو دیدیا جائے، وہ جسے چاہیں منتخب کر لیں (اور یہ کہہ کر بیٹھ گئے) اب عمرو ابنِ عاص کی باری آئی اور اس نے کہا کہ اسے مسلمانو! تم نے سن لیا ہے کہ ابوُ موسیٰ نے علی ابنِ ابی طالب کو معزول کر دیا ہے۔میں بھی اس سے متفق ہوں۔رہا معاویہ تو اس کے معزول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لہذا مَیں اسے اس جگہ پر نصب کرتا ہوں۔ یہ کہنا تھا کہ ہر طرف شور مچ گیا۔ابو موسیٰ بہت چیخے چلائے کہ یہ دھوکا ہے فریب ہے اور عمرو ابنِ عاص سے کہا کہ تم نے چالبازی سے کام لیا اور تمہاری مثال اس کتے کی سی ہے کہ جس پر کچھ لا دو۔جب ہانپے گا چھوڑ دو جب ہانپے گا۔عمرو ابنِ عاص نے کہا کہ تمہاری مثال اس گدھے کی سی ہے، جس پر کتابیں لدی ہوں۔غرض عمرو ابنِ عاص کی چالا کی کام کر گئی اور معاویہ کے اُکھڑے ہوئے قدم پھر سے جم گئے۔یہ تھا اس تحکیم کا مختصر سا خاکہ جس کی اساس قرآن وسنت کو قرار دیا گیا تھا۔مگر کیا یہ قرآن وسنت کا فیصلہ تھا، یا فریب کاریوں کا نتیجہ کہ جو دنیا والے اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے کام میں لایا کرتے ہیں۔ کاش کہ تاریخ کے ان اوراق کو مستقبل کے لئے مشعلِ راہ بنایا جائے، اور قرآن وسنت کو آڑ بنا کر حصولُ اقتدار کا زریعہ اور دنیا طلبی کا وسیلہ نہ بننے دیا جائے۔امیر المومنین علیہ السلام کو جب تحکیم کے اس افسوس ناک نتیجہ کی اطلاع ملی، تو آپ منبر پر تشریف لائے اور یہ خطبہ

ارشاد فرمایا جس کے لفظ لفظ سے آپ کا اندوہ وقلق جھلک رہا ہے اور ساتھ ہی آپ کی صحت، فکر ونظر، اصابتِ رائے اور دُور رس بصیرت پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔

2. یہ ایک مثل ہے جو ایسے موقعہ پر استعمال کی جاتی ہے کہ جہاں کسی نصیحت کرنے والے کی بات ٹھکرا دی جائے اور بعد میں پچھتایا جائے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ حیرہ کے فرمانروا جذیمہ ابرش نے جزیرہ کے تاجدار عمرو ابن طرب کو قتل کر دیا جس کے بعد اس کی بیٹی زبار جزیرہ کی حکمران قرار پائی۔ اُس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے باپ کے انتقام لینے کی یہ تدبیر کی کہ جذیمہ کو پیغام بھیجا کہ میں تنہا امور سلطنت کی انجام دہی نہیں کرسکتی۔ اگر تم مجھے اپنے حبالہ عقد میں لے کر میری سر پرستی کرو تو میں شکر گزار رہوں گی۔ جذیمہ اس پیش کش پر پھولا نہ سمایا، اور ہزار سوار ہمراہ لے کر جزیرہ جانے کیلئے آمادہ ہو گیا۔ اس کے غلام قصیر نے بہت سمجھایا بجھایا کہ یہ دھوکا اور فریب ہے۔ اس خطرے میں اپنے باپ کے قاتل ہی کو کیوں منتخب کیا ہے۔ بہرصورت یہ چل کھڑا ہوا۔ اور جب حدودِ جزیرہ میں پہنچا تو گوزباء کا لشکر استقبال کے لیے موجود تھا، مگر نہ اس نے کوئی خاص آؤ بھگت کی، نہ پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ یہ رنگ دیکھ کر قصیر کا پھر ماتھا ٹھنکا، اور اس نے جذیمہ سے پلٹ جانے کا کہا۔ مگر منزل کے قریب پہنچ کر آتشِ شوق اور بھڑک اٹھی تھی۔ اس نے پرواہ نہ کی اور قدم بڑھا کر شہر کے اندر داخل ہو گیا، وہاں پہنچتے ہی قتل کر ڈالا گیا۔ قصیر نے یہ دیکھا تو کہا لوکان یطاع لقصیر امر (کاش قصیر کی بات مان لی ہوتی) اور اس وقت سے یہ مثل چل نکلی۔

3.شاعر بنی ہوازن سے مراد دُرید ابنِ صمّہ ہے اور یہ شعراس نے اپنے بھائی عبداللہ ابن صمّہ کے مرنے کے بعد کہا۔جس کا واقعہ یہ ہے کہ عبداللہ اپنے بھائی کے ہمراہ بنی بکر ابن ہوازن پرحملہ آور ہوا اوران کے بیت سے اونٹ ہنکا لا یا۔واپسی پر جب مقام منعرج اللوی میں سستانے کا ارادہ کیا تو درید نے کہا کہ یہاں ٹھہرنا مصلحت کے خلاف ہے۔ایسا نہ ہو کہ پیچھے سے دشمن ٹوٹ پڑے۔مگر عبداللہ نہ مانا اور وہاں ٹھہر گیا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا صبح ہوتے ہی دشمنوں نے حملہ کیا اور عبداللہ کو وہیں پر قتل کر دیا۔دُرید کے بھی زخم آئے۔لیکن وہ بچ نکلا اور اس کے بعد چند اشعار کہے ان میں سے ایک شعر یہ ہے جس میں اس کی رائے کے ٹھکرا دیئے جانے سے جو تباہی آئی تھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

خطبہ 36

اھلِ نہروان کو ان کے انجام سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

میں تمہیں امتنبّہ کرر ہا ہوں کہ تم لوگ اس نہر کے موڑوں اور اس نشیب کی ہموار زمینوں پر قتل ہو ہو کر گرے ہوئے ہو گے۔اس عالم میں کہ نہ تمہارے پاس اللہ کے سامنے (عذر کرنے لے لیے) کوئی واضح دلیل ہوگی نہ کوئی روشن ثبوت۔اس طرح کہ تم اپنے گھروں سے بے گھر ہو گئے اور پھر قضائے الٰہی نے تمہیں اپنے پھندے میں جکڑ لیا۔میں نے تو تمہیں پہلے ہی اس تحکیم سے روکا تھا۔لیکن تم نے میرا حکم ماننے سے مخالف پیمان شکنوں کی طرح انکار کر دیا۔یہاں تک کہ (مجبوراً) مجھے بھی اپنی رائے کو ادھر موڑنا پڑا جو تم چاہتے تھے۔تم ایک ایسا

گروہ ہو جن کے افراد کے سَر عقلوں سے خالی، اور فہم و دانش سے عاری ہیں۔ خدا تمہارا بُرا کرے میں نے تمہیں نہ کسی مصیبت میں پھنسایا ہے، نہ تمہارا بُرا چاہا تھا۔

ا۔ جنگِ نہروان کی وجہ یہ ہوئی کہ جب تحکیم کی قرارداد کے بعد امیر المومنین کوفہ کی طرف پلٹ رہے تھے، تو لوگ تحکیم کے منوانے میں پیش پیش تھے، یہ کہنے لگے کہ اللہ کے علاوہ کسی کو حکم ٹھہرانا کفر ہے، اور معاذ اللہ امیر المومنین تحکیم کو مان کر کافر ہو گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے «لاحکم الا اللہ» (حکم اللہ کے لئے مخصوص ہے) کو غلط معنی پہنا کر سیدھے سادھے مسلمانوں کو اپنا ہم خیال بنالیا اور امیر المومنین سے کٹ کر کوفہ کے قریب مقامِ حروراء میں ڈیرے ڈال دیئے۔ امیر المومنین کو ان ریشہ دوانیوں کا علم ہوا تو آپ نے صعصعہ ابنِ صوحان اور زیاد ابنِ نضر حارثی کو ابنِ عباس کے ہمراہ ان کی طرف روانہ کیا اور بعد میں خود ان کی قیام گاہ تک تشریف لے گئے، اور انہیں سمجھا بُجھا کر منتشر کر دیا۔ جب یہ لوگ کوفہ پہنچے تو یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ امیر المومنین نے تحکیم کے معاہدہ کو توڑ ڈالا ہے اور وہ پھر سے شامیوں کے مقابلہ کے لئے آمادہ ہیں۔ حضرت کو معلوم ہوا تو آپ نے اس کی تردید فرمائی جس پر یہ لوگ فتنہ انگیزی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور بغداد سے بارہ میل کے فاصلہ پر نہر فاصلہ پر نہر کے نشیبی حصہ کہ جسے «نہروان» کہا جاتا ہے پڑاؤ ڈال دیا۔ ادھر امیر المومنین تحکیم کا فیصلہ سُن کر سپاہِ شام سے لڑنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور خوارج کو تحریر کیا کہ حکیمین نے کتاب وسنت کے بجائے خواہشِ نفسانی سے کام لیتے ہوئے جو فیصلہ کیا

ہے وہ ہمیں منظور نہیں۔ لہذا ہم نے ان سے لڑنے کی ٹھان لی ہے۔ تم بھی ہمارا ساتھ دو تا کہ دشمن کی سرکوبی کی جائے۔ مگر خوارج نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ نے جب تحکیم مان لی تھی، تو آپ ہمارے نزدیک کافر ہو گئے تھے۔ اب اگر آپ اپنے کفر کا اقرار کرتے ہوئے توبہ کریں تو ہم اس معاملہ میں غور کریں گے اور سوچیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت نے ان کے جواب سے سمجھ لیا کہ ان کی سرکشی و گمراہی بہت شدید ہوگئی ہے۔ اب ان سے کسی قسم کی امید رکھنا بیکار ہے۔ لہٰذا آپ نے انہیں نظر انداز کر کے شام کی طرف کوچ کرنے کے لئے وادی نخیلہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔ جب لشکر ترتیب دیا جا چکا، تو حضرت کو معلوم ہوا کہ لشکر کے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ پہلے اہل نہروان سے نپٹ لیں اور بعد میں شام کا رخ کریں۔ مگر حضرت نے فرمایا کہ ابھی ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو، پہلے شام کی طرف بڑھو، اور پھر انہیں دیکھ لیا جائے گا۔ لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کے ہر حکم کے لئے بدل و جان حاضر ہیں۔ خواہ اِدھر چلیئے یا ادھر چلیئے لیکن ابھی لشکر نے حرکت نہ کی تھی، کہ خوارج کی شورش انگیزیوں کی خبریں آنے لگیں اور معلوم ہوا کہ انہوں نے عامل نہروان عبداللہ ابن خباب اور ان کی کنیز کو اس بچے سمیت جو اس کے شکم تھا، ذبح کر ڈالا ہے۔ اور بنی طے کی تین عورتوں اور ام سنان صیداویہ کو بھی قتل کر دیا ہے۔ امیرالمومنین نے حارث ابن مرہ کو تحقیقؑ حال کے لیے روانہ کیا۔ لیکن یہ بھی ان کے ہاتھ سے مارے گئے۔ جب ان کی شورش انگیزیاں اس حد تک بڑھ گئیں، تو انہیں جھنجھوڑنا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ لشکر نے نہروان کا رُخ کر لیا، اور وہاں پہنچ کر حضرت نے انہیں کہلوا بھیجا کہ جن لوگوں نے عبداللہ ابن خباب اور بے گناہ عورتوں کو قتل

کیا ہے۔ انہیں ہمارے حوالے کر دو تاکہ ہم اُن سے خون کا قصاص لیں۔ مگر اُن لوگوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہم سب نے مل کر اُن کو مارا ہے، اور ہمارے نزدیک تم سب کا خون مباح ہے۔ اس پر بھی امیر المومنین نے جنگ میں پہل نہ کی۔ بلکہ حضرت ابوایوب انصاری کو پیغامِ امن دے کر اُن کی طرف بھیجا۔ چنانچہ اُنہوں نے پکار کر اُن سے کہا کہ جو شخص اس جھنڈے کے نیچے آجائے گا یا اس جماعت سے کٹ کر کوفہ یا مدائن چلا جائے گا، اس کے لیے امان ہے اور اُس سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ اس کا یہ اثر ہوا کہ فردہ ابنِ نوفل اشجعی نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کس بنیاد پر امیر المومنین سے آمادہ پیکار ہوئے ہیں اور یہ کہہ کر پانچ سو آدمیوں کے ساتھ الگ ہو گئے اور یونہی لوگ گروہ در گروہ چھٹنا شروع ہو گئے اور کچھ لوگ امیر المومنین سے آملے، جو لوگ باقی رہ گئے اُن کی تعداد چار ہزار تھی۔ (طبری کی روایت کی بناء پر دو ہزار آٹھ سو تھی)۔ یہ لوگ کسی صورت میں دعوتِ حق کی پکار سننے کے لیے تیار نہ تھے اور مرنے مارنے پر اُتر آئے تھے۔ حضرت نے اپنی فوج کو پہل کرنے سے روک رکھا تھا۔ مگر خوارج نے کمانوں میں تیر جوڑ لیے اور تلواروں کی نیامیں توڑ کر پھینک دیں۔ حضرت نے اس موقعہ پر بھی جنگ کے ہولناک نتائج اور اس کے انجامِ بد سے انہیں آگاہ کیا، اور یہ خطبہ بھی اسی زجر و توبیخ کے سلسلہ میں ہے۔ لیکن وہ اس طرح جوش میں بھرے بیٹھے تھے کہ یک لخت سپاہِ امیر المومنین پر ٹوٹ پڑے۔ یہ حملہ اتنا بے پناہ تھا کہ پیادوں کے قدم اُکھڑ گئے۔ لیکن پھر اس طرح جمے کہ تیر و سنان کے حملے انہیں اپنی جگہ سے نہ ہٹا سکے اور دیکھتے ہی دیکھتے خوارج کا اس طرح صفایا کیا کہ نو آدمیوں کے علاوہ کہ

جنہوں نے بھاگ کر اپنی جان بچالی تھی، ایک متنفّس بھی زندہ نہ بچا۔ امیرالمومنین ع کے لشکر میں سے صرف آٹھ آدمی شہید ہوئے۔ یہ جنگ 9 صفر 38ھ میں واقع ہوئی۔

خطبہ 37

اپنی استقامتِ دینی اور سبقتِ ایمانی کے متعلق فرمایا

میں نے اس وقت اپنے فرائض انجام دیئے جبکہ اور سب اس راہ میں قدم بڑھانے کی جرات نہ رکھتے تھے۔ اور اُس وقت سر اٹھا کر سامنے آیا۔ جب کہ دوسرے گوشوں میں چھپے ہوئے تھے اور اس وقت زبان کھولی جبکہ دوسرے گنگ نظر آتے تھے اور اس وقت نورِ خدا (کی روشنی) میں آگے بڑھا، جبکہ دوسرے زمین گیر ہو چکے تھے، گو میری آواز ان سب سے دھیمی تھی۔ مگر سبقت و پیش قدمی میں میں سب سے آگے تھا۔ میرا اس تحریک کی باگ تھامنا تھا، کہ وہ اڑسی گئی۔ اور میں صاف تھا جو اس میدان میں بازی لے گیا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے پہاڑ جسے نہ تند ہوائیں جنبش دے سکتی ہیں، اور نہ تیز جھکڑ اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں۔ کسی کے لیے بھی مجھ میں عیب گیری کا موقع اور حرف گیری کی گنجائش نہ تھی۔ دبا ہوا میری نظروں میں طاقتور ہے۔ جب تک کہ میں اس کا حق دلوا نہ دوں اور طاقت ور میرے یہاں کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے دوسرے کا حق دلوا نہ لوں۔ ہم قضائے الٰہی پر راضی ہو چکے ہیں اور اُسی کو سارے امور سونپ دیئے جائیں۔ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ میں رسول اللہؐ پر جھوٹ باندھتا ہوں۔ خدا کی قسم میں وہ ہوں جس نے سب سے پہلے آپ کی تصدیق کی، تو اب آپ پر کذب تراشی میں کس طرح پہل کروں گا۔ میں نے اپنے حالات پر نظر کی، تو دیکھا

کہ میرے لیے ہر قسم کی بیعت سے اطاعتِ رسول مقدم تھی اور ان سے کیے ہوئے عہد و پیمان کا جو میری گردن میں تھا۔

خطبہ 38

شبہ کی وجہ تسمیہ

شبہ کو شبہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حق سے شباہت رکھتا ہے، تو جو دوستانِ خدا ہوتے ہیں، ان کے لیے شبہات (کے اندھیروں) میں یقین اُجالے کا اور ہدائت کی سمت رہنما کا کام دیتی ہے۔ اور جو دشمنانِ خدا ہیں وہ ان شبہات میں گمراہی کی دعوت و تبلیغ کرتے ہیں، اور کوری و بے بصری ان کی رہبر ہوتی ہے۔ موت وہ چیز ہے کہ ڈرنے والا اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتا اور ہمیشہ کی زندگی چاہنے والا ہمیشہ کی زندگی حاصل نہیں کر سکتا۔

خطبہ 39

جنگ سے جی چرانے والوں کی مذمت میں

میرا ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا ہے جنہیں حکم دیتا ہوں تو مانتے نہیں۔ بلاتا ہوں، تو آواز پر لبیک نہیں کہتے۔ تمہارا بُرا ہو۔ اب اپنے اللہ کی نصرت کرنے میں تمہیں کس چیز کا انتظار ہے۔ کیا دین تمہیں ایک جگہ اکٹھا نہیں کرتا اور غیرت و حمیت تمہیں جوش میں نہیں لاتی؟ میں تم میں کھڑا ہو کر چلاتا ہوں اور مدد کے لیے پکارا ہوں، لیکن تم نہ میری کوئی بات سنتے ہو، نہ میرا کوئی حکم مانتے ہو یہاں تک کہ ان نافرمانیوں کے بُرے نتائج کھل کر سامنے آجائیں۔ نہ

تمہارے ذریعے خون کا بدلا لیا جا سکتا ہے، نہ کسی مقصد تک پہنچا جا سکتا ہے۔ میں نے تم کو تمہارے ہی بھائیوں کی مدد کے لیے پکارا تھا۔ مگر تم اس اونٹ کی طرح بلبلانے لگے۔ جس کی ناف میں درد ہو رہا ہو، اور اس لاغر کمزور شتر کی طرح ڈھیلے پڑ گئے جس کی پیٹھ زخمی ہو پھر میرے پاس تم لوگوں کی ایک چھوٹی سی متزلزل و کمزور فوج آئی۔ اس عالم میں کہ گویا اسے اس کی نظروں کے سامنے موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔

سید رضی فرماتے ہیں کہ اس خطبہ میں جو لفظ "متذایب" آیا ہے، اس کے معنی مضطرب کے ہیں۔ جب ہوائیں بل کھاتی ہوئی چلتی ہیں، تو عرب اس موقعہ پر "تذائبت الریح" بولتے ہیں اور بھیڑیئے کو بھی ذئب اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی چال میں ایک اضطرابی کیفیت ہوتی ہے۔

1. معاویہ نے مقامِ مین التمر پر دھاوا بولنے کے لیے دو ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ نعمان ابنِ بشیر کی سرکردگی میں بھیجا۔ یہ جگہ کوفہ کے قریب امیر المومنین کا ایک دفاعی مورچہ تھی۔ جس کے نگران مالک ابن کعب ارجبی تھے۔ گو ان کے ماتحت ایک ہزار جنگجو افراد تھے۔ مگر اس موقعہ پر صرف سو آدمی وہاں موجود تھے۔ جب مالک نے حملہ آور لشکر کو بڑھتے دیکھا تو امیر المومنین کو کمک کے لیے تحریر کیا جب امیر المومنین کو یہ پیغام ملا ہے، تو آپ نے لوگوں کو ان کی امداد کے لیے کہا، مگر صرف تین سو آدمی آمادہ ہوئے۔ جس سے حضرت بہت بد دل ہوئے اور

انہیں زجروتوبیخ کرتے ہوئے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔حضرت خطبہ دینے کے بعد جب مکان پر پہنچے،تو عدی ابن حاتم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یا امیر المومنین میرے ہاتھ میں بنی طے کے ایک ہزار افراد میں اگر آپ حکم دیں تو انہیں روانہ کر دوں؟ حضرت نے فرمایا کہ یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ دشمن کے سامنے ایک ہی قبیلہ کے لوگ پیش کیے جائیں۔ تم وادی نخیلہ میں جا کر لشکر بندی کرو۔ چنانچہ انہوں نے وہاں پہنچ کر لوگوں کو جہاد کی دعوت دی،تو بنی طے کے علاوہ ایک ہزار اور جنگ آزما جمع ہو گئے۔ یہ ابھی کوچ کی تیاری کر رہی رہے تھے کہ مالک ابنِ کعب کا پیغام آ گیا کہ اب مدد کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم نے دشمن کو مار بھگایا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ مالک نے عبداللہ ابن جوزہ کو قرظہ ابنِ کعب اور مخنف ابنِ سلیم کے پاس دوڑا دیا تھا کہ اگر کوفہ سے مدد آنے میں تاخیر ہو تو یہاں سے بر وقت امداد مل سکے۔ چنانچہ عبداللہ دونوں کے پاس گیا مگر قرظہ سے کوئی امداد نہ مل سکی۔ البتہ مخنف ابنِ سلیم نے پچاس آدمی عبدالرحمن ابنِ مخنف کے ہمراہ تیار کیے، جو عصر کے قریب وہاں پہنچے۔ اس وقت تک یہ دو ہزار آدمی مالک کے سو آدمیوں کو پسپا نہ کر سکے تھے۔ جب نعمان نے ان پچاس آدمیوں کو دیکھا،تو یہ خیال کیا کہ اب ان کی فوجیں آنا شروع ہو گئی ہیں۔ لہذا وہ میدان سے بھاگ کھڑا ہوا۔ مالک نے ان کے جاتے جاتے بھی عقب سے حملہ کر کے ان کے تین آدمیوں کو مار ڈالا۔

خطبہ 40

جب آپ؏ نے خوارج کا قول لاحکم الا للہ (حکم اللہ ھی کے لیے مخصوص ھے) سنا تو فرمایا

یہ جملہ تو صحیح ہے مگر جو مطلب وہ لیتے ہیں، وہ غلط ہے۔ ہاں بیشک حکم اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔ مگر یہ لوگ تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حکومت بھی اللہ کے علاوہ کسی کی نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ لوگوں کے لیے ایک حاکم کا ہونا ضروری ہے۔ خواہ وہ اچھا ہو یا برا (اگر اچھا ہوگا تو) مومن اس کی حکومت میں اچھے عمل کر سکے گا (اگر برا ہوگا تو) کافر اس کے عہد میں لذائذ سے بہرہ اندوز ہوگا۔ اور اللہ اس نظامِ حکومت میں ہر چیز کو اس کی آخری حدوں تک پہنچا دے گا۔ اسی حاکم کی وجہ سے مال (خراج وغنیمت) جمع ہوتا ہے، دشمن سے لڑا جاتا ہے، راستے پر امن رہتے ہیں، اور قوی سے کمزور کا حق دلایا جاتا ہے، یہاں تک کہ نیک حاکم (مرکر یا معزول ہوکر) راحت پائے، اور برے حاکم کے مرنے یا معزول ہونے سے دوسروں کو راحت پہنچے۔ ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ جب آپ نے تحکیم کے سلسلے میں (ان کا قول) سنا تو فرمایا کہ میں تمہارے بارے میں حکم خدا ہی کا منتظر ہوں۔ پھر فرمایا کہ اگر حکومت نیک ہو تو اس میں متقی و پرہیزگار اچھے عمل کرتا ہے اور بری حکومت ہو تو اس میں بدبخت لوگ جی بھر کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا زمانہ ختم ہو جائے اور موت انہیں پالے۔

خطبہ 41

غداری کی مذمت میں فرمایا

وفائے عہد اور سچائی دونوں کا ہمیشہ ہمیشہ کا ساتھ ہے، اور میرے علم میں اس سے بڑھ کر حفاظت کی اور کوئی سپر نہیں جو شخص اپنی بازگشت کی حقیقت جان لیتا ہے۔ وہ کبھی غداری نہیں کرتا۔ مگر ہمارا زمانہ ایسا ہے جس میں اکثر لوگوں نے غدر و فریب کو عقل و فراست سمجھ لیا ہے، اور جاہلوں نے ان کی (چالوں) کو حسنِ تدبیر سے منسوب کر دیا ہے۔ اللہ انہیں غارت کرے انہیں کیا ہو گیا ہے۔ وہ شخص جو زمانے کی اُونچ نیچ دیکھ چکا ہے اور اس کے ہیر پھیر سے آگاہ ہے وہ کبھی کوئی تدبیر اپنے لیے دیکھتا ہے، مگر اللہ کے اوامر و نواہی اس کا راستہ روک کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اس حیلہ و تدبیر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور اس پر قابو پانے کے باوجود چھوڑ دیتا ہے اور جسے کوئی دینی احساس سدِّ راہ نہیں ہے وہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا لے جاتا ہے۔

خطبہ 42

لمبی امیدوں کے متعلق فرمایا

اے لوگو! مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ دو باتوں کا ڈر ہے۔ ایک خواہشوں کی پیروی، اور دوسرے امیدوں کا پھیلاؤ۔ خواہشوں کی پیروی وہ چیز ہے، جو حق سے روک دیتی ہے اور امیدوں کا پھیلاؤ آخرت کو بھلا دیتا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا تیزی

سے جا رہی ہے اور اس میں سے کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ مگر اتنا ہے کہ جیسے کوئی انڈیلنے والا برتن کو انڈیلے تو اس میں کچھ تری باقی رہ جاتی ہے

اور آخرت کا ادھر رخ لیے ہوئے آ رہی ہے اور دنیا و آخرت ہر ایک والے خاص آدمی ہوتے ہیں۔ تو تم فرزندِ آخرت بنو، اور ابناء دنیا نہ بنو۔ اس لیے کہ ہر بیٹا روزِ قیامت اپنی ماں سے منسلک ہوگا آج عمل کا دن ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب کا دن ہوگا، عمل نہ ہو سکے گا۔

علامہ رضی کہتے ہیں کہ الحذّ اکے معنی تیز رو کے ہیں اور بعض نے الجذ اء روایت کیا ہے۔ (اس روایت کی بنا پر یہی معنی ہوں گے کہ دنیا کی لذتوں کا سلسلہ جلد ختم ہو جائےگا۔

خطبہ 43

جب امیر المومنینؑ نے جریر ابن عبداللہ بجلی کو معاویہ کے پاس (بیعت لینے کے لیے) بھیجا تو آپ کے اصحاب نے آپ کو جنگ کی تیاری کا مشورہ دیا

اس پر آپ نے فرمایا:۔ میرا جنگ کے لیئے مستعد و آمادہ ہونا جب کہ جریر ابھی وہیں ہے۔ شام کا دروازہ بند کرنا ہے اور وہاں کے لوگ بیعت کا ارادہ بھی کریں، تو انہیں اس ارادہ خیر سے روک دینا ہے بے شک میں نے جریر کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔ اس کے بعد وہ ٹھہرے گا۔ تو یا ان سے فریب میں مبتلا ہو کر یا (عمداً) سرتابی کرتے ہوئے صحیح رائے کا تقاضا صبر و توقف ہے۔ اس لئے ابھی ٹھہرے رہو۔ البتہ اس چیز کو میں تمہارے لئے بُرا نہیں

سمجھتا کہ (دَر پردہ) جنگ کا ساز وسامان کرتے رہو۔ میں نے اس امر کو اچھی طرح سے پرکھ لیا ہے اور اندر باہر سے دیکھ لیا ہے۔ مجھے تو جنگ کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ یا یہ کہ رسولؐ کی دی ہوئی خبروں سے انکار کر دوں۔ حقیقت یہ ہے (مجھ سے پہلے) اس امت پر ایک ایسا حکمران تھا۔ جس نے دین میں بدعتیں پھیلائیں، اور لوگوں کو زبانِ طعن کھولنے کا موقعہ دیا (پہلے تو) لوگوں نے اسے اُسے زبانی کہا سنا، پھر اس پر بگڑے، اور آخر سارا ڈھانچہ بدل دیا۔

خطبہ 44

(جب امصقلہ بن، مبیرہ شیبانی معاویہ کے پاس بھاگ گیا)

مصقلہ بن مبیرہ شیبانی معاوہ کے پاس بھاگ گیا چونکہ اس نے حضرت کے ایک عامل سے بنی ناجیہ کے کچھ اسیر خریدے تھے۔ جب امیرالمومنین نے اس سے قیمت کا مطالبہ کیا، تو وہ بد یانتی کرتے ہوئے شام چلا گیا۔ جس پر آپ نے فرمایا۔ خُدا مصقلہ کا بُرا کرے، کام تو اس نے شریفوں کا سا کیا، لیکن غلاموں کی طرح بھاگ نکلا۔ اس نے مدح کرنے والے کا منہ بولنے سے پہلے ہی بند کر دیا اور توصیف کرنے والے کے قول کے مطابق اپنا عمل پیش کرنے سے پہلے ہی اسے خاموش کر دیا۔ اگر وہ ٹھہرا رہتا تو ہم اس سے اتنا لے لیتے، جتنا اس کے لئے ممکن ہوتا، اور بقیہ کے لئے اس کے مال کے زیادہ ہونے کا انتظار کرتے۔

1. تحکیم کے بعد جب خوارج نے سر اٹھایا، تو ان میں سے بنی ناجیہ کا ایک شخص خریت ابنِ

راشد لوگوں کو بھڑکانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا، اور ایک جتھے کے ساتھ مار دھاڑ کرتا ہوا مدائن کے رُخ پر چل پڑا۔ امیر المومنین نے اس کی روک تھام کے لئے زیاد ابن حفصہ کو ایک سو تین آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ چنانچہ جب مدائن میں دونوں فریقین کا آمنا سامنا ہوا، تو تلواریں لے کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ ابھی ایک آدھ جھڑپ ہی ہونے پائی تھی کہ شام کا اندھیرا پھیلنے لگا، اور جنگ روک دینا پڑی۔ جب صبح ہوئی تو زیاد کے ساتھیوں نے دیکھا کہ خوارج کے پانچ لاشے پڑے ہیں اور خود میدان چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ یہ دیکھ کر زیاد اپنے آدمیوں کے ساتھ بصرہ کی طرف چل پڑا۔ تو وہاں سے معلوم ہوا کہ خوارج اہواز کی طرف چلے گئے ہیں۔ زیاد نے سپاہ کی قلت کی وجہ سے قدم روک لئے اور امیر المومنین کو اس کی اطلاع دی۔ حضرت نے زیاد کو واپس بلوا لیا اور معقل ابن قیس ریاحی کو دو ہزار نبرد آزماؤں کے ہمراہ ہواز کی طرف روانہ کیا، اور والی بصرہ عبداللہ ابنِ عباس کو تحریر فرمایا کہ بصرہ کے دو ہزار شمشیر زن معقل کی کمک کے لئے بھیج دو۔ چنانچہ بصرہ کا دستہ بھی ان سے اہواز میں جا ملا۔ اور یہ پوری طرح منظم ہو کر دشمن پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن خریت اپنے لاؤ لشکر کو لے کر رامہرمز کی پہاڑیوں کی طرف چل دیا۔ یہ لوگ بھی اس کا پیچھا کرتے ہوئے آگے بڑھے، اور ان پہاڑیوں کے قریب اس کو آلیا۔ دونوں نے اپنے اپنے لشکر کی صف بندی کی، اور ایک دوسرے پر حملے شروع کر دیئے۔ اس جھڑپ کا نتیجہ یہ ہوا کہ خوارج کے تین سو ستر آدمی میدان میں کھیت رہے، اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ معقل نے اپنی کارگذاری، اور دشمن کے فرار کی امیر المومنین کو اطلاع دی تو حضرت نے تحریر فرمایا

کہ ابھی تم ان کا پیچھا کرو اور اس طرح انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دو، کہ پھر سر اٹھانے کا ان میں دم نہ رہے۔ چنانچہ اس فرمان کے بعد وہ اپنا لشکر لے کر آگے بڑھے، اور بحرِ فارس کے ساحل پر اسے پا لیا کہ جہاں اس نے لوگوں کو بہلا پھسلا کر اپنا ہمنوا بنا لیا تھا، اور ادھر اُدھر سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر اچھی خاصی جمعیت بہم پہنچا لی تھی۔ جس وقت معقل وہاں پر پہنچے تو آپ نے پہلے امان کا جھنڈا بلند کیا اور اعلان کیا کہ جو لوگ ادھر ادھر سے جمع ہو گئے ہیں، وہ الگ ہو جائیں ان سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی قوم کے علاوہ دوسرے لوگ چھٹ گئے اس نے انہی کو منظم کیا، اور جنگ چھیڑ دی۔ مگر کوفہ و بصرہ کے سرفروشوں نے تیغ زنی کے وہ جوہر دکھائے کہ دیکھتے ہی دیکھتے باغیوں کے ایک سو ستر آدمی مارے گئے، اور خریت سے نعمان ابن صہبان نے دو دو ہاتھ کئے اور آخر اسے مار گرایا جس کے گرتے ہی دشمن کے قدم اکھڑ گئے، اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد معقل نے ان کی قیام گاہوں میں جتنے مَرد، عورتیں اور بچے پائے انہیں ایک جگہ جمع کیا۔ ان میں مسلمان تھے ان سے بیعت لے کر انہیں رہا کر دیا۔ اور جو مرتد ہو گئے تھے انہیں اسلام قبول کرنے کے لئے کہا۔ چنانچہ ایک بُوڑھے نصرانی کے علاوہ سب نے اسلام قبول کر کے رہائی پائی اور بوڑھے کو قتل کر دیا گیا۔ اور جن بنی ناجیہ کے عیسائیوں نے اس شورش انگیزی میں حصہ لیا تھا۔ انہیں ان کے اہل و عیال سمیت کہ جن کی تعداد پانچ سو تھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ اور جب معقل اردشیر خرہ (ایران کا ایک شہر) پہنچے تو یہ قیدی وہاں کے حاکم مصقلہ ابن ہبیرہ کے سامنے چیخے چلائے، اور گڑگڑا کر اس سے التجائیں کیں کہ ان کی رہائی کی کوئی صورت کی

جائے۔ مصقلہ نے ذہل ابن حارث کے ذریعے معقل کو کہلوایا کہ ان اسیروں کو میرے ہاتھ بیچ دو۔ معقل نے اسے منظور کیا، اور پانچ لاکھ درہم میں وہ اسیر اس کے ہاتھ بیچ ڈالے اور اس سے کہا کہ ان کی قیمت جلد از جلد امیر المومنین کو بھیج دو۔ اس نے کہا میں پہلی قسط ابھی بھیج رہا ہوں، اور بقیہ قسطیں بھی جلد بھیج دی جائیں گی۔ جب معقل امیر المومنین کے پاس پہنچے، تو یہ سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ حضرت نے اس اقدام کو سراہا اور کچھ دنوں تک قیمت کا انتظار کیا۔ مگر مصقلہ نے ایسی چُپ سادھ لی کہ گویا اس کے ذمہ کوئی مطالبہ ہی نہیں ہے۔ آخر حضرت نے ایک قاصد اس کی طرف روانہ کیا اور اسے کہلوا بھیجا کہ یا تو قیمت بھیجو، یا خود آؤ، وہ حضرت کے فرمان پر کُوفہ آیا، اور قیمت طلب کرنے پر دو لاکھ درہم پیش کر دیئے اور بقایا مطالبہ سے بچنے کے لئے معاویہ کے پاس چلا گیا، جس نے اسے طبرستان کا حاکم بنا دیا۔ حضرت کو جب اس کا علم ہوا، تو آپ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے جن کا ماحصل یہ ہے کہ اگر وہ ٹھہرا رہتا تو ہم مال کی وصولی میں اس سے رعایت کرتے اور اس کی مالی حالت درست ہونے کا انتظار کرتے۔ لیکن وہ تو ایک نمائشی کارنامہ دکھا کر غلاموں کی طرح بھاگ نکلا۔ ابھی اس کی بلند حوصلگی کے چرچے شروع ہی ہوئے تھے کہ زبانوں پر اس کی دنائت و پستی کے تذکرے آنے لگے۔

خطبہ 45

اللہ کی عظمت و جلالت کے بارے میں

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جس کی رحمت سے ناامیدی نہیں اور جس کی نعمتوں سے کسی کا دامن خالی نہیں۔ نہ اس کی مغفرت سے کوئی مایوس ہے، نہ اس کی عبادت سے کسی کو عار ہو سکتا ہے، اور نہ اس کی رحمتوں کا سلسلہ ٹوٹتا ہے، اور نہ اس کی نعمتوں کا فیضان کبھی رکتا ہے۔ دنیا ایک ایسا گھر ہے جس کے لئے فنا طے شدہ امر ہے۔ اور اس کے بسنے والوں کے لئے یہاں سے بہر صورت نکلنا ہے۔ یہ دنیا شیریں و شاداب ہے۔ اپنے چاہنے والے کی طرف تیزی سے بڑھتی ہے اور دیکھنے والے دل میں سما جاتی ہے، جو تمہارے پاس بہتر سے بہتر توشہ ہو سکے۔ اسے لے کر دنیا سے چل دینے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اس دنیا میں اپنی ضرورت سے زیادہ نہ چاہو، اور جس سے زندگی بسر ہو سکے اس سے زیادہ کی خواہش نہ کرو۔

خطبہ 46

جب شام کی طرف روانہ ہونے کا قصد کیا، تو یہ کلمات فرمائے۔

اے اللہ ! مَیں سفر کی مشقت اور واپسی کے اندوہ اور اہل و مال کی بدحالی کے منظر سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ ! تو ہی سفر میں رفیق اور بال بچوں کا محافظ ہے سفر و حضر کو تیرے علاوہ کوئی یکجا نہیں کر سکتا، کیونکہ جسے پیچھے چھوڑا جائے وہ ساتھی نہیں ہو سکتا، اور جسے ساتھ لیا جائے اسے پیچھے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ سید رضی فرماتے ہیں کہ اس کلام کا ابتدائی حصہ رسول

سے منقول ہے۔ امیرالمومنین نے اس کے آخر میں بلیغ ترین جملوں کا اضافہ فرما کر اسے نہایت احسن طریق سے مکمل کر دیا ہے، اور وہ اضافہ (سفر وحضر کو تیرے علاوہ کوئی یکجا نہیں کرسکتا) سے لے کر آخر کلام تک ہے۔

خطبہ 47

کوفہ پر وارد ہونے والے مصائب کے متعلق فرمایا

اے کوفہ یہ منظر گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ تجھے اس طرح سے کھینچا جا رہا ہے جیسے بازار عکاظ کے دباغت کئے ہوئے چمڑے کو اور مصائب اور آلام کی تاخت و تاراج سے تجھے کچلا جا رہا ہے اور شدائد و حوادث کا تو مرکب بنا ہوا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جو ظالم و سرکش تجھ سے برائی کا ارادہ کرے گا اللہ اُسے کسی مصیبت میں جکڑ دے گا اور کسی قاتل کی زد پر لے آئے گا۔2

1. زمانہ جاہلیت میں ہر سال مکہ کے قریب ایک بازار لگتا تھا جس کا نام عکاظ تھا جو چمڑے کے لیے مشہور تھا۔

2. امیرالمومنین کی یہ پیشن گوئی حرف بہ حرف سچی ثابت ہوئی اور دنیا نے دیکھ لیا کہ جن لوگوں نے کوفہ میں اپنی قہرمانی قوتوں کے بل بوتے پر ظلم و ستم ڈھائے تھے ان کا انجام کتنا عبرتناک ہوا۔ اور ان کے ہلاکت نے ان کے لیے ہلاکت کے کیا کیا سروسامان کئے۔

چنانچہ زیاد ابن امیہ کا حشر یہ ہوا کہ جب اس نے مولا علیؑ کے خلاف ناسزا کلمات کہلوانے کے لیے خطبہ دینا چاہا تو اچانک اس پر فالج گرا اور وہ بستر سے نہ اٹھ سکا۔ عبید اللہ ابن زیاد کی سفا کیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ کوڑھ میں مبتلا ہو گیا، اور آخر خون آشام تلواروں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حجاج بن یوسف کے پیٹ میں سانپ پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر اس نے جان دی۔ عمر ابن ہبیرہ مبروص ہو کر مرا۔ خالد قسری نے قید و بند کی سختیاں جھیلیں اور بری طرح مارا گیا۔ مصعب ابن زبیر اور یزید ابن مہلب بھی تیغوں کی نذر ہوئے۔

خطبہ 48

جب شام 1 روانہ ہوئے تو فرمایا

اللہ کے لئے حمد و ثنا ہے جب بھی رات آئے اور اندھیرا پھیلے، اور اللہ کے لئے تعریف و توصیف ہے جب بھی ستارہ نکلے اور ڈوبے اور اس اللہ کے لئے مدح و ستائش ہے کہ جس کے انعامات کبھی ختم نہیں ہوتے اور جس کے احسانات کا بدلہ اتارا نہیں جا سکتا۔ (آگاہ رہو کہ) میں نے فوج کا ہراول دستہ آگے بھیج دیا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ میرا فرمان پہنچنے تک اس دریا کے کنارے پڑاؤ ڈالے رہے اور میرا ارادہ ہے کہ اس پانی کو عبور کر کے اس چھوٹے سے گروہ کے پاس پہنچ جاؤں جو اطراف دجلہ (مدائن) میں آباد ہے، اور اسے بھی تمہارے ساتھ دشمنوں کے مقابلہ میں کھڑا کروں اور انہیں تمہاری کمک کے لئے ذخیرہ بناؤں۔

علامہ رضی کہتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اس مقام پر ملطاط سے وہ سمت مراد لی ہے جہاں انہیں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا۔ اور وہ سمت کنارہ فرات ہے اور لمطاط کنارہ دریا کو کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کے اصل معنی ہموار زمین کے ہیں، اور نطفہ (صاف وشفاف پانی) سے آپ کی مراد آبِ فرات ہے اور یہ عجیب وغریب تعبیرات میں سے ہے۔»

1.جب امیر المومنین کے ارادہ سے وادی نخلیہ میں پڑاؤ ڈالا۔ تو 5 شوال 37ھ بروز چہار شنبہ یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں حضرت نے جس ہراول دستے کا ذکر کیا ہے، اس سے وہ بارہ ہزار افراد مراد ہیں جو زیاد ابنِ نضر اور شریح ابنِ ہانی کے زیرِ قیادت صفین کی طرف روانہ فرمائے تھے۔ اور مدائن کے جس چھوٹے سے گروہ کا ذکر کیا ہے، وہ بارہ سو افراد کا ایک جتھا تھا جو آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوا تھا۔

خطبہ 49

اللہ کی عظمت کے بارے میں فرمایا

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو چھپی ہوئی چیزوں کی گہرائیوں میں اُترا ہوا ہے۔ اس کے ظاہر و ہویدا ہونے کی نشانیاں اس کے وجود کا پتہ دیتی ہیں۔ گو دیکھنے والے کی آنکھ سے وہ نظر نہیں آتا۔ پھر بھی نہ دیکھنے والی آنکھ اس کا انکار نہیں کرسکتی اور جس نے اس کا اقرار کیا اس کا دل اس کی حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ وہ اتنا بلند و برتر ہے کہ کوئی چیز اس سے بلند تر نہیں ہوسکتی اور اتنا قریب سے قریب تر ہے کہ کوئی شے اس سے قریب تر نہیں ہے اور نہ اس کی بلندی نے

اسے مخلوقات سے دور کر دیا ہے اور نہ اس کے قربِ نے اسے دوسروں کی سطح پر لا کر ان کے برابر کر دیا ہے۔ اس نے عقلوں کو اپنی صفتوں کی حدود نہایت پر مطلع نہیں کیا اور ضروری مقدار میں معرفت حاصل کرنے کے لئے ان کے آگے پردے بھی حائل نہیں کئے۔ وہ ذات ایسی ہے کہ جس کے وجود کے نشانات اس طرح اس کی شہادت دیتے ہیں کہ (زبان سے) انکار کرنے والے کا دل بھی اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اللہ ان لوگوں کی باتوں سے بہت بلند و برتر ہے جو مخلوقات سے اس کی تشبیہ دیتے ہیں اور اس کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔

خطبہ 50

حق و باطل کی آمیزش کے نتائج

فتنوں کے وقوع کا آغاز وہ نفسانی خواہشیں ہوتی ہیں۔ جن کی پیروی کی جاتی ہے اور وہ نئے ایجاد کردہ احکام کہ جن میں قرآن کی مخالفت کی جاتی ہے اور جنہیں فروغ دینے کے لئے کچھ لوگ دین الٰہی کے خلاف باہم ایک دوسرے کے مددگار ہو جاتے ہیں تو اگر باطل حق کی آمیزش سے خالی ہوتا، تو وہ ڈھونڈنے والوں سے پوشیدہ نہ رہتا اور اگر حق باطل کے شائبہ سے پاک وصاف سامنے آتا، تو عناد رکھنے والی زبانیں بھی بند ہو جائیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ کچھ ادھر سے لیا جاتا ہے اور کچھ ادھر سے اور دونوں کو آپس میں خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ اس موقعہ پر شیطان اپنے دوستوں پر چھا جاتا ہے اور صرف وہی لوگ بچے رہتے ہیں جن کے لئے توفیقِ الٰہی اور عنائتِ خداوندی پہلے سے موجود ہو۔

خطبہ 51

جب شامیوں نے آپ کے ساتھیوں پر پانی بند کر دیا تو فرمایا

جب صفین میں معاویہ کے ساتھیوں نے امیرالمومنین کے اصحاب پر غلبہ پا کر فرات کے گھاٹ پر قبضہ جما لیا اور پانی لینے سے مانع ہوئے تو آپ نے فرمایا:۔ وہ 1 تم سے جنگ کے لقمے طلب کرتے ہیں۔تو اب یا تو تم ذلت اور اپنے مقام کی پستی وحقارت پر سرِ تسلیم خم کر دو۔یا تلواروں کی پیاس خون سے بُجھا کر اپنی پیاس پانی سے بجھاؤ ان سے دب جانا جیتے جی موت ہے اور غالب آ کر مرنا بھی جینے کے برابر ہے۔مُعاویہ گم کردہ راہ سر پھروں کا ایک چھوٹا سا جتھا لیے پھرتا ہے اور واقعات سے انہیں اندھیرے میں رکھ چھوڑا ہے۔یہاں تک کہ انہوں نے اپنے سینوں کو موت (کے تیروں) کا ہدف بنا لیا ہے۔

1۔امیرالمومنین ابھی صفین میں پہنچے نہ تھے کہ معاویہ نے گھاٹ کا راستہ بند کرنے کے لئے دریا کے کنارے چالیس ہزار آدمیوں کا پہرہ لگا دیا۔تا کہ شامیوں کے علاوہ کوئی وہاں سے پانی نہ لے سکے۔جب امیر المومنین کا لشکر وہاں پر اترا تو اس گھاٹ کے علاوہ آس پاس کوئی گھاٹ نہ تھا کہ وہاں سے پانی لے سکتے اور اگر تھا،تو اونچے اونچے ٹیلوں کو عبور کر کے وہاں تک پہنچنا دشوار تھا۔حضرت نے صعصعہ ابن صوحان کو معاویہ کے پاس بھیجا،اور اسے کہلوایا کہ پانی سے پہرا اٹھا لیا جائے مگر معاویہ نے اس سے انکار کیا۔ادھر امیرالمومنین کا لشکر پیاسا پڑا تھا۔حضرت نے یہ صورت دیکھی،تو فرمایا کہ اٹھو اور تلواروں کے زور سے پانی

حاصل کرو۔ چنانچہ ان تشنہ کاموں نے تلواریں نیاموں سے کھینچ لیں اور تیر کمانوں میں جوڑ لئے۔ اور معاویہ کی فوجوں کو درہم و برہم کرتے ہوئے دریا کے اندر تک اُتر گئے اور ان پہرہ داروں کو مار بھگایا اور خود گھاٹ پر قبضہ کر لیا۔ اب حضرت کے اصحاب نے بھی چاہا کہ جس طرح معاویہ نے گھاٹ پر قبضہ جما کر پانی کی بندش کر دی تھی، ویسا ہی اس کے اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ برتاؤ کیا جائے، اور ایک شامی کو بھی پانی نہ لینے دیا جائے، اور ایک ایک کو پیاسا تڑپا کر مارا جائے۔ مگر امیر المومنین نے فرمایا کہ کیا تم بھی وہی جاہلانہ قدم اٹھانا چاہتے ہو جو ان شامیوں نے اٹھایا تھا؟ ہرگز کسی کو پانی سے نہ روکو۔ جو چاہے پیئے اور جس کا جی چاہے لے جائے۔ چنانچہ امیر المومنین علیہ السلام کی فوج کا دریا پر قبضہ ہونے کے باوجود کسی کو پانی سے نہیں روکا، اور ہر شخص کو پانی لینے کی آزادی دی گئی۔

خطبہ 52

دنیا کے زوال و فنا کے متعلق فرمایا

دنیا اپنا دامن سمیٹ رہی ہے اور اس نے اپنے رخصت ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس کی جانی پہچانی ہوئی چیزیں اجنبی ہو گئیں اور وہ تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹ رہی ہے اور اپنے رہنے والوں کو فنا کی طرف بڑھا رہی ہے۔ اور اپنے پڑوس میں بسنے والوں کو موت کی طرف دھکیل رہی ہے۔ اس کے شیریں (مزے) تلخ، اور صاف و شفاف (لمحے) مکدر ہو گئے ہیں۔ دنیا سے بس اتنا باقی رہ گیا ہے جتنا برتن میں تھوڑا سا بچا یا پانی یا نپا تلا ہوا جرعۂ آب کہ پیاسا اگر اسے پیئے تو اُس کی پیاس نہ بجھے۔ خدا کے بندو! اس دنیا سے کہ جس کے رہنے

والوں کے لیے زوال امرِ مسلم ہے، نکلنے کا تہیہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آرزوئیں تم پر غالب آ جائیں اور اس چندروزہ زندگی کی مدت کو دراز سمجھ بیٹھو۔ خدا کی قسم اگر تم اُن اونٹنیوں کی طرح فریاد کرو جو اپنے بچوں کو کھو چکی ہوں اور ان کبوتروں کی طرح نالہ و فغاں کرو (جو اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گئے ہوں اور اُن گوشہ نشین راہبوں کی طرح چیخو چلاؤ جو گھر بار چھوڑ چکے ہوں اور مال اور اولاد سے بھی اپنا ہاتھ اٹھا لو۔ اس غرض سے کہ تمہیں بارگاہِ الٰہی میں تقرب حاصل ہو درجہ کی بلندی کے ساتھ اس کے یہاں یا ان گناہوں کے معاف ہونے کے ساتھ جو صحیفہ اعمال میں درج اور کراماً کاتبین کو یاد ہیں، تو وہ تمام بے تابی اور نالہ و فریاد اُس ثواب کے لحاظ سے جس کا میں تمہارے لیے امیدوار ہوں اور اس عتاب کے اعتبار سے جس کا مجھے تمہارے لیے خوف و اندیشہ ہے بہت ہی کم ہوگی۔ خدا کی قسم! اگر تمہارے دل بالکل پگھل جائیں اور تمہاری آنکھیں امید و بیم سے خون بہانے لگیں اور پھر رہتی دنیا تک (اسی حالت میں) جیتے بھی رہو تو بھی تمہارے اعمال اگرچہ تم نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہو اس کی نعماتِ عظیم کی بخشش اور ایمان کی طرف راہنمائی کا بدلہ نہیں اتار سکتے۔

خطبہ 53

قربانی کے جانور کے اوصاف

اس میں عید قربان اور ان صفتوں کا ذکر کیا ہے، جو گوسفند قربانی میں ہونا چاہئیں۔ قربانی کے جانور کا مکمل ہونا یہ ہے کہ اس کے کان اٹھے ہوئے ہوں (یعنی کٹے ہوئے نہ ہوں) اور اس کی آنکھیں صحیح و سالم ہوں۔ اگر کان اور آنکھیں سالم ہیں تو قربانی بھی سالم اور ہر طرح سے

مکمل ہے۔ اگرچہ اس کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں۔ اور ذبح کی جگہ تک اپنے پیر کو گھسیٹ کر پہنچے (علامہ رضی فرماتے ہیں کہ اس خطبہ میں منسلک سے مراد ذبح کی جگہ ہے)۔

خطبہ 54

آپ کے ھاتھ پر بیعت کرنے والوں کا ھجوم

وہ اس طرح بے تحاشا میری طرف لپکے جس طرح پانی پینے کے دن وہ اونٹ ایک دوسرے پر ٹوٹتے ہیں کہ جنہیں ان کے ساربان نے پیروں کے بندھن کھول کر کھلا چھوڑ دیا ہو۔ یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ یا تو مجھے مار ڈالیں گے۔ یا میرے سامنے ان میں سے کوئی کسی کا خون کر دے گا۔ میں نے اس امر کو اندر باہر سے الٹ پلٹ کر دیکھا، تو مجھے جنگ کے علاوہ کوئی صورت نظر نہ آئی، یا یہ کہ محمدؐ کے لائے ہوئے احکام سے انکار کر دوں۔ لیکن آخرت کی سختیاں جھیلنے سے مجھے جنگ کی سختیاں جھیلنا سہل نظر آیا، اور آخرت کی تباہیوں سے دنیا کی ہلاکتیں میرے لئے آسان نظر آئیں۔

خطبہ 55

صفین میں حضرتؑ کے اصحاب نے جب اِذنِ جھاد دینے میں تاخیر پر بے چینی کا اظھار کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔

تم لوگوں کا یہ کہنا یہ پس وپیش کیا اس لئے ہے کہ میں موت کو ناخوش جانتا ہوں اور اس سے بھاگتا ہوں، تو خدا کی قسم! مجھے ذرا پروا نہیں کہ مَیں موت کی طرف بڑھوں یا موت میری

طرف بڑھے اور اس طرح تم لوگوں کا یہ کہنا کہ مجھے اہلِ شام سے جہاد کرنے کے جواز میں کچھ شُبہ ہے تو خدا کی قسم! میں نے جنگ کو ایک دن کے لئے بھی التوا میں نہیں ڈالا، مگر اس خیال سے کہ ان میں سے شاید کوئی گروہ مجھ سے آ کر مل جائے، اور میری وجہ سے ہدایت پا جائے اور اپنی چندھیائی ہوئی آنکھوں سے میری روشنی کو بھی دیکھ لے اور مجھے یہ چیز گمراہی کی حالت میں انہیں قتل کر دینے سے کہیں زیادہ پسند ہے۔ اگرچہ اپنے گناہوں کے ذمہ دار بہر حال یہ خود ہوں گے۔

خطبہ 56

میدانِ جنگ میں آپ کے صبر کی حالت 1

ہم (مسلمان) رسول اللہؐ کے ساتھ ہو کر اپنے باپ، بیٹوں، بھائیوں اور چچاؤں کو قتل کرتے تھے۔ اس سے ہمارا ایمان بڑھتا تھا۔ اطاعت اور راہِ حق کی پَیروی میں اضافہ ہوتا تھا اور کرب والم کی سوزشوں پر صبر میں زیادتی ہوتی تھی اور دشمنوں سے جہاد کرنے کی کوششیں بڑھ جاتی تھیں۔ (جہاد کی صورت یہ تھی کہ) ہم میں کا ایک شخص اور فوجِ دشمن کا کوئی سپاہی دونوں مردوں کی طرح آپس میں بھڑتے تھے اور جان لینے کے لئے ایک دوسرے پر جھپٹے پڑتے تھے، کہ کون اپنے حریف کو موت کا پیالہ پلاتا ہے۔ کبھی ہماری جیت ہوتی تھی، اور کبھی ہمارے دشمن کی۔ چنانچہ جب خداوندِ علم نے ہماری (نیتوں کی) سچائی دیکھ لی۔ تو اس نے ہمارے دشمنوں کو رسوا و ذلیل کیا، اور ہماری نصرت و تائید فرمائی، یہاں تک کہ اسلام سینہ ٹیک کر اپنی جگہ پر جم گیا، اور اپنی منزل پر برقرار ہو گیا۔ خدا کی قسم! اگر ہم بھی تمہاری طرح

کرتے تو نہ کبھی دین کا ستون گڑتا۔ اور نہ ایمان کا تنا برگ و بار لاتا۔ خدا کی قسم! تم اپنے کئے کے بدلے میں دودھ کے بجائے) خون دوہو گے۔ اور آخر تمہیں ندامت و شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔

1. جب محمد ابن ابی بکر شہید کر دیئے گئے، تو معاویہ نے عبداللہ ابنِ عامر حضرمی کو بصرہ کی طرف بھیجا تا کہ اہلِ بصرہ کو پھر سے قتلِ عثمان کے انتقام کے لئے آمادہ کرے۔ چونکہ بیشتر اہالی بصرہ اور خصوصاً بنی تمیم کا طبعی رجحان حضرت عثمان کی طرف تھا چنانچہ وہ بنی تمیم ہی کے ہاں آکر فروکش ہوا۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ والی بصرہ عبداللہ ابن عباس، زیاد ابنِ عبید کو قائم مقام بنا کر محمد ابن ابی بکر کی تعزیت کے لئے کوفہ گئے ہوئے تھے۔

جب بصرہ کی فضا بگڑنے لگی، تو زیاد نے امیرالمومنین کو تمام واقعات سے اطلاع دی۔ حضرت نے کوفہ کے بنی تمیم کو بصرہ کے لئے آمادہ کرنا چاہا۔ مگر انہوں نے چپ سادھ لی اور کوئی جواب نہ دیا۔ امیرالمومنین نے جب ان کی اس کمزوری و بے حمیتی کو دیکھا، تو یہ خطبہ ارشاد فرمایا کہ ہم پیغمبر کے زمانہ میں یہ نہیں دیکھتے تھے کہ ہمارے ہاتھوں سے قتل ہونے والے ہمارے ہی بھائی بند اور قریبی عزیز ہوتے ہیں۔ بلکہ جو حق سے ٹکراتا تھا ہم اس سے ٹکرانے کے لئے تیار ہو جاتے تھے اور اگر ہم بھی تمہاری طرح غفلت و بے عملی کی راہ پر چلتے تو نہ دین کی بنیادیں مضبوط ہوتیں، اور نہ اسلام پروان چڑھتا۔ چنانچہ اس جھنجھوڑنے کا

نتیجہ یہ ہوا کہ اعین ابن صبیعہ تیار ہوئے۔ مگر وہ بصرہ پر پہنچ کر دشمنوں کی تلواروں سے شہید ہو گئے۔ پھر حضرت نے جاریہ ابن قدامہ کو بنی تمیم پچاس افراد کے ساتھ روانہ کیا۔ انہوں نے اپنے قوم قبیلے کو سمجھانے بجھانے کی سر توڑ کوششیں کیں مگر وہ راہ راست پر آنے کے بجائے گالم گلوچ اور دست درازی پر اتر آئے، تو جاریہ نے زیاد اور بنی ازد کو اپنی مدد کے لئے پکارا۔ ان کے پہنچتے ہی ابن حضرمی اپنی جماعت کو لے کر نکل آیا۔ دونوں طرف سے کچھ دیر تک تلواریں چلتی رہیں۔ آخر ابن حضرمی ستر آدمیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ اور سبیل سعدی کے گھر میں پناہ لی۔ جاریہ کو جب کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ تو انہوں نے اس کے گھر میں آگ لگوا دی۔ جب آگ کے شعلے بلند ہوئے، تو وہ سراسیمہ ہو کر بچنے کے لئے ہاتھ پیر مارنے لگے مگر فرار میں کامیاب نہ ہو سکے، کچھ دیوار کے نیچے دب کر مر گئے اور کچھ قتل کر دیئے گئے۔

خطبہ 57

معاویہ کے بارے میں فرمایا

اپنے اصحاب سے فرمایا:۔ میرے بعد جلد ہی تم پر ایک ایسا شخص 1 مسلط ہو گا جس کا حلق کشادہ، اور پیٹ بڑا ہو گا، جو پائے گا۔ نگل جائے گا۔ اور جو نہ پائے گا، اس کی اسے ڈھونڈ لگی رہے گی (بہتر تو یہ ہے کہ) تم اسے قتل کر ڈالنا۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ تم اسے ہرگز قتل نہ کرو گے۔ وہ تمہیں حکم دے گا کہ مجھے بُرا کہو اور مجھ سے بیزاری کا اظہار کرو۔ جہاں تک بُرا کہنے کا تعلق ہے، مجھے بُرا کہہ لینا۔ اس لئے کہ یہ میرے لئے پاکیزگی کا سبب اور تمہارے لئے

(دشمنوں سے) نجات پانے کا باعث ہے۔ لیکن (دل سے) بیزاری اختیار نہ کرنا اس لئے کہ مَیں (دین) فطرت پر پیدا ہوا ہوں اور ایمان و ہجرت میں سابق ہوں۔

1۔ اس خطبہ میں جس شخص کی طرف امیر المومنین نے اشارہ کیا ہے۔ اس سے بعض نے زیاد ابن ابیہ، بعض نے حجاج ابنِ یوسف اور بعض نے مغیرہ ابن شعبہ کو مراد لیا ہے۔ لیکن اکثر شارحین نے اس سے معاویہ مراد لیا ہے، اور یہی صحیح ہے، کیونکہ جو اوصاف حضرت نے بیان فرمائے ہیں، وہ اس پر پورے طور سے صادق آتے ہیں، چنانچہ ابن ابی الحدید نے مُعاویہ کی زیادہ خوری کے متعلق لکھا ہے کہ پیغمبرؐ نے ایک دفعہ اسے بُلوا بھیجا، تو معلوم ہوا کہ وہ کھانا کھا رہا ہے۔ پھر دوبارہ سہ بارہ آدمی بھیا، تو یہی خبر لایا۔ جس پر آنحضرت نے فرمایا۔ «اللّٰھم لا تشبع بطنہ» (خدایا اس کے پیٹ کو کبھی نہ بھرنا) اس بد دُعا کا اثر یہ ہوا کہ جب کھاتے کھاتے اکتا جاتا تھا تو کہنے لگتا تھا۔ «ارفعوا فواللہ ما شبعت ولکن مللت وتعبت» دستر خوان بڑھاؤ۔ خدا کی قسم میں کھاتے کھاتے عاجز آ گیا ہوں، مگر پیٹ ہے کہ بھرنے ہی میں نہیں آتا، یونہی امیر المومنین پر سب و شتم کرنا اور اپنے عاملوں کو اس کا حکم دینا تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ جس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور منبر پر ایسے الفاظ کہے جاتے تھے، کہ جن کی زد میں اللہ و رسول بھی آجاتے تھے۔ چنانچہ ام المومنین ام سلمہ نے معاویہ کو لکھا:۔ «انکم تلعنون اللہ و رسولہ علی منابرکم و ذلک انکم تلعنون علی ابن ابی طالب و من احبہ وانا اشھد ان اللہ احبہ و رسولہ (عقد الفرید ج 3 صفحہ 131) تم اپنے منبروں پر اللہ اور اس کے رسول پر

لعنت کرتے ہو۔ وہ یوں کہ تم علی ابن ابی طالب اور انہیں دوست رکھنے والوں پر لعنت کرتے ہو، اور میں گواہی دیتی ہوں کہ علی کو اللہ بھی دوست رکھتا تھا اور اس کا رسول بھی۔» خدا عمر ابنِ عبدالعزیز کا بھلا کرے کہ جس نے اسے بند کر دیا، اور خطبوں مین سب وشتم کی جگہ اس آیت کو رواج دیا۔ اللہ تمہیں انصاف اور حسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے اور لغو باتوں برائیوں اور ستم کاریوں سے روکتا ہے۔ اللہ اس سے تمہیں نصیحت کرتا ہے شاید کہ تم سوچ بچار سے کام لو۔» حضرت نے اس کلام میں اس کے قتل کا حکم اس بناء پر دیا کہ پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے:۔ «جب معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو، تو اسے قتل کر دو

خطبہ 58

خوارج کے متعلق پیشنگوئی 1

آپ کا کلام خوارج کو مخاطب فرماتے ہوئے:۔ تم پر سخت آندھیاں آئیں اور تم میں کوئی اصلاح کرنے والا باقی نہ رہے۔ کیا میں اللہ پر ایمان لانے اور رسول اللہؐ کے ساتھ ہو کر جہاد کرنے کے بعد اپنے اوپر کفر کی گواہی دے سکتا ہوں؟ پھر تو میں گمراہ ہو گیا، اور ہدایت کی گواہی دے سکتا ہوں؟ پھر تو میں گمراہ ہو گیا، اور ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہ رہا۔ تم اپنے (پرانے) بدترین ٹھکانوں کی طرف پلٹ جاؤ۔ یاد رکھو کہ تمہیں میرے بعد چھا جانے والی ذلت اور کاٹنے والی تلوار سے دو چار ہونا ہے، اور ظالموں کے اس وتیرے سے سابقہ پڑنا ہے کہ وہ تمہیں محروم کر کے ہر چیز اپنے لئے مخصوص کر لیں۔

1. تاریخ شاہد ہے کہ امیرالمومنین کے بعد خوارج کو ہر طرح کی ذلتوں اور خواریوں سے دو چار ہونا پڑا، اور جب بھی انہوں نے فتنہ انگیزی کے لئے سر اٹھایا، تو تلواروں اور نیزوں پر دھر لئے گئے۔ چنانچہ زیاد ابن ابیہ، عبیداللہ ابن زیاد، مصعب ابنِ زبیر، حجاج ابنِ یوسف اور مہلب ابن ابی صفرہ نے انہیں صفحۂ ہستی سے نابود کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ خصوصاً مہلب نے انیس برس تک ان کا مقابلہ کر کے ان کے سارے دم خم نکال دیئے اور ان کی تباہی و بربادی کو تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیا۔

طبری نے لکھا ہے کہ مقامِ سلی سلبری میں جب دس ہزار خوارج جنگ وقتال کے لئے سمٹ کر جمع ہو گئے، تو مہلب نے اس طرح ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ سات ہزار خارجیوں کو تہِ تیغ کر دیا اور بقیہ تین ہزار کومان کی طرف بھاگ کر جان بچا سکے۔ لیکن والی فارس عبیداللہ ابنِ عمر نے جب ان کی شورش انگیزیاں دیکھیں، تو مقامِ سابور میں انہیں گھیر لیا اور ان میں کافی تعداد وہیں پر ختم کر دی اور جو بچے کھچے رہ گئے، وہ پھر اصفہان و کرمان کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے وہاں سے پھر جتھا بنا کر بصرہ کی راہ سے کوفہ کی طرف بڑھے، تو حارث ابن ابی ربیعہ اور عبدالرحمٰن ابن مخنف چھ ہزار جنگ آزماؤں کو لے کر ان کا راستہ روکنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور عراق کی سرحد سے انہیں نکال باہر کیا یُوں ہی تابڑ توڑ حملوں نے ان کی عسکری قوتوں کو پامال کر کے رکھ دیا اور آبادیوں سے نکال کر صحرؤں اور جنگلوں میں خاک چھاننے پر مجبور کر دیا اور بعد میں بھی جب کبھی جتھا بنا کر اٹھے تو کچل کر رکھ دیئے گئے۔

علامہ رضی فرماتے ہیں کہ حضرت کے اس ارشاد لَا بَقِيَ مِنكُم آبِر۔ (تم میں کوئی اصلاح کرنے نہ رہے) میں لفظ آبر «ب» اور «ر» کے ساتھ روایت ہوا ہے اور یہ عربوں کے قول رَجُل آبِر سے لیا گیا ہے جس کے معنی خرما کے درختوں کے چھانٹنے والے اور ان کی اصلاح کرنے والے کے ہیں۔ اور ایک روایت میں آثِر ہے اور اس کے معنی خبر دینے والے اور اقوال نقل کرنے والے کے ہیں میرے نزدیک یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔ گویا حضرت یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ تم میں کوئی خبر دینے والا نہ بچے۔ اور ایک روائیت میں آبِز زائے معجمہ کے ساتھ آیا ہے۔ جس کے معنی کودنے والے کے ہیں اور ہلاک ہونے والے کو بھی آبز کہا جاتا ہے۔

خطبہ 59

خوارج کی ہزیمت کے متعلق پیشنگوئی

جب 1 آپ نے خوارج سے جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، تو آپ سے کہا گیا کہ وہ نہروان کا پل عبور کر کے ادھر جا چکے ہیں، تو آپ نے فرمادیا:۔ ان کے گرنے کی جگہ تو پانی کے اسی طرف ہے۔ خدا کی قسم! ان میں سے دس بھی بچ کر نہ جاسکیں گے، اور تم میں سے دس 2 بھی ہلاک نہ ہوں گے۔

سید رضی فرماتے ہیں کہ اس خطبہ میں نطفہ سے مراد نہر (فرات) کا پانی ہے اور پانی کے لئے یہ بہترین کنایہ ہے چاہے پانی زیادہ بھی ہو۔ جب خوارج مارے گئے تو آپ سے کہا گیا کہ وہ لوگ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں ابھی تو وہ مردوں کی صلبوں

اور عورتوں کے شکموں میں موجود ہیں جب بھی ان میں کوئی سردار ظاہر ہوگا، تو اسے کاٹ کر رکھ دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ان کی اخروی فردیں چور اور ڈاکو ہو کر رہ جائیں گی۔ انہی خوارج کے متعلق فرمایا:۔ میرے بعد خوارج کو قتل نہ کرنا۔ اس لئے کہ جو حق کا طالب ہی کی طلب میں ہو اور پھر اسے بھی پالے۔ سید رضی کہتے ہیں کہ اس سے مراد معاویہ اور اسکے ساتھی ہیں۔

1۔ اس پشین گوئی کو فراست وثاقب نظری کا نتیجہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ دُور رس نظریں فتح وشکست کا اندازہ تو لگا سکتی ہیں اور جنگ کے نتائج کو بھانپ لے جا سکتی ہیں۔ لیکن دونوں فریق کے مقتولین کی صحیح صحیح تعداد سے آگاہ کر دینا ان کی حُدودِ پرواز سے باہر ہے۔ یہ اسی کی باطنُ بین نگاہیں حکم لگا سکتی ہیں کہ جو غیب کے پَردے الٹ کر آنے والے منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔ اور علمِ امامت کی چھوٹ مستقبل کے صفحہ پر ابھرنے والے نقوش اس کو دکھا رہی ہو۔ چنانچہ اس وارثِ علم نبوت نے جو فرمایا تھاوُ ہی ہوا، اور خوارج میں سے نو آدمیوں کے علاوہ سب کے سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے جن میں سے دو عمان کی طرف دو سجستان کی طرف دو کرمان کی طرف اور دو جزیرہ کی طرف بھاگ گئے اور ایک یمن میں تل مورون چلا آیا، اور آپ کی جماعت میں سے صرف آٹھ آدمی شہید ہو گئے، جن کے نام یہ ہیں۔ روبہ ابن وبز بجلی، سعید ابن خالد سبیعی، عبداللہ ابن حماد اجنی، فیاض ابن خلیل از دی، کیسوم ابن سلمہ جہنی، عبید ابن عبید خولانی، جمیع ابن جعشم کندی، حبیب ابن عاصم اسدی،

2. امیر المومنین کی یہ پیشین گوئی بھی حرف بحرف پوری ہوئی اور خوارج میں جو سردار بھی اٹھا، تلواروں پر دھر لیا گیا۔ چنانچہ ان کے چند سرداروں کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جو بُری طرح موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ نافع ابن ازرق:۔ خوارج کا سب سے بڑا گروہ ازارقہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ یہ مسلم ابن عبیس کے لشکر کے مقابلہ میں سلامہ باہلی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ نجدہ ابن عامر:۔ خوارج کا فرقہ بخداد اسکی طرف منسوب ہے۔ ابوفدیک خارجی نے اسے قتل کروا دیا۔ عبداللہ ابنِ اباض:۔ فرقہ اباحنیہ اسکی طرف منسوب ہے۔ یہ عبداللہ ابن محمد ابن عطیہ کے مقابلہ میں مارا گیا۔ ابوبہیس ہیصم ابنِ جابر:۔ فرقہ بیہسیہ اس کی طرف منسوب ہے۔ عثمان ابنِ جبان والی مدینہ نے پہلے اس کے ہاتھ پیر کٹوائے اور پھر اسے قتل کر دیا۔ عروہ ابن اُویہ:۔ معاویہ کے عہد حکومت میں زیاد نے اسے قتل کیا۔ قطری ابن فجاءۃ:۔ طبرستان کے علاوہ میں جب سفیان ابن ابرو کی فوج کا اس کا لشکر سے ٹکراؤں ہوا تو سورہ ابن ابجر دارمی نے اسے قتل کیا۔ شوذب خارجی:۔ سعید ابن عمرو حرشی کے مقابلہ میں مارا گیا۔ حوثرہ ابن وداع اسدی:۔ بنی طے کے ایک شخص کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ مستورد ابن عرفہ:۔ معاویہ کے عہد میں مغفل ابنِ قیس کے ہاتھ سے مارا گیا۔ شبیب ابن یزید خارجی:۔ دریا میں ڈوب کر مرا۔ عمران ابن حرب سراسبی:۔ جنگ ددلاب میں مارا گیا۔ زحاف ابن طائی:۔ بنو طاحیہ کے مقابلہ میں مارا گیا۔ زبیر ابنِ علی سلیطی:۔ عتاب ابنِ ورقاء کے مقابلہ میں مارا گیا۔ علی ابنِ بشیر:۔ اسے حجاج نے قتل کروایا۔ عبیداللہ ابنِ بشیر:۔ مہلب ابن ابی صفرہ کے مقابلہ میں مارا گیا۔ عبداللہ ابنِ الماحوز:۔ جنگ دد لاب میں مارا گیا۔ عبیداللہ ابن الماحوز:۔

عتاب ابن ورقاء کے مقابلہ میں مارا گیا۔ ابوالوازع:۔ مقبرہ بنی یشکر میں ایک شخص نے اس پر دیوار گرا کر اسے ختم کر دیا۔ عبیداللہ ابن یحییٰ کندی:۔ مروان ابن محمد کے عہد میں ابن عطیہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ قتلِ خوارج سے روکنے کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ امیرالمومنین کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ آپ کے بعد تسلط واقتدار ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگا جو جہاد کے موقعہ و محل سے بے خبر ہوں گے، اور صرف اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے تلواریں چلائیں گے۔ اور یہ وہی لوگ تھے کہ جو امیرالمومنین کو بُرا سمجھنے اور بُرا کہنے میں خوارج سے بھی بڑھے چڑھے ہوئے تھے۔ لہذا جو خود گم کردہ راہ ہوں۔ انہیں دوسرے گمراہوں سے جنگ وقتال کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اور نہ جان بوجھ کر گمراہیوں میں پڑے رہنے والے اس کے مجاز ہو سکتے ہیں کہ بھولے سے بے راہ ہو جانے والوں کے خلاف صف آرائی کریں۔ چنانچہ امیرالمومنین کا یہ ارشاد واضح طور سے اس حقیقت کو واشگاف کرتا ہے۔ کہ خوارج کی گمراہی جان بوجھ کر نہ تھی۔ بلکہ شیطان کے بہکاوے میں آ کر باطل کو حق سمجھنے لگے، اور اسی پر اڑ گئے اور معاویہ اور اس کی جماعت کی گمراہی کی یہ صورت تھی کہ انہوں نے حق کو حق سمجھ کر ٹھکرایا اور باطل کو باطل سمجھ کر اپنا شعار بنائے رکھا۔ اور دین کے معاملہ میں ان کی بیباکیاں اس حد تک بڑھ گئی تھیں کہ نہ انہیں غلط فہمی کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے، اور نہ ان پر خطائے اجتہادی کا پردہ ڈالا جا سکتا ہے۔ جب کہ وہ اعلانیہ دین کے حدود کو توڑ دیتے تھے۔ اور اپنی رائے کے سامنے پیغمبر کے ارشاد کو درخورِ اعتنا نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ پیغمبر کے صحابی ابوالدرداء نے معاویہ کے ہاں سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال

دیکھا، تو فرمایا، کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ «ان الشارب فیھما لتجر جرفی جرفہ نار جھنم» چاندی اور سونے کے برتنوں میں پینے والے کے پیٹ میں دوزخ کی آگ کے لپکے اٹھیں گے۔» تو معاویہ نے کہا کہ «اما انا فلا ادری بذلک باسا۔لیکن میری رائے میں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔اور اسی طرح زیاد ابن ابیہ کو اپنے سے ملا لینے کے لئے قولِ پیغمبر کو ٹھکرا کر اپنے اجتہد کو کارفرما کرتا، منبر رسول پر اہل بیت رسول کو برا کہنا حدودِ شرعیہ کو پامال کرنا، بے گناہوں کے خون سے ہاتھ رنگنا۔اور ایک فاسق کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کر کے زندقہ و الحاد کی راہیں کھول دینا، ایسے واقعات ہیں کہ انہیں کسی غلط فہمی پر محمول کرنا حقائق سے عمداً چشم پوشی کرنا ہے۔

خطبہ 60

جب آپ کو اچانك قاتلانہ حملے سے ڈرایا گیا

جب آپ کو اچانک قتل کئے جانے سے خوف دلایا گیا، تو آپ نے فرمایا، مجھ پر اللہ کی ایک محکم سپر ہے۔جب موت کا دن آئے گا، تو وہ مجھے موت کے حوالے کر کے مجھ سے الگ ہو جائے گا۔اس وقت نہ تیر خطا کرے گا اور نہ زخم بھر سکے گا۔

خطبہ 61

دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا ایسا گھر ہے کہ اس کے (عواقب) سے بچاؤ کا ساز و سامان

اسی میں رہ کر کیا جا سکتا ہے کہ کسی ایسے کام سے جو صرف اسی دنیا کی خاطر کیا جائے، نجات نہیں مل سکتی۔ لوگ اس دنیا میں آزمائش میں ڈالے گئے ہیں۔ لوگوں نے اس دنیا سے جو دنیا کے لئے حاصل کیا ہوگا۔ اس سے الگ کر دیئے جائیں گے۔ اور اس پر ان سے حساب لیا جائے گا۔ اور جو اس دنیا سے آخرت کے لئے کمایا ہوگا۔ اسے آگے پہنچ کر پالیں گے اور اسی میں رہیں سہیں گے۔ دنیا عقلمندوں کے نزدیک ایک بڑھتا ہوا سایہ ہے۔ جسے ابھی بڑھا ہوا اور پھیلا ہوا دیکھ رہے تھے کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ گھٹ کر اور سمٹ کر رہ گیا۔

خطبہ 62

دنیا کے زوال کے بارے میں

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور موت سے پہلے اپنے اعمال کا ذخیرہ فراہم کرلو، اور دنیا کی فانی چیزیں دے کر باقی رہنے والی چیزیں خریدلو۔ چلنے کا سامان کرو کیونکہ تمہیں تیزی سے لے جایا جا رہا ہے اور موت کے لئے آمادہ ہو جاؤ کہ وہ تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ تمہیں ایسے لوگ ہونا چاہیئے۔ جنہیں پکارا گیا، تو وہ جاگ اٹھے اور یہ جان لینے پر کہ دنیا ان کا گھر نہیں ہے، اسے (آخرت سے) بدل لیا ہو۔ اسے لئے کہ اللہ نے تمہیں بیکار پیدا نہیں کیا۔ اور نہ اس نے تمہیں بے قید و بند چھوڑ دیا ہے۔ موت تمہاری راہ میں حائل ہے۔ اس کے آتے ہی تمہارے لئے جنت ہے یا دوزخ ہے۔ وہ مدتِ حیات جسے ہر گزرنے والا لحظہ کم کر رہا ہو اور ہر ساعت اس کی عمارت کو ڈھا رہی ہو، کم ہی سمجھی جانے کے لائق ہے اور وہ مسافر جسے ہر نیا دن اور ہر نئی رات (لگاتار) کھینچے لئے جا رہے ہوں، اس کا منزل تک پہنچنا

جلد ہی سمجھنا چاہیئے۔اور وہ عازمِ سفر جس کے سامنے ہمیشہ کی کامرانی یا ناکامی کا سوال ہے۔ اس کو اچھے سے اچھا زادمہیا کرنے کی ضرورت ہے لہذا اس دنیا میں رہتے ہوئے اس سے اتنا توشہ آخرت لے لو،جس کے ذریعہ کل اپنے نفسوں کو بچا سکو جس کی صورت یہ ہے کہ بندہ اپنے اللہ سے ڈرے۔اپنے نفس کے ساتھ خیر خواہی کرے (مرنے سے پہلے) توبہ کرے اپنی خواہشوں پر قابو رکھے۔ چونکہ موت اس کی نگاہ سے اوجھل ہے۔اور امیدیں فریب دینے والی ہیں اور شیطان اس پر چھایا ہوا ہے، جو گناہوں کو سج کر اس کے سامنے لاتا ہے کہ وہ اسے تعویق میں ڈالتا رہے۔ یہاں تک کہ موت غفلت و بیخبری کی حالت میں اس پر اچانک ٹوٹ پڑتی ہے۔واحسرتا! کہ اس غافل و بیخبر کی مدت حیات ہی اس کے خلاف ایک حجت بن جائے، اور اس کی زندگی کا انجام بدبختی کی صورت میں ہو۔ہم اللہ سُبحانہ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور تمہیں ایسا کر دے، کہ (دنیا کی) نعمتیں سرکش و متمرّد نہ بنا سکیں اور کسی منزلِ پر اطاعتُ پروردگار سے درماندہ و عاجز نہ ہوں اور مرنے کے بعد نہ شرمساری اٹھانا پڑے، اور نہ رنج غم سہنا پڑے۔

خطبہ 63

صفاتِ باری کا تذکرہ

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے کہ جس کی ایک صفت سے دوسری صفت کو تقدم نہیں کہ وہ آخر ہونے سے پہلے اول اور باطن ہونے سے پہلے ظاہر رہا ہو۔ اللہ کے علاوہ جسے بھی ایک کہا جائے گا، وہ قلت و کمی میں ہوگا۔اس کے سوا ہر باعزت ذلیل اور ہر قوی کمزور و عاجز اور ہر

مالک مملوک، اور ہر جاننے والا سیکھنے والے کی منزل میں ہے اس کے علاوہ ہر قدرت وتسلط والا کبھی قادر ہوتا ہے۔ اور کبھی عاجز اور اس کے علاوہ ہر سننے والا خفیف آوازوں کے سننے سے قاصر ہوتا ہے اور بڑی آوازیں (اپنی گونج سے) اسے بہرا کر دیتی ہیں اور دور کی آوازیں اس تک پہنچتی نہیں ہیں اور اس کے ماسوا ہر دیکھنے والا مخفی رنگوں اور لطیف جسموں کے دیکھنے سے نابینا ہوتا ہے۔ کوئی ظاہر اس کے علاوہ باطن نہیں ہوسکتا اور کوئی باطن اس کے سوا ظاہر نہیں ہوسکتا۔ اس نے اپنی کسی مخلوق کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ اپنے اقتدار کی بنیادوں کو مستحکم کرے یا زمانے کے عواقب ونتائج سے اسے کوئی خطرہ تھا یا کسی برابر والے کے حملہ آور ہونے یا کثرت پر اترانے والے شریک یا بلندی میں ٹکرانے والے مدّمقابل کے خلاف اسے مدد حاصل کرنا تھی، بلکہ یہ ساری مخلوق اسی قبضے میں ہے اور سب اس کے عاجز وناتواں بندے ہیں۔ وہ دوسری چیزوں میں سمایا ہوا نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ ان کے اندر ہے اور نہ ان چیزوں سے دور ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ ان چیزوں سے الگ ہے۔ ایجاد خلق اور تدبیر عالم نے اسے خستہ ودرماندہ نہیں کیا۔ اور نہ (حسب منشأ) چیزوں کے پیدا کرنے سے عجز اسے دامن گیر ہوا ہے اور نہ اسے اپنے فیصلوں اور اندازوں میں شبہ لاحق ہوا ہے۔ بلکہ اس کے فیصلے مضبوط، علم محکم اور احکام قطعی ہیں۔ مصیبت کے وقت بھی اسی کی آس رہتی ہے۔ اور نعمت کے وقت بھی اس کا ڈر لگا رہتا ہے۔

خطبہ 64

صفین میں تعلیم حرب کے متعلق فرمایا

صفین کے دنوں میں اپنے اصحاب سے فرمایا کرتے تھے۔اے گروہِ مسلمین! خوفِ خدا کو اپنا شعار بناؤ۔اطمینان وقار کی چادر اوڑھ لو۔اور اپنے دانتوں کو بھینچ لو۔اس سے تلواریں سروں سے اچٹ جایا کرتی ہیں۔زرّہ کی تکمیل کرو۔(یعنی اس کے ساتھ خود جوشن بھی پہن لو) اور تلواروں کو کھینچنے سے پہلے نیاموں میں اچھی طرح ہلا جُلا لو۔اور دشمن کو ترچھی نظروں سے دیکھتے رہو اور دائیں بائیں (دونوں طرف) نیزوں کے وار کرو، اور دشمن کو تلواروں کی باڑ پر رکھ لو۔اور تلواروں کے ساتھ ساتھ قدموں کو آگے بڑھاؤ۔اور یقین رکھو کہ تم اللہ کے رُو برُو، اور رسول کے چچا زاد بھائی کے ساتھ ہو۔بار بار حملہ کرو اور بھاگنے سے شرم کرو۔اس لئے کہ یہ پشتوں تک کے لئے ننگ و عار اور روزِ محشر جہنم کی آگ کا باعث ہے۔خوشی سے اپنی جانیں اللہ کو دے دو اور پر اطمینان رفتار سے موت کی جانب پیش قدمی کرو، اور (شامیوں کی) اس بڑی جماعت اور طنابوں سے کھنچے ہوئے خیمے کو اپنے پیشِ نظر رکھو، اور اس کے وسط پر حملہ کرو۔اس لئے کہ شیطان اس کے ایک گوشے میں چھپا بیٹھا ہے۔جس نے ایک طرف تو حملے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہوا ہے۔اور دوسری طرف بھاگنے کے لئے قدم پیچھے ہٹا رکھا ہے۔تم مضبوطی سے اپنے ارادے پر جمے رہو۔یہاں تک کہ حق (صبح کے) اجالے کی طرح ظاہر ہو جائے۔(نتیجہ میں) تم ہی غالب ہو، اور خدا تمہارے ساتھ ہے۔وہ تمہارے اعمال کو ضائع و برباد نہیں ہونے دے گا۔

خطبہ 65

سقیفہ بنی ساعدہ کی کاروائی سننے کے بعد فرمایا

پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ 1 کی خبریں امیرالمومنین تک پہنچیں، تو آپ نے دریافت فرمایا کہ انصار کیا کہتے تھے؟ لوگوں نے کہا کہ وہ کہتے تھے کہ ایک ہم میں سے امیر ہو جائے اور ایک تم میں سے حضرت نے فرمایا کہ:۔«تم نے یہ دلیل کیوں نہ پیش کی کہ رسول اللہ نے وصیت فرمائی تھی کہ انصار میں جو اچھا ہو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور جو برا ہو اس سے درگذر کیا جائے۔» لوگوں نے کہا کہ اس میں ان کے خلاف کیا ثبوت ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ اگر حکومت و امارت ان کے لئے ہوتی۔ تو پھر ان کے بارے میں دوسروں کو وصیت کیوں کی جاتی۔ پھر حضرت نے پوچھا کہ قریش نے کیا کہا؟ لوگوں نے کہا کہ انہوں نے شجرۂ رسول سے ہونے کی وجہ سے اپنے استحقاق پر استدلال کیا۔ تو حضرت نے فرمایا کہ انہوں نے شجرۂ ایک ہونے سے تو استدلال کیا، لیکن اس کے پھلوں کو ضائع و برباد کر دیا۔

1۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے واقعات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انصار کے مقابلے میں مہاجرین کی سب سے بڑی دلیل اور وجہ کامرانی یہی چیز تھی کہ قریش چونکہ پیغمبرؐ کے ہم قوم و ہم قبیلہ ہیں، لہذا ان کے ہوتے ہوئے کوئی غیر خلافت کا حقدار نہیں ہوسکتا اور اسی بناء پر انصار کا جمِ غفیر تین مہاجرین کے سامنے ہتھیار ڈالنے کو تیار ہو گیا اور وہ نسلی امتیاز کو پیش کر کے خلافت کی

بازی جیتنے میں کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ مورخ طبری واقعات سقیفہ کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں، کہ جب انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں سعد ابن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے اجتماع کیا، تو حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور ابوعبیدہ ابن جراح بھی سن گن پا کر وہاں پہنچ گئے۔ اس موقعہ کے لئے حضرت عمر نے پہلے سے کچھ سوچ لیا تھا۔ جسے کہنے کے لئے اٹھے، مگر حضرت ابوبکر نے انہیں روک دیا، اور کھڑے ہو گئے اور اللہ کی حمد وثناء اور مہاجرین کی ہجرت اور سبقت ایمانی کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا:۔

یہ وہی ہیں، جنہوں نے سب سے پہلے زمین میں اللہ کی پرستش کی، اور سب سے پہلے اللہ و رسول پر ایمان لائے۔ یہی پیغمبر کے دوست اور ان کے کنبہ والے ہیں اور یہی سب سے زائد خلافت کے حقدار ہیں۔ جو ان سے ٹکرائے گا۔ وہ ظالم ہوگا۔»

جب حضرت ابوبکر اپنا بیان ختم کر چکے، تو حباب ابن منذر کھڑے ہوئے اور انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے گروہ انصار تم اپنی باگ ڈور دوسروں کے ہاتھ میں نہ دو۔ دنیا تمہارے سایہ میں بس رہی ہے۔ تم عزت وثروت والے اور قبیلے جتھے والے ہو۔ اگر مہاجرین کو بعض چیزوں میں تم پر فضیلت ہے۔ تو تمہیں بھی بعض چیزوں میں ان پر فوقیت حاصل ہے تم نے انہیں اپنے گھروں میں پناہ دی۔ تم اسلام کے بازو شمشیر زن ہو۔ تمہاری وجہ سے اسلام اپنے پیروں پر کھڑا ہوا۔ تمہارے شہروں میں آزادی سے اللہ کی نمازیں قائم

ہوئیں۔تم تفرقہ و انتشار سے اپنے کو بچاؤ اور اپنے حق پر یک جہتی سے جمے رہو، اور اگر مہاجرین تمہارا حق تسلیم نہ کریں، تو پھر ان سے کہو کہ ایک امیر تم میں سے ہوگا، اور ایک امیر ہم میں سے ہوگا۔حباب یہ کہہ کر بیٹھے ہی تھے، کہ حضرت عمر کھڑے ہو گئے اور فرمایا:۔

ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک زمانہ میں دو (حکمران) جمع ہو جائیں۔خدا کی قسم! عرب اس پر کبھی راضی نہ ہوں گے کہ تمہیں امیر بنائیں۔ جب کہ نبی تم میں سے نہیں ہے۔البتہ عرب کو اس میں ذرا پس و پیش نہ ہوگا کہ وہ خلافت اس کے حوالے کریں کہ جس کے گھرانے میں نبوت ہو۔ اور صاحبِ امر بھی انہی میں سے ہو۔ اور انکار کرنے والے کے سامنے اس سے ہمارے حق میں کھلم کھلا دلیل اور واضح بُرہان لائی جا سکتی ہے۔ جو ہم سے محمد کی سلطنت و امارت میں ٹکرائے گا، وہ باطل کی طرف جھکنے والا، گناہ کا مرتکب ہونے والا، اور ورطہ ہلاکت میں گرنے والا ہے۔»

حضرت عمر کے بعد حباب پھر کھڑے ہوئے اور انصار سے کہا کہ دیکھو! اپنی بات پر ڈٹے رہو، اور اس کی اور اس کے ساتھیوں کی باتوں میں نہ آؤ۔ یہ تمہارے حق کو دبانا چاہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ نہیں مانتے، تو انہیں اپنے شہروں سے نکال باہر کرو۔اور خلافت کو سنبھال لو۔ بھلا تم سے زیادہ اس کا کون حق دار ہوسکتا ہے۔حباب خاموش ہوئے، تو حضرت عمر نے انہیں سخت سست کہا۔ادھر سے بھی کچھ تلخ کلامی ہوئی، اور بزم کا رنگ بگڑنے لگا۔ابوعبیدہ نے جب یہ

دیکھا، تو انصار کو ٹھنڈہ کرنے اور اپنے دھڑے پر لانے کے لئے کہا کہ اے گروہِ انصار! تم وہی لوگ ہو، جنھوں نے ہمیں سہارا دیا، ہماری ہر طرح کی مدد امداد کی۔ اب اپنی روش کو نہ بدلو۔ اور اپنے طور طریقوں کو نہ چھوڑو۔ مگر انصار ان باتوں میں نہ آئے، اور وہ سعد کے علاوہ کسی کی بیعت کرنے کو تیار نہ تھے۔ اور ان کی طرف لوگ بڑھا ہی چاہتے تھے، کہ سعد کے قبیلہ کا ایک آدمی بشیر خزرجی کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ بے شک ہم نے جہاد میں قدم اٹھایا، دین کو سہارا دیا۔ مگر اس سے ہماری غرض صرف اللہ کی رضا مندی اور اس کے رسول کی اطاعت تھی۔ ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ ہم تفوق جتلائیں، اور خلافت میں جھگڑا کریں۔ ان محمدا من قریش وقومہ احق بہ واولی محمد قریش میں سے تھے۔ لہذا ان کی نیابت و وراثت کا حق بھی انہی کی قوم کو پہنچتا ہے۔» بشیر کا یہ کہنا تھا کہ انصار میں پھوٹ پڑ گئی اور اس کا مقصد بھی یہی تھا۔ چونکہ وہ اپنے کنبہ کے ایک آدمی کو اس طرح بڑھتے ہوئے نہ دیکھ سکتا تھا، لہذا مہاجرین نے انصار کے اس افتراق سے پوُرا پورا فائدہ اٹھایا اور حضرت عمر اور ابو عبیدہ نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کا تہیا کر لیا۔ ابھی وہ بیعت کے لئے بڑھے ہی تھے کہ بشیر نے سب سے پہلے بڑھ کر اپنا ہاتھ حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر رکھ دیا، اور پھر حضرت عمر اور ابو عبیدہ نے بیعت کی۔ اور پھر بشیر کے قوم قبیلے والے بڑھے اور بیعت کی اور سعد ابن عبادہ کو پیروں تلے روند کر رکھ دیا۔

امیر المومنین اس موقعہ پر پیغمبرؐ کے غسل وکفن میں مصروف تھے۔ بعد میں جب سقیفہ کے

اجتماع کے متعلق سُنا اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ مہاجرین نے اپنے کو پیغمبر کا قوم وقبیلہ کہہ کر انصار سے بازی جیت لی ہے تو یہ لطیف جملہ فرمایا کہ شجرہ ایک ہونے سے دلیل لائے ہیں اور اس کے پھلوں کو ضائع کر دیا ہے کہ جو پیغمبر کے اہلبیت ہیں۔ یعنی اگر شجرۂ رسول سے ہونے کی بناء پر ان کا حق مانا گیا ہے۔ تو جو اس شجرہ رسالت کے پھل ہیں۔ وہ کیونکر نظر انداز کئے جا سکتے ہیں۔ حیرت ہے کہ حضرت ابوبکر جو ساتویں پشت پر، اور حضرت عمر جو نویں پشت پر رسول سے جا کر ملتے ہیں۔ وہ تو پیغمبر کا قوم وقبیلہ بن جائیں۔ اور جو ابن عم تھا اس کے بھائی ہونے سے بھی انکار کر دیا جاتا ہے۔

خطبہ 66

محمد بن ابی بکر کی شہادت کا سن کر فرمایا

محمد ابن ابی بکر 1 کو جب حضرت نے مصر کی حکومت سپرد کی۔ اور نتیجہ میں ان کے خلاف غلبہ حاصل کر لیا گیا اور وہ قتل کر دیئے گئے، تو حضرت نے فرمایا:۔ میں نے تو چاہا تھا کہ ہاشم ابن عتبہ کو مصر کا والی بناؤں، اور اگر اسے حاکم بنا دیا ہوتا، تو وہ کبھی دشمنوں کے لئے میدان خالی نہ کرتا،، اور نہ انہیں مہلت دیتا۔ اس سے محمد ابن ابی بکر کی مذمت مقصود نہیں۔ وہ تو مجھے بہت محبوب اور میرا پروردہ تھا۔

1. محمد ابن ابی بکر کی والدہ گرامی اسماء بنت عمیس تھیں۔ جن سے امیر المومنین نے حضرت ابو بکر کے انتقال کے بعد عقد کر لیا تھا۔ چنانچہ محمد نے آپ ہی کے زیر سایہ تعلیم وتربیت حاصل

کی اور آپ ہی کے طور طریقوں کو اپنایا۔ امیر المومنین بھی انہیں بہت چاہتے تھے اور بمنزلہ اپنے فرزند کے سمجھتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے « مُحمد ابنی من صلب ابی بکر۔ » محمد میرا بیٹا ہے اگرچہ ابوبکر کی صلب سے ہے۔ » سفر حجتہ الوداع میں پیدا ہوئے اور 38 ھء میں اٹھائیس برس کی عمر میں شہادت پائی۔ امیر المومنین نے مسندِ خلافت پر آنے کے بعد قیس ابن سعد ابن عبادہ کو مصر کا حکمران منتخب کیا تھا مگر کچھ حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ انہیں معزول کر کے محمد ابن ابی بکر کو وہاں کا والی مقرر کرنا پڑا۔ قیس ابن سعد کی روش یہاں پر یہ تھی کہ وہ عثمانی گروہ کے خلاف تشددانہ قدم اٹھانا مصالح کے خلاف سمجھتے تھے۔ مگر محمد کا رویہ اس سے مختلف تھا۔ انہوں نے ایک مہینہ گزارنے کے بعد انہیں کہلوا بھیجا، کہ اگر تم ہماری اطاعت نہ کرو گے، تو تمہارا یہاں رہنا مشکل ہو جائے گا۔ اس پر ان لوگوں نے ان کے خلاف ایک محاذ بنا لیا اور چپکے چپکے ریشہ دوانیاں کرتے رہے۔ مگر تحکیم کی قرارداد کے بعد پر پرزے نکالے اور انتقام کا نعرہ لگا کر شر وفساد پھیلانے لگے اور مصر کی فضا کو مکدر کر کے رکھ دیا۔ امیر المومنین کو جب ان بگڑے ہوئے حالات کا علم ہوا۔ تو آپ نے مالک ابنِ حارث اشتر کو مصر کی امارت دے کر ادھر روانہ کیا تا کہ وہ مخالف عناصر کو دبا کر نظم ونسق کو بگڑنے نہ دیں۔ مگر اموی کارندوں کی دسیسہ کاریوں سے نہ بچ سکے اور راستے ہی میں شہید کر دیئے گئے اور مصر کی حکومت محمد ہی کے ہاتھوں میں رہی۔ ادھر تحکیم کے سلسلہ میں عمرو ابن عاص کی کارکردگی نے معاویہ کو اپنا وعدہ یاد دلایا۔ چنانچہ اس نے چھ ہزار جنگ آزما اس کے سپرد کر کے مصر پر دھاوا بولنے کے لئے اسے روانہ کیا۔ محمد ابن ابی بکر نے جب دشمن کی بڑھتی ہوئی یلغار کو

دیکھا۔تو امیر المومنین کو کمک کے لئے لکھا۔حضرت نے جواب دیا کہ تم اپنے آدمیوں کو جمع کرو۔میں مزید کمک تمہارے لئے روانہ کیا چاہتا ہوں۔چنانچہ محمد نے چار ہزار آدمیوں کو اپنے پرچم کے نیچے جمع کیا،اورانہیں دوحصوں پر تقسیم کردیا۔ایک حصہ اپنے ساتھ رکھا،اور ایک حصہ کا سپہ سالار بشر بن کنانہ کو بنا کر دشمن کی روک تھام کے لئے آگے بھیج دیا۔جب یہ فوج دشمن کے سامنے پڑاؤ ڈال کر اُتر پڑی،تو ان کی مختلف ٹولیوں نے ان پر چھاپے مارنے شروع کردیئے۔جنہیں یہ اپنی جرأت وہمت سے روکتے رہے آخر معاویہ ابن خدیج کندی نے پوری فوج کے ساتھ حملہ کردیا۔مگران سرفروشوں نے تلواروں سے منہ نہ موڑا،اوردشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔اس سکشت کا اثر یہ ہوا کہ محمد ابن ابی بکر کے ساتھی ہراساں ہو گئے،اوران کا ساتھ چھوڑ کر چلتے بنے۔محمد نے جب اپنے کو اکیلا پایا،تو بھاگ کر ایک خرابے میں پناہ لی۔مگر دشمنوں کو ایک شخص کے ذریعہ ان کا پتہ مل گیا اوران سنگدلوں نے پانی دینے سے انکار کردیا،اوراسی تشنگی کے عالم میں انہیں شہید کردیا اوران کی لاش کو ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں رکھ کر جلا دیا۔کوفہ سے مالک ابنِ کعب ارجی دو ہزار آدمیوں کو لے کر نکل چکتے تھے،مگران کے پہنچنے سے پہلے ہی دشمن مصر پر قبضہ کر چکا تھا۔

خطبہ 67

اپنے اصحاب کی مذّمت میں فرمایا:

کب تک میں تمہارے ساتھ ایسی نرمی اور رورعایت کرتا رہوں گا۔جیسی ان اونٹوں سے کی جاتی ہے۔جن کی کوہانیں اندر سے کھوکھلی ہوچکی ہوں اوران پھٹے پرانے کپڑوں سے کہ

جنہیں ایک طرف سے سیا جائے تو دوسری طرف سے پھٹ جاتے ہیں۔ جب بھی شامیوں کے ہراول دستوں میں سے کوئی دستہ تم پر منڈلاتا ہے، تو تم سب کے سب (اپنے گھروں) کے دروازے بند کر لیتے ہو اور اس طرح اندر دبک جاتے ہو جسطرح گوہ اپنے سُوراخ میں اور بجو اپنے بھٹ میں۔ جس کے تمہارے ایسے مددگار ہوں اسے تو ذلیل ہی ہونا ہے اور جس پر تم (تیر کی طرح) پھینکے جاؤ تو گویا اس پر ایسا تیر پھینکا گیا جس کا سو فار بھی شکستہ، اور پیکان بھی ٹوٹا ہوا ہے۔ خدا کی قسم (گھروں کے) صحن میں تو تم بڑی تعداد میں نظر آتے ہو۔ لیکن جھنڈوں کے نیچے تھوڑے سے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کس چیز سے تمہاری اصلاح اور کس چیز سے تمہاری کجروی کو دور کیا جاسکتا ہے۔ لیکن میں اپنے نفس کو بگاڑ کر تمہاری اصلاح کرنا نہیں چاہتا۔ خدا تمہارے چہروں کو بے آبرو کرے، اور تمہیں بدنصیب کرے جیسی تم باطل سے شناسائی رکھتے ہو، ویسی حق سے تمہاری جان پہچان نہیں اور جتنا حق کو مٹاتے ہو باطل اتنا تم سے نہیں دبایا جاتا۔

خطبہ 68

آپؑ نے یہ کلام شبِ ضربت کی سحر کو فرمایا:

میں بیٹھا ہوا تھا، کہ میری آنکھ لگ گئی۔ اتنے میں رسول اللہؐ میرے سامنے جلوہ فرما ہوئے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھے آپ کی امت کے ہاتھوں کیسی کیسی کجرویوں اور دشمنیوں سے دو چار ہونا پڑا ہے۔ تو رسول اللہ نے فرمایا کہ تم ان کے لئے بددعا کرو تو میں نے (صرف اتنا) کہا، کہ اللہ مجھے ان کے بدلے میں ان سے اچھے لوگ عطا کرے، اور ان کو میرے بدلے

میں کوئی بُرا (امیر) دے۔

سید رضی کہتے ہیں کہ اود # معنی ٹیڑھا پن اور لدو کے معنی دشمنی وعناد کے ہیں اور یہ بہت فصیح کلام ہے۔

خطبہ 69

اہل عراق کی مذمت میں فرمایا

اے اہل عراق 1 ! تم اس حاملہ عورت کے مانند ہو جو حاملہ ہونے کے بعد حمل کے دن پورے کرے، تو مرا ہوا بچہ گرا دے اور اس کا شوہر بھی مر چکا ہو، اور رنڈاپے کی مدت بھی دراز ہو چکی ہو اور (قریب نہ ہونے کی وجہ سے) دُور کے عزیز ہی اس کے وارث ہوں۔ بخدا میں تمہاری طرف بخوشی نہیں آیا، بلکہ حالات سے مجبور ہو کر آ گیا۔ مجھے یہ خبر پہنچتی ہے کہ تم کہتے ہو کہ علی کذب بیانی کرتے ہیں۔ خدا تمہیں ہلاک کرے (بتاؤ) میں کسی پر جھوٹ باندھ سکتا ہوں۔ کیا اللہ پر! تو میں سب سے پہلے اس پر ایمان لانے والا ہوں یا اس کے نبی پر؟ میں سب سے پہلے ان کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ خدا کی قسم! ایسا ہرگز نہیں! بلکہ وہ ایک ایسا اندازِ کلام تھا جو تمہارے سمجھنے کا نہ تھا اور نہ تم میں اس کے سمجھنے کی اہلیت تھی۔ خدا تمہیں سمجھے۔ میں تو بغیر کسی عوض کے (علمی جواہر ریزے) نایاب ناپ کر دے رہا ہوں۔ کاش کہ ان کے لئے کسی کے ظرف میں سمائی ہوتی۔ (ٹھہرو) کچھ دیر بعد تم بھی اس کی حقیقت کو جان لوگے۔

1. تحکیم کے بعد جب عراقیوں نے معاویہ کے تابڑتوڑ حملوں کا جواب دینے میں سستی و بددلی کا مظاہرہ کیا، تو ان کی مذمت وتوبیخ کے سلسلے میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں صفین کے موقعہ پر ان کی فریب خوردگی اور جنگ سے دستبرداری کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان کی حالت کو اس عورت سے تشبیہ دی ہے جس میں یہ پانچ وصف ہوں۔

1)وہ حاملہ ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ لڑنے بھڑنے کی پوری پوری صلاحیت و استعداد رکھتے تھے۔ اس بانجھ عورت کی مانند نہ تھے، کہ جس سے کوئی امید نہیں رکھی جاسکتی۔

2)مدت حمل پوری کرچکی ہو۔ یعنی تمام کٹھن اور دشوار گزار منزلوں کو طے کر کے فتح و کامرانی کے قریب پہنچ چکے تھے۔

3)ازخود حمل کو ساقط کردیا ہو یعنی فتح کے قریب پہنچ کر صلح پر اتر آئے اور دامنِ مراد بھرنے کے بجائے نامرادیوں کو سمیٹ لیا۔

4)اس کے رنڈاپے کی مدت دراز ہو، یعنی ان کی حالت ایسی ہوگئی۔ جیسے ان کا کوئی سرپرست ونگران نہ ہو اور وہ بے والی ووارث جھٹک رہے ہوں۔

5)بیگانے اس کے وارث ہوں۔ یعنی اہلِ شام ان کے املاک پر قبضہ وتسلط جمارہے ہیں کہ جو ان سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتے۔

خطبہ 70

اس میں آپ نے لوگوں کو پیغمبر پر صلوٰت بھیجنے کا طریقہ بتایا ھے

اے اللہ! اے فرش زمین کے بچھانے والے اور بلند آسمانوں کو (بغیر سہارے کے) روکنے والے دلوں کو اچھی اور بُری فطرت پر پیدا کرنے والے۔ اپنی پاکیزہ رحمتیں اور بڑھنے والی برکتیں قرار دے۔ اپنے عبد اور رسول محمد کے لئے جو پہلی (نبوتوں کے) ختم کرنے والے۔ اور بند (دل) کھولنے والے اور حق کے زور سے اعلانِ حق کرنے والے، باطل کی طغیانیوں کو دبانے والے، اور ضلالت کے حملوں کو کچلنے والے تھے جیسا ان پر (ذمہ داری کا) بوجھ عائد کیا گیا تھا، اس کو انہوں نے اٹھایا اور تیری خوشنودیوں کی طرف بڑھنے کے لئے مضبوطی سے جم کر کھڑے ہو گئے۔ نہ آگے بڑھنے سے منہ موڑا، نہ ارادے میں کمزوری کو راہ دی۔ وہ تیری وحی کے حافظ اور تیرے پیمان کے محافظ تھے اور تیرے حکموں کے پھیلانے کی دھن میں لگے رہنے والے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے روشنی ڈھونڈنے والے کے لئے شعلے بھڑکا دیئے، اور اندھیرے میں بھٹکنے والے کے لئے راستہ روشن کر دیا۔ فتنوں فسادوں میں سرگرمیوں کے بعد دلوں نے آپ کی وجہ سے ہدایت پائی۔ انہوں نے راہ دکھانے والے نشانات قائم کئے۔ روشن وتابندہ احکام جاری کئے۔ وہ تیرے امین معتمد اور تیرے علم مخفی کے خزینہ دار تھے اور قیامت کے دن تیرے گواہ اور تیرے پیغمبر برحق اور خلق کی طرف فرستادہ رسول تھے۔ خدایا ان کی منزل کو اپنے زیر سایہ وسیع وکشادہ بنا۔ اور اپنے فضل سے

انہیں دہرے حسنات عطا کر خداوند تمام بنیاد قائم کرنے والوں کی عمارت پر ان کی بناء پر اس، عمارت کو فوقیت عطا کر اور انہیں باعزت مرتبے سے سرفراز کر اور ان کے نور کو پورا پورا فروغ دے اور انہیں رسالت کے صلہ میں شہادت کی تولیت و پذیرائی اور قول و سخن کی پسندیدگی عطا کر۔ جب کہ آپ کی باتیں سراپا عدل اور فیصلے حق و باطل کو چھانٹنے والے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں بھی ان کے ساتھ خوش گوار و پاکیزہ زندگی اور منزلِ نعمات میں یکجا کر اور مرغوب و دل پسند خواہشوں اور لذتوں اور آسائش و فارغ البالی اور شرف و کرامت کے تحفوں میں شریک بنا۔

خطبہ 71

جب حضرات حسنین علیہ السلام نے مروان کی سفارش کی

جمل کے موقع پر جب مروان بن حکم 1 گرفتار کیا گیا تو اس نے حسن اور حسین علیہما السّلام سے خواہش کی کہ وہ امیر المومنینؑ سے اسکی سفارش کریں۔ چنانچہ ان دونوں حضرات نے امیر المومنین سے اس سلسلہ میں بات چیت کی اور حضرتؑ نے اُسے رہا کر دیا۔ پھر دونوں شہزادوں نے کہا کہ یا امیر المومنینؑ یہ آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہے، تو حضرت علیؑ نے اس کے متعلق فرمایا: کیا اس نے عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد میری بیعت نہیں کی تھی؟ اب مجھے اُس کی بیعت کی ضرورت نہیں۔ یہ یہودی قسم کا ہاتھ ہے۔ اگر ہاتھ سے بیعت کرے گا تو ذلیل طریقے سے توڑ بھی دے گا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ بھی اتنی دیر کہ کتا اپنی ناک چاٹنے سے فارغ ہو، حکومت کرے گا اور اس کے چار بیٹے بھی حکمران ہوں گے۔ اور امت

اس کے اوراس کے بیٹوں کے ہاتھوں سے سختیوں کے دن دیکھے گی

1.اس کا باپ "حکم" تھا جو کہ گو فتح مکہ کے موقعہ پر اسلام لے آیا تھا مگر اس کے طور طریقے ایسے تھے کہ جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے انتہائی اذیت کا باعث ہوتے تھے۔ چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اوراس کی اولاد پر لعنت کی اور فرمایا کہ" ویل لامتی من صلب حذا (اسد الغابہ) یعنی اس کی اولاد کے ہاتھوں میری امت تباہی کے دن دیکھے گی۔" آخر رسولؐ نے اس کی بڑھتی ہوئی سازشوں کے پیشِ نظر اسے مدینہ سے وادیِ وج (طائف میں ایک جگہ ہے) کہ طرف نکلوادیا اور مروان بھی اس کے ساتھ چلتا بنا۔ اور پھر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی بھر ان دونوں کو مدینہ نہ آنے دیا۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے بھی ایسا ہی کیا لیکن حضرت عثمان نے اپنے عہد میں ان دونوں کو واپس بلوالیا اور مروان کو تو اس عروج پر پہنچادیا کہ گویا خلافت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے اور پھر اس کے حالات اس طرح سازگار ہوئے کہ معاویہ ابن یزید کے مرنے کے بعد خلیفۃ المسلمین بن گیا۔ لیکن ابھی نو مہینے اٹھارہ دن ہی حکومت کی تھی کہ 3 رمضان سن 65 ہجری میں 63 برس کی عمر میں قضا نے اس طرح آ گھیرا کہ اس کی بیوی اس کے منہ پر تکیہ رکھ کر بیٹھ گئی اور اُس وقت تک الگ نہ ہوئی جب تک اُس نے دم نہ توڑ دیا۔

اس کے جن چار بیٹوں کی طرف امیرؑ نے اشارہ کیا ہے وہ عبدالملک ابنِ مروان کے چار

بیٹے: ولید، سلیمان، یزید اور ہشام ہیں کہ جو عبد الملک کے بعد یکے بعد دیگرے تختِ خلافت پر بیٹھے اور اپنی خونچکاں داستانوں سے صفحاتِ تاریخ کو رنگین کر گئے۔ اور بعض شارحین نے خود اس کے صلبی بیٹے مراد لیے ہیں جن کے نام یہ ہیں: عبدالملک، عبدالعزیز، بشر اور محمد۔ ان میں سے عبدالملک تو خلیفہ ہو گیا اور عبدالعزیز مصر کا گورنر بنا، اور بشر عراق کا اور محمد جزیرہ کا والی قرار پایا۔

خطبہ 72

جب لوگوں نے عثمان کی بیعت کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا:

تم جانتے ہو کہ مجھے اوروں سے زیادہ خلافت کا حق پہنچتا ہے۔ خدا کی قسم! جب تک مسلمانوں کے امور کا نظم و نسق برقرار رہے گا اور صرف میری ہی ذات ظلم و جور کا نشانہ بنتی رہے گی۔ میں خاموشی اختیار کرتا رہوں گا۔ تاکہ (اس صبر پر) اللہ سے اجر و ثواب طلب کروں اور اس زیب و زینت اور آرائش کو ٹھکرا دوں جس پر تم مٹے ہوئے ہو۔

خطبہ 73

جب آپؑ کو معلوم ہوا کہ بنی امیہ قتل عثمان میں شرکت کا الزام آپ پر رکھتے ہیں تو ارشاد فرمایا:۔

میرے متعلق سب کچھ جاننے بوجھنے نے بنی امیہ کو مجھ پر افترا پردازیوں سے باز نہیں رکھا۔ اور نہ میری سبقت ایمانی اور دیرینہ اسلامی خدمات نے ان جاہلوں کو اتہام لگانے سے روکا

اور جو اللہ نے (کذب و افتراء کے متعلق) انہیں پند و نصیحت کی ہے وہ میرے بیان سے کہیں بلیغ ہے۔ میں (ان) بے دینوں پر حجت لانے والا ہوں اور قرآن پر پیش ہونا چاہیئے تمام مشتبہ باتوں کو اور بندوں کو جیسی ان کی نیت ہوگی ویسا ہی پھل ملے گا۔

خطبہ 74

پند و نصیحت کے سلسلہ میں فرمایا

خدا اس شخص پر رحم کرے، جس نے حکمت کا کوئی کلمہ سنا، تو اسے گرہ میں باندھ لیا۔ ہدایت کی طرف اسے بلایا گیا تو دوڑ کر قریب ہوا۔ صحیح راہبر کا دامن تھام کر نجات پائی۔ اللہ کو ہر وقت نظروں میں رکھا، اور گناہوں سے خوف کھایا۔ عمل بے ریا پیش کیا۔ نیک کام کئے۔ ثواب کا ذخیرہ جمع کیا۔ بُری باتوں سے اجتناب برتا۔ صحیح مقصد کو پالیا۔ اپنا اجر سمیٹ لیا۔ خواہشوں کا مقابلہ کیا۔ امیدوں کو جھٹلایا۔ صبر کا نجات کی سواری بنالیا۔ موت کے لئے تقویٰ کا ساز و سامان کیا۔ روشن راہ پر سوار ہوا۔ حق کی شاہراہ پر قدم جمائے۔ زندگی کی مہلت کو غنیمت جانا۔ موت کی طرف قدم بڑھائے اور عمل کا زادساتھ لیا۔

خطبہ 75

بنی امیہ کے متعلق فرمایا

بنی امیہ مجھے محمدؐ کا ورثہ تھوڑا تھوڑا کر کے دیتے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر میں زندہ رہا، تو انہیں اس طرح جھاڑ پھینکوں گا، جس طرح قصائی خاک آلودہ گوشت کے ٹکڑے سے مٹی جھاڑ دیتا ہے۔

علامہ رضی فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے، الوذام التربۃ خاک آلودہ گوشت کے ٹکڑے کے بجائے التراب الوذمہ (مٹی جو گوشت کے ٹکڑے میں بھر گئی ہو) آیا ہے، یعنی صفت کی جگہ موصوف اور موصوف کی جگہ صفت رکھ دی گئی ہے اور لیفوقوننی سے حضرت کی مراد یہ ہے کہ وہ مجھے تھوڑا تھوڑا کر کے دیتے ہیں۔ جس طرح اونٹنی کو ذرا سا دوہ لیا جائے، اور پھر تھنوں کو اس کے بچے کے منہ سے لگا دیا جائے تا کہ وہ دوہے جانے کے لئے تیار ہو جائے۔ اور وذام وذمہ کی جمع ہے جس کے معنی اوجھڑی یا جگر کے ٹکڑے کے ہیں جو مٹی میں گر پڑے، اور پھر مٹی اس سے جھاڑ دی جائے۔

خطبہ 76

امیر المومنین علیہ السلام کے دعائیہ کلمات

اے اللہ ! تو ان چیزوں کو بخش دے، جنہیں تُو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ اگر میں گناہ کی طرف پلٹوں، تو تو اپنی مغفرت کے ساتھ پلٹ۔ بارِالٰہا! جس عملِ خیر کے بجالانے کا مَیں نے اپنے اپ سے وعدہ کیا تھا۔ مگر تو نے اسے پورا ہوتے ہوئے نہ پایا، اسے بھی بخش دے۔ میرے اللہ! زبان سے نکلے ہوئے وہ کلمے، جن سے تیرا تقرب چاہا تھا۔ مگر دل ان سے ہمنوا نہ ہو سکا۔ ان سے بھی درگزر کر۔ پروردگار! تو آنکھوں کے (طنزیہ) اشاروں اور ناشائستہ کلموں اور دل کی (بُری) خواہشوں اور زبان کی ہرزہ سرائیوں کو معاف کر دے۔

خطبہ 77

منجمین کی پیشن گوئیوں کی رد

جب 1 آپ نے جنگ خوارج کے لیے نکلنے کا ارادہ کیا، تو ایک شخص نے کہا کہ:۔ یا امیر المومنین اگر اپ اس وقت نکلے تو علمِ نجوم کی رُو سے مجھے اندیشہ ہے کہ اپ اپنے مقصد میں کامیاب و کامران نہیں ہو سکیں گے۔ جس پر اپ نے فرمایا کہ:۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم اس گھڑی کا پتہ دیتے ہو کہ اگر کوئی اس میں نکلے تو اس کے لئے کوئی بُرائی نہ ہوگی اور اس لمحے سے خبردار کرتے ہو، کہ اگر کوئی اس میں نکلے تو اسے نقصان درپیش ہوگا، تو جس نے اسے صحیح سمجھا، اس نے قران کو جھٹلایا اور مقصد کے پانے اور مصیبت کے دُور کرنے میں اللہ کی مدد سے بے نیاز ہو گیا، تم اپنی ان باتوں سے یہ چاہتے ہو کہ جو تمہارے کہے پر عمل کرے وہ اللہ کو چھوڑ کر تمہارے گُن گائے۔ اس لئے کہ تم نے اپنے خیال میں اس ساعت کا پتہ دیا، کہ جو اس کے لئے فائدہ کا سبب، اور نقصان سے بچاؤ کا ذریعہ بنی۔ (پھر اپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا):۔ اے لوگو! نجوم کے سیکھنے سے پرہیز کرو، مگر اتنا کہ جس سے خشکی اور تری میں راستے معلوم کر سکو۔ اس لئے کہ نجوم کا سیکھنا کہانت اور غیب گوئی کی طرف لے جاتا ہے اور منجم حکم میں مثل کاہن کے ہے اور کاہن مثل ساحر کے ہے اور ساحر مثل کافر کے ہے، اور کافر کا ٹھکانا جہنم ہے۔ بس اللہ کا نام لے کر چل کھڑے ہو۔

1. جب امیر المومنین نے شورشوں کو دبانے کے لئے نہروان کا ارادہ کیا، تو عفیف ابن قیس

نے اپ سے عرض کیا کہ یہ ساعت اچھی نہیں ہے، اگر اپ اس وقت روانہ ہوئے تو فتح وظفر مندی کے بجائے شکست و ہزیمت اٹھانا پڑے گی۔ مگر حضرت نے اس کی بات کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور اسی وقت لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا۔ اور نتیجہ میں خوارج کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ ان کے چار ہزار جنگجوؤں میں سے صرف نو آدمی بھاگ کر اپنی جان بچا سکے، اور باقی کا صفایا ہو گیا۔

امیرالمومنین نے نجوم کے غلط و نادرست ہونے پر تین طرح سے استدلال فرمایا ہے۔ پہلے یہ کہ اگر منجم کی باتوں کی درست مان لیا جائے، تو قران کو جھٹلانا پڑے گا۔ کیونکہ منجم ستاروں کو دیکھ کر غیب میں چھپی ہوئی چیزوں کے جاننے کا ادعا کرتا ہے، اور قران یہ کہتا ہے کہ:۔ اسمان وزمین کے بسنے والوں میں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے زعمِ ناقص میں یہ سمجھ لیتا ہے کہ وہ مستقبل کے حالات سے مطلع ہو کر اپنے نفع ونقصان کو جان سکتا ہے، تو وہ اللہ کی طرف رجوع ہونے اور اس سے مدد چاہنے میں اپنے کو بے نیاز سمجھے گا۔ اور یہ اللہ سے بے اعتنائی اور اس کے مقابلہ میں خود اعتمادی ایک طرح کا زندقہ و الحاد ہے۔ جو اللہ سے اس کے توقعات ختم کر دیتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر وہ کسی مقصد میں کامیاب ہو گا تو اس کامیابی کو اپنے علم کا نتیجہ قرار دے گا۔ جس سے وہ اللہ کے بجائے خود اپنے نفس کو سراہے گا۔ اور اس سلسلہ میں جن کی راہنمائی کرے گا۔ ان سے بھی یہی چاہے گا کہ وہ اللہ کے شکر گذار ہونے کے بجائے اس کے شکر گزار ہوں۔ یہ تمام چیزیں فنِ نجوم میں

اس حد تک مداخلت سے نہیں روکتیں، جس حد تک نجوم کی تاثیر کو منجانب اللہ دواؤں کے طبعی اثر کے قبیل سے مانا جائے۔ جس میں قدرت الٰہی پھر بھی موانع پیدا کر کے سدِ راہ ہو سکتی ہے۔ ہمارے اکثر علماءِ اسلام جو علمِ نجوم میں مہارت حاصل کئے ہوئے تھے، وہ اسی بناء پر صحیح ہے کہ وہ اس کے نتائج کو قطعی نہ سمجھتے تھے۔

خطبہ 78

جنگِ جمل سے فارغ ہونے کے بعد عورتوں کی مذمت میں فرمایا

اے لوگو 1 ! عورتیں ایمان میں ناقص، حصوں میں ناقص اور عقل میں ناقص ہوتی ہیں، نقصِ ایمان کا ثبوت یہ ہے کہ ایما کے دَور میں نماز اور روزہ انہیں چھوڑنا پڑتا ہے۔ اور ناقص العقل ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے اور حصہ و نصیب میں کمی یوں ہے کہ میراث میں ان کا حصہ مردوں سے ادھا ہوتا ہے۔ بُری عورتوں سے ڈرو۔ اور اچھی عورتوں سے بھی چوکنا رہا کرو۔ تم ان کی اچھی باتیں بھی نہ مانو تا کہ اگے بڑھ کر وہ بری باتیں منوانے پر نہ اترائیں۔

1. یہ خطبہ جنگ جمل کی تباہ کاریوں کے بعد ارشاد فرمایا، اور چونکہ اس جنگ کی ہلاکت افرینیاں ایک عورت کے حکم پر انکھ بند کر کے چل پڑنے کا نتیجہ تھیں۔ اس لئے اس میں ان کے فطری نقائص اور ان کے وجوہ واسباب کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ان کی پہلی کمزوری یہ ہے کہ انہیں ہر مہینہ میں چند دنوں کے لئے نماز و روزہ سے دستبردار ہونا پڑتا ہے اور یہ اعمال

سے علیحدگی ان کے ایمان کے نقص کی دلیل ہے۔اگرچہ ایمان کے حقیقی معنی تصدیقِ قلبی و اعتقاد باطنی کے ہیں۔مگر بطورِ مجاز عمل و کردار پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ چونکہ اعمال ایمان کا آئینہ ہوتے ہیں،لہذا اعمال کو بھی ایمان کا جزو قرار دیا جاتا ہے۔چنانچہ امام علی ابنِ موسیٰ الرضا سے مروی ہے کہ:۔

ایمان دل سے تصدیق،زبان سے اقرار،اوراعضا سے عمل کرنے کا نام ہے۔

دوسری کمزوری یہ ہے کہ ان کی فطری استعداد عقلی تصرفات کو پورے طور سے قبول کرنے سے قاصر ہوتی ہے۔لہذا ان کے میدان عمل کی وسعت ہی کے لحاظ سے فطرت نے ان کو قوائے عقلیہ دیئے ہیں۔ جو حملِ ولادت، رضاعت،تربیتِ اولاد اور اُمورِ خانہ داری میں ان کی رہنمائی کرسکیں اوراسی ذہنی وعقلی کمزوری کی بناء پران کی گواہی کو مرد کی گواہی کا درجہ نہیں دیا گیا۔جیسا کہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔

اپنے مردوں میں سے جنہیں تم گواہی کے لئے پسند کرو دو مردوں کی گواہی لیا کرو،اوراگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ اگر ایک بھول جائے گی تو ان میں سے ایک دوسری کو یاددلادے گی۔

تیسری کمزوری یہ ہے کہ ان کی میراث کا حصہ مرد کے حصہ میراث سے نصف ہوتا ہے۔جیسا کہ قرانِ کریم میں ہے:۔

خدا تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا۔

اس سے عورت کی کمزوری کا پتہ یوں چلتا ہے کہ میراث میں اس کا حصہ نصف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی کفالت کا بار مرد ہوتا ہے۔تو جب مرد کی حیثیت ایک کفیل ونگران کی قرار پائی،تو نگرانی وسر پرستی کی محتاج صنف اپنی کمزوری کی خود آئینہ دار ہوگی۔

ان کی فطری کمزوریوں کی طرف اشارہ کرنے کے بعد ان کی اندھا دھند پیروی اور غلط اطاعت کے مفاسد کا ذکر کرتے ہیں کہ بُری بات تو خیر بُری ہوتی ہی ہے۔اگر وہ کسی اچھی بات کے لئے بھی کہیں،تو اسے اس طرح انجام نہیں دینا چاہئے کہ انہیں یہ خیال ہونے لگے کہ یہ ان کی خاطر اور رضا جوئی کے لئے بجالائی گئی ہے۔بلکہ اس طرح کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اس اچھے کام کو اس کے اچھا ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے اس میں ان کی خواہش ورضامندی کو کوئی دخل نہیں ہے۔اور اگر ان کو یہ وہم بھی ہو گیا کہ اس میں ان کی خوشنودی کو ملحوظ رکھا گیا ہے تو وہ ہاتھ پکڑتے ہوئے پہنچ پکڑنے پر اتر جائیں گی۔اور یہ چاہنے لگیں گی کہ ان کی ہر

بری سے بری بات کے آگے سر جھکایا جائے۔جس کا لازمی نتیجہ تباہی و بربادی ہوگا۔امیر المومنین علیہ السلام کے اس ارشاد کے متعلق علامہ محمد عبدہ تحریر کرتے ہیں کہ:۔

امیر المومنین نے ایک ایسی بات کہہ دی ہے کہ طویل صدیوں کے تجربے اس کی تصدیق کرتے ہیں

خطبہ 79

نصیحت کرتے ہوئے فرمایا

اے لوگو! امیدوں کو کم کرنا،نعمتوں پر شکرادا کرنا،اور حرام چیزوں سے دامن بچانا ہی زہد و ورع ہے۔اگر (دامنِ امید سمیٹنا) تمہارے لئے مشکل ہو جائے تو اتنا ہو کہ حرام تمہارے صبر وشکیب پر غالب نہ آجائے اور نعمتوں کے وقت شکر کو بھول نہ جاؤ۔خداوندِ عالم نے روشن اور کھلی ہوئی دلیلوں سے اور حجت تمام کرنے والی واضح کتابوں کے ذریعے تمہارے لئے حیل وحجت کا موقع نہیں رہنے دیا۔

خطبہ 80

اھلِ دنیا کے ساتھ دنیا کی روش 1

میں اس دارِ دنیا کی حالت کیا بیان کروں کہ جس کی ابتداء رنج اور انتہا فنا ہو۔جس کے حلال میں حساب اور حرام میں سزا وعتاب ہو۔یہاں کوئی غنی ہو تو فتنوں سے واسطہ،اور فقیر ہو تو حزن و ملال سے سابقہ رہے جو دنیا کے لئے سعی وکوشش میں لگا رہتا ہے۔اس کی دنیوی

ارزوئیں بڑھتی ہی جاتی ہیں۔اور جو کوششوں سے ہاتھ اٹھالیتا ہے۔دنیا خود ہی اس سے ساز گار ہو جاتی ہے۔جو شخص دنیا کو عبرتوں کا آئینہ سمجھ کر دیکھتا ہے،تو وہ اس کی انکھوں کو روشن و بینا کر دیتی ہے،اور جو صرف دنیا ہی پر نظر رکھتا ہے۔تو وہ اسے کورونا بینا بنا دیتی ہے۔

(علامہ رضی کہتے ہیں کہ اگر کوئی غور و فکر کرنے والا حضرت کے اس ارشاد «من ابصر بہا بصرتہ» جو اس دنیا کو عبرت حاصل کرنے کے لئے دیکھے،تو وہ اس میں عجیب و غریب معنی اور گہرے مطالب پائے گا کہ نہ اس کی انتہا تک پہنچ اور نہ اس کے گہراؤ تک رسائی ہو سکتی ہے خصوصاً اس کے ساتھ یہ جملہ ومن ابصر الیہا اعمتہ اور جو صرف دنیا کو دیکھتا رہے،تو وہ اس سے انکھوں کی روشنی چھین لیتی ہے »۔ بھلا ملا یا جائے تو ابصر بہا اور ابصر الیہا میں واضح فرق محسوس کرے گا اور حیرت سے اس کی انکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گے)۔

1."دنیا کی ابتداء مشقت اور انتہا ہلاکت ہے۔" یہ جملہ اسی حقیقت کا ترجمان ہے جسے قران نے لقد خلقنا الانسان فی کبد۔(ہم نے انسان کو تعب و مشقت میں رہنے والا پیدا کیا ہے) کی لفظوں میں پیش کیا ہے۔یہ حقیقت ہے کہ انسان کے دورِ حیات کی کروٹیں شکم مادر کی تنگنائیوں سے لے کر فضائے عالم کی وسعتوں تک کہیں بھی سکون قرار سے ہمکنار نہیں ہوتیں۔جب زندگی سے اشنا ہوتا ہے،تو وہ اپنے کو ایک ایسے تیرہ و تار زندان میں جکڑا ہوا پاتا ہے کہ جہاں نہ ہاتھ پیروں کو جنبش دے سکتا ہے،اور نہ پہلو بدل سکتا ہے۔اور جب ان جکڑ

بندیوں سے چھٹکارا پاکر دنیا میں آتا ہے تو مختلف صعوبتوں کے دَور سے اسے گریز کرنا پڑتا ہے۔ ابتداء میں نہ زبان سے بول سکتا ہے کہ اپنے دُکھ دَرد کو بیان کر سکے، اور نہ اعضا و جوارح وسکت رکھتا ہے کہ اپنی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ صرف اس کی دبی ہوئی سسکیاں اور اشکوں کی روانیاں ہی اس کی ضروریات کا اظہار اوراس کے رنج وقلق کی ترجمانی کرتی ہیں۔ اس دَور کے گزرنے کے بعد جب تعلیم وتربیت کی منزل میں قدم رکھتا ہے، تو بات بات پر ڈانٹ ڈپٹ کی اوازیں اس کا خیر مقدم کرتی ہیں۔ ہر وقت خوف زدہ اور سہما ہوا دکھائی دیتا ہے۔ جب اس دورِ محکومت سے نجات پاتا ہے تو اہل وعیال کی بندشوں اور معاش کی فکروں میں گھر جاتا ہے۔ جہاں کبھی ہم پیشہ رقیبوں سے چپقلش، کبھی دشمنوں سے ٹکراؤ، کبھی حوادثِ زمانہ کا مقابلہ، کبھی بیماریوں کا حملہ اور کبھی اولاد کا صدمہ اسے درپیش رہتا ہے، یہاں تک کہ بڑھاپا لاچاریوں اور بے بسیوں کے پیغام لے کر آ پہنچتا ہے اور آخر دل میں حسرت واندوہ لئے ہوئے اس جہانِ فانی کو خیر باد کہہ دیتا ہے۔

پھر اس دنیا کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کی حلال چیزوں میں حساب کی موشگافیاں اور حرام چیزوں میں عتاب کی سختیاں ہیں جس سے خوشگوار لذتیں بھی اس کے کام وہن میں تلخی پیدا کر دیتی ہیں۔ اگر اس دنیا میں مال ودولت کی فراوانی ہو تو انسان ایک ایسے چکر میں پڑ جاتا ہے کہ جس سے راحت وسکون کو کھو بیٹھتا ہے اور اگر تنگدستی وناداری ہو تو دولت کے غم میں گھلا جاتا ہے، اور جو اس دنیا کے لئے تگ ودَو میں لگا رہتا ہے۔ اس کی آرزوؤں کی کوئی انتہا نہیں

رہتی۔ایک امید براتی ہے،تو دوسری ارزو کو پورا کرنے کی ہوس دامن گیر ہوتی ہے۔اس دنیا کی مثال سایہ کی طرح ہے کہ اگر اس کے پیچھے دوڑو وہ اگے بھاگتا ہے۔اور اگر اس سے دامن چھڑا کر پیچھے بھاگو تو وہ پیچھے دوڑنے لگتا ہے۔یوُنہی جو اس دنیا کے پیچھے نہیں دوڑتا، تو وہ خود اس کے پیچھے دوڑتی ہے۔مقصد یہ ہے کہ جو حرص و ہوس کے پھندوں کو توڑ کر بے جا دنیا طلبی سے دست کش ہو جاتا ہے۔دنیا اسے بھی حاصل ہوتی اور وہ اس سے محروم نہیں کر دیا جاتا۔لہذا جو شخص دنیا کی سطح سے بلند ہو کر دنیا کو دیکھے اور اس کے احوال و واردات سے عبرت حاصل کرے۔اور اس کی نیرنگیوں اور بوقلمونیوں سے صانع عالم کی قدرت، تدبیر و حکمت اور رحمت و راَفت اور اس کی ربوبیت کا پتہ لگائے، تو اس کی انکھیں روشن و بینا ہو جائیں گی۔اور جو شخص صرف دنیا کی رنگینیوں میں کھویا رہتا ہے۔اور اس کی آرائشوں پر مَر مٹتا ہے، تو وہ دیدۂ دل کی روشنی کھول کر اس کی اندھیاریوں ہی میں بھٹکتا رہتا ہے۔اسی لئے قدرت نے ایسی نظروں سے دنیا کو دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔

کچھ لوگوں کو ہم نے زندگانی دنیا کی شادابی سے بہرہ مند کیا ہے تا کہ ان کو اس سے ازمائیں۔
تم اس متاعِ دنیا کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھو۔

خطبہ 81

موت اور موت کے بعد انسان کی حالت

اس خطبہ کا نام خطبۂ غراء ہے جو امیر المومنین علیہ السلام کے عجیب وغریب خطبوں میں شمار ہوتا ہے:۔

تمام حمد اس اللہ کے لئے ہے جو اپنی طاقت کے اعتبار سے بلند، اپنی بخشش کے لحاظ سے قریب ہے۔ ہر نفع وزیادتی کا عطا کرنے والا، اور ہر مصیبت وابتلاء کا دور کرنے والا ہے۔ میں اس کے کرم کی نوازشوں اور نعمتوں کی فراوانیوں کی بناء پر اس کی حمد وثناء کرتا ہوں میں اس پر ایمان رکھتا ہوں۔ چونکہ وہ اوّل وظاہر ہے اور اس سے ہدایت چاہتا ہوں۔ چونکہ وہ قریب تر اور ہادی ہے اور اس سے مدد چاہتا ہوں، چونکہ وُہ قادر وتوانا ہے اور اس پر بھروسہ کرتا ہوں، چونکہ وہ ہر طرح کی کفایت اور اعانت کرنے والا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے عبد ورسول ہیں۔ جنہیں احکام کے نفاذ اور حجت کے اتمام اور عبرتناک واقعات پیش کر کے پہلے سے متنبہ کر دینے کے لئے بھیجا۔ خدا کے بندو! میں تمہیں اس اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ جس نے تمہارے (سمجھانے کے) لئے مثالیں پیش کیں اور تمہاری زندگی کے اوقات مقرر کئے۔ تمہیں (مختلف) لباسوں 1 سے ڈھانپا اور تمہارے رزق کا سامان فراواں کیا۔ اس نے تمہارا پورا جائزہ لے رکھا ہے اور تمہارے لئے جزا مقرر کی ہے اور تمہیں اپنی وسیع نعمتوں اور فراخ عطیوں سے نوازا اور موثر دلیلوں سے تمہیں متنبہ کر دیا ہے۔ وہ ایک ایک کر کے تمہیں گن چکا ہے اور اس مقام آزمائش ومحلِ عبرت میں

اس نے تمہاری عمریں مقرر کردی ہیں اس میں تمہاری ازمائش ہے اوراس کی درامد و برامد پر تمہارا حساب ہوگا۔ اس دنیا کا گھاٹ گندلا اور سیراب ہونے کی جگہ کیچڑ سے بھری ہوئی ہے۔ اس کا ظاہر خوشنما اور باطن تباہ کن ہے۔ یہ ایک مٹ جانے والا دھوکا، غروب ہو جانے والی روشنی، ڈھل جانے والا سایہ اور جھکا ہوا ستون ہے۔ جب اس سے نفرت کرنے والا اس سے دل لگا لیتا ہے۔ اوراجنبی اس سے مطمئن ہو جاتا ہے، تو یہ اپنے پیروں کو اٹھا کر زمین پر دے مارتی ہے اور اپنے جال میں پھانس لیتی ہے اور اپنے تیروں کا نشانہ بنا لیتی ہے اور اس کے گلے میں موت کا پھندا ڈال کر تنگ و تار قبر اور وحشت ناک منزل تک لے جاتی ہے کہ جہاں سے وہ اپنا ٹھکانا (جنت یا دوزخ) دیکھ لے، اوراپنے کیئے کا نتیجہ پا لے۔ بعد میں انے والوں کی حالت بھی اگلوں کی سی ہے۔ نہ موت کانٹ چھانٹ سے منہ موڑتی ہے اور نہ باقی رہنے والے گناہ سے باز آتے ہیں۔ باہم ایک دوسرے کے طور طریقوں کی پیروی کرتے ہیں اور یکے بعد دیگرے منزلِ منتہا و مقامِ فنا کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب تمام معاملات ختم ہو جائیں گے، اور دنیا کی عمر تمام ہو جائے گی، اور قیامت کا ہنگام آ جائے گا۔ تو اللہ سب 2 کو قبر کے گوشوں، پرندوں کے گھونسلوں، درندوں کے بھٹوں اور ہلاکت گاہوں سے نکالے گا۔ گروہ در گروہ، صامت و ساکت، ایستادہ وصف بستہ امر الٰہی کی طرف بڑھتے ہوئے اوراپنی جائے بازگشت کی جانب دوڑتے ہوئے۔ نگاہِ قدرت ان پر حاوی اور پکارنے والے کی آواز ان سب کے کان میں آتی ہوئی ہوگی۔ وہ ضعف و بے چارگی کا لباس پہنے ہوئے ہوں گے اور عجز و بے کسی کی وجہ سے ذلت ان پر چھائی ہوئی ہو

گی۔ حیلے اور ترکیبیں غائب اور امیدیں منقطع ہو چکی ہوں گی۔ دل مایوسانہ خاموشیوں کے ساتھ بیٹھتے ہوں گے۔ اوازیں دب کر خاموش ہو جائیں گی۔ پسینہ منہ میں پھندا ڈال دے گا۔ وحشت بڑھ جائے گی، اور جب انہیں اخری فیصلہ سنانے، عملوں کا معاوضہ دینے، اور عذاب وعقوبت اور اجر وثواب کے لئے بُلایا جائے گا، تو پکارنے والے کی گرجدار آواز سے کان لرز اٹھیں گے۔ یہ بندے اس کے اقتدار کا ثبوت دینے کے لئے وجود میں آئے ہیں۔ اور غلبہ وتسلط کے ساتھ ان کی تربیت ہوئی ہے۔ نزع کے وقت ان کی روحیں قبض کر لی جاتی ہیں اور قبروں میں کھدیئے جاتے ہیں۔ (جہاں) یہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور (پھر) قبروں سے اکیلے اٹھائے جائیں گے اور عملوں کے مطابق جزا پائیں گے اور سب کو الگ الگ حساب دینا ہو گا۔ انہیں دنیا میں رہتے ہوئے گلو خلاصی کا موقع دیا گیا تھا۔ اور سیدھا راستہ بھی دکھایا جا چکا تھا، اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مہلت بھی دی گئی تھی۔ شک وشبہات کی تاریکیاں ان سے دُور کر دی گئی تھیں۔ اور اس مدتِ حیات وا ماجگاہ عمل میں انہیں کھلا چھوڑ دیا گیا تھا تاکہ اخرت میں دوڑ لگانے کی تیاری، اور سوچ بچار سے مقصد کی تلاش کر لیں اور اتنی مہلت پائیں، جتنی فوائد کے حاصل کرنے اور اپنی ائندہ منزل کا سامان کرنے کے لئے ضروری ہے۔ یہ کتنی ہی صحیح مثالیں اور شفا بخش نصیحتیں ہیں۔ بشرطیکہ انہیں پاکیزہ دل اور سننے والے کان اور مضبوط رائیں اور ہوشیار عقلیں نصیب ہوں۔ اللہ سے ڈرو، اس شخص کے مانند جس نے نصیحت کی باتوں کو سُنا تو جھک گیا۔ گناہ کیا تو اس کا اعتراف کیا۔ ڈرا، تو عمل کیا۔ خوف کیا تو نیکیوں کی طرف بڑھا۔ قیامت کا یقین کیا، تو اچھے اعمال بجا

لایا۔ عبرتیں دلائی گئیں، تو اس نے عبرت حاصل کی اور خوف دلایا گیا تو بُرائیوں سے رُک گیا۔ اور (اللہ کی پکار پر) لبیک کہی تو پھر اس کی طرف رخ موڑ لیا۔ اور اس کی طرف توبہ و انابت کے ساتھ متوجہ ہوا (اگلوں کی) پوری پوری پیروی کی اور حق کے دکھائے جانے پر اسے دیکھ لیا۔ ایسا شخص طلبِ حق کے لئے سرگرم ِعمل رہا، اور (دنیا کے بندھنوں سے) چھوٹ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس نے اپنے لئے ذخیرہ فراہم کیا، اور باطن کو پاک وصاف رکھا، اور اخرت کا گھر آباد کرلیا۔ سفرِ اخرت اور اس کی راہِ نوردی کے لئے اور احتیاج کے مواقع اور فقر فاقہ کے مقامات کے پیشِ نظر اس نے زاد اپنے ہمراہ بار کرلیا ہے۔ اللہ کے بندو! اپنے پیدا ہونے کی غرض و غایت کے پیش نظر اس سے ڈرتے رہو، اور جس حد تک اس نے تمہیں ڈرایا ہے۔ اس حد تک اس سے خوف کھاتے رہو، اور اس سے اس کے سچے وعدے کا ایفاء چاہتے ہوئے اور ہولِ قیامت سے ڈرتے ہوئے ان چیزوں کا استحقاق پیدا کرو، جو اس نے تمہارے لئے مہیا کر رکھی ہیں۔ اسی خطبہ میں کے یہ بھی الفاظ ہیں:۔ اس نے تمہارے لئے کان بنائے تاکہ ضروری اور اہم چیزوں کو سن کر محفوظ رکھیں، اور اس نے تمہیں انکھیں دی ہیں تاکہ وہ کوری و بے بصری سے نکل کر روشن وضیاء بار ہوں اور جسم کے مختلف حصے جن میں سے ہر ایک میں بہت سے اعضاء ہیں جن کے پیچ وخم ان کی مناسبت سے ہیں اپنی صورتوں کی ترکیب اور عمر کی مدتوں کے تناسب کے ساتھ ساتھ ایسے بدنوں کے ساتھ جو اپنے ضروریات کو پورا کر رہے ہیں اور ایسے دلوں کے ساتھ ہیں جو اپنی غذائے روحانی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔ علاوہ دیگر بڑی نعمتوں اور احسان مند بنانیوالی بخششوں اور

سلامتی کے حصاروں کے اور اس نے تمہاری عمریں مقرر کر دی ہیں جنہیں تم سے مخفی رکھا ہے اور گذشتہ لوگوں کے حالات و واقعات سے تمہارے لئے عبرت اندوزی کے مواقع باقی رکھ چھوڑتے ہیں۔ ایسے لوگ جو اپنے خط و نصیب سے لذت اندوز تھے اور کھلے بندوں آزاد پھرتے تھے۔ کس طرح امیدوں کے برآنے سے پہلے موت نے انہیں جالیا اور عمر کے ہاتھ نے انہیں ان امیدوں سے دُور کر دیا۔ اس وقت انہوں نے کچھ سامان نہ کیا کہ جب بدن تندرست تھے، اور اس وقت عبرت و نصیحت حاصل نہ کی کہ جب جوانی کا دَور تھا۔ کیا یہ بھر پور جوانی والے کمر جھکا دینے والے بڑھاپے کے منتظر ہیں اور صحت کی تر و تازگی والے ٹوٹ پڑنے والی بیماریوں کے انتظار میں ہیں۔ اور یہ زندگی والے فنا کی گھڑیاں دیکھ رہے ہیں؟ جب چل چلاؤ کا ہنگام نزدیک اور کوچ قریب ہوگا اور (بسترِ مرگ پر) قلق و اضطراب کی بے قراریاں اور سوز و تپش کی بے چینیاں، اور لعابِ دہن کے پھندے ہونگے اور عزیز و اقارب اور اولاد احباب سے مدد کے لئے فریاد کرتے ہوئے ادھر ادھر کروٹیں بدلنے کا وقت آ گیا ہوگا، تو کیا قریبیوں نے موت کو روک لیا، یا رونے والیوں کے (رونے نے) کچھ فائدہ پہنچایا۔ اسے تو قبرستان میں قبر کے ایک تنگ گوشے کے اندر جکڑ باندھ کر اکیلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ سانپ اور بچھوؤں نے اس کی جلد کو چھلنی کر دیا ہے۔ اور (وہاں کی) پامالیوں نے اس کی تر و تازگی کو فنا کر دیا ہے۔ آندھیوں نے اس کے آثار مٹا ڈالے اور حادثات نے اس کے نشانات تک محو کر دیئے۔ تر و تازہ جسم لاغر و پژمردہ ہو گئے۔ ہڈیاں گل سڑ گئیں اور رُوحیں (گناہ کے) بارگراں کے نیچے دبی پڑی ہیں اور غیب کی خبروں پر یقین کر چکی ہیں۔ لیکن ان

کے لئے اب نہ اچھے عملوں میں اضافہ کی کوئی صورت، اور نہ بد اعمالیوں سے توبہ کی کچھ گنجائش ہے۔ کیا تم انہی مر چکنے والوں کے بیٹے، باپ، بھائی اور قریبی نہیں ہو۔ آخر تمہیں بھی تو ہُو بہو انہی کے سے حالات کا سامنا کرنا اور انہی کی راہ پر چلنا ہے، اور انہی کی شاہراہ پر گزرنا ہے۔ مگر دل اب بھی خط وسعادت سے بے رغبت، اور ہدایت سے بے پروا ہیں اور غلط میدان میں جا رہے ہیں۔ گویا انکے علاوہ کوئی اور مراد و مخاطب ہے، اور گویا ان کے لئے دنیا سمیٹ لینا ہی صحیح راستہ ہے۔ یاد رکھو کہ تمہیں گزرنا ہے صراط پر اور وہاں کی ایسی جگہوں پر جہاں قدم لڑکھڑانے لگتے ہیں۔ اور پیر پھسل جاتے ہیں، اور قدم قدم پر خوف ودہشت کے خطرات ہیں۔ اللہ سے اس طرح ڈرو، جس طرح وہ مردِ زیرک ودانا ڈرتا ہے کہ جس کے دل کو (عقبیٰ کی) سوچ بچار نے اور چیزوں سے غافل کر دیا ہو اور خوف نے اس کے بدن کو تعب وکلفت میں ڈال دیا ہو، اور نمازِ شب نے اس کی تھوڑی بہت نیند کو بھی بیداری سے بدل دیا ہو۔ اور امید ثواب میں اس کے دن کی تپتی ہوئی دوپہریں پیاس میں گزرتی ہوں اور زہد وورع نے اس کی خواہشوں کو روک دیا ہو۔ اور ذکرِ الٰہی سے اس کی زبان ہر وقت حرکت میں ہو۔ خطروں کے آنے سے پہلے اس نے خوف کھایا ہو اور کٹی پھٹی راہوں سے بچتا ہوا سیدھی راہ پر ہولیا ہو، اور راہِ مقصود پر انے کے لئے سیدھا راستہ اختیار کیا ہو، نہ خوش فریبیوں نے اس میں پیچ وتاب پیدا کیا ہو، اور نہ مشتبہ باتوں نے اس کی انکھوں پر پردہ ڈالا ہو۔ بشارت کی خوشیوں اور نعمت کی اسائشوں کو پا کر میٹھی نیند سوتا ہے۔ اور امن چین سے دن گزارتا ہے۔ وہ دنیا کی عبور گاہ سے قابلِ تعریف سیرت کے ساتھ گذر گیا، اور اخرت کی

منزل پر سعادتوں کے ساتھ پہنچا (وہاں کے) خطروں کے پیشِ نظر اس نے نیکیوں کی طرف قدم بڑھایا اور اچھائیوں کے لئے اس وقفہ حیات میں تیز گام چلا۔ طلبِ آخرت میں دلجمعی و رغبت کے ذریعے عذر تراشی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، اور سیدھی راہ دکھا کر حجت تمام کر دی ہے اور تمہیں اُس دشمن سے ہوشیار کر دیا ہے جو چپکے سے سینوں میں نفوذ کر جاتا ہے اور کانا پھوسی کرتے ہوئے کانوں میں پھونک دیتا ہے۔ چنانچہ وہ گمراہ کر کے تباہ و برباد کر دیتا ہے اور وعدے کر کے طفل تسلیوں سے ڈھارس بندھائے رکھتا ہے۔ (پہلے تو) بڑے سے بڑے جرموں کو سنوار کر سامنے لاتا ہے اور بڑے بڑے مہلک گناہوں کو ہلکا اور سبک کر کے دکھاتا ہے اور جب بہکائے ہوئے نفس کو گمراہی کے ڈھولے پر لگا دیتا ہے اور اسے اپنے پھندوں میں اچھی طرح جکڑ لیتا ہے تو جسے سجایا تھا اُس کو برا بھلا کہنے لگتا ہے، اور جسے ہلکا اور سبک دکھایا تھا اُس کی طرف بڑھتا گیا اور برائیوں سے بھاگتا رہا اور آج کے دن کل کا خیال رکھا اور پہلے سے اپنے اگے کی ضرورتوں پر نظر رکھی۔ بخشش و عطا کے لئے جنت اور عتاب و عذاب کے لئے دوزخ سے بڑھ کر کیا ہوگا، اور انتقام لینے اور مدد کرنے کے لئے اللہ سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے اور سند و حجت بن کر اپنے خلاف سامنے انے کے لئے قران سے بڑھ کر کیا ہے؟ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ جس نے ڈرانے والی چیزوں کی گراں باری و اہمیت بتا تا ہے۔ اور جس سے مطمئن اور بے خوف کیا تھا۔ اس سے ڈرانے لگتا ہے۔ (اسی خطبے کا ایک جزء یہ ہے کہ جس میں انسان کی پیدائش کا بیان ہے)۔

یا پھر اسے دیکھو، جسے (اللہ نے) ماں کے پیٹ کی اندھیاریوں اور پردے کی اندرونی

تہوں میں بنایا۔ جو ایک (جراثیم حیات) سے چھلکتا ہوا نطفہ اور بے شکل وصورت منجمد خون تھا۔ (پھر انسانی خط وخال کے سانچے میں ڈھل کر)، جنین بنا اور (پھر) طفلِ شیر خوار اور (پھر حد رضاعت سے نکل کر)، طفل (نوخیز) اور (پھر) پورا پورا جوان ہوا۔ اللہ نے اسے نگہداشت کرنے والا دل اور بولنے والی زبان اور دیکھنے والی انکھیں دیں تاکہ عبرت حاصل کرتے ہوئے کچھ سمجھے بُوجھے اور نصیحت کا اثر لیتے ہوئے برائیوں سے باز رہے مگر ہوا یہ کہ جب اس (کے اعضاء) میں توازن اور اعتدال پیدا ہوگیا اور اس کا قدوقامت اپنی بلندی پر پہنچ گیا تو غرور وسرمستی میں اخر (ہدایت سے) بھڑک اٹھا، اور اندھادھند بھٹکنے لگا۔ اس طرح کہ رندی وہوسناکی کے ڈول بھر بھر کے کھینچ رہا تھا اور نشاط وطرب کی کیفیتوں اور ہوس بازی کی تمناؤں کو پُورا کرنے میں جان کھپائے ہوئے تھا۔ نہ کسی مصیبت کو خاطر میں لاتا تھا۔ نہ کسی ڈر اندیشے کا اثر لیتا تھا۔ اخرانہی شوریدگیوں میں غافل ومدہوش حالت میں مر گیا اور جو تھوڑی بہت زندگی تھی اسے بیہودگیوں میں گزار گیا۔ نہ ثواب کمایا نہ کوئی فریضہ پورا کیا۔ ابھی وہ باقی ماندہ سرکشیوں کی راہ ہی میں تھا کہ موت لانے والی بیماریاں اس پوٹوٹ پڑیں کہ وہ بھونچکا سا ہوکر رہ گیا

اور اس نے رات اندوہ ومصیبت کی کلفتوں اور درد والام کی سختیوں میں جاگتے ہوئے اس طرح گزار دی کہ وہ حقیقی بھائی، مہربان باپ، بے چینی سے فریاد کرنیوالی ماں اور بیقراری سے سینہ کوٹنے والی بہن کے سامنے سکرات کی مدہوشیوں اور سخت بدحواسیوں اور دردناک چیخوں اور سانس اکھڑنے کی بے چینیوں اور نزع کی درماندہ کردینے والی شدتوں میں پڑا

ہوا تھا۔ پھر اسے کفن میں نامرادی کے عالم میں لپیٹ دیا گیا اور وہ بڑے چپکے سے بلا مزاحمت دوسروں کی نقل وحرکت کا پابند رہا۔ پھر اسے تختے پر ڈالا گیا۔ اس عالم میں کہ وہ محنت ومشقت سے خستہ حال، اور بیماریوں کے سبب سے نڈھال ہو چکا تھا۔ اسے سہارا دینے والے نوجوانوں، اور تعاون کرنے والے بھائیوں نے کاندھا دے کر پردیس کے گھر تک پہنچا دیا کہ جہاں میل ملاقات کے سارے سلسلے ٹوٹ جاتے ہیں اور جب مشایعت کرنیوالے اور مصیبت زدہ (عزیز واقارب) پلٹ ائے، تو اسے قبر کے گڑھے میں اٹھا کر بٹھا دیا گیا۔ فرشتوں کے سوال وجواب کے واسطے سوال کی دہشتوں اور امتحان کی ٹھوکریں کھانے کے لئے اور پھر وہاں کی سب سے بڑی افت کھولتے ہوئے پانی کی مہمانی اور جہنم میں داخل ہونا ہے اور دوزخ کی لپٹیں، اور بھڑکتے ہوئے شعلوں کی تیزیاں ہیں نہ اس میں راحت کے لئے کوئی وقفہ ہے اور نہ سکون وراحت کے لئے کچھ دیر کے لئے بچاؤ ہے۔ نہ روکنے والی کوئی قوت ہے، اور نہ اب سکون دینے والی موت، نہ تکلیف کو بھلا دینے لے لئے نیند، بلکہ وہ ہر وقت قسم قسم کی موتوں اور گھڑی گھڑی کے (نت نئے) عذابوں میں ہوگا۔ ہم اللہ ہی سے پناہ کے خواستگار ہیں۔ اللہ کے بندو! وہ لوگ کہاں ہیں جنہیں عمریں دی گئیں تو وہ نعمتوں سے بہرہ یاب ہوتے رہے اور انہیں بتایا گیا تو وہ سب کچھ سمجھ گئے

اور وقت دیا گیا تو انہوں نے وقت غفلت میں گزار دیا، اور صحیح وسالم رکھے گئے تو اس نعمت کو بھول گئے۔ انہیں لمبی مہلت دی گئی تھی، اچھی اچھی چیزیں بھی انہیں بخشی گئی تھیں، دردناک عذاب سے انہیں ڈرایا بھی گیا تھا اور بڑی چیزوں کے ان سے وعدے بھی کئے گئے تھے۔

(تو اب تم ہی) ورطۂ ہلاکت میں ڈالنے والے گناہوں اور اللہ کو ناراض کرنے والی خطاؤں سے بچتے رہو۔ اے چشم و گوش رکھنے والو! اے صحت و ثروت والو! کیا بچاؤ کی کوئی جگہ یا چھٹکارے کی کوئی گنجائش ہے؟ یا کوئی پناہ گاہ یا ٹھکانا ہے؟ بھاگ نکلنے کا موقع یا پھر دنیا میں پلٹ کرانے کی کوئی صورت ہے؟ اگر نہیں ہے تو پھر کہاں بھٹک رہے ہو، اور کدھر کا رخ کئے ہوئے ہو، یا کن چیزوں کے قریب میں اگئے ہو؟ حالانکہ اس لمبی چوڑی زمین میں سے تم میں سے ہر ایک کا حصہ اپنے قد بھر کا ٹکڑا ہی تو ہے کہ جس میں وہ مٹی سے اٹا ہوا رخسار کے بَل پڑا ہوگا۔ یہ ابھی غنیمت ہے خدا کے بندو، جبکہ گردن میں پھندا نہیں پڑا ہوا ہے اور روح بھی آزاد ہے۔ ہدایت حاصل کرنے کی فرصت اور جسموں کی راحت اور مجلسوں کے اجتماع اور زندگی کی بقایا مہلت، اور از سرِ نو اختیار سے کام لینے کے مواقع، اور توبہ کی گنجائش، اور اطمینان کی حالت میں قبل اس کے کہ تنگی و ضیق میں پڑ جائے اور خوف و اضمحلال اس پر چھا جائے اور قبل اس کے کہ موت اجائے، اور قادر و غالب کی گرفت اسے جکڑ لے۔

سید رضی فرماتے ہیں کہ وارد ہوا ہے کہ جب حضرت نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ تو بدن لرزنے لگے، رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انکھوں سے آنسو بہہ نکلے، اور دل کانپ اٹھے۔ بعض لوگ اس خطبہ کو خطبۂ غرا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

1. خداوندِ عالم نے ہر جاندار کو قدرتی لباس سے آراستہ کیا ہے جو سردی اور گرمی میں اس کے

بچاؤ کا ذریعہ ہوتا ہے۔ چنانچہ کسی کو پَروں میں ڈھانپ رکھا ہے۔ اور کسی کو اونی لبادے اڑھا دیئے ہیں۔ مگر انسانی شعور کی بلندی اور اس کی شرم وحیا کا جوہر دوسری مخلوقات سے امتیاز چاہتا ہے۔ لہذا اس کے امتیاز کو برقرار رکھنے کے لئے اسے تن پوشی کے طریقے بتائے گئے۔ اسی فطری تقاضے کا نتیجہ تھا کہ جب حضرت ادم کے بدن سے لباس اتروالیا گیا، تو انہوں نے جنت کے پتوں سے اپنی ستر پوشی کرلی جیسا کہ قدرت کا ارشاد ہے:۔

جب ان دونوں نے درخت (کے پھل) کو چکھا تو اُن کے لباس اتر گئے، اور بہشت کے پتوں کو جوڑ کر اپنے اوپر ڈھانپنے لگے۔

یہ اس عتاب کا نتیجہ تھا، جو ترکُ اولیٰ کی وجہ سے ہوا تھا۔ تو جب لباس کا اُتروانا عتاب کا اظہار ہے تو اس کا پہنانا لطف واحسان ہوگا۔ اور یہ چونکہ انسان کے لئے مخصوص ہے، اس لئے خصوصیت سے اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

2. مقصد یہ ہے کہ خداوندِ عالم تمام مرنے والوں کو محشور کرے گا۔ خواہ وہ درندوں کا لقمہ، اور گوشت خور پرندوں کی غذا بن کر ان کے جزوِ بدن ہو چکے ہوں۔ اس سے ان حکماء کی ردّ مقسود ہے کہ جو المعدوم لا یعاد (اعادہ معدوم محال ہے) کی بناء پر معاد جسمانی کے قائل نہیں ہیں۔ ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز فنا ہو کر معدوم ہو جائے، وہ بعینہٗ دوبارہ پلٹ

نہیں سکتی۔لہذا کائنات کے مٹ جانے کے بعد کسی چیز کا دوبارہ پلٹ کر آنا ناممکن ہے۔ لیکن یہ عقیدہ درست نہیں۔کیونکہ اجزاء کا منتشر و پاشاں ہوجانا ان کا نابود ہوجانا نہیں ہے کہ ان کے دوبارہ ترکیب پا کر یکجا ہونے کا اعادہ معدوم سے تعبیر کیا جائے۔ بلکہ متفرق و پراگندہ اجزاء کسی نہ کسی شکل وصورت میں موجود رہتے ہیں۔البتہ اس سلسلہ میں یہ اعتراض کچھ وزن رکھتا ہے کہ جب ہر شخص کو بعینہٗ اپنے اجزاء کے ساتھ محشور ہوتا ہے تو درصورتیکہ ایک انسان دوسرے انسان کو نگل چکا ہوگا۔اور ایک کے اجزاء ے بدن دوسرے کے اجزاء ے بن چکے ہوں گے،تو ان دونوں کو انہی کے اجزاء ے بدن کے ساتھ کیوں کو پلٹانا ممکن ہوگا۔جب کہ اس سے کھا جانے والے انسان کے اجزاء میں کمی کا رونما ہونا ضروری ہے۔ اس کا جواب متکلمین نے یہ دیا ہے کہ بدن میں کچھ اجزاء اصلی ہوتے ہیں،اور کچھ اجزاء غیر اصلی،اصلی اجزاء ابتدائے عمر سے اخر عمر تک قائم و برقرار رہتے ہیں اور ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور حشر ونشر کا تعلق انہیں اصلی اجزاء سے ہے کہ جن کے پلٹا لینے سے کھا جانے والے انسان کے اجزاء میں کمی پیدا نہ ہوگی۔

خطبہ82:عمرو ابنُ عاص کے بارے میں:۔

نابغہ کے بیٹے 1 پر حیرت ہے کہ وہ میرے بارے میں اہل شام سے یہ کہتا پھرتا ہے کہ مجھ میں مسخرہ پن پایا جاتا ہے اور میں کھیل وتفریح میں پڑا رہتا ہوں اس نے غلط کہا اور کہہ کر

گنہگار رہوا۔ یاد رکھو کہ بدترین قول وہ ہے جو جھوٹ ہو، اور وہ خود بات کرتا ہے، تو جھوٹی اور وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے۔ مانگتا ہے تو لپٹ جاتا ہے اور خود اس سے مانگا جائے تو اس میں بخل کر جاتا ہے وہ پیمان شکنی اور قطع رحمی کرتا ہے۔ اور جنگ کے موقعہ پر بڑی شان سے بڑھ بڑھ کر ڈانٹتا اور حکم چلاتا ہے مگر اسی وقت تک کہ تلواریں اپنی جگہ پر زور نہ پکڑ لیں۔ اور جب ایسا وقت اتا ہے، تو اسکی بڑی چال یہ ہوتی ہے کہ اپنے حریف کے سامنے عُریاں ہو جائے۔ خدا کی قسم! مجھے تو موت کی یاد نے کھیل کُود سے باز رکھا ہے اور اسے عاقبت فراموشی نے سچ بولنے سے روک دیا ہے۔ اس نے معاویہ کی بیعت یوں ہی نہیں کی، بلکہ پہلے اس سے یہ شرط منوالی کہ اسے اس کے بدلے میں صلہ دینا ہوگا، اور دین کے چھوڑنے پر ایک ہدیہ پیش کرنا ہوگا۔

1۔" فاتح مصر" عمرو ابنِ عاص نے اپنی عریانی کو سپر بنا کر جو جوانمردی دکھائی تھی، اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب میدانِ صفین میں امیر المومنین علیہ السلام سے اور اس سے مدبھیڑ ہوئی تو اس نے تلوار کی زد سے بچنے کے لئے اپنے کو برہنہ کر دیا۔ امیر المومنین نے اس کی اس ذلیل حرکت کو دیکھا تو منہ پھیر لیا، اور اس کی جان بخش دی۔ عرب کے شاعر فرزوق نے اس کے متعلق کہا ہے۔

کسی ذلیل حرکت کے ذریعے گزند کو دُور کرنے میں کوئی خوبی نہیں۔ جس طرح عمرو نے ایک

دن برہنہ ہو کر اپنے سے گزند کو دُور کیا۔

عمرو کو اس قسم کے دنی حرکتوں میں بھی اجتہادِ فکر نصیب نہ تھا۔ بلکہ ان میں بھی دوسروں ہی کا مقلد تھا۔ کیونکہ سب سے پہلے جس شخص نے یہ حرکت کی تھی، وہ طلحہ ابن ابی طلحہ تھا۔ جس نے احد کے میدان میں امیر المومنین کے سامنے برہنہ ہو کر اپنی جان بچائی تھی، اور اسی نے دوسروں کو بھی یہ راستہ دکھا دیا تھا۔ چنانچہ عمرو کے علاوہ بسر ابن ابی ارطاۃ نے بھی حضرت کی تلوار کی زد پر آ کر یہی حرکت کی۔ اور جب یہ کارِ نمایاں دکھانے کے بعد معاویہ کے پاس گیا، تو اس نے عمرو ابنِ عاص کے کارنامے کو بطور سند پیش کر کے اس کی خجالت کو مٹانے کے لئے کہا:۔

اے بسر! کوئی مضائقہ نہیں۔ اب یہ لجانے شرمانے کی بات کیا رہی جبکہ تمہارے سامنے عمرو کا نمونہ موجود ہے۔

خطبہ 83: تنزیہ باری اور پند و نصائح کے بارے میں

میں گواہی دیتا ہوں کہ اس اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جو یکتا و لاشریک ہے۔ وہ اوّل ہے اس طرح کہ اس کے پہلے کوئی چیز نہیں۔ وہ آخر ہے۔ یوں کہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس کی کسی صفت سے وہم و گمان باخبر نہیں ہو سکتے، نہ اس کی کسی کیفیت پر دلوں کا عقیدہ جم سکتا

ہے، نہ اس کے اجزاء ہیں کہ اس کا تجزیہ کیا جا سکے اور نہ قلب وچشم اس کا احاطہ کر سکتے ہیں۔

اس خطبہ کا ایک حصہ یہ ہے :۔ خدا کے بندو! مفید عبرتوں سے پند ونصیحت اور کھلی ہوئی دلیلوں سے عبرت حاصل کرو۔ اور موثر خوف دہانیوں سے اثر لو۔ اور مواعظ و افکار سے فائدہ اٹھاؤ۔ کیونکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ موت کے پنجے تم میں گڑ چکے ہیں۔ اور تمہاری امید و آرزو کے تمام بندھن ایکدم ٹوٹ چکے ہیں۔ سختیاں تُم پر ٹوٹ پڑی ہیں۔ اور (موت کے) چشمہ پر کہ جہاں اترا جاتا ہے۔ تمہیں کھینچ کر لے جایا جا رہا ہے اور ہر نفس کے ساتھ ایک ہنکانے والا ہوتا ہے اور شہادت دینے والا۔ ہنکانے والا اسے میدانِ حشر تک ہنکا کر لے جائے گا۔ اور گواہ اس کے عملوں کی شہادت دے گا۔ اسی خطبے کا یہ جز جنت کے متعلق ہے۔ اس میں ایک دوسرے سے بڑھے چڑھے ہوئے درجے ہیں اور مختلف معیار کی منزلیں ہیں، نہ اس کی نعمتوں کا سلسلہ ٹوٹے گا، نہ اس میں ہمیشہ کے رہنے والوں کو بوڑھا ہونا ہے اور نہ اس میں بسنے والوں کو فقر و نادار سے سابقہ پڑنا ہے۔

خطبہ 84:

آخرت کی تیاری کے متعلق

وہ دل کی نیتوں اور اندر کے بھیدوں کو جانتا ہے پہچانتا ہے۔ وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر شے پر چھایا ہوا ہے، اور ہر چیز پر اس کا زور چلتا ہے تم میں سے جسے کچھ کرنا ہو۔ اسے موت کے حائل ہونے سے پہلے مہلت کے دنوں میں اور مصروفیت سے قبل فرصت کے لمحوں میں اور گلا گھٹنے سے پہلے سانس چلنے کے زمانہ میں کر لینا چاہیئے۔ وہ اپنے لئے اور اپنی منزل پر پہنچنے کے لئے سامان کا تہیا کر لے، اور اس گذرگاہ سے منزل اقامت کے لئے زادفراہم کرتا جائے۔ اے لوگو! اللہ نے اپنی کتاب میں جن چیزوں کی حفاظت تم سے چاہی ہے اور جو حقوق تمہارے ذمے کئے ہیں، ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ نے تمہیں بے کار پیدا نہیں کیا اور نہ اس نے تمہیں بے قید و بند جہالت و گمراہی میں کھلا چھوڑ دیا ہے۔ اس نے تمہارے کرنے اور نہ کرنے کے اچھے بُرے کام تجویز کر دیئے اور (پیغمبر کے ذریعے) سکھا دیئے ہیں۔ اس نے تمہاری عمریں لکھ دی ہیں، اور تمہاری طرف ایسی کتاب بھیجی ہے۔ جس میں ہر چیز کا کھلا کھلا بیان ہے اور اپنے نبی کو زندگی دے کر مدتوں تم میں رکھا، یہاں تک کہ اس نے اپنی اتاری ہوئی کتاب میں اپنے نبی کے لئے اور تمہارے لئے اس دین کو جو اسے پسند ہے کامل کر دیا۔ اور ان کی زبان سے اپنے پسندیدہ اور ناپسندیدہ افعال (کی تفصیل) اور اپنے اوامر و نواہی تم تک پہنچائے۔ اس نے اپنے دلائل تمہارے سامنے رکھ دیئے، اور تم پر اپنی حجت قائم کر دی اور پہلے سے ڈرا دھمکا دیا۔

اور (انے والے) سخت عذاب سے خبردار کردیا۔ تو اب تم اپنی زندگی کے بقیہ دنوں میں (پہلی کوتاہیوں کی) تلافی کرو اور اپنے نفسوں کو ان دنوں (کی کلفتوں) کا متحمل بناؤ۔ اس لئے، کہ یہ دن تو ان دنوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ جو تمہاری غفلتوں میں بیت گئے، اور وعظ و پند سے بے رخی میں کٹ گئے۔ اپنے نفسوں کے لئے جائز چیزوں میں بھی ڈھیل نہ دو، ورنہ یہ ڈھیل تمہیں ظالموں کی راہ پر ڈال دے گی۔ اور (مکروہات میں بھی) سہل انگاری سے کام نہ لو، ورنہ یہ نرم روی اور بے پرواہی تمہیں معصیت کی طرف دھیکل کر لے جائے گی۔ اللہ کے بندو! لوگوں میں وہی سب سے زیادہ اپنے نفس کا خیر خواہ ہے، جو اپنے اللہ کا سب سے زیادہ مطیع وفرمانبردار ہے اور وہی سب سے زیادہ اپنے نفس کو فریب دینے والا ہے جو اپنے اللہ کا سب سے زیادہ گنہ گار ہے۔ اصلی فریب خوردہ وہ ہے جس نے اپنے نفس کو فریب دے کر نقصان پہنچایا۔ اور قابلِ رشک وغبطہ وہ ہے جس کا دین محفوظ رہا، اور نیک بخت وہ ہے جس نے دوسروں سے پند ونصیحت کو حاصل کرلیا اور بد بخت وہ ہے جو ہوا و ہوس کے چکر میں پڑ گیا اور یاد رکھو! کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے اور ہوس پرستوں کی مصاحبت ایمان فراموشی کی منزل اور شیطان کی امد کا مقام ہے، جھوٹ سے بچو، اس لئے کہ وہ ایمان سے الگ چیز ہے۔ راست گفتار نجات اور بزرگی کی بلندیوں پر ہے، اور دروغ گو پستی و ذلت کے کنارے پر ہے باہم حسد نہ کرو۔ اس لئے کہ حسد ایمان کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح اگ لکڑی کو۔ اور کینہ و بغض نہ رکھو۔ اس لئے کہ یہ (نیکیوں کو) چھیل ڈالتا ہے، اور سمجھ لو کہ آرزوئیں عقلوں پر سہو کا، اور یاد الٰہی پر نسیان کو پردہ ڈال دیتی ہیں۔ امیدوں کو

جھٹلاؤ۔اس لئے کہ یہ دھوکا ہیں، اور امیدیں باندھنے والا فریب خوردہ ہے۔

خطبہ 85:

دوستانِ خدا کی حالت اور علماء سو کی مذمت میں فرمایا

اللہ کے بندو! اللہ کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ وہ بندہ محبوب ہے جسے اس نے نفس کی خلاف ورزی کی قوت دی ہے۔جس کا اندرونی لباس حزن اور بیرونی جامہ خوف ہے (یعنی اندوہ وملال اسے چمٹا رہتا ہے۔اور خوف اس پر چھایا رہتا ہے)۔اس کے دل میں ہدایت کا چراغ روشن ہے اور آنے والے دن کی مہمانی کا اس نے تہیہ کر رکھا ہے۔(موت کو) جو دُور ہے اسے وہ قریب سمجھتا ہے، اور سختیوں کو اپنے لئے آسان سمجھ لیا ہے۔دیکھتا ہے، تو بصیرت ومعرفت حاصل کرتا ہے (اللہ کو) یاد کرتا ہے، تو عمل کرنے پر تل جاتا ہے۔(وہ اس سرچشمہ ہدایت کا) شیریں وخوشگوار پانی پی کر سیراب ہوا ہے جس کے گھاٹ تک (اللہ کی رہنمائی سے) وہ باسانی پہنچ گیا ہے۔اس نے پہلی ہی دفعہ چھلک کر پی لیا ہے اور ہموار راستے پر چل پڑا ہے شہوتوں کا لباس اتار پھینکا ہے (دنیا کے) سارے اندیشوں سے بے فکر ہو کر صرف ایک ہی دھن میں لگا ہوا ہے۔وہ گمراہی کی حالت اور ہوس پرستوں کی ہوس رانیوں میں حصہ لینے سے دور رہتا ہے وہ ہدایت کے ابواب کھولنے اور ہلاکت وگمراہی کے دروازے بند کرنے کا ذریعہ بن گیا ہے۔اس نے اپنا راستہ دیکھ لیا ہے اور اس پر گامزن ہے۔(ہدایت کے) مینار کو پہچان لیا ہے، اور دھاروں کو طے کر کے اس تک پہنچ گیا ہے۔ محکم وسیلوں اور مضبوط سہاروں کو تھام لیا ہے وہ یقین کی وجہ سے ایسے اجالے میں ہے جو

سورج کی چمک دمک کے مانند ہے۔ وہ صرف اللہ کی خاطر سب سے اونچے مقصد کو پورا کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہے کہ ہر مشکل کو جو اس کے سامنے آئے، مناسب طور سے حل کر دے۔ ہر فرع کو اس کے اصل و ماخذ کی طرف راجع کرے۔ وہ تاریکیوں میں روشنی پھیلانے والا، مشتبہ باتوں کو حل کرنے والا۔ الجھے ہوئے مسئلوں کو سلجھانے والا، گنجلکوں کو دور کرنے والا، اور لق ودق صحراؤں میں راہ دکھانے والا ہے۔ وہ بولتا ہے تو پوری طرح سمجھا دیتا ہے اور کبھی چپ ہو جاتا ہے۔ اس وقت جب چپ رہنا ہی سلامتی کا ذریعہ ہے۔ اس نے ہر کام اللہ کے لئے کیا، تو اللہ نے بھی اسے اپنا بنا لیا ہے۔ وہ دین خدا کا معدن، اور اس کی زمین میں گڑی ہوئی میخ کی طرح ہے۔ اس نے اپنے لئے عدل کو لازم کر لیا ہے چنانچہ اس کے عدل کا پہلا قدم خواہشوں کو اپنے نفس سے دور رکھنا ہے۔ حق کو بیان کرتا ہے تو اس پر بھی عمل کرتا ہے۔ کوئی نیکی کی حد ایسی نہیں جس کا اس نے ارادہ نہ کیا ہو، اور کوئی جگہ ایسی نہیں ہے کہ جہاں نیکی کا امکان ہو، اور اس نے قصد نہ کیا ہو۔ اس نے اپنی باگ ڈور قران کے ہاتھوں میں دیدی ہے۔ وہی اس کا رہبر اور وُہی اس کا پیشوا ہے جہاں اس کا بارِگراں اترتا ہے۔ وہیں اس کا سامان اترتا ہے اور جہاں اس کی منزل ہوتی ہے وہیں یہ بھی اپنا پڑاؤ ڈال دیتا ہے۔ (اس کے علاوہ) ایک دوسرا شخص ہوتا ہے جس نے (زبردستی) اپنا نام عالم رکھ لیا ہے، حالانکہ وہ عالم نہیں۔ اس نے جاہلوں اور گمراہوں سے جہالتوں اور گمراہیوں کو بٹور لیا ہے اور لوگوں کے لئے مکر وفریب کے پھندے اور غلط سلط باتوں کے جال بچھا رکھے ہیں۔ قران کو اپنی رائے پر، اور حق کو اپنی خواہشوں پر ڈھالتا ہے۔ بڑے سے بڑے جرموں کا

خوف لوگوں کے دلوں سے نکال دیتا ہے اور کبیرہ گناہوں کی اہمیت کو کم کرتا ہے۔ کہتا تو یہ ہے کہ شبہات میں توقف کرتا ہوں حالانکہ انہیں میں پڑا ہوا ہے۔ اس کا قول یہ ہے کہ میں بدعتوں سے الگ تھلگ رہتا ہوں، حالانکہ انہی میں اس کا اٹھنا بیٹھنا ہے۔ صورت تو اس کی انسانوں کی سی ہے اور دل حیوانوں کا سا۔ نہ اسے ہدایت کا دروازہ معلوم ہے کہ وہاں تک آ سکے۔ اور نہ گمراہی کا دروازہ پہچانتا ہے کہ اس سے اپنا رخ موڑ سکے۔ یہ تو زندوں میں (چلتی پھرتی ہوئی) لاش ہے۔ اب تم کہاں جا رہے ہو، اور تمہیں کدھر موڑا جا رہا ہے؟ حالانکہ ہدایت کے جھنڈے بلند، نشانات، ظاہر و روشن اور حق کے مینار نصب ہیں، اور تمہیں کہاں بہکایا جارہا ہے اور کیوں ادھر ادھر بھٹک رہے ہو؟ جبکہ تمہارے نبی کی عترت تمہارے اندر موجود ہے جو حق کی باگیں، دین کے پرچم اور سچائی کی زبانیں ہیں۔ جو قران کی بہتر سے بہتر منزل سمجھ سکو، وہیں انہیں بھی جگہ دو، اور پیاسے اونٹوں کی طرح ان کے سرچشمہ ہدایت پر اترو۔ اے لوگو! خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 1 کے اس ارشاد کو سنو کہ (انہوں نے فرمایا) ہم میں سے جو مر جاتا ہے وہ مردہ نہیں ہے۔ اور ہم میں سے (جو بظاہر مر کر) بوسیدہ ہو جاتا ہے، وہ حقیقت میں کبھی بوسیدہ نہیں ہوتا۔ جو باتیں تم نہیں جانتے، ان کے متعلق زبان سے کچھ نہ نکالو۔ اس لئے کہ حق کا بیشتر حصہ انہیں چیزوں میں ہوتا ہے۔ کہ جن سے تم بیگانہ و نا اشنا ہو (جس شخص کی تم پر حجت تمام ہو) اور تمہارے کوئی حجت اس پر تمام نہ ہو، اسے معذور سمجھو، اور وہ میں ہوں۔ کیا میں نے تمہارے سامنے ثقلِ اکبر (قران) 2 پر عمل نہیں کیا، اور ثقلِ اصغر (اہلِ بیت علیہ السّلام) کو تم میں نہیں رکھا۔ میں نے تمہارے درمیان ایمان کا

جھنڈا گاڑا۔ حلال و حرام کی حدیں بتائیں اور اپنے عدل سے تمہیں عافیت کے جامے پہنائے اور اپنے قول و عمل سے حسنِ سلوک کا فرش تمہارے لئے بچھا دیا اور تم سے ہمیشہ پاکیزہ اخلاق کے ساتھ پیش آیا۔ جس چیز کی گہرائیوں تک نگاہ نہ پہنچ سکے، اور فکر کی جولانیاں عاجز رہیں۔ اس میں اپنے رائے کو کارفرمانہ کرو۔ اسی خطبہ کا ایک جزو بنی امیہ کے متعلق ہے :۔ یہاں تک کہ گمانِ کرنے والے یہ گمان کرنے لگیں گے، کہ بس اب دنیا بنی امیہ ہی کے دامن سے بندھی رہے گی اور انہیں ہی اپنے سارے فائدے بخشتی رہے گی، اور انہیں ہی اپنے صاف چشمہ پر سیراب ہونے کے لئے اتارتی رہے گی، اور اس امت کی (گردن پر) ان کی تلوار اور (پشت پر) ان کا تازیانہ ہمیشہ رہے گا۔ جو یہ خیال کرے گا، غلط خیال کرے گا بلکہ یہ تو زندگی کے مزوں میں سے چند شہد کے قطرے ہیں۔ جنہیں کچھ دیر تک وہ چوسیں گے، اور پھر سارے کا سارا تھوک دیں گے۔

1۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ اہل بیت علیہم السلام میں سے کسی فرد کی زندگی ختم نہیں ہوتی اور ظاہری موت سے ان کے مرگ و حیات میں شعورِ زندگی کے لحاظ سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اگرچہ اس زندگی کے احوال و واردات کے سمجھنے سے انسانی شعور عاجز ہے۔ مگر ماورائے محسوسات کتنی ہی حقیقتیں ایسی ہیں، جن تک انسان کا شعور و ادراک نہیں پہنچ سکتا کون بتا سکتا ہے کہ قبر کے تنگ گوشے میں کہ جہاں سانس بھی نہیں لی جا سکتی کیونکہ منکر نکیر کے سوالات کا جواب دیا جا سکے گا۔ یونہی شہدائے راہِ خدا کہ جو نہ حس و حرکت

رکھتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں ان کی زندگی کا مفہوم کیا ہے۔ گو ہمیں وہ بظاہر مُردہ نظر آتے ہیں۔ مگر قران ان کی زندگی کی شہادت دیتا ہے۔

جو لوگ خدا کی رہ میں قتل کئے گئے، انہیں مردہ نہ کہنا بلکہ وہ جیتے جاگتے ہیں۔ مگر تم ان کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔

دوسرے مقام پر ان کی زندگی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

جو اللہ کی راہ میں مارے گئے، انہیں مردہ گمان نہ کرنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، اور اپنے پروردگار کے ہاں سے روزی پاتے ہیں۔

جب عام شہدائے راہِ خدا کے بارے میں قلب وزبان پر پہرہ بٹھادیا گیا ہے کہ نہ انہیں مردہ کہا جائے اور نہ انہیں مردہ سمجھا جائے، تو وہ معصوم ہستیاں کہ جن کی گردنیں تلوار کے لئے اور کام ودہن زہر کے لئے وقف ہو کر رہ گئے تھے کیونکر زندۂ جاوید نہ ہوں گے۔

پھر ان جسموں کے متعلق فرمایا ہے کہ امتدادِ زمانہ سے ان میں کہنگی و بوسیدگی کے اثار پیدا نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ اسی حالت میں رہتے ہیں جس حالت میں شہید ہوتے ہیں اور اس میں

کوئی استبعاد نہیں ہے کیونکہ مادی ذرائع سے ہزار ہا برس کی محفوظ کی ہوئی میتیں اس وقت تک موجود ہیں۔ تو جب مادی اسباب سے یہ ممکن ہے، تو کیا قادرِ مطلق کے احاطہ قدرت سے یہ باہر ہے کہ جن کی موت میں زندگی کے احساسات ودیعت کر دیئے ہوں ان کے جسموں کو تغیر و تبدل سے محفوظ رکھے؟ چنانچہ شہدائے بدر کے متعلق پیغمبر نے فرمایا:۔

انہیں انہی زخموں اور خون کی روانیوں کے ساتھ پلٹا دو۔ کیونکہ جب یہ قیامت میں محشور ہوں گے تو ان کے رگہائے گلو سے خون ابلتا ہوگا۔

2. ثقلِ اکبر سے مراد قران، اور ثقلِ اصغر سے بیت علیہم السلام مراد ہیں۔ جیسا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشاد انی تارک فیکم الثقلین میں لفظ ثقلین سے قران و اہل بیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس لفظ سے تعبیر کرنے کے چند وجوہ ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ چونکہ تعلیماتِ قران و سیرتِ اہل بیت پر عمل پیرا ہونا عموماً طبائع پر ثقیل و گراں گزرتا ہے، اس لئے انہیں ثقلین سے تعبیر فرمایا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ «ثَقل» کے معنی سامانِ مسافر کے ہوتے ہیں۔ جس کے محل احتیاج ہونے کی وجہ سے اس کی ہر وقت حفاظت کی جاتی ہے اور چونکہ قدرت نے انہیں قیامت تک باقی و برقرار رکھا ان کی حفاظت کا سروسامان کیا ہے، اس لئے انہیں ثقلین کہا گیا ہے۔ یا یہ کہ پیغمبر ﷺ نے راہ پیمائے جادۂ آخرت ہونے کے وقت انہیں اپنا متاعِ بے بہا قرار دے کرامت سے ان کی حفاظت چاہی ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ان

کی نفاست و گرانقدری کے پیشِ نظر انہیں ثقلین سے یاد کیا گیا ہے۔ کیونکہ ثقل کے معنی نفیس اور پاکیزہ شے کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابنِ حجر مکی نے تحریر کیا ہے:۔

پیغمبر نے قران اور اپنی عترت کا نام ثقلین رکھا ہے کیونکہ ثقل ہر نفیس، عمدہ اور محفوظ چیز کو کہتے ہیں، اور یہ دونوں ایسے ہی تھے۔ ان میں سے ہر ایک علم لدنی کا گنجینہ اور بلند پایہ اسرار و حکم اور احکام شرعیہ کا مخزن ہے۔ اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اقتداء اور ان کے دامن سے وابستگی اور ان سے تحصیلِ علوم کے لئے امت کو آمادہ کیا، اور ان میں سے تمسک کئے جانے کے زیادہ حقدار امام و عالمِ الِ محمد علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں۔ آپ کی اس علمی فراوانی اور استنباط میں وقت پسندی کی بناء پر کہ جس کا ہم پہلے تذکرہ کر چکے ہیں۔ پیغمبر اکرم نے چونکہ مقامِ تعبیر میں کتاب کی نسبت اللہ کی جانب دی ہے اور عترت کی نسبت اپنی طرف، اس لئے حفظ مراتب کا لحاظ کرتے ہوئے اسے اکبر اور اصغر سے تعبیر فرمایا ہے۔ ورنہ مقامِ تمسک میں اہمیت کے لحاظ سے دونوں یکساں اور تعبیرِ اخلاق میں افادیت کے لحاظ سے ناطق کا درجہ صامت پر مقدم ہونے کی گنجائش انکار نہیں ہے۔

خطبہ 86: امت کے مختلف گروہوں میں بٹ جانے کے متعلق

اللہ نے زمانے کے کسی سرکش کی گردن نہیں توڑی جب تک کہ اسے مہلت و فراغت نہیں عطا کر دی، اور کسی امت کی ہڈی کو نہیں جوڑا جب تک اسے شدت و سختی اور ابتلاء اور آزمائش

میں ڈال نہیں لیا جو مصیبتیں تمہیں پیش آنے والی اور جن سختیوں سے تم گزر چکے ہو ان سے کم بھی عبرت اندوزی کے لئے کافی ہیں۔ ہر صاحبِ دل عاقل نہیں ہوتا اور نہ ہر کان رکھنے والا گوش شنوا، اور نہ ہر آنکھ والا چشمِ بینا رکھتا ہے۔

مجھے حیرت ہے اور کیوں نہ حیرت ہو، ان فرقوں کی خطاؤں پر جنہوں نے اپنے دین کی حجتوں میں اختلاف پیدا کر رکھے ہیں۔ جو نہ نبی کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ نہ وصی کے عمل کی پیروی کرتے ہیں، نہ غیب پر ایمان لاتے ہیں، نہ عیب سے دامن بچاتے ہیں۔ مشکوک و مشتبہ چیزوں پر ان کا عمل ہے اور اپنی خواہشوں کی راہ پر چلتے پھرتے ہیں۔ جس چیز کو وہ اچھا سمجھیں ان کے نزدیک بس وہ اچھی ہے اور جس بات کو وہ برا جانیں ان کے نزدیک بس وہ بری ہے۔ مشکل گتھیوں کو سلجھانے کے لئے اپنی نفسوں پر اعتماد کر لیا ہے اور مشتبہ چیزوں میں اپنی رائے پر بھروسا کر لیتے ہیں۔ گو یا ان میں سے ہر شخص خود ہی اپنا امام ہے۔ اور اس نے جو اپنے مقام پر اپنی رائے سے طے کر لیا ہے۔ اس کے متعلق یہ سمجھتا ہے کہ اسے قابل اطمینان وسیلوں اور مضبوط ذریعوں سے حاصل کیا ہے۔

خطبہ 87:

بعثت سے قبل کی دنیا کی حالت یہ کہ موجودہ دور کے لوگوں کی حالت ویسی ہی ھے

اللہ نے اپنے پیغمبر کو اس وقت بھیجا جب کہ رسولوں کی امد کا سلسلہ رکا ہوا تھا۔ اور ساری امتیں۔ مدت سے پڑی سو رہی تھیں۔ فتنے سر اٹھا رہے تھے۔ سب چیزوں کا شیرازہ بکھرا

ہوا تھا۔ جنگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ دنیا بے رونق و بے نور تھی اور اس کی فریب کاریاں کھلی ہوئی تھیں۔اس وقت اس کے پتوں میں زردی دوڑی ہوئی تھی اور پھلوں سے نا امیدی تھی۔ پانی زمین میں تہ نشین ہو چکا تھا۔ ہدایت کے مینار مٹ گئے تھے ہلاکت و گمراہی کے پرچم کھلے ہوئے تھے اور دنیا والوں کے سامنے کڑے تیوروں سے اور تیوری چڑھائے ہوئے نظر آ رہی تھی۔ اس کا پھل فتنہ تھا۔ اور اسکی غذا مردار تھی۔ اندر کا لباس خوف اور باہر کا پہناوا تلوار تھا خدا کے بندو!

عبرت حاصل کرو۔ اور ان (بداعمالیوں) کو یاد کرو۔ جن (کے نتائج) میں تمہارے باپ، بھائی جکڑے ہوئے ہیں۔ اور جن پر ان سے حساب ہونے والا ہے۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم! تمہارا زمانہ ان کے زمانہ سے زیادہ پیچھے نہیں ہے اور نہ تمہارے اور ان کے درمیان صدیوں اور زمانوں کا فاصلہ ہے۔ ابھی تم اس دن سے زیادہ دور نہیں ہوئے کہ جب ان کی صلبوں میں تھے۔ خدا کی قسم! جو باتیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کانوں تک پہنچائیں۔ وہی باتیں میں تمہیں آج سنا رہا ہوں۔ اور جتنا انہیں سنایا گیا تھا، اس سے کچھ کم تمہیں نہیں سنایا جا رہا ہے۔ اور جس طرح اس وقت ان کی آنکھیں کھولی گئی تھیں۔ اور دل بنائے گئے تھے۔ ویسی ہی آنکھیں اور ویسے ہی دل اس وقت تمہیں دیئے گئے ہیں۔ خدا کی قسم! ان کے بعد تمہیں کوئی ایسی نئی چیز نہیں بتائی گئی ہے، جس سے وہ نا آشنا رہے ہوں اور کوئی خاص چیز نہیں دی گئی ہے جس سے وہ محروم تھے ہاں ایک ایسی مصیبت تمہیں پیش آ گئی ہے (جو اس اونٹنی کے مانند ہے) جس کی نکیل جھول رہی اور تنگ ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ (جو کہیں نہ کہیں ٹھوکر

کھائے گی) دیکھو! ان فریب خوردہ لوگوں کے ٹھاٹھ باٹھ تمہیں ورغلا نہ دیں، اس لیے کہ یہ ایک پھیلا ہوا سایہ ہے۔ جس کا وقت محدود ہے۔

خطبہ 88:

صفاتِ باری تعالیٰ کے متعلق فرمایا

تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جو نظر آئے بغیر جانا پہچانا ہوا ہے اور سوچ بچار میں پڑے بغیر پیدا کرنے والا ہے۔ وہ اس وقت بھی دائم و برقرار تھا جب کہ نہ برجوں (والا اسمان) تھا نہ بلند دروازوں والے حجاب تھے، نہ اندھیری راتیں، نہ ٹھہرا ہوا سمندر، نہ لمبے چوڑے راستوں والے پہاڑ، نہ آڑی ترچھی پہاڑی راہیں اور نہ یہ بچھے ہوئے فرشتوں والی زمین نہ کس بل رکھنے والی مخلوق تھی۔ وہی مخلوقات کو پیدا کرنے والا، اور اس کا وارث ہے اور کائینات کا معبود اور ان کا رازق ہے۔ سورج اور چاند اس کی منشاء کے مطابق (ایک ڈھرے پر) بڑھے جانے کی سرتوڑ کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ جو ہر نئی چیز کو فرسودہ اور دور کی چیزوں کو قریب کر دیتے ہیں اسنے سب کو روزی بانٹ رکھی ہے۔ وہ سب کے عمل و کردار اور سانسوں کے شمار تک کو جانتا ہے۔ وہ چوری چھپی نظروں اور سینے کی مخفی نیتوں اور صلب میں ان کے ٹھکانوں اور شکم میں ان کے سونپے جانے کی جگہوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہاں تک کہ ان کی عمریں اپنی حد انتہا کو پہنچ جائیں۔ وہ ایسی ذات ہے کہ رحمت کی وسعتوں کے باوجود اس کا عذاب دشمنوں پر سخت ہے اور عذاب کی سختیوں کے باوجود دوستوں کے لیے اس کی رحمت وسیع ہے۔ جو اسے دبانا چاہے اس پر قابو پالینے والا، اور جو

اس سے ٹکر لینا چاہے اسے تباہ و برباد کرنے والا، اور جو اس کی مخالفت کرے، اسے رسوا و ذلیل کرنے والا، اور جو اس سے دشمنی برتے اس پر غلبہ پانے والا ہے۔ جو اس پر بھروسہ کرتا ہے، وہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور جو کوئی اس سے مانگتا ہے۔ اسے دے دیتا ہے اور جو اسے قرضہ دیتا ہے، (یعنی اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے) وہ اسے ادا کرتا ہے۔ جو شکر کرتا ہے، اسے بدلہ دیتا ہے۔

اللہ کے بندو! اپنے نفسوں کو تولے جانے سے پہلے تول لو۔ اور محاسبہ کیے جانے سے قبل خود اپنا محاسبہ کرلو۔ گلے کا پھندا تنگ ہونے سے پہلے سانس لے لو، اور سختی کے ساتھ ہنکائے جانے سے پہلے مطیع و فرمانبردار بن جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ جسے اپنے نفس کے لیے یہ توفیق نہ ہو کہ وہ خود اپنے کو وعظ و پند کرلے اور برائیوں پر متنبہ کر دے تو پھر کسی اور کی بھی پند و توبیخ اس پر اثر نہیں کر سکتی۔

خطبہ 89:

آسمان و زمین کی خلقت اور زمین کے پانی پر بچھائے جانے کے بارے میں

یہ خطبہ اشباح 1 کے نام سے مشہور ہے اور امیر المومنین کے بلند پایہ خطبوں میں شمار ہوتا ہے اسے ایک سائل کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا جس نے اپ سے یہ سوال کیا تھا کہ اپ خلاق عالم کے صفات کو اس طرح بیان فرمائیں کہ ایسا معلوم ہو جیسے ہم اسے اپنی انکھوں

سے دیکھ رہے ہیں۔اس پر حضرت غضب ناک ہوگئے اور فرمایا:۔

تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے کہ جو فیض و عطا کے روکنے سے مال دار نہیں ہو جاتا اور جود و عطا سے کبھی عاجز و قاصر نہیں ہوتا۔اس لیے کہ اس کے سوا ہر دینے والے کے یہاں داد و دہش سے کمی واقع ہوتی ہے اور ہاتھ روک لینے پر انہیں برا سمجھا جا سکتا ہے۔وہ فائدہ بخش نعمتوں اور عطیوں کی فراوانیوں اور روزیوں (کی تقسیم) سے ممنون احسان بنانے والا ہے۔ساری مخلوق اس کا کنبہ ہے۔اس نے سب کی روزیاں مقرر کر رکھی ہیں۔اس نے اپنے خواہش مندوں اور اپنی نعمت کے طلب گاروں کے لیے راہ کھول دی ہے۔وہ دستِ طلب کے نہ بڑھنے پر بھی اتنا ہی کریم ہے جتنا طلب و سوال کا ہاتھ بڑھنے پر۔

وہ ایسا اول ہے جس کے لیے کوئی قبل ہے ہی نہیں کہ کوئی شئے اس سے پہلے ہو سکے، اور ایسا اخر ہے جس کے لیے کوئی بعد ہے ہی نہیں تا کہ کوئی چیز اس کے بعد فرض کی جا سکے۔وہ انکھ کی پتلیوں کو (دور ہی سے) روک دینے والا ہے کہ وہ اسے پا سکیں یا اس کی حقیقت معلوم کر سکیں۔اس پر زمانہ کے مختلف دور نہیں گذرتے کہ اس کے حالات میں تغیر و تبدل پیدا ہو، وہ کسی جگہ میں نہیں ہے کہ اس کے لیے نقل و حرکت صحیح ہو سکے۔

اگر وہ چاندی اور سونے جیسے نفیس دھاتیں کہ جنہیں پہاڑوں کے معدن (لمبی لمبی) سانسیں

بھر کر اچھال دیتے ہیں۔ اور بکھرے ہوئے موتی اور مرجان کی کٹی ہوئی شاخیں کہ جنہیں دریاؤں کی سیپیاں کھکھلا کر ہنستے ہوئے اگل دیتی ہیں، بخش دے تو اس سے اس کے جود و عطا پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ اس کی دولت کا ذخیرہ اس سے ختم ہو سکتا ہے۔ اور اس کے پاس پھر بھی انعام و کرام کے اتنے ذخیرے موجود رہیں گے۔ جنہیں لوگوں کی مانگ ختم نہیں کر سکتی اس لیے کہ وہ ایسا فیاض ہے جسے سوالوں کا پورا کرنا مفلس نہیں بنا سکتا اور گڑ گڑا کر سوال کرنے والوں کا حد سے بڑھا ہوا اصرار بخل پر امادہ نہیں کر سکتا۔

اسے (اللہ کی صفتوں کو) دریافت کرنے والے دیکھو! کہ جن صفتوں کا تمہیں قران نے پتہ دیا ہے (ان میں) تم اس کی پیروی کرو اور اسی کے نور ہدایت سے کسبِ ضیا کرتے رہو اور جو چیزیں کہ قران میں واجب نہیں اور نہ سنت پیغمبر و ائمہ ہُدیٰ میں ان کا نام و نشان ہے اور نہ صرف شیطان نے اس کے جاننے کی تمہیں زحمت دی ہے۔ اس کا علم اللہ ہی کے پاس رہنے دو، اور یہی تم پر اللہ کے حق کی آخری حد ہے۔ اور اس بات کو یاد رکھو کہ علم میں راسخ و پختہ لوگ وہی ہیں کہ جو غیب کے پردوں میں چھپی ہوئی ساری چیزوں کا اجمالی طور پر اقرار کرتے (اور ان پر اعتقاد رکھتے) ہیں اگرچہ ان کی تفسیر و تفصیل نہیں جانتے اور یہی اقرار انہیں غیب پر پڑے ہوئے پردوں میں دراز گھسنے سے بے نیاز بنائے ہوئے ہے۔ اور اللہ نے اس بات پر ان کی مدح کی ہے کہ جو چیز ان کے احاطہ علم سے باہر ہوتی ہے۔ اس کی رسائی سے اپنے عجز کا اعتراف کر لیتے ہیں اور اللہ نے جس چیز کی حقیقت سے بحث کرنے کی

تکلیف نہیں دی۔ اس میں تعمق و کاوش کے ترک ہی کا نام رسوخ رکھا ہے۔ لہذا بس اسی پر اکتفا کرو اور اپنے عقل کے پیمانہ کے مطابق اللہ کی عظمت کو محدود نہ بناؤ۔ اور نہ تمہارا شمار ہلاک ہونے والوں میں قرار پائے گا۔

وہ ایسا قادر ہے کہ جب اس کی قدرت کی انتہا معلوم کرنے کے لیے وہم اپنے تیر چلا رہا ہو اور فکر ہر طرح کے وسوسوں کے ادھیڑ بن سے آزاد ہو کر اس کے قلمرو مملکت کے گہرے بھیدوں پر اگاہ ہونے کے درپے ہو، اور دل اس کی صفتوں کی کیفیت سمجھنے کے لیے والہانہ طور پر دوڑ پڑے ہوں اور ذاتِ الٰہی کو جاننے کے لیے عقلوں کی جستجو و تلاش کی راہیں حد بیان سے زیادہ دور تک چلی گئی ہوں تو اللہ اس وقت جب وہ غیب کی تیرگیوں کے گڑھوں کو عبور کر رہی ہوتی ہیں۔ ان سب کو (ناموں کے ساتھ) پلٹا دیتا ہے۔ چنانچہ جب اس طرح منہ کی کھا کر پلٹی ہیں تو انہیں یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ایسی بے راہ رویوں سے اس کی معرفت کا کھوج نہیں لگایا جا سکتا اور نہ فکر پیماؤں کے دلوں میں اس کی عزت کے تمکنت و جلال کا ذرا سا شائبہ آ سکتا ہے۔

وہ وہی ہے کہ جس نے مخلوقات کو ایجاد کیا بغیر اس کے کہ کوئی مثال اپنے سامنے رکھتا اور بغیر اس کے کہ اپنے سے پہلے کسی اور خالق و معبود کی بنائی ہوئی چیزوں کا چربہ اتارتا اس نے اپنی قدرت کی بادشاہت اور ان عجیب چیزوں کے واسطہ سے کہ جن میں اس کی حکمت و دانائی کے اثار (منہ سے) بول رہے ہیں اور مخلوق کے اس اعتراف سے کہ وہ اپنے رکنے تھمنے میں

اس کے سہارے کی محتاج ہے۔ہمیں وہ چیزیں دکھائی ہیں کہ جنہوں نے قہراً دلیل قائم ہو جانے کے دباؤ سے اس کی معرفت کی طرف ہماری راہنمائی کی ہے اور اس پیدا کردہ عجیب و غریب چیزوں میں اس کی صنعت کے نقش ونگار اور حکمت کے اثار۔نمایاں اور واضح ہیں۔ چنانچہ ہر مخلوق اس کی ایک حجت اور ایک برہان بن گئی ہے۔ چاہے وہ خاموش مخلوق ہو۔مگر اللہ کی تدبیر و کارسازی کی ایک بولتی ہوئی دلیل ہے اور ہستی صانع کی طرف اس کی راہنمائی ثابت و برقرار رہے۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ جس نے تجھے تیری ہی مخلوق سے ان کے اعضاء کے الگ الگ ہونے اور تیری حکمت کی کارسازیوں سے گوشت و پوست میں ڈھکے ہوئے ان کے جوڑوں سے سروں کے ملنے میں تشبیہہ دی۔اس نے اپنے چھپے ہوئے ضمیر کو تیری معرفت سے وابستہ نہیں کیا اور اس کے دل کو یہ یقین چھوُ بھی نہیں گیا کہ تیرا کوئی شریک نہیں۔ گویا اس نے پیروکاروں کا یہ قول نہیں سنا جو اپنے مقتداؤں سے بیزاری چاہتے ہوئے یہ کہیں گے کہ «خدا کی قسم! ہم تو قطعاً ایک کھلی ہوئی گمراہی میں تھے کہ جب ہم سارے جہاں کے پالنے والے کے برابر تمہیں ٹھہرایا کرتے تھے۔ وہ لوگ جھوٹے ہیں جو تجھے دوسروں کے برابر سمجھ کر اپنے بتوں سے تشبیہہ دیتے ہیں اور اپنے وہم میں تجھ پر مخلوقات کی صفتیں جڑ دیتے ہیں اور اپنے خیال میں اس طرح تیرے حصے بخرے کرتے ہیں، جس طرح مجسم چیزوں کے جوڑ بند الگ الگ کیئے جاتے ہیں۔اور اپنی عقلوں کی سوجھ بوجھ کے مطابق تجھے مختلف قوتوں والی مخلوقات پر قیاس کرتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ جس نے تجھے تیری مخلوق میں سے کسی کے برابر جانا اس نے تیرا ہمسر بنا ڈالا۔اور تیرا ہمسر

بنانے والا تیری کتاب کی محکم آیتوں کے مضامین اور ان حقائق کا جنہیں تیری طرف کے روشن دلائل واضح کررہے ہیں منکر ہے۔

تو وہ اللہ ہے کہ عقلوں کی حد میں گھر نہیں کرسکتا ان کی سوچ بچار کی زد پر آکر کیفیات کو قبول کرلے اور نہ ان کے غور وفکر کی جولانیوں میں تیری سمائی ہے کہ تو محدود ہوکر ان کے فکری تصرفات کا پابند بن جائے:۔

اسی خطبہ کا ایک حصہ یہ ہے:۔اس نے جو چیزیں پیدا کیں ۔ان کا ایک اندازہ رکھا۔مضبوط و مستحکم، اور ان کا انتظام کیا، عمدہ و پاکیزہ، اور انہیں ان کی سمت پر اس طرح لگایا کہ نہ وہ اپنی آخری منزل کی حدوں سے اگے بڑھیں اور نہ منزل منتہا تک پہنچنے میں کوتاہی کی ۔جب انہیں اللہ کے ارادے پر چل پڑنے کا حکم دیا گیا، تو انہوں نے سرتابی نہیں کی اور وہ ایسا کر ہی کیوں کرسکتی تھیں۔ جب کہ تمام اموراسی کی مشیئت وارادہ سے صادر ہوئے ہیں وہ گوناکوں چیزوں کا موجد ہے بغیر کسی سوچ بچار کی طرف رجوع کئے اور بغیر طبیعت کی کسی جولانی کے کہ جسے دل میں چھپائے ہو اور بغیر کسی تجربہ کے کہ جو زمانہ کے حوادث سے حاصل کیا ہو اور بغیر کسی شریک کے کہ جو ان عجیب وغریب چیزوں کی ایجاد میں اس کا معین و مددگار رہا ہو چنانچہ مخلوق (بن بنا کر) مکمل ہوگئی اور اس نے اللہ کی اطاعت کے سامنے سر جھکا دیا اور (فوراً) اس کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے بڑھی۔نہ کسی دیر کرنے والے کی سی سست رفتاری دامن گیر ہوئی اور نہ کسی حیل حجت کرنے والے کی سی سستی اور ڈھیل حائل ہوئی اس نے ان چیزوں کے ٹیڑھاپن کو سیدھا کردیا اور ان کی حدیں معین کردیں۔اور اپنی قدرت سے ان

متضاد چیزوں میں ہم رنگی و ہم آہنگی پیدا کی اور نفسوں کے رشتے (بدنوں سے) جوڑ دیئے اور انہیں مختلف جنسوں پر بانٹ دیا۔ جو اپنی حدوں، اندازیوں، طبیعتوں اور صورتوں میں جُدا جُدا ہیں۔ یہ نو ایجاد مخلوق ہے کہ جس کی ساخت اس نے مضبوط کی ہے اور اپنے ارادے کے مطابق اسے بنایا اور ایجاد کیا۔

اسی خطبہ کا ایک جزیہ ھے اسمان کے وصف میں:۔

اس نے بغیر (کسی چیز سے) وابستہ کئے اس کے شگافوں کے نشیب و فراز کو مرتب کر دیا اور اس کے دراڑوں کی کشادگیوں کو ملا دیا اور انہیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑ دیا اور اس کے احکام کو لے کر اترنے والوں اور خلق کے اعمال کو لے کر چڑھنے والوں کے لیے اس کی بلندیوں کی دشوار گزاری کو اسان کر دیا ابھی وہ اسمان دھوئیں ہی کی شکل میں تھے۔ کہ اللہ نے انہیں پکارا تو (فوراً) ان کے تسموں کے رشتے آپس میں متصل ہو گئے۔

اس نے ان کے بند دروازوں کو بستہ ہونے کے بعد کھول دیا اور ان کے سوراخوں پر ٹوٹتے ہوئے تاروں کے نگہبان کھڑے کر دیئے اور انہیں اپنے زور سے روک دیا کہ کہیں وہ ہوا کے پھیلاؤ میں ادھر نہ ہو جائیں اور انہیں مامور کیا کہ وہ اس کے حکم کے سامنے سر جھکائے ہوئے اپنے مرکز پر ٹھہرے رہیں۔ اس نے فلک کے سورج کو دن کی روشن نشانی اور چاند کو رات کی دھندلی نشانی قرار دیا ہے۔ اور انہیں ان کی منزلوں پر چلایا ہے اور ان کی گزرگاہوں میں ان کی رفتار مقرر کر دی ہے تاکہ ان کے ذریعہ سے شب و روز کی تمیز ہو سکے اور انہیں کے اعتبار سے برسوں کی گنتی اور (دوسرے) حساب جانے جا سکیں۔ پھر یہ کہ اس

نے اسمانی فضا میں اس فلک کو اویزاں کیا اور اس میں اسی کی ارائش کے لیے منے منے موتیوں ایسے تارے اور چراغوں کی طرف چمکتے ہوئے ستارے اویزاں کیے اور چوری چھپے کان لگانے والوں پر ٹوٹتے ہوئے تاروں کے تیر چلائے اور ستاروں کو اپنے جبر وقہر سے ان کے ڈھرے پر لگایا کہ کوئی ثابت رہے اور کوئی سیار کبھی تا تار ہو۔ اور کبھی ابھار اور کسی میں نحوست ہو اور کسی میں سعادت۔

اسی خطبہ کا ایک جز یہ ہے فرشتوں کے وصف ہیں:

پھر اللہ سبحانہ نے اپنے اسمانوں میں ٹھہرانے اور اپنی مملکت کے بلند طبقات کو اباد کرنے کے لیے فرشتوں کی عجیب وغریب مخلوق پیدا کی ان سے اسمان کے وسیع راستوں کا گوشہ گوشہ بھر دیا اور اسی کی فضا کی وسعتوں کا کونا کونا چھلکا دیا اوران وسیع اطراف کی پہنائیوں میں تسبیح کرنے والے فرشتوں کی اوازیں قدس و پاکیزگی کی چار دیواریوں اور عظمت کے گہرے حجابوں اور بزرگی وجلال کے سرپردوں میں گونجتی ہیں اور اس گونج کے پیچھے جس سے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ تجلیات نور کی اتنی فراوانیاں ہیں کہ جو نگاہوں کو اپنے تک پہنچنے سے روک دیتی ہیں۔ چنانچہ وہ ناکام ونامراد ہو کر اپنی جگہ پر ٹھہری رہتی ہیں اللہ نے ان (فرشتوں) کو جُدا جُدا صورتوں اور الگ الگ پیمانوں پر پیدا کیا ہے۔ وہ بال وَپر رکھتے ہیں اور اس کے جلال وعزت کی تسبیح کرتے رہتے ہیں۔ اور مخلوق میں جو اس کی صنعتیں اجاگر ہوئی ہیں۔ انہیں اپنی طرف نسبت نہیں دیتے اور نہ یہ ادعا کرتے ہیں کہ وہ کسی ایسی شے کو پیدا کر سکتے ہیں کہ جس کے پیدا کرنے میں وہ منفرد و یکتا ہے۔ بلکہ وہ اس کے معزز بندے

ہیں جو کسی بات کے کہنے میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے کہنے پر چلتے ہیں اللہ نے انہیں وہاں اپنی وحی کا امانتدار اور اپنے اوامر و نواہی کی ودیعتوں کا حامل بنا کر رسولوں کی طرف بھیجا ہے اور شک و شبہات کے لغزشوں سے انہیں محفوظ رکھا ہے۔ تو ان میں سے کوئی بھی اس کی رضا جوئی کی راہ سے کترانے والا نہیں۔ اور اس نے اپنی توفیق و اعانت سے ان کی دستگیری کی، اور خضوع و خشوع کی عجز و شکستگی سے ان کے دلوں کو ڈھانپ دیا ہے اور تسبیح و تقدیس کی سہولتوں کے دروازے ان کے لیے کھول دیے ہیں اور اپنی توحید کے نشانوں پر ان کے لئے روشن مینار نصب کیے ہیں۔ نہ گناہوں کی گرانباریوں نے انہیں دبا رکھا ہے، نہ شب و روز کی گردشوں نے ان پر (سواری کے لیے) پالان ڈالے ہیں اور نہ شکوک و شبہات نے ان کے ایمان کے استحکام پر تیر چلائے ہیں اور نہ ان کے یقین کی پختگیوں پر (اوہام و ظنون نے دھاوا بولا ہے۔ اور نہ ان کے درمیان کبھی کینہ و حسد کی چنگاریاں بھڑکی ہیں۔ اور نہ حیرانی و سراسیمگی ان کے دلوں میں سرائیت کی ہوئی معرفت اور ان کے سینے کی تہوں میں جمی ہوئی عظمت خداوندی و ہیبتِ جلال الٰہی کو چھین سکی ہے۔ نہ کبھی وسوسوں نے ان پر دندان از تیز کیا ہے، کہ ان کے فکروں کو زنگ و تکدر سے الودہ کر دیں۔ ان میں کچھ وہ ہیں جو اللہ کے پیدا کردہ بوجھل بادلوں اور اونچے پہاڑوں کی بلندیوں اور گھٹا ٹوپ اندھیروں کی سیاہیوں کی صورتوں میں ہیں اور ان میں کچھ وہ ہیں جن کے قدم تحت الثریٰ کی حدوں کو چیر کر نکل گئے ہیں۔ تو وہ سفید جھنڈوں کے مانند ہیں جو فضا کی وسعت کو دیتے ہوئے اگے بڑھ گئے ہیں اور ان پھریروں کے اخری سرے تک ایک ہلکی ہوا چل رہی ہے جو انہیں روکے

ہوئے ہے۔ان فرشتوں کوعبادت کومشغولیتوں نے ہر چیز سے بے فکر بنا دیا۔اور ایمان کے ٹھوس عقیدے ان کے لیے اللہ کی معرفت کا وسیلہ بن گئے ہیں اور یقین کامل نے اوروں سے ہٹا کر اسی سے ان کی لو لگا دی ہے۔اللہ کی طرف کی نعمتوں کے سوا کسی غیر کے عطا و انعام کی انہیں خواہش ہی نہیں ہوتی۔انہوں نے معرفت کے شیریں مزے چکھے ہیں اور اس کی محبت کے سیراب کرنے والے جام سے سرشار ہیں۔اور ان کے دلوں کی تہ میں اس کا خوف جڑ پکڑ چکا ہے،تو انہوں نے لمبی چوڑی عبادتوں سے اپنی سیدھی کمریں ٹیڑھی کر لی ہیں اور ہمہ وقت اسی کی طلب میں لگے رہنے کے باوجود ان کے تضرع و عاجزی کے ذخیرے ختم نہیں ہوتے اور قرب الٰہی کی بلندیوں کے باوجود خوف وخشوع کے پھندے ان (کے گلے) سے نہیں اترتے۔نہ ان میں کبھی خود پسندی پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنے گزشتہ اعمال کو زیادہ خیال کرنے لگیں اور نہ جلال پروردگار کے سامنے ان کے عجز و انکسار نے یہ موقع انے دیا ہے کہ وہ اپنی نیکیوں کو بڑا سمجھ سکیں۔ان میں مسلسل تعب اٹھانے کے باوجود بھی سستی نہیں انے پاتی،اور نہ ان کی طلب و رغبت میں کبھی کمی پیدا ہوئی ہے کہ وہ اپنے پالنے والے کے توقعات سے روگرداں ہو جائیں اور نہ مسلسل مناجاتوں سے ان کی زبان کی نوکیں خشک ہوتی ہیں اور نہ کبھی ایسا ہوا ہے کہ وہ دوسرے اشغال کی وجہ سے تضرع وزاری کی اوازوں کو دھیما کر لیں اور نہ عبادت کی صفوں میں ان کے شانے اگے پیچھے ہو جاتے ہیں اور نہ وہ ارام وراحت کی خاطر اس کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کر کے اپنی گردنوں کو ادھر سے ادھر کرتے ہیں نہ ان کی کوششوں کے عزم پر غفلت کی نادانیاں حملہ اور ہوتی ہیں،اور نہ ان کی (بلند)

ہمتوں میں فریب دینے والے وسوسوں کا گزر رہوتا ہے۔ انہوں نے احتیاج کے دن کے لیے صاحب عرش کو اپنا ذخیرہ بنا رکھا ہے، اور جب دوسرے لوگ مخلوقات کی طرف اپنی خواہشوں کو لے کر بڑھتے ہیں تو یہ بس اسی سے لو لگاتے ہیں۔ وہ اس کی عبادت کی انتہا کو نہیں پہنچ سکتے انہیں عبادت کا والہانہ شوق (کسی اور طرف لے جانے کے بجائے) ان کی قلبی امید و بیم کے ان ہی سرچشموں کی طرف لے جاتا ہے، جن کے سوتے کبھی موقوف نہیں ہوتے خوف کھانے کے وجود ختم نہیں ہوئے کہ وہ اپنی کوششوں میں سستی کریں اور نہ دنیا کے طمعوں نے انہیں جکڑ رکھا ہے کہ وہ دنیا کے لیے وقتی کوششوں کو اپنی اس جدوجہد پر ترجیح دیں اور نہ انہوں نے اپنے سابقہ اعمال کو کبھی بڑا سمجھا ہے، اور اگر بڑا سمجھتے تو پھر امیدیں خوف خدا کے اندیشوں کو ان (کے صفحہ دل) سے مٹا دیتیں۔ اور نہ شیطان کے ورغلانے سے ان میں باہم اپنے پروردگار کے متعلق کبھی کوئی اختلاف پیدا ہوا، اور نہ ایک دوسرے سے کٹنے (اور بگاڑ پیدا کرنے) کی وجہ سے پراگندہ و متفرق ہوئے، اور نہ آپس میں حسد رکھنے کے سبب سے ان کے دلوں میں کینہ و بغض پیدا ہوا اور نہ شک و شبہات میں پڑنے کی وجہ سے تتر بتر ہوئے۔ اور نہ پست ہمتیوں نے ان پر کبھی قبضہ کیا۔ وہ ایمان کے پابند ہیں، انہیں اس کے بندھنوں سے کجی، روگردانی سستی یا کاہلی نے کبھی نہیں چھڑایا۔ سطح اسمان پر کھال کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں کوئی سجدہ کرنے والا فرشتہ یا تیزی سے تگ و دو کرنے والا ملک نہ ہو، پروردگار کی اطاعت کے بڑھنے سے ان کے علم میں زیادتی ہی ہوتی رہتی ہے اور ان کے دلوں میں اس کی عزت کی عظمت و جلالت بڑھتی ہی جاتی ہے۔ اسی خطبہ

کا ایک حصہ یہ ہے: جس میں زمین اور اس کے پانی پر بچھائے جانے کی کیفیت بیان فرمائی ہے »:۔(اللہ نے) زمین کو تہ و بالا ہونے والی مہیب لہروں اور بھر پور سمندروں کی انتہاہ گہرائیوں کے اوپر پاٹا جہاں موجیں موجوں سے ٹکرا کر تھپیڑے کھاتی تھیں اور لہریں لہروں کو دھیل کر گونج اٹھتی تھیں اور اس طرح پھین دے رہی تھیں جس طرح مستی و ہیجان کے عالم میں نر اونٹ۔ چنانچہ اس متلاطم پانی کی طغیانیاں زمین کے بھاری بوجھ کے دباؤ سے فرو ہو گئیں، اور جب اس نے اپنا سینہ اس پر ٹھک کرا سے روندا تو سارا جوش وخروش ٹھنڈا پڑ گیا اور جب اپنے شانے ٹکا کر اس پر لوٹی، تو وہ ذلتوں اور خواریوں کے ساتھ رام ہو گیا۔ کہاں تو اس کی موجیں دندنا رہی تھیں کہ اب عاجز و بے بس ہو کر تھم گیا، اور ذلت کی لگاموں میں اسیر ہو کر مطیع ہو گیا، اور زمین اس طوفان خیز پانی کے گہراؤ میں اپنا دامن پھیلا کر ٹھہر گئی اور اس کے اٹھانے اور سر اٹھانے کے غرور اور تکبر سے ناک اور اوپر چڑھانے اور بہاؤ میں تفوق و سربلندی دکھانے کا خاتمہ کر دیا۔ اور اس کی روانی کی بے اعتدالیوں پر ایسے بند باندھے کہ وہ اچھلنے کودنے کے بعد (بالکل بے دم) ہو کر ٹھہر گیا۔ اور جست وخیز کی سرمستیاں دکھا کر تھم گیا۔ جب اس کے کناروں کے نیچے پانی کی طغیانی کا زور وشور سکون پذیر ہوا۔ اور اس کے کاندھوں پر اونچے اونچے اور چوڑے چکلے پہاڑوں کا بوجھ لد گیا، تو (اللہ نے) اس کی ناک کے بانسوں سے پانی کے چشمے جاری کر دیئے جنہیں دور دراز جنگلوں اور کھِدے ہوئے گڑھوں میں پھیلا دیا۔ اور پتھروں کی مضبوط چٹانوں اور بلند چوٹیوں والے پتھریلے پہاڑوں سے اس کی حرکت میں اعتدال پیدا کیا۔ چنانچہ اس کی سطح کے مختلف حصوں میں

پہاڑوں کے ڈوب جانے اور اس کی گہرائیوں کی تہ میں گھس جانے اور اس کے ہموار حصوں کی بلندیوں اور پست سطحوں پر سوار ہو جانے کی وجہ سے اس کی تھرتھراہٹ جاتی رہی اور اللہ نے زمین سے لے کر فضائے بسیط تک پھیلاؤ اور وسعت رکھی اور اس میں رہنے والوں کو سانس لینے کو ہوا مہیا کی اور اس میں بسنے والوں کو ان کی تمام ضروریات کے ساتھ ٹھہرایا، پھر اس نے چٹیل زمینوں کو کہ جن کی بلندیوں تک نہ چشموں کا پانی پہنچ سکتا ہے اور نہ نہروں کے نالے وہاں تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ رکھتے ہیں۔ یونہی نہیں رہنے دیا، بلکہ ان کے لیے ہوا پر اٹھنے والی گھٹائیں پیدا کیں جو مردہ زمین میں زندگی کی لیریں دوڑا دیتی ہیں۔ اور اس سے گھاس پات اگاتی ہیں، اس نے ابر کی بکھری ہوئی چمکیلی ٹکڑیوں اور پراگندہ بدلیوں کو یکجا کر کے ابر محیط بنایا، اور جب اس کے اندر پانی کے ذخیرے حرکت میں اگئے اور اس کے کناروں میں بجلیاں تڑپنے لگیں اور برق کی چمک سفید ابروں کی تہوں اور گھنے بادلوں کے اندر مسلسل جاری رہی تو اللہ نے انہیں موسلا دھار برسنے کے لیے بھیج دیا۔ اس طرح کہ اس کے پانی سے بھرے ہوئے بوجھل ٹکڑے زمین پر منڈلا رہے تھے اور جنوبی ہوائیں انہیں مسل مسل کر برسنے والے مینہ کی بوندیں اور ایک دم ٹوٹ پڑنے والی بارش کے جھالے برسا رہی تھیں۔ جب بادلوں نے اپنا سینہ ہاتھ پیروں سمیت زمین پر ٹیک دیا اور پانی کا سارا لدا لدایا بوجھ اس پر پھینک دیا، تو اللہ نے افتادہ زمینوں سے سرسبز کھیتیاں اگائیں اور خشک پہاڑوں پر ہرا بھرا سبزہ پھیلا دیا زمین بھی اپنے مرغزاروں کے بناؤ سنگار سے خوش ہو کر جھومنے لگی اور ان شگوفوں کی اوڑھنیوں سے جو اسے اوڑھا دی گئی تھیں اور ان شگفتہ و

شاداب کلیوں کے زیوروں سے جو اسے پہنا دیئے گئے تھے، اترانے لگی۔ اللہ نے ان چیزوں کو لوگوں کی زندگی کا وسیلہ اور چوپاؤں کا رزق قرار دیا ہے اور اسی نے زمین کی سمتوں میں کشادہ راستے نکالے ہیں، اور اس کی شاہراہوں پر چلنے والوں کے لیے روشنی کے مینار نصب کئے ہیں

جب اللہ نے فرشِ زمین بچھا لیا اور اپنا کام پورا کر لیا تو ادم علیہ السلام کو دوسری مخلوق کے مقابلہ میں برگزیدہ ہونے کی وجہ سے منتخب کر لیا اور انہیں نوع انسانی کی فرد اوّل قرار دیا۔ اور انہیں اپنی جنت میں ٹھرایا جہاں دل کھول کر ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا اور جس سے منع کرنا تھا۔ اس سے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا، اور یہ بتا دیا تھا۔ اس کی طرف قدم بڑھانے میں عدول حکمی کی الائش ہے اور اپنے مربتہ کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ لیکن جس چیز سے انہیں روکا تھا۔ انہوں نے اسی کا رخ کیا جیسا کہ پہلے ہی سے اس کے علم میں تھا۔ چنانچہ توبہ کے بعد انہیں جنت سے نیچے اتار دیا، تا کہ اپنی زمین کو ان کی اولاد سے اباد کرے اور ان کے زریعے بندوں پر حجت پیش کرے اللہ نے ادم کو اٹھا لینے کے بعد بھی اپنی مخلوق کر ایسی چیزوں سے خالی نہیں رکھا جو اس کی ربوبیت کی دلیلوں کو مضبوط کرتی رہیں۔ اور بندوں کے لیے اس کی معرفت کا ذریعہ بنی رہیں اور یکے بعد دیگرے ہر دور میں وہ اپنے برگزیدہ نبیّوں اور رسالت کے امانتداروں کی زبانوں سے حجت کے پہنچانے کی تجدید کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ہمارے نبی کے ذریعہ وہ حجت (پوری طرح) تمام ہوگئی اور حجت پورا کرنا اور ڈرا دیا جانا

اپنے نقطۂ اختتام کو پہنچ گیا اس نے روزیاں مقرر کر رکھی ہیں (کسی کے لیے) زیادہ اور (کسی کے لیے) کم اور اس کی تقسیم میں کہیں تنگی رکھی ہے اور کہیں فراخی اور یہ بالکل عدل کے مطابق تھا اس طرح کہ اس نے جس جس صورت سے چاہا امتحان لیا ہے۔ رزق کی اسانی یا دشواری کے ساتھ اور مال دار فقیر کے شکر اور صبر کو جانچا ہے۔ پھر اس نے رزق کی فراخیوں کے ساتھ فقر و فاقہ کے خطرے اور اس کی سلامتیوں میں نت نئی آفتوں کے دغدغے اور فراخی و وسعت کی شادمانیوں کے ساتھ غم و غصہ کے گلوگیر پھندے بھی لگا رکھے ہیں۔

اس نے زندگی کی (مخلف) مدّتیں مقرر کی ہیں۔ کسی کو زیادہ اور کسی کو کم، کسی کو اگے اور کسی کو پیچھے کر دیا ہے اور ان مدّتوں کی رسیوں کی موت سے گرہ لگا دی ہے اور وہ موت ان کو کھینچے لیے جاتی ہے اور ان کے مضبوط رشتوں کو ٹکڑے کیئے دیتی ہے۔ وہ بھید 2 چھپانے والوں کی نیتوں، کِھسر پِھسر کرنے والوں کی سرگوشیوں، منطون اور بے بنیاد خیالوں، دل میں جمے ہوئے یقینی ارادوں، پلکوں (کے نیچے) کنکھیوں کے اشاروں، دل کی تہوں اور غیب کی گہرائیوں میں چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہے اور (ان آوازوں کا سننے والا ہے) جن کا کان لگا کر سننے کے لیے کانوں کے سراخوں کر جھکنا پڑتا ہے اور چیونٹیوں کے موسم گرما کے مسکنوں اور حشرات الارض کے موسمِ سرما بسر کرنے کے مقاموں سے اگاہ ہے اور پسر مردہ عورتوں کے (درود بھرے) نالوں کی گونج اور قدموں کی چاپ کا سننے والا ہے اور سبز پتیوں کے غلاموں کے اندرونی خولوں میں پھلوں کے نشو و نما پانے کی جگہوں اور پہاڑوں کی کھوؤں اور ان کے نشیبوں میں وحشی جانوروں کی پناہ گاہوں اور درختوں کے تنوں اور ان کے چھلکوں

میں مچھروں کے سر چھپانے کے سوراخوں اور شاخوں میں پتیوں کے پھوٹنے کی جگہوں اور صلب کی گذر گاہوں میں نطفوں کے ٹھکانوں اور زمین سے اٹھنے والے ابر کے ٹکڑوں اور آپس میں جڑے ہوئے بادلوں اور تہ بہ تہ جمے ہوئے ابروں سے ٹپکنے والے بارش کے قطروں سے باخبر ہے۔ اور ریگ (بیابان) کے ذرّات جنہیں بادبگولوں نے اپنے دامنوں سے اڑایا ہے اور وہ نشانات جنہیں بارشوں کے سیلابوں نے مٹا ڈالا ہے اس کے علم میں ہیں، اور ریت کے ٹیلوں پر زمین کے کیڑوں کے چلنے پھرنے اور سر بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر بال و پر رکھنے والے طائروں کے نشیمنوں اور گھونسلوں کی اندھیاریوں میں چہچہانے والے پرندوں کی نغمتوں کو جانتا ہے اور جن چیزوں کو سیپیوں نے سمیٹ رکھا ہے اور جن چیزوں کو دریا کی موجیں اپنے پہلو کے نیچے دبائے ہوئے ہیں اور جن کو رات (کی تاریک چادروں) نے ڈھانپ رکھا ہے اور جن پر دن کے سورج نے اپنی کرنوں سے نور بکھیرا ہے اور جن پر کبھی ظلمت کی تہیں جم جاتی ہیں اور کبھی نور کے دھارے بہہ نکلتے ہیں پہچانتا ہے۔ وہ ہر قدم کا نشان، ہر چیز کی حس و حرکت، ہر لفظ کی گونج، ہر ہونٹ کی جنبش، ہر جاندار کا ٹھکانا، ہر ذرے کا وزن اور ہر جی دار کی سسکیوں کی آواز اور جو کچھ بھی اس زمین پر ہے، سب اس کے علم میں ہے۔ وہ درختوں کا پھل ہو یا ٹوٹ کر گرنے والا پتہ، یا نطفے یا منجمد خون کا ٹھکانا اور لوتھڑا یا (اس کے بعد) بننے والی مخلوق اور پیدا ہونے والا بچہ (ان چیزوں کے جاننے میں) اسے کلفت و تعب اٹھانا نہیں پڑی اور نہ اسے اپنی مخلوق کی حفاظت میں کوئی رکاوٹ درپیش ہوئی اور نہ اسے اپنے احکام کے چلانے اور مخلوقات کا انتظام کرنے سے سستی اور تھکن لاحق ہوئی

بلکہ اس کا علم تو ان چیزوں کے اندر تک اترا ہوا ہے اور ایک ایک چیز اس کے شمار میں ہے۔ اس کا عدل ہمہ گیر، اور اس کا فضل سب کے شامل حال ہے، اور اس کے ساتھ وہ اس کے شایان شان حق کی ادائیگی سے قاصر ہیں۔ اے خدا! تو ہی توصیف وثناء اور انتہائی درجہ تک سراہے جانے کا مستحق ہے۔ اگر تجھ سے آس لگائی جائے، تو تو دلوں کی بہترین ڈھارس ہے اور اگر تجھ سے امیدیں باندھی جائیں، تو تو بہترین چشمہ امید ہے۔ تو نے مجھے ایسی قوت بیان بخشی ہے کہ جس سے تیرے علاوہ کسی کی مدح اور ستائش نہیں کرتا ہوں، اور میں اپنی مدح کا رخ کبھی ان لوگوں کی طرف نہیں موڑنا چاہتا جو نا امیدیوں کو مرکز اور بدگمانیوں کے مقامات ہیں، تو نے میری زبان کو انسانوں کی مدح اور در پردہ مخلوق کی تعریف وثناء سے ہٹا لیا ہے۔ بارالہا! ہر ثناء گستُر کے لیے اپنے ممدُوح پر انعام وکرام اور عطاو بخشش پانے کا حق ہوتا ہے۔ اور میں تجھ سے امید لگائے بیٹھا ہوں یہ کہ تو رحمت کے ذخیروں اور مغفرت کے خزانوں کا پتہ دینے والا ہے۔ خدایا! یہ تیرے سامنے وہ شخص کھڑا ہے جس نے تیری توحید و یکتائی میں تجھے منفرد مانا ہے اور ان ستائشوں اور تعریفوں کا تیرے علاوہ کسی کو اہل نہیں سمجھا۔ میری احتیاج تجھ سے وابستہ ہے۔ تیری ہی بخششوں اور کامرانیوں سے اس کی بے نوائی کا علاج ہوسکتا ہے۔ اور اسکے فقر و فاقہ کو تیرا ہی جود واحسان سہارا دے سکتا ہے ہمیں تو اسی جگہ پر اپنی خوشنودیاں بخش دے اور دوسروں کی طرف دستِ طلب بڑھانے سے بے نیاز کردے تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ 3

1.اس خطبہ کا نام "خطبہ اشباح" ہے۔اشباح شبح کی جمع ہے،جس کے معنی ڈھانچے کے ہوتے ہیں، چونکہ اس میں ملائکہ اور مختلف قسم کے پیکروں کا تذکرہ ہے۔اس لیے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

مسعدہ ابن صدقہ عبدی نے امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ جب حضرت سائل کے سوال پر برہم ہوئے تو مسجدِ کوفہ میں ایک جم غفیر کے سامنے یہ خطبہ دیا۔سائل پر برہم ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس کا سوال تکلیف شرع سے غیر متعلق اور حدود امکان سے باہر تھا۔خداوندِ عالم رزق کا ضامن اور روزی کا کفیل ہے،جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔

زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کے رزق کا ذمہ اللہ نے نہ لیا ہو

لیکن اس کے ضامن رزق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے سب کے لیے زندگی و معیشت کے سروسامان مہیا کر دیئے ہیں۔اور جنگلوں، پہاڑوں، دریاؤں، میدانوں اور زمین کی وسعتوں میں سب کا حصہ یکساں رکھا ہے اور ہر ایک کو ان سے فائدہ اٹھانے کا حق دیا ہے۔اس کے انعامات کسی ایک سے مخصوص نہیں ہیں اور نہ اس کے رزق کا دروازہ کسی کے لیے بند ہے۔چنانچہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے۔

ہم ان کی اور ان کی تمہارے پروردگار کی بخششوں سے مدد کرتے ہیں۔ اور تمہارے پروردگار کی بخشش کسی کے لیے بند نہیں۔

اب کوئی تن آسانی وسہل پسندی کی وجہ سے ان چیزوں کو حاصل نہ کرے اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے، تو ایسا نہیں کہ گھر بیٹھے روزی پہنچ جایا کرے۔ اس نے تو زمین پر گونا گوں نعمتوں کے خوان چن دیئے ہیں۔ لیکن انہیں حاصل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھانے کی ضرورت ہے۔ سمندر کی تہ میں موتی بکھیر دیئے ہیں۔ لیکن انہیں نکالنے کے لیے غوطہ زنی کی حاجت ہے۔ پہاڑوں کے دامن میں لعل وجواہر بھر دیئے ہیں۔ لیکن کوہ کنی کے بغیر ان تک رسائی نہیں ہو سکتے۔ زمین میں نمو کے خزانے موجود ہیں۔ مگر تخم پاشی کے بغیر ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ دنیا میں چوطرفہ رزق کے انبار بکھرے ہوئے ہیں سفر کی مشقتوں کے بغیر انہیں سمیٹا نہیں جاسکتا۔ چنانچہ پروردگار عالم کا ارشاد ہے۔

زمین کے اطراف وجوانب میں چلو پھرو، اور اس کا رزق کھاؤ۔

اس کے رازق ہونے کے یہ معنی نہیں کہ نہ کدوکاوش کرنا پڑے نہ تلاشِ معاش میں گھر سے نکلنا پڑے اور خود بخود روزی پہنچ جایا کرے۔ بلکہ رازق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے زمین میں نشوونما کی صلاحیت پیدا کی۔ روئیدگی کے لیے بادل برسائے پھل، سبزیاں، اور

غلے پیدا کئے۔ یہ سب تو اللہ کی طرف سے ہے لیکن ان کا حاصل کرنا سعی و عمل سے وابستہ ہے جو جدو جہد کرے گا۔ وہ اپنی کوشش و ریاضت کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہوگا اور جو اپنی کوشش سے ہاتھ اٹھالے گا، وہ اپنی سستی و کوتاہی کے نتائج سے دو چار ہوگا۔ چنانچہ قدرت کا ارشاد ہے:۔

انسان کو وہی حاصل ہوتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے.

نظامِ قدرت اسی پر قائم ہے کہ بوؤ اور کاٹو، اور بوئے بغیر روئیدگی کی امید رکھنا، اور کئے بغیر نتائج کی اس لگانا غلط ہے اعضاؤ جوارح ہیں ہی اسی لیے کہ انہیں بر سر عمل رکھا جائے۔ چنانہ حضرت باری تعالیٰ کا جناب مریم علیہا السلام سے خطاب ہے۔

تم خرمے کے درخت کا تنہ اپنی طرف ہلاؤ تم پر پکے ہوئے خرمے گریں گے، انہیں کھاؤ اور (چشمے کا پانی) پیو، اور اپنی انکھیں ٹھنڈی کرو۔

قدرت نے حضرت مریم علیہا السلام کے لیے کھانے پینے کا سامان مہیا کر دیا۔ لیکن ایسا نہیں کیا کہ خرموں کو درخت سے اتار کر ان کی جھولی میں ڈال دیا ہو۔ کیونکہ جہاں تک رزق کے پیدا کرنے کا تعلق ہے وہ اسی کا کام ہے۔ اس لیے درخت کو سرسبز و شاداب کیا، اس میں پھل

لگائے اور پھلوں کو پختہ کر دیا۔ لیکن جب انہیں اتارنے کی نوبت اتی ہے، تو قدرت دخل نہیں دیتی۔ صرف حضرت مریم کو ان کا کام یاد دلایا جاتا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ کو ہلائیں، اور اپنے رزق کو حاصل کریں۔

اگر اس کی رازقیت کے یہی معنی ہیں کہ « جو دیتا ہے وہی دیتا ہے اور جو ملتا ہے اسی کی طرف سے ملتا ہے۔» تو پھر انسان جو کچھ بھی کھائے کمائے گا، اور جس طرح بھی حاصل کرے گا، اوہ اس کے لیے حلال ہی ہوگا۔ خواہ چوری سے حاصل ہو یا رشوت سے ظلم سے حاصل ہو یا غصب سے۔ کیونکہ یہ اللہ کا فعل اور اس کا دیا رزق ہوگا جس میں انسان کے اختیار کا کچھ دخل نہ ہوگا اور جہاں کوئی چیز اختیار کے حدود سے باہر ہو اس کے لیے حلال و حرام کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور نہ اس سے کسی قسم کی باز پرس ہوتی ہے اور جب ایسا نہیں بلکہ اس سے حلال وحرام کا تعلق ہوتا ہے، تو پھر اسے انسانی اعمال سے متعلق ہونا چاہئے تا کہ اس سے پوچھا جا سکے کہ اس نے حلال طریقہ سے حاصل کیا ہے یا حرام طریقہ سے البتہ جہاں اس نے اکتساب رزق کی قوتیں ہی نہیں دیں، وہاں رشق رسانی کا ذمہ خود لیا ہے۔ چنانچہ شکمِ مادر میں جنین کے لیے غذا کے پہنچانے کا سروسامان کیا، جو اس کی ضرورت اور احتیاج کے مطابق اسے ملتا رہتا ہے۔ لیکن جب یہی بچہ کارگاہ ہستی میں قدم رکھتا ہے اور ہاتھ پیر ہلائے کی سکت اس میں اجاتی ہے، تو پھر منہ ہلائے بغیر اپنے سرچشمہ رزق سے غذا حاصل نہیں کرسکتا۔

2.کائناتِ ہستی کے نظم ونسق میں جس طرح نتائج کے ترتب کو انسانی کارگزاریوں سے وابستہ کیا ہے جس سے قوت عمل باطل نہیں ہوتی، اسی طرح ان مساعی کو کامیانی و ناکامی کو اپنی مشیت کا پابند بھی بنایا ہے تاکہ انسان اپنی طاقت عمل پر بھروسہ کر کے خالق کو نہ بھول جائے۔ یہی جبر وتفویض کے درمیان امر بین الامرین کا نقطہ ہے۔ چنانچہ جس طرح تمام کائنات میں قدرت کا ہمہ گیر اور محکم قانون کام کر رہا ہے، اس طرح رزق کی پیدوار اور اس کی تقسیم بھی تدبیر وتقدیر دونوں کی کارفرمائی کے ساتھ اس کے ٹھہرائے ہوئے اندازے کے مطابق ہوتی ہے جو انسانی نتائج عمل کے تناسب اور پھر اس کی حکمت و مصنحت کی کارفرمائی کی وجہ سے کہیں کم ہے اور کہیں زیادہ۔ اب چونکہ سامان معیشت کا وہی خالق وموجد ہے اور اکتساب رزق کی قوتیں اس کی بخشی ہوئی ہیں، اس لیے رزق کی کمی وبیشی کی نسبت اسی کی طرف دی گئی ہے کہ اس نے سعی وعمل کے اختلاف اور مصالح عباد کے پیش نظر رزق کے الگ الگ معیار اور مختلف پیمانے مقرر کئے ہیں۔ کہیں افلاس ہے اور کہیں خوش حالی کہیں تکلیف ہے اور کہیں راحت، کوئی مسرت واطمینان کے گھوارے میں جھول رہا ہے، اور کوئی فقرو ناداری کی سختیاں جھیل رہا ہے۔ چنانچہ قرانِ کریم میں ہے:۔

اللہ جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے، اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیت اہے، بے شک وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

امیر المومنین نے خطبہ 23 میں اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

ہر شخص کے مقسوم میں جو کم یا زیادہ ہے اسے لے کر فرمان قضا اسمان سے زمین پر اس طرح اترتے ہیں جس طرح بارش کے قطرے۔

چنانچہ جس طرح بارش کے فیضان کا ایک نظم و انضباط ہے کہ سطح سمندر سے بخارات انہیں اور پانی کے ذخیرے اٹھائے ہوئے فضا میں گھنگور گھٹا کی صورت میں پھیل جائیں اور قطرہ قطرہ کر کے اس طرح ٹپکیں کہ قطروں کے تار بندھ جائیں اور میدانی زمینوں اور بلند ٹیلوں کی رگوں اور نسوں کو سیراب کرتے ہوئے اگے بڑھ جائیں اور جہاں نشیب ہو، پانی کے خزانے جمع کرتے رہیں تا کہ پیاسے اکر پیئیں، جانور سیراب ہوں، اور سوکھی زمینوں کی اس سے ابیاری ہو۔ یونہی اللہ سبحانہ نے زندگی و معیشت کے تمام سر و سامان مہیا کر رکھے ہیں۔ لیکن اس کی بخشش کا ایک مقررہ اندازہ ہے جس میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔

کوئی چیز ایسی نہیں جس کے (بھرپور) خزانے ہمارے پاس موجود نہ ہوں۔ لیکن ہم ہر چیز کو مقررہ پیمانے پر بھیجتے ہیں۔

اگر انسان کی بڑھتی ہوئی طمع وحرص کے پیمانے چھلکنے لگیں، تو جس طرح بارش کی فراوانی، روئیدگی اور شادابی کے بجائے فصلیں تباہ کر دیتی ہے، یونہی سامانِ معیشت وضروریاتِ زندگی کی کثرت، انسان کو اللہ سے بے نیاز اور بغاوت وسرکشی پر امادہ کر دے چنانچہ اللہ سبحانہ فرماتا ہے۔

اگر خدا اپنے بندوں کی روزی میں فراخی کر دے، تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگیں۔ وہ تو ایک اندازے پر جس کے لیے جتان چاہتا ہے بھیجتا ہے اور وہ اپنے بندوں (کی مصلحتوں) سے واقف اوران پر نظر رکھتا ہے۔

اور اگر رزق میں کمی کر دے تو جس طرح بارش کا رک جانا زمین کو بنجر اور چو پاؤں کو ہلاک کر دیتا ہے، یونہی ذرائع رزق کی بندش سے انسانی معاشرہ تباہ وبرباد ہو کر رہ جائے اور زندگی و معیشت کا کوئی سروسامان باقی نہ رہے چنانچہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے۔

اگر خدا اپنی روزی کو روک لے، تو کون ایسا ہے جو تمہیں روزی دے۔

لہذا اس حکیم و دانا نے ایک متناسب ومعتدل طریقہ پر نظام رزق جاری کیا ہے اور رزق کی اہمیت ظاہر کرنے اور ایک کو دوسرے سے مرتبط رکھنے کے لیے رزق کی تقسیم میں تفرقے

پدیا کر دیئے ہیں۔ یہ تفرقہ اور غیر مساویانہ تقسیم کبھی خود انسانی مساعی کے اختلاف کا نتیجہ ہوتی ہے اور کبھی نظام عالم کے مجموعی مفاد اور اس کی حکمت و مصلحت کی کارفرمائی کی بنا پر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اگر فقیر و احتیاج میں نادار کے صبر و استقلال کا امتحان لیا ہے تو ثروت و دولت میں دولتمند کے شکر اور ادائیگی حقوق کی کڑی اشمائش ہے کہ وہ فقراء و مساکین کے حقوق ادا کرتا ہے یا نہیں، ناداروں اور فاقہ کشوں کی خبر لیتا ہے یا نہیں، اور پھر جہاں دولت ہوگی، طرح طرح کے خطرات بھی پیدا ہوں گے۔ کبھی مال و جائیداد کے لیے خطرہ ہوگا کبھی فقر و افلاس کا کھٹکا ہوگا۔

چنانچہ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے کہ جو دولت کے نہ ہونے کی وجہ سے اپنے کو زیادہ مطمئن اور خوش پاتے ہوں گے ان کے نزدیک یہ بے سروسامانی اور بے مائیگی اس دولت سے کہیں زیادہ بہتر ہوگی جو ان کے ارام و اطمینان کو چھین لے اور کبھی یہی دولت جسے انسان جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے اور اس کے جان جانے کا سبب بن جاتی ہے پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب تک دولت نہ تھی، اخلاق محفوظ تھے۔ سیرت بے داغ تھی اور ادھر مال و دولت کی فراوانی ہوئی کہ اخلاق تباہ وہ گئے کردار بگڑ گیا۔ اب شراب کا دور بھی ہے، مہوشوں کا جمگھٹا بھی ہے نغمہ و سرود کی بزم بھی ہے اس صورت میں دولت کا نہ ہونا ہی ایک نعمت تھا۔ لیکن انسان اللہ کی مصلحت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے چیخ اٹھتا ہے اور وقتی تکلیف سے متاثر ہو کر شکوہ شکایت پر اتر اتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ کتنی برائیوں سے اس کا دامن بچا رہا ہے کہ

جو دولت کے ہونے کی وجہ سے پیدا ہو سکتی تھیں۔لہذا دولت اگر راحت کی کفیل ہے تو فقراء اخلاق کا نگہبان ہے۔

3.امیر المومنین نے جس اعجازی بلاغت کے ساتھ خداوندِ عالم کے عالم جزئیات ہونے پر روشنی ڈالی ہے اور جن پر شکوہ لفظوں کے ساتھ اس کے علم کی ہمہ گیری کی تصویر کھینچی ہے، وہ منکر کے ذہن کو بھی متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی، چنانچہ ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے:۔

اگر ارسطا طالیس کو جو خداوندِ عالم کے عالم جزئیات ہونے کا منکر ہے اس کلام کو سنے ل، تو اس کا بھی دل جھک جائے۔رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور خیالات میں انقلاب پیدا ہو جائے کیا اس کلام کی اب وتاب دبدبہ وطنطنہ، شکوہ وجلال اور متانت وپختگی تم نہیں دیکھتے اور ان اوصاف کے علاوہ اس میں شیریں بیانی، رنگینی، لطافت اور سلامت کے جوہر نمایاں ہیں مجھے تو کوئی کلام اس سے ملتا جلتا ہوا نظر نہیں اتا۔ہاں اگر کوئی کلام اس سے میل کھتا ہے تو وہ خالقِ کلام کا کلام ہے اور اس میں تعجب ہی کیا ہے۔جب کہ یہ اسی شجر کی بلند شاخ، ایس دریا کی جدول اور اسی تجلی کا پرتو ہے۔

جن لوگوں نے صرف اسے عالمِ کلیات مانا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ جزئیات میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے لہذا اسے عالم نزئیات ماننے کی صورت میں اس کے علم کو بھی متغیر ماننا

پڑے گا، اور علم چونکہ عین ذات ہے لہذا ذات بھی تغیرات کی اماجگاہ بن جائے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عادث قرار پا کر اپنی قدامت کو کھو بیٹھے گا۔ مگر یہ ایک ظاہر فریب مغالطہ ہے اس لیے کہ تگیر معلوم سے تغیر علم اس وقت لازم اتا ہے کہ جب یہ مانا جائے کہ اسے ان تغیرات کا علم نہیں اور اگر تمام تغیر وتبدل کی صورتیں اس کے سامنے ائینہ ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ تغیر معلومات سے اس کے علم کو بھی تغیر پذیر سمجھ لیا جائے جب کہ یہ تغیر صرف معلوم تک محدود ہے اور علم پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

خطبہ 90:

جب قتلِ عثمان1 کے بعد اپ کے ھاتھ پر بیعت کا ارادہ کیا گیا، تو اپ نے فرمایا:۔

مجھے چھوڑ دو، اور (اس خلافت کے لیے) میرے علاوہ کوئی اور ڈھونڈ لو۔ ہمارے سامنے ایک ایسا معاملہ ہے جس کے کئی رخ اور کئی رنگ ہیں۔ جسے نہ دل برداشت کر سکتے ہیں اور نہ عقلیں اسے مان سکتی ہیں (دیکھو افق عالم پر گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ راستہ پہچاننے میں نہیں اتا تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر میں تمہاری اس خواہش کو مان لوں تو تمہیں اس راستے پر لے چلوں گا۔ جو میرے علم میں ہے اور اس کے متعلق کسی کہنے والے کی بات اور کسی ملامت کرنے والے کی شرزنش پر کان نہیں دھروں گا۔ اور اگر تم میرا پیچھا چھوڑ دو تو پھر جیسے تم ہو ویسا میں ہوں اور ہوسکتا ہے کہ جسے تم اپنا امیر بناؤ اس کی میں تم سے زیادہ سنوں اور مانوں اور میرا (تمہارے دنیوی مفاد کے لیے) امیر ہونے سے وزیر ہونا بہتر ہے۔»

1۔جب حضرت عثمان کے قتل ہو جانے سے مسندِ حکومت خالی ہوئی تو مسلمانوں کی نظریں امیرالمومنین کی طرف اٹھنے لگیں جن کی سلامت روی اصول پرستی اور سیاسی بصیرت کا اس طویل مدت میں انہیں بڑی حد تک تجربہ ہو چکا تھا چنانچہ متفقہ طور پر اپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کے لیے اس طرح ٹوٹ پڑے، جس طرح بھولے بھٹکے مسافر دور سے منزل کی جھلک دیکھ کر اس کی سمت لپک پڑتے ہیں جیسا کہ مورخ طبری نے لکھا ہے۔

لوگ امیرالمومنین پر ہجوم کر کے ٹوٹ پڑے اور کہنے لگے کہ ہم اپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں اور اپ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام پر کیا کیا مصیبتیں ٹوٹ رہی ہیں، اور پیغمبر کے قریبیوں کے بارے میں ہماری کیسی ازمائش ہو رہی ہے۔

مگر امیرالمومنین نے ان کی خواہش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔جس پر ان لوگوں نے شور مچایا اور چیخ چیخ کر کہنے لگے کہ اے ابوالحسن اپ اسلام کی تباہی پر نظر نہیں کرتے، فتنہ و شر کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو نہیں دیکھتے کیا اپ خدا کا خوف بھی نہیں کرتے پھر بھی حضرت نے امادگی کا اظہار نہ فرمایا کیونکہ اپ دیکھ رہے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد جو ماحول بن گیا تھا۔ اس کے اثرات دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں۔طبیعتوں میں خودغرضی و جاہ پسندی جڑ پکڑ چکی ہے ذہنوں پر مادئیت کے خلاف چڑھ چکے ہیں۔اور حکومت کو مقصد براریوں کا ذریعہ قرار دینے کی عادت پڑ چکی ہے۔اب خلافت الٰہیہ کو بھی مادیت کا رنگ دے کر اس سے کھیلنا

چاہیں گے۔ ان حالات میں ذہنیتوں کو بدلنے اور طبیعتوں کے رخ موڑنے میں لو ہے گل جائیں گے۔ ان تاثرات کے علاوہ یہ مصلحت بھی کارفرما تھی کہ ان لوگوں کو سوچ سمجھ لینے کا موقعہ دے دیا جائے تاکہ کل اپنے مادی توقعات کو ناکام ہوتے دیکھ کر یہ نہ کہنے لگیں کہ یہ بیعت وقتی ضرورت اور ہنگامی جذبہ کے زیر اثر ہوگئی تھی۔ اس میں سوچ بچار سے کام نہیں لیا گیا تھا۔ جیسا کہ خلافتِ اول کے متعلق حضرتِ عمر کا یہی نظریہ تھا جو ان کے اس قول سے ظاہر ہے:۔

ابوبکر کی خلافت بے سوچے سمجھے ہوگئی۔ مگر اللہ نے اس کے شر سے بچا لیا۔ اب اگر کوئی ایسا کرے تو اسے قتل کر دینا۔

غرض جب اصرار حد سے بڑھا، تو اس موقع پر یہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اس امر کو واضح کیا ہے کہ اگر تم مجھے دنیاوی مقاصد کے لیے چاہتے ہو تو میں تمہارا آلہ کار بننے کے لیے نہیں مجھے چھوڑ دو، اور اس مقصد کے لیے کسی اور کو منتخب کرلو جو تمہارے توقعات پورے کر سکے۔ تم میرے سابقہ سیرت کو دیکھ چکے ہو کہ میں قران وسنت کے علاوہ کسی کی سیرت پر عمل پیرا ہونے کے لیے تیار نہیں اور نہ حکومت کے لیے اپنے اصول سے ہاتھ اٹھاؤں گا۔ اگر تم کسی اور کو منتخب کرو گے تو میں ملکی قوانین وائیں حکومت کا اتنا ہی خیال کروں گا جتنا ایک پر امن شہری کو کرنا چاہیۓ میں نے کسی مرحلہ پر شورش برپا کر کے مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ کو

پراگندہ ومنتشر کرنے کی کوشش نہیں کی۔ چنانچہ اب بھی ایسا ہی ہوگا۔ بلکہ جس طرح مصالح عامہ کالحاظ کرتے ہوئے ہمیشہ صحیح مشورے دیتا ہوں، اب بھی دریغ نہ کروں گااور اگرتم مجھے اسی سطح پر رہنے دو،تو یہ چیز تمہارے دنیوی مفاد کے لیے بہتر ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں میرے ہاتھوں میں اقتدارنہیں ہوگا۔تمہارے دنیوی مفادات کے لیے سدراہ بن سکوں، اورتمہاری من مانی خواہشوں میں روڑے اٹکاؤں اورگر یہ ٹھان چکے ہوکہ میرے ہاتھوں پر بیعت کئے بغیر نہ رہو گے تو پھر یادرکھو کہ چاہے تمہاری پیشانیوں پر بل ائے اور چاہے تمہاری زبانیں میرے خلاف کھلیں میں تمہیں حق کی راہ پرلے چلنے پر مجبورکروں گا۔اورحق کے معاملہ میں کسی کی رورعایت نہیں کروں گا۔اس پربھی اگر بیعت کرنا چاہتے ہوتواپنا شوق پوراکرلو۔امیرالمومنین نے ان لوگوں کے بارے میں جونظریہ قائم کیا تھا۔بعد کے واقعات اس کی پوری پوری تصدیق کرتے ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے ذاتی اغراض ومقاصد کے پیش نظر بیعت کی تھی۔ جب انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی تو بیعت توڑ کرالگ ہو گئے اور بے بنیاد الزامات تراش کرحکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

خطبہ 91:

خوارج کی بیخ کنی اور اپنے علم کی همه گیری کے متعلق

اے لوگو1 !میں نے فتنہ وشرکی آنکھیں چھوڑ ڈالی ہیں۔اورجب اس کی تاریکیاں (موجوں کی طرح)تہ وبالا ہورہی تھیں۔اور(دیوانے کتوں کی طرح)اس کی دیوانگی زوروں پرتھی، تومیرے علاوہ کسی ایک میں جراَت نہ تھی کہ وہ اس کی طرف بڑھنا۔اب (موقعہ ہے)جو

چاہو مجھ سے پوچھ لو۔2 پیشتر اس کے کہ مجھے نہ پاؤ۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم اس وقت سے لے کر قیامت تک کے درمیانی عرصے کی جو بات مجھ سے پوچھو گے میں بتاؤں گا۔ اور کسی ایسے گروہ کے متعلق دریافت کرو گے کہ جس نے سو کو ہدایت کی ہو اور سو کو گمراہ کیا ہو تو میں اس کے للکارنے والے اور اسے اگے سے کھینچنے والے اور پیچھے سے دھکیلنے والے اور اس کی سواریوں کی منزل اور اس کے (ساز و سامان سے لدے ہوئے) پالانوں کے اترنے کی جگہ تک بتاؤں گا۔ اور یہ کہ کون ان میں سے قتل کیا جائے۔ اور کون (اپنی موت) مرے گا اور جب میں رہوں گا اور ناخوشگوار چیزیں اور سخت شکلیں پیش ائیں گی تو (دیکھ لینا) کہ بہت سے پوچھنے والے پریشانی سے سر نیچے ڈال دیں گے اور بتانے والے عاجز و درماندہ ہو جائیں گے۔ یہ اس وقت ہو گا کہ جب تم پر لڑائیاں زور سے ٹوٹ پڑیں گے اور اس کی سختیاں نمایاں ہو جائیں گی۔ اور دنیا اس طرح تم پر تنگ ہو جائے گی کہ مصیبتوں کے دنوں کو تم یہ سمجھنے لگو گے کہ وہ بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ خداوند عالم تمہارے باقی ماندہ لوگوں کو فتح و کامرانی دے گا۔ فتنوں کی یہ صورت ہوتی ہے کہ جب وہ آتے ہیں، تو اس طرح اندھیرے میں ڈال دیتے ہیں کہ (حق و باطل) کا امتیاز تمہیں ہوتا اور پلٹتے ہیں تو ہوشیار کر کے جاتے ہیں۔ جب اتے ہیں تو شناخت نہیں ہوتی پیچھے ہٹتے ہیں تو پہچانے جاتے ہیں۔ وہ ہواؤں کی طرح چکر لگاتے ہیں، کسی شہر کو اپنی زد پر رکھ لیتے ہیں کہ اور کوئی ان سے رہ جاتا ہے۔ میرے نزدیک سب فتنوں سے زیادہ خوفناک تمہارے لیے بنی امیہ کا فتنہ ہے جسے نہ خود کچھ نظر آتا ہے اور نہ اس میں کوئی چیز سجھائی دیتی

ہے اس کی آفتیں خاص ہی افراد کے لیے ہیں۔ جو اس میں حق کو پیش نظر رکھے گا۔ اس پر مصیبتیں آئیں گی اور جو آنکھیں بند رکھے گا۔ وہ ان سے بچا رہے گا۔ خدا کی قسم! میرے بعد تم بنی امیہّ کو اپنے لیے بدترین حکمران پاؤ گے۔ تو اس بوڑھی اور سرکش اونٹنی کے مانند ہیں جو منہ سے کاٹتی ہو۔ اور ادھر ادھر پیر مارتی ہو۔ اور دو ہنے والے پر ٹانگیں چلاتی ہو۔ اور دودھ دینے سے انکار کر دیتی ہو۔ وہ برابر تمہارا قلع قمع کرتے رہیں گے یہاں تک کہ صرف اسے چھوڑیں گے۔ جو ان کے مفید مطلب ہو یا (کم ازکم) ان کے لیے نقصان رساں نہ ہو۔ اور ان کی مصیبت اسی طرح گھیرے رہے گی۔ کہ ان سے دادخواہی ایسی ہی مشکل ہو جائے گا۔ جیسے غلام کے لیے اپنے اقا سے اور مُرید کی اپنے پیر سے۔ تم پر ان کا فتنہ ایسی بھیانک صورت میں آئے گا کہ جس سے ڈر لگنے لگے گا۔ اور زمانہ جاہلیت کی مختلف حالتوں کو لیے ہوگا۔ نہ اس میں ہدایت کا مینار نصب ہوگا، اور نہ راستہ دکھانے والا کوئی نشان نظر آئے گا۔ ہم (اہل بیت رسول) ان فتنہ انگیزیوں (کے گناہ سے) بچے ہوں گے، اور ان کی طرف لوگوں کو بلانے میں ہمارا کوئی حصہ نہ ہوگا پھر ایک دن وہ ائے گا کہ اللہ اس شخص کے ذریعہ سے جو انہیں ذلت کا مزا چکھائے اور سختی سے ہنکائے اور (موت کے) تلخ جام پلائے، اور ان کے سامنے تلوار رکھے اور خوف انہیں چمٹا دے۔ ان فتنوں سے اس طرح علیحدہ کر دے گا۔ جس طرح ذبیحہ سے کھال الگ کی جاتی ہے۔ اس وقت قریش دینار، فیہا کے بدلہ میں یہ چاہیں گے۔ کہ وہ مجھے صرف اتنی دیر کہ جتنی اونٹ کے ذبح ہونے میں لگتی ہے۔ کہیں ایک دفعہ دیکھ لیں تا کہ میں اس چیز کو قبول کر لوں کہ جس کا آج کچھ حصہ بھی طلب کرنے کے

باوجود دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

1.امیر المومنین نے یہ خطبہ جنگ نہرواں کے بعد ارشاد فرمایا۔اس میں فتنہ سے مراد وہ جنگیں ہیں جو بصرہ، صفین اور نہروان میں لڑی گئیں۔ چونکہ ان کی نوعیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جنگوں سے جداگانہ تھی (کیوں کہ وہاں مدمقابل کفار ہوتے تھے اور یہاں مقابلہ ان لوگوں سے تھا جو چہروں پر اسلام کی نقاب ڈالے ہوئے تھے) اس لیے لوگ اہل قبلہ سے جنگ کرنے کے لیے متردد تھے اور یہ کہتے تھے کہ جو لوگ اذانیں دیتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں ان سے قتال کیسا۔ چنانچہ خزیمہ ابن ثابت انصاری جیسے بزرگ اس وقت تک صفین میں شریک جنگ نہیں ہوئے۔ جب تک عمار یاسر کی شہادت نے شامیوں کا گروہ باغی ہونا ثابت نہ کر دیا۔ یونہی بصرہ میں ام المومنین کے ہمراہ عشرہ مبشرہ میں شمار ہونے والے طلحہ وزبیر ایسے صحابہ کی موجودگی اور نہروان میں خوارج کی پیشانیوں کے گھٹے اور ان کی نمازیں اور عبادتیں ذہنوں میں خلفشار پیدا کئے ہوئے تھیں۔ اندریں حالات ان کے سامنے شمشیر بکف کھڑے ہونے کی جرأت وہی کرسکتا تھا جو ان کے مکنون قلب سے واقف اور ان کے ایمان کی حقیقت سے آشنا ہو۔ اور یہ امیر المومنین ع ہی کی بصیرت خاص و ایمانی جرأت کا کام تھا۔ کہ ان کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کی تصدیق فرمادی ستقاتل بعدی الناکثین والقاسطین والمارقین اے علی تم میرے بعد بیعت توڑنے والوں (اصحابِ جمل) ظلم ڈھانے والوں (اہل شام) اور دین سے بے راہ ہو جانے والوں

(خوارج) سے جنگ کرو گے۔

2. پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی متنفس امیر المومنین کے علاوہ یہ دعویٰ نہ کر سکا کہ جو پوچھنا چاہو پوچھ لو۔ چنانچہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ لم یکن احدا من الصحابتہ بقول سلونی الاعلی ابن ابی طالب: صحابہ میں سے کوئی ایک بھی یہ دعوے نہ کر سکا کہ جو پوچھنا چاہو ہم سے پوچھ لو سوا ابن ابی طالب کے۔ البتہ صحابہ کے علاوہ تاریخ میں چند نام ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے ایسا دعویٰ کرنے کی جرأت کی جیسے ابراہیم ابن ہشام، مقاتل ابن سلیمان، قتادہ، سبط ابن جوزی اور محمد ابن ادریس شافعی وغیرہ مگر ان میں سے ہر شخص سوال کے موقع پر رسوا اور اپنے اس دعوے کو واپس لینے پر مجبور ہوا۔ یہ دعویٰ وہی کر سکتا ہے جو حقائق عالم سے واقف اور مستقبل کے واقعات سے آگاہ ہو۔ چنانچہ امیر المومنین ہی وہ ورکشائے علوم نبوت تھے جو کسی موقعہ پر کسی سوال کے جواب سے عاجز ہوتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر کو بھی یہ کہنا پڑتا تھا کہ۔ اعوذ باللہ من معضلتہ لیس لھا ابوالحسن۔ میں اس مشکل سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں جس کے حل کرنے کے لیے امیر المومنین نہ ہوں۔ یونہی مستقبل کے متعلق جو پشین گوئیاں اپ نے کیں، وہ حرف بحرف پوری ہو کر آپ کی تاخت و تاراج کے بارے میں ہوں یا زنگیوں کی حملہ اوریوں کے متعلق۔ وہ بصرہ کی غرقابی کے بارے میں ہوں یا کوفہ کی تباہی کے متعلق۔ غرض جب یہ واقعات تاریخی حیثیت سے مسلمہ حیثیت رکھتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ اپ کے اس دعوے پر تعجب کیا جائے۔

خطبہ 92: خدا کی حمد میں فرمایا

بابرکت ہے وہ خدا کہ جس کی ذات تک بلند پرواز ہمتوں کی رسائی نہیں اور نہ عقل وفہم کی قوتیں اسے پاسکتی ہیں۔ وہ ایسا اوّل ہے کہ جس کے لیے نہ کوئی نقطۂ ابتداء ہے کہ وہ محدود ہو جائے اور نہ کوئی اس کا آخر ہے کہ (وہاں پہنچ کر) ختم ہو جائے۔ اسی خطبہ کے ذیل میں فرمایا:۔ اس نے ان (انبیاء) کو بہترین سونپے جانے کی جگہوں میں رکھا، اور بہترین ٹھکانوں میں ٹھہرایا وہ بلند مرتبہ صلبوں سے پاکیزہ شکموں کی طرف منتقل ہوتے رہے۔ جب ان میں سے کوئی گزر جانے والا گزر گیا، دوسرا دین خدا کو لے کر کھڑا ہو گیا۔ یہاں تک یہ الٰہی شرف محمد تک پہنچا جنہیں ایسے معدنوں سے کہ جو پھلنے پھولنے کے اعتبار سے بہترین، اور ایسے اصلوں سے کہ جو نشوونما کے لحاظ سے بہت باوقار تھیں، پیدا کیا اسی شجرہ سے، کہ جس سے بہت سے انبیاء پیدا کئے اور جس میں سے اپنے امین منتخب فرمائے۔ ان کی عزت بہترین عزت، اور قبیلہ بہترین قبیلہ، اور شجرہ بہترین شجرہ ہے۔ جو سرزمین حرم پر اُگا، اور بزرگی کے سایہ میں بڑھا۔ جس کی شاخیں دراز اور پھل دسترس سے باہر ہیں وہ پرہیزگاروں کے امام، ہدایت حاصل کرنے والوں کے لیے (سرچشمہ) بصیرت ہیں۔ وہ ایسا چراغ ہیں۔ جس کی روشنی لودیتی ہے۔ اور ایسا روشن ستارہ جس کا نور ضیا پاش، اور ایسا چقماق، جس کی ضوشعلہ نشاں ہے۔ ان کی سیرت (افراط وتفریط سے بچ کر) سیدھی راہ پر چلنا اور سنت ہدایت کرنا ہے۔ ان کا کلام حق و باطل کا فیصلہ کرنے والا، اور حکم عین عدل ہے۔ اللہ نے

انہیں اس وقت بھیجا کہ جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ رکا ہوا تھا بد عملی پھیلی ہوئی، اور امتوں پر غفلت چھائی ہوئی تھی۔ اللہ تم پر رحم کرے۔ روشن نشانوں پر جم کر عمل کرو۔ راستہ بالکل سیدھا ہے۔ وہ تمہیں سلامتیوں کے گھر (جنت) کی طرف بلا رہا ہے اور ابھی تم ایسے گھر میں ہو کہ جہاں تمہیں اتنی مہلت و فراغت ہے کہ اس کی خوشنودیاں حاصل کر سکو۔ ابھی موقعہ ہے، چونکہ اعمال نامے کھلے ہوئے ہیں۔ قلم چل رہے ہیں۔ بدن تندرست و توانا ہیں۔ زبان آزاد ہے، توبہ سنی جا سکتی ہے اور اعمال قبول کئے جا سکتے ہیں۔

خطبہ 93:

بعثت کے وقت لوگوں کی حالت اور رسول ﷺ کی تبلیغ میں مساعی کے متعلق

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت میں بھیجا کہ جب لوگ حیرت و پریشانی کے عالم میں گم کردہ راہ تھے اور فتنوں میں ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ نفسانی خواہشوں نے انہیں بھٹکا دیا تھا۔ اور غرور نے بہکا دیا تھا اور بھرپور جاہلیت نے ان کی عقلیں کھو دی تھیں اور حالات کے ڈانواں ڈول ہونے اور جہالت کی بلاؤں کی وجہ سے حیران و پریشان تھے۔ چنانچہ نبی نے انہیں سمجھانے بجھانے کا پورا حق ادا کیا خود سیدھے راستے پر جمے رہے اور حکمت و دانائی اور اچھی نصیحتوں کی طرف انہیں بلاتے رہے۔

خطبہ 94:

نبی ﷺ کی مدح میں فرمایا

تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جو اوّل ہے اور کوئی شے اس سے پہلے نہیں۔ اور آخر ہے اور کوئی چیز اس کے بعد نہیں، وہ ظاہر ہے اور کوئی شے اس سے بالاتر نہیں اور باطن ہے، اور کوئی چیز اس سے قریب تر نہیں۔ اسی خطبہ کے ذیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٗ وسلم کا ذکر فرمایا:۔ بزرگی اور شرافت کے معدنوں اور پاکیزگی کی جگہوں میں ان کا مقام بہترین مقام اور مزربوم بہترین مزربوم ہے۔ ان کی طرف نیک لوگوں کے دل جھکا دیئے گئے ہیں اور نگاہوں کے رخ موڑ دیئے گئے ہیں۔ خدا نے ان کی وجہ سے فتنے دبا دیئے، اور (عداوتوں کے) شعلے بجھا دیئے بھائیوں میں الفت پیدا کی اور جو (کفر میں) اکٹھے تھے، انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ (اسلام کی پستی و ذلت کو عزت بخشی، اور کفر کی) عزت و بلندی کو ذلیل کر دیا۔ ان کا کلام (شریعت کا) بیان اور سکوت (احکام کی) زبان تھی۔

خطبہ 95:

اپنی فوج کو سرزنش اور تنبیہ

اگر اللہ نے ظالم کو مہلت دے رکھی ہے تو اس کی گرفت سے تو وہ ہرگز نہیں نکل سکتا، اور وہ اس کی گزرگاہ اور گلے میں ہڈی پھنسنے کی جگہ پر موقع کا منتظر ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ قوم (اہل شام) تم پر غالب آ کر رہے گی۔ اس لیے نہیں کہ ان کا حق تم

سے فائق ہے۔ بلکہ اسی لیے کہ وہ اپنے ساتھی (معاویہ) کی طرف باطل پر ہونے کے باوجود تیزی سے لپکتے ہیں اور تم میرے حق پر ہونے کے باوجود سستی کرتے ہو۔ رعیتیں 1 اپنے حکمرانوں کے ظلم وجور سے ڈرا کرتی تھیں اور میں اپنی رعیت کے ظلم سے ڈرتا ہوں۔ میں نے تمہیں جہاد کے لیے ابھارا، لیکن تم (اپنے گھروں سے) نہ نکلے۔ میں نے تمہیں (کارآمد باتوں کو) سنانا چاہا مگر تم نے ایک نہ سنی اور میں نے پوشیدہ بھی اور علانیہ بھی تمہیں جہاد کے لیے پکارا اور للکارا۔ لیکن تم نے ایک نہ مانی اور سمجھایا بجھایا مگر تم نے میری نصیحتیں قبول نہ کیں۔ کیا تم موجود ہوتے ہوئے بھی غائب رہتے ہو، حلقہ بگوش ہوتے ہوئے گویا خود مالک ہو، میں تمہارے سامنے حکمت اور دانائی کی باتیں بیان کرتا ہوں اور تم ان سے بھڑکتے ہو۔ تمہیں بلند پایہ نصیحتیں کرتا ہوں اور تم پراگندہ خاطر ہو جاتے ہو۔ میں ان باغیوں سے جہاد کرنے کے لیے تمہیں امادہ کرتا ہوں، تو ابھی میری بات ختم بھی نہیں ہوتی کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم اولاد سبا 2 کی طرح تتر بتر ہو گئے۔ اپنی نشست گاہوں کی طرف واپس چلے جاتے ہو۔ اور ان نصیحتوں سے غافل ہو کر ایک دوسرے کے چکمے میں آجاتے ہو۔ صبح کو میں تمہیں سیدھا کرتا ہوں اور شام کو جب اتے ہو تو (ویسے کے ویسے) کمان کی پشت کی طرح ٹیڑھے۔ سیدھا کرنے والا عاجز آ گیا، اور جسے سیدھا کیا جا رہا ہے وہ لاعلاج ثابت ہوا۔ اے وہ لوگو! جن کے جسم تو حاضر ہیں اور عقلیں غائب اور خواہشیں جُدا جدا ہیں۔ ان پر حکومت کرنے والے ان کے ہاتھوں ازمائش میں پڑے ہوئے ہیں۔ تمہارا حاکم اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ اور تم اس کی نافرمانی کرتے ہو، اور اہل شام کا حاکم اللہ کی نافرمانی کرتا

ہے۔مگر وہ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔خدا کی قسم! میں یہ چاہتا ہوں کہ معاویہ تم میں سے دس مجھ سے لے لے، اور بدلے میں اپنا ایک ادمی مجھے دے دے،جس طرح دینار کا تبادلہ درہموں سے ہوتا ہے اے اہل کوُفہ میں تمہاری تین اوران کے علاوہ دو باتوں میں مبتلا ہوں پہلے تو یہ کہ تم کان رکھتے ہوئے بہرے ہو، اور بولنے چالنے کے باوجود گونگے ہو، اور انکھیں ہوتے ہوئے اندھے ہو۔اور پھر یہ کہ نہ تم جنگ کے موقعہ پر سچے جوانمرد ہو، اور نہ قابل اعتماد بھائی ہو۔اے ان اونٹوں کی چال ڈھال والو کہ جن کے چرواہے گم ہو چکے ہوں اور انہیں ایک طرف سے گھیر کر لایا جاتا ہے تو دوسری طرف سے بکھر جاتے ہیں۔خدا کی قسم! جیسا کہ میرا تمہارے متعلق خیال ہے۔گویا یہ منظر میرے سامنے ہے کہ اگر جنگ شدت اختیار کرلے اور میدان کارزار گرم ہو جائے،تو تم ابن ابی طالب سے ایسے شرمناک طریقے پر علیحدہ ہو جیسے عورت بالکل برہنہ ہو جائے۔میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل اور اپنے نبی کے طریقے اور شاہراہ حق پر ہوں (جسے میں باطل کے راستوں میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاتا رہتا ہوں۔

اپنے نبی کے اہل بیت کو دیکھو، ان کی سیرت پر چلو، اوران کے نقش قدم کی پیروی کرو۔وہ تمہیں ہدایت سے باہر نہیں ہونے دیں گے۔اور نہ گمراہی و ہلاکت کی طرف پلٹائیں گے۔ اگر وہ کہیں ٹھہریں،تو تم بھی ٹھہر جاؤ اور اگر وہ اٹھیں،تو تم بھی اٹھ کھڑے ہو۔ان سے اگے نہ بڑھ جاؤ، ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے اور نہ (انہیں چھوڑ کر) پیچھے رہ جاؤ، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص خاص اصحاب دیکھے ہیں۔مجھے تو تم میں سے ایک بھی ایسا نظر نہیں اتا،

جوان کے مثل ہو وہ اس عالم میں صبح کرتے تھے کہ ان کے بال بکھرے ہوئے اور چہرے خاک سے اٹے ہوتے تھے جب کہ رات کو وہ سجود و قیام میں کاٹ چکے ہوتے تھے۔ اس عالم میں کہ کبھی پیشانیاں سجدے میں رکھتے تھے اور کبھی رخسار۔ اور حشر کی یاد سے اس طرح بے چین رہتے تھے کہ جیسے انگاروں پر ٹھہرے ہوئے ہوں۔ اور لمبے سجدوں کی وجہ سے ان کی انکھوں کے درمیان (پیشانیوں پر) بکری کے گھٹنوں ایسے گٹے پڑے ہوئے تھے۔ جب بھی ان کے سامنے اللہ کا ذکر آ جاتا تھا۔ تو ان کی انکھیں برس پڑتی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کے گریبانوں کو بھگو دیتی تھیں۔ وہ اس طرح کانپتے رہتے تھے جس طرح تیز جھکڑ والے دن درخت تھرتھراتے ہیں۔ سزا کے خوف اور ثواب کی امید میں۔

1. پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو فضا پیدا کر دی گئی تھی، اس میں اہل بیت کے لیے گوشہ گزینی کے سوا کوئی راہ نہ تھی جس کی وجہ سے دنیا ان کے اصلی خدو خال سے بیگانہ اور ان کے علوم و کمالات سے نا آشنا ہو کر رہ گئی اور انہیں نظروں سے گرانا اور اقتدار سے الگ رکھنا ہی اسلام کی سب سے بڑی خدمت تصور کر لیا گیا۔ اگر حضرت عثمان کی کھلم کھلا بے عنوانیاں مسلمانوں کو کروٹ لینے اور آنکھ کھولنے کا موقع نہ دیتیں۔ تو ان کے بعد بھی امیر المومنین کی بیعت کا کوئی سوال نہ ہوتا تھا۔ بلکہ اقتداد جس رخ پر بڑھ رہا تھا اسی رخ پر بڑھتا رہتا۔ لیکن جن لوگوں کا اس سلسلہ میں نام لیا جا سکتا تھا۔ وہ اپنے دامن بند و قبا کو دیکھ کر اگے بڑھنے کی جراَت نہ کرتے تھے۔ اور معاویہ مرکز سے دور اپنی راجدھانی میں بیٹھا ہوا تھا۔ ان حالات

میں امیر المومنین کے سوا کوئی ایسا نہ تھا جس کی طرف نظریں اٹھتیں۔ چنانچہ نگاہیں آپ کے گرد طواف کرنے لگیں اور وہی عوام جو سیلاب کے بہاؤ اور ہوا کا رخ دیکھ کر دوسروں کی بیعت کرتے رہے تھے۔ اپ کے ہاتھوں پر بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے۔ لیکن یہ بیعت اس حیثیت سے نہ تھی کہ وہ اپ کی خلافت کو من جانب اللہ اور اپ کو امام مفترض الطاعۃ سمجھ رہے ہوں بلکہ انہیں کے اقرار دادہ اصول کے ماتحت تھی جسے جمہوری وشورائی قسم کے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔ البتہ ایک گروہ ایسا تھا جو اپ کی خلافت کو نصی سمجھتے ہوئے دینی فریضہ کی حیثیت سے بیعت کر رہا تھا۔ ورنہ اکثریت تو اپ کو دوسرے خلفاء کی طرح ایک فرمانروا اور بلحاظ فضیلت چوتھے درجہ پر یا خلفائے ثلاثہ کے بعد عام صحابہ کی سطح پر سمجھتی تھی، اور چونکہ رعیّت فوج اور عہدہ دار سابقہ حکمرانوں کے عقائد اعمال سے متاثر اور ان کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اس لیے جب کوئی بات اپنی منشاء کے خلاف پاتے تو بگڑتے، الجھتے، جنگ سے جی چراتے، اور سرکشی و نافرمانی پر اتر آتے تھے۔ اور پھر جس طرح پیغمبر کے ساتھ شریک جہاد ہونے والے کچھ دنیا کے طلب گار تھے اور کچھ آخرت کے اسی طرح یہاں بھی دنیا پرستوں کی کمی نہ تھی۔ جو بظاہر امیر المومنین ع سے ملے ہوئے تھے اور در پردہ معاویہ سے ساز باز رکھتے تھے جس نے ان میں سے کسی سے منصب کا وعدہ کر رکھا تھا، اور کسی کو دولت کا لالچ دے رکھا تھا۔

ان لوگوں کو شیعانِ امیر المومنین قرار دے کر شیعیت کو مورد الزام ٹھہرانا حقائق سے چشم پوشی

کرنا ہے جب کہ ان لوگوں کا مسلک وہی ہوسکتا ہے جو امیر المومنین کو چوتھے درجہ پر سمجھنے والوں کا ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید ان لوگوں کے مسلک و مذہب پر واشگاف لفظوں میں روشنی ڈالتے ہیں:۔

جو شخص امیر المومنین کے زمانہ خلافت کے واقعات کو گہری نظر سے دیکھے گا، وہ اس امر کو جان لے گا کہ امیر المومنین مجبور اور بے بس بنا دیئے گئے تھے، اور آپ کے بارے میں وہ اعتقاد نہ رکھتا تھا جو اعتقاد اپ کے متعلق رکھنا واجب و ضرور تھا۔ وہ پہلے خلفاء کو اپ پر فضیلت دیتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ فضیلت کا معیار خلافت ہے اور اس مسئلہ میں بعد والے الگوں کی تقلید و پیروی کرتے تھے۔ اور یہ کہتے تھے کہ اگر پہلے لوگوں کو یہ علم نہ ہوتا کہ پہلے خلفاء اپ پر فضیلت رکھتے تھے، تو وہ آپ پر انہیں مقدم نہ کرتے اور یہ لوگ تو اپ کو ایک تابع اور ان کی رعیت کی حیثیت سے جانتے پہچانتے تھے، اور جو لوگ اپ کے ساتھ شریک ہو کر جنگ کرتے تھے، ان میں اکثر حمیت اور عربی عصبیت کے پیش نظر شریک جنگ ہوتے تھے، نہ دین اور عقیدہ کی بنا پر۔

2. سبا ابن یشجب ابن یعرت ابن قحطان کی اولا د قبیلہ سبا کے نام سے موسوم ہے۔ جب ان لوگوں نے انبیاء کو جھٹلانا شروع کیا تو قدرت نے انہیں جھنجوڑنے کے لیے ان پر پانی کا سیلاب مسلّط کر دیا۔ جس سے ان کے باغات تباہ ہو گئے۔ اور وہ خود گھر بار چھور کر مختلف شہروں میں بکھر گئے۔ اس واقعہ سے یہ مثل چل نکلی اور جہاں کہیں لوگ اس طرح جدا ہو جائیں کہ پھر مجتمع ہونے کی توقع نہ رہے، تو یہ مثل استعمال کی جاتی ہے

خطبہ 96:

بنی امیہ کے مظالم کے متعلق

خدا کی قسم! وہ ہمیشہ یونہی (ظلم ڈھاتے) رہیں گے اور کوئی اللہ کی حرام کی ہوئی چیز ایسی نہ ہو گی، جسے وہ حلال نہ سمجھ لیں گے، اور ایک بھی عہد و پیمان ایسا نہ ہوگا جسے وہ توڑ نہ ڈالیں گے۔ یہاں تک کہ کوئی اینٹ پتھر کا گھر اور اون کا خیمہ ان کے ظلم کی زد سے محفوظ نہ رہے گا اور ان کی بُری طرز نگہداشت سے لوگوں کا اپنے گھروں میں رہنا مشکل ہو جائے گا، اور یہاں تک کہ دو قسم کے رونے والے کھڑے ہو جائیں گے۔ ایک دین کے لیے رونے والا، اور ایک دنیا کے لیے اور یہاں تک کہ تم میں سے کسی ایک کا ان میں سے کسی ایک سے داد خواہی کرنا ایسا ہی ہوگا۔ جیسے غلام کا اپنے آقا سے کہ وہ سامنے اطاعت کرتا ہے، اور پیٹھ پیچھے برائی کرتا (اور دل کی بھڑاس نکالتا) ہے اور یہاں تک نوبت پہنچ جائے گی کہ تم میں سے جو اللہ کا زیادہ اعتقاد رکھے گا اتنا ہی وہ زحمت و مشقت میں بڑھا چڑھا ہوگا۔ اس صورت میں اگر اللہ تمہیں امن و عافیت میں رکھے، تو (اس کا شکر کرتے ہوئے) اسے قبول کرو۔ اور اگر ابتلاء و آزمائش میں ڈالے جاؤ تو صبر کرو اس لیے کہ اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔

خطبہ 97:

ترکِ دنیا کے متعلق فرمایا

جو ہو چکا اس پر ہم اللہ کی حمد کرتے ہیں، اور جو ہوگا اس کے مقابلہ میں اس سے مدد چاہتے

ہیں۔جس طرح اس سے جسموں کی صحت کا سوال کرتے ہیں اسی طرح دین و ایمان کی سلامتی کے طلب گار رہیں۔» اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اس دنیا کے چھوڑنے کی وصیت کرتا ہوں جو تمہیں چھوڑ دینے والی ہے، حالانکہ تم اسے چھوڑنا پسند نہیں کرتے، اور وہ تمہارے جسموں کو کہنہ و بوسیدہ بنانے والی ہے حالانکہ تم اسے تر و تازہ رکھنے ہی کی کوشش کرتے ہو تمہاری اور اس دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے چند مسافر کسی راہ پر چلیں اور چلتے ہی منزل طے کرلیں اور کسی بلند نشان کا قصد کریں اور فوراً وہاں تک پہنچ جائیں کتنا ہی تھوڑا وقفہ ہے اس (گھوڑا دوڑانے والے) کا کہ جو اسے دوڑا کر انتہا کی منزل تک پہنچ جائے اور اس شخص کی بقا ہی کیا ہے کہ جس کے لیے ایک ایسا دن ہو کہ جس سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔اور دنیا میں ایک تیز گام طلب کرنے والا اسے جنکا رہا۔یہاں تک کہ وہ اس دنیا کو چھوڑ جائے۔ دنیا کی عزت اور اس میں فخر و سر بلندی کی خواہش نہ کرو اور نہ اس کی آرائشوں اور نعمتوں پر خوش ہو اور نہ اس کی سختیوں اور تنگیوں پر بے صبری سے چیخنے چلانے لگو۔اس لیے کہ اس کی عزت و فخر دونوں مٹ جانے والے ہیں اور اس کی آرائشیں اور نعمتیں زائل ہو جانے والی ہیں اور اس کی سختیاں اور تنگیاں آخر ختم ہو جائیں گی۔اس کی ہر مدت کا نتیجہ اختتام اور ہر زندہ کا انجام فنا ہونا ہے کیا پہلے لوگوں کے واقعات میں تمہارے لیے کافی تنبیہ کا سامان نہیں، اور تمہارے لیے عبرت اور بصیرت نہیں اگر تم سوچو سمجھو۔کیا تم گزرے ہوئے لوگوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ پلٹ کر نہیں آتے اور ان کے بعد باقی رہنے والے بھی زندہ نہیں رہتے۔تم دنیا والوں پر نظر نہیں کرتے کہ جو مختلف حالتوں میں صبح و شام کرتے ہیں۔کہیں کوئی میت ہے

جس پر رویا جارہا ہے۔ اور کہیں کسی کو تعزیت دی جارہی ہے کوئی عاجز و زمین گیر مبتلائے مرض ہے اور کوئی عیادت کرنے والا عیادت کررہا ہے۔ کہیں کوئی دم توڑ ہیا ہے۔ کوئی دنیا تلاش کرتا پھرتا ہے اور موت اسے تلاش کررہی ہے اور کوئی غفلت میں پڑا ہے، لیکن (موت) اس سے غافل نہیں ہے۔ گزر جانے والوں کے نقشِ قدم پر ہی باقی رہ جانے والے چل رہے ہیں۔» میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ بداعمالیوں کے ارتکاب کے وقت ذرا موت کو بھی یاد کرلیا کرو کہ جو تمام لذتوں کو مٹا دینے والی، اور تمام نفسانی مزوں کو کرکرا ک⁜ دینے والی ہے اللہ کے واجب الادا حقوق ادا کرنے اور اس کی اَنگنت نعمتوں اور لاتعداد احسانوں کا شکر بجالانے کے لیے اس سے مدد مانگتے رہو۔»

خطبہ 98:

اھل بیت کی عظمت کے متعلق فرمایا

اس اللہ کے لیے حمد و ثنا ہے جو مخلوقات میں اپنا (دامن) فضل پھیلائے ہوئے اور اپنا دست کرم بڑھائے ہوئے ہے۔ ہم تمام امور میں اس کی حمد کرتے ہیں اور اس کے حقوق کا پاس (لحاظ) رکھنے میں اس سے مدد مانگتے ہیں۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے عبد اور رسول ہیں۔ جنہیں اللہ نے اپنا امر واضح کرکے سنانے اور اپنا ذکر زبان پر لانے کے لیے بھیجا۔ اپ نے امانتداری کے ساتھ اسے پہنچایا اور راہ راست پر برقرار رہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے اور ہم میں حق کا وہ پرچم چھوڑ گئے کہ جو اس سے اگے بڑھے گا وہ (دین سے) نکل جائے گا اور جو پیچھے رہ جائے گا، وہ مٹ جائے

گا اور جو اس سے چمٹا رہے گا وہ حق کے ساتھ رہے گا، اس پرچم کی طرف راہنمائی کرنے والا وہ ہے جو بات کہنے میں جلد بازی نہیں کرتا اور (پوری طرح غور کرنے کے لیے) اپنے اقدام میں تاخیر کرتا ہے۔ اور جب کسی امر کو لے کر کھڑا ہو جائے، تو پھر تیز گام ہے، اور جب تم اس کے سامنے گردنیں خم کر دو گے اور (اس کی عظمت و جلال کے پیش نظر) اس کی طرف انگلیوں کے اشارے کرنے لگو گے تو اسے موت آجائے گی اور اسے لے جائے گی اور پھر جب تک اللہ چاہے تم (انتظار میں) ٹھہرے رہو گے یہاں تک کہ اللہ اس شخص کو ظاہر کرے جو تمہیں ایک جگہ پر جمع کرے اور تمہاری شیرازہ بندی کرے جو کچھ 1 ہونے والا نہیں ہے۔ اس کی لالچ نہ کرو۔ اور نہ برگشتہ صورت حال سے مایوس ہو اور بہت ممکن کہ برگشتہ صورت حال کا ایک قدم اکھڑ گیا ہو اور دوسرا قدم جما ہوا ہو اور پھر کوئی ایسی صورت ہو کہ دونوں قدم جم ہی جائیں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آلِ محمدؐ آسمان کے ستاروں کے مانند ہیں۔ جب ایک ڈوبتا ہے تو دوسرا ابھر آتا ہے گویا تم پر اللہ کی نعمتیں مکمل ہو گئی ہیں اور جس کی تم آس لگائے بیٹھے تھے، وہ اللہ نے تمہیں دکھا دیا ہے۔

1. مطلب یہ ہے کہ اگر سر دست تمہارے توقعات پورے نہیں ہو رہے تو مایوس نہ ہو جاؤ کیوں کہ ممکن ہے کہ صورت حال میں تبدیلی ہو اور اصلاح میں جو رکاوٹیں ہیں وہ دور ہو جائیں اور معاملات تمہارے حسب دلخواہ طے پا جائیں۔

خطبہ 99:

عبدالملک بن مروان کی تاراجیوں کے متعلق

وہ ہر اوّل سے پہلے اوّل ہے اور ہر اخر کے بعد اخر ہے۔ اس کی اولیت کے سبب سے واجب ہے۔ کہ اس سے پہلے کوئی نہ ہو، اور اس کے اخر ہونے کی وجہ سے ضروری ہے کہ اس کے بعد کوئی نہ ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ایسی گواہی جس میں ظاہر و باطن یکساں، اور دل و زبان ہمنوا ہیں۔ اے لوگو! تم میری مخالفت کے جرم میں مبتلا نہ ہو، اور میری نافرمانی کر کے حیران و پریشان نہ ہو۔ میری باتیں سنتے وقت ایک دوسرے کی طرف انکھوں کے اشارے نہ کرو۔ اس ذات کی قسم! جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور ذی روح کو پیدا کیا ہے۔ میں جو خبر تمہیں دیتا ہوں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے پہنچی ہوئی ہے۔ نہ خبر دینے والے (رسول) نے جھوٹ کہا، نہ سننے والا جاہل تھا (لوسنو!) میں 1 ایک سخت گمراہیوں میں پڑے ہوئے شخص کو گویا اپنی انکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ شام میں کھڑا ہوا للکار رہا ہے اور اس نے اپنے جھنڈے کوفہ کے آس پاس کھلے میدانوں میں گاڑ دیئے ہیں۔ چنانچہ جب اس کا منہ (پھار کھانے کو) کھل گیا اور اسکی لگام کا دہانہ مضبوط ہو گیا اور زمین میں اس کی پامالیاں سخت سے سخت ہو گئیں، تو فتنوں نے اپنے دانتوں سے دنیا والوں کو کاٹنا شروع کر دیا اور جنگ کا دریا تھپیڑے مارنے لگا اور دنوں کی سختی سامنے آ گئی اور راتوں کی تکلیف شدت اختیار کر گئی۔ بس ادھر اس کی کھیتی پختہ ہوئی اور فصل تیار ہوئی اور اس کی سرمستیاں جوش دکھانے لگیں اور تلواریں چمکنے لگیں۔ ادھر سخت فتنہ و شر کے جھنڈے گڑ گئے اور اندھیری رات اور متلاطم دریا کی طرح

آگے بڑھ آئے اس کے علاوہ اور کتنے ہی تیز جھکڑ کوفہ کو اکھیڑ ڈالیں گے اور کتنی ہی سخت آندھیاں اس پر آئیں گیں۔ اور عنقریب جماعتیں جماعتوں سے گتھ جائیں گی اور کھڑی کھیتیوں کو کاٹ دیا جائے گا اور کٹے ہوئے حاصلوں کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔

1. اس سے بعض نے معاویہ اور بعض نے عبدالملک ابن مروان مراد لیا ہے۔

خطبہ 100:

بعد میں پیدا ہونے والے فتنوں کے متعلق فرمایا

وہ ایسا دن ہوگا کہ اللہ حساب کی چھان بین اور عملوں کی جزاء کے لیے سب اگلے پچھلوں کو جمع کرے گا۔ وہ خضوع کی حالت میں اس کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ پسینہ منہ تک پہنچ کر ان کے منہ میں لگام ڈال دے گا۔ زمین ان لوگوں سمیت لرزتی اور تھرتھراتی ہوگی۔ اس وقت سب سے بڑا خوش حال وہ ہوگا جسے اپنے دونوں قدم ٹکانے کی جگہ اور سانس لینے کو کھلی فضا مل جائے۔ اسی خطبے کا ایک جزیہ ہے: وہ ایسے فتنے ہوں گے جیسے اندھیری رات کے ٹکڑے۔ ان کے مقابلے کے لیے (گھوڑوں کے) پرچم نہ سکیں گے اور نہ ان کے جھنڈے پلٹائے جاسکیں گے۔ وہ تمہارے پاس اس طرح آئیں گے کہ ان کی لگامیں چڑھی ہوں گی اور ان پر پالان کسے ہوں گے ان کا پیشرَو انہیں تیزی سے ہنکائے گا اور سوار ہونے والا انہیں ہلکان کردے گا۔ وہ لوگ اس قوم سے ہیں جن کے حملے سخت ہوتے ہیں اور لوٹ کھسوٹ کم۔ ان سے وہ قوم فی سبیل اللہ جہاد کرے گی جو متکبروں کے نزدیک پست اور

ذلیل، زمین میں گمنام، اور آسمان میں جانی پہچانی ہوئی ہوگی۔ اے بصرہ! تیری حالت پر افسوس ہے کہ جب تجھ پر اللہ کے عذاب کے لشکر ٹوٹ پڑیں گے جس میں نہ غبار اڑے گا اور نہ شور وغوغا ہوگا، اور تیرے بسنے والے قتل اور سخت بھوک میں مبتلا ہوں گے۔

خطبہ 101:

زھد و تقویٰ کے متعلق

دنیا کو زہد اختیار کرنے والوں اور اس سے پہلو بچانے والوں کی نظر سے دیکھو، خدا کی قسم! وہ جلد ہی اپنے رہنے سہنے والوں کو اپنے سے الگ کر دے گی، اور امن وخوشحالی میں بسر کرنے والوں کو رنج و اندوہ میں ڈال دے گی، اور جو چیز اس میں کی منہ موڑ کر پیٹھ پھرا لے، وہ واپس نہیں ایا کرتی۔ اور انے والی چیز کا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ اس کی راہ دیکھی جائے۔ اس کی مسرّتیں رنج میں سمودی گئی ہیں، اور جوانمردوں کی ہمت و طاقت اس میں کمزوری و ناتوانی کی طرف بڑھ رہی ہے (دیکھو) دنیا کو خوش کر دینے والی چیزوں کی زیادتی تمہیں معزور نہ بنا دے اس لیے کہ جو چیزیں تمہارا ساتھ دیں گی، وہ بہت کم ہیں۔ خدا اس شخص پر رحم کرے جو سوچ بچار سے عبرت اور عبرت سے بصیرت حاصل کرے، دنیا کی ساری موجود چیزیں معدوم ہو جائیں گی گویا کہ وہ موجود تھیں ہی نہیں، اور اخرت میں پیش ہونے والی چیزیں جلد ہی موجود ہو جائیں گی، گویا کہ وہ ابھی سے موجود ہیں۔ ہر شمار میں انے والی چیز ختم ہو جایا کرتی ہے اور جس کی امد کا انتظار ہو، اسے ایا ہی جانو اور ہر انے والے کو نزدیک اور پہنچا ہوا سمجھو۔

اس خطبہ کا ایک جزیہ ہے:۔ عالم وہ ہے جو اپنا مرتبہ شناس ہو، اور انسان کی جہالت اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ وہ اپنی قدرومنزلت نہ پہچانے۔ لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسند، اللہ کو وہ بندہ ہے جسے اللہ نے اس کے نفس کے حوالے کر دیا ہے۔ اسی طرح کہ وہ سیدھے راستے سے ہٹا ہوا اور بغیر رہنما کے چلنے والا ہے۔ اگر اسے دنیا کی کھیتی (بونے) کے لیے بلایا جاتا ہے،، تو سرگرمی دکھاتا ہے اور اخرت کی کھیتی (بونے) کے لیے کہا جاتا ہے تو کاہلی کرنے لگتا ہے۔ گویا جس چیز کے لیے اس نے سرگرمی دکھائی ہے وہ تو ضروری تھی، اور جس میں سستی وکوتاہی کی ہے۔ وہ اس سے ساقط تھی۔

اسی خطبہ کا ایک جزیہ ہے:۔ وہ زمانہ ایسا ہوگا کہ جس میں وہ خوابیدہ مومن بچ کر نکل سکے گا جو سامنے انے پر جانا پہچانا نہ جائے، اور نگاہ سے اوجھل ہونے پر اسے ڈھونڈھا نہ جائے۔ یہی لوگ تو ہدایت کے جگمگاتے چراغ اور شب پیمائیوں میں روشن نشان ہیں۔ نہ وہ ادھر ادھر کچھ لگاتے پھرتے ہیں، نہ لوگوں کی برائیاں اچھالتے ہیں اور نہ ان کے راز فاش کرتے ہیں۔ اللہ انہیں لوگوں کے لیے رحمت کے دروازے کھول دے، اور ان سے اپنے عذاب کی سختیاں دور رکھے گا۔ اے لوگو! وہ زمانہ تمہارے سامنے آنے والا ہے کہ جس میں اسلام کو اس طرح اوندھا کر دیا جائے گا۔ جس طرح برتن کو (ان چیزوں سمیت جو اس میں ہوں) الٹ دیا جائے اے لوگو! اللہ نے تمہیں اس امر سے محفوظ رکھا ہے کہ وہ تم پر ظلم کرے۔ مگر اس سے پناہ نہیں کہ وہ تمہیں ازمائش میں ڈالے۔ اس بزرگ و برتر کہنے والے کا ارشاد ہے۔ اس میں ہماری بہت سی نشانیاں ہیں اور ہم تو بس ان کا امتحان لیا کرتے ہیں۔

سید رضی فرماتے ہیں۔

حضرت کے ارشاد" ہر خوابیدہ مومن" میں خوابیدہ سے مراد وہ شخص ہے کہ جو گمنام اور بے شر ہو اور مساتیح مسیاح کی جمع ہے اور مسیاح اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو لوگوں میں فتنہ و شر پھیلاتا رہے اور لگائی بجھائی کرتا رہے اور مذاییع مذیاع کی جمع ہے اور مذیاع اسے کہتے ہیں کہ جو کسی کی برائی سنے تو اسے اچھالے اور علانیہ بیان کرے اور بذر بذور کی جمع ہے اور اسے کہتے ہیں کہ جو احمق اور اول فول بکنے والا ہو۔

خطبہ 102

بعثت سے قبل لوگوں کی حالت

ایک دوسری روایت کی بناء پر یہ خطبہ پہلے درج ہو چکا ہے :۔ جب اللہ نے محمدؐ کو بھیجا، تو عربوں میں نہ کوئی (اسمانی) کتاب کا پڑھنے والا تھا اور نہ کوئی نبوت ووحی کا دعوے دار۔ اپ نے اطاعت کرنے والوں کو لے کر اپنے مخالفوں سے جنگ کی۔ دراں حالیکہ اپ ان لوگوں کو نجات کی طرف لے جا رہے تھے اور قبل اس کے کہ موت ان لوگوں پر اپڑے، ان کی ہدایت کے لیے بڑھ رہے تھے۔ جب کوئی تھکا ماندہ رک جاتا تھا۔ اور خستہ و درماندہ ٹھہر جاتا تھا۔ تو اپ اس کے (سرپر) کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور اسے اس کی منزل مقصود تک پہنچا دیتے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی ایسا تباہ حال ہو جس میں ذرہ بھر بھلائی ہی نہ ہو۔ یہاں تک کہ اپ نے انہیں نجات کی منزل دکھا دی، اور انہیں ان کے مرتبہ پر پہنچا دیا چنانچہ ان کی

چکی گھومنے لگی، ان کے نیزے کا خم جاتا رہا خدا کی قسم میں بھی انہیں ہنکانے والوں میں تھا۔ یہاں تک کہ وہ پوری طرح پسپا ہو گئے اور اپنے بندھنوں میں جکڑ دیے گئے۔ اس دوران میں نہ میں عاجز ہوا نہ بزدلی دکھائی، نہ کسی قسم کی خیانت کی، اور نہ مجھ میں کمزوری ائی۔ خدا کی قسم! میں (اب بھی) باطل کو چیر کر حق کو اس کے پہلو سے نکال لوں گا۔»

خطبہ 103:

پیغمبر ﷺ کی مدح و توصیف

آخر اللہ نے محمدؐ کو بھیجا دراں حالیکہ وہ گواہی دینے والے، خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے تھے۔ جو بچپنے میں بھی بہترین خلائق اور سن رسیدہ ہونے پر بھی اشرف کائنات تھے اور پاک لوگوں میں خوخصلت کے اعتبار سے پاکیزہ تر اور جود و سخا میں ابر صفت برسائے جانے والوں میں سب سے زائد لگا تار برسنے والے تھے۔ دنیا اپنی لذّتوں میں اس وقت مہار لیے شریں و خوشگوار ہوئی اور اس وقت تم اس کے تھنوں سے دودھ پینے پر قادر ہوئے جب اس کے پہلے اس کی مہاریں جھول رہی تھیں اور اس کا تنگ (ڈھیلا ہوکر) ہل رہا تھا (یعنی۔ اس کا کوئی سوار اور دیکھ بھال کرنے والا نہ تھا جو اس کی باگیں اٹھاتا اور اس کا تنگ کستا، کچھ قوموں کے لیے تو حرام اس بیری کے مانند (خوش گوار اور مزے دار) ہو گیا تھا۔ جس کی شاخیں پھلوں کی وجہ سے جھکی ہوئی ہوں۔ اور حلال ان کے لیے (کوسوں) دور اور نایا تھا۔ خدا کی قسم! یہ دنیا لمبی چھاؤں کی صورت میں ایک مقررہ وقت تک تمہارے پاس

ہے۔ مگر اس وقت تو زمین بغیر روک ٹوک کے تمہارے قبضے میں ہے تمہارے ہاتھ اس میں کھلے ہوئے ہیں اور پیشواؤں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں تمہاری تلواریں ان پر مسلط ہیں اور ان کی تلواریں رد کی جا چکی ہیں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہر خون کا کوئی قصاص لینے والا، اور ہر حق کا کوئی طلب کرنے والا اس حاکم کے مانند ہے جو اپنے ہی حق کے بارے میں فیصلہ کرے اور وہ اللہ ہے کہ جسے وہ تلاش کرے۔ وہ اسے بے بس نہیں بنا سکتا۔ اور جو بھاگنے کی کوشش کرے، وہ اس کے ہاتھوں سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔ اے بنی امیہ! میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جلد ہی تم اپنی (دنیا اور اس کی) ثروتوں کو دوسروں کے ہاتھوں اور دشمنوں کے گھروں میں دیکھو گے سب انکھوں سے زیادہ دیکھنے والی وہ انکھ ہے۔ جس کی نظر نیکیوں میں اتر جائے اور سب کانوں سے بڑھ کر سننے والا وہ کان ہے۔ کہ جو نصیحت کی باتیں سنے اور انہیں قبول کرے۔ اے لوگو! واعظ باعمل کے چراغ ہدایت کی لوُ سے اپنے چراغ روشن کر لو، اور اس صاف و شفاف چشمہ سے پانی بھر لو، جو (شبہات کی) امیزشوں اور کُدورتوں سے لتڑ ھ چکا ہے۔ اے اللہ کے بندو اپنی جہالتوں کی طرف نہ مڑو اور نہ اپنی خواہشوں کے تابع ہو جاؤ۔ اس لیے کہ خواہشوں کی منزل میں اترنے والا ایسا ہے۔ جیسے کوئی سیلاب زدہ دیوار کے کنارے پر کھڑا ہو کر جو گرا چاہتی ہو۔ وہ ہلاکتوں کا پلندہ اپنی پیٹھ پر اٹھائے کبھی اس کندھے پر رکھا ہے کبھی اس کندھے پر۔ اپنی ان رایوں کی صورت میں جنہیں وہ بدلتا رہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اس پر (کوئی دلیل) چسپاں کرے مگر جو چپکنے والی نہیں ہوتی اور اسے (ذہنوں سے) قریب کرنا چاہتا ہے، جو قریب ہونے کے قابل نہیں اللہ

سے ڈرو کہ تم اپنی شکائیتیں اس شخص کے سامنے لے کر بیٹھ جاؤ کہ جو (تمہاری خواہشوں کے مطابق) تمہارے شکووں کی قلق کو دور نہیں کرے گا، اور نہ شریعت کے محکم و مضبوط احکام کو توڑے گا۔ امام کا فرض تو بس یہ ہے کہ جو کام اسے اپنے پروردگار کی طرف سے سپرد ہوا ہے (اسے انجام دے) ور وہ یہ ہے کہ پند و نصیحت کی باتیں ان تک پہنچائے سمجھائے بجھانے میں پوری پوری کوشش کرے، سنت کو زندہ رکھے، اور جن پر حد لگنا ہے ان پر حد جاری کرے اور (غب کئے ہوئے) حصوں کو ان کے اصلی وارثوں تک پہنچائے۔ تمہیں چاہئے کہ علم کی طرف بڑھو قبل اس کے کہ اس کا (ہرا بھرا) سبزہ خشک ہو جائے اور قبل اس کے کہ اہل علم سے علم سیکھنے میں اپنے ہی نفس کی مصروفیتیں حائل ہو جائیں۔ دوسروں کو برائیوں سے روکو اور خود بھی رکے رہو۔ اس لیے کہ تمہیں برائیوں سے رکنے کا حکم پہلے ہے، اور دوسروں کو روکنے کا بعد میں ہے۔

خطبہ 104:

شریعتِ اسلام کی گرانقدری

تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے کہ جس نے شریعت اسلام کو جاری کیا اور اس (کے سرچشمہ) ہدایت پر اترنے والوں کے لیے اس کے قوانین کو اسان کیا، اور اس کے ارکان کو حریف کے مقابلے میں گلبہ و سرفرازی دی۔ چنانچہ جو اس سے وابستہ ہو اس کے لیے امن جو اس میں داخل ہو اس کے لے صلح و آشتی، جو اس کی بات کرے اس کے لیے دلیل، جو اس کی مدد لے کر مقابلہ کرے اس لیے اسے گواہ قرار دیا ہے اور اس سے کسب ضیا کرنے والے کے لیے نور،

سمجھنے بوجھنے اور سوچ بچار کرنے والے کے لیے فہم و دانش، غور کرنے والے کے لیے (روشن) نشانی، ارادہ کرنے والے کے لیے بصیرت، نصیحت قبول کرنے والے کے لیے عبرت، تصدیق کرنے والے کے لیے نجات۔ بھروسا کرنے والے کے لیے اطمینان، ہر چیز اسے سونپ دینے والے کے لیے راحت، صبر کرنے والے کے لیے سپر بنایا ہے۔ وہ تمام سیدھی راہوں میں زیادہ روشن اور تمام عقیدوں میں زیادہ واضح ہے اس کے معیار بلند، راہیں درخشاں اور چراغ روشن ہیں۔ اس کا میدان (عمل) باوقار اور مقصد و غایت بلند ہے۔ اس کے میدان میں تیز رفتار گھوڑوں کا اجتماع ہے۔ اس کی طرف بڑھنا مطلوب و پسندیدہ ہے۔ اس کے شاہسوار عزت والے، اور اس کا راستہ (اللہ و رسول کی) تصدیق ہے اور اچھے اعمال (راستے کے) نشانات ہیں۔ دنیا گھوڑ دوڑ کا میدان اور موت پہنچنے کی حد، اور قیامت گھوڑوں کے جمع ہونے کی جگہ اور جنت بڑھنے کا انعام ہے۔ اس خطبہ کا یہ جز بنی کے متعلق ہے :۔ یہاں تک کہ اپ نے روشنی ڈھونڈھنے والے کے لیے شعلے بھڑکائے اور (راستہ کھو کر) سواری کے روکنے والے کے لیے نشانات روشن کئے (اے اللہ!) وہ تیرے بھروسے کا امین اور قیامت کے دن تیرا (ٹھہرایا ہوا) گواہ ہے۔ وہ تیرا نبی مرسل و رسول برحق ہے۔ جو (دنیا کے لیے) نعمت و رحمت ہے۔ (خدایا) تو انہیں اپنے عدل و انصاف سے ان کا حصہ عطا کر اور اپنے فضل سے انہیں دہرے حسنات اجر میں دے (اے اللہ!) ان کی عمارت کو تمام معماروں کی عمارتوں پر فوقیت عطا کر اور اپنے پاس ان کی عزت و ابرو سے مہمانی کر اور ان کے مرتبہ کو بلندی و شرف بخش، اور انہیں بلند درجہ دے اور نعمت و

فضیلت عطا کر، اور ہمیں ان کی جماعت میں اس طرح محشور کر کہ نہ ہم ذلیل و رسوا ہوں، نہ نادم و پریشان نہ حق سے روگردان، نہ عہد شکن، نہ گمراہ، نہ گمراہ کن اور نہ فریب خوردہ۔

سید رضی کہتے ہیں:۔ یہ کلام اگرچہ پہلے گزر چکا ہے، مگر ہم نے پھر اعادہ کیا ہے چونکہ دونوں روایتوں کی لفظوں میں کچھ اختلاف ہے۔ اسی خطبہ کا ایک جزیہ ہے۔

جس میں اپنے اصحاب سے خطاب فرمایا:۔ تم اپنے اللہ کے لطف و کرم کی بدولت ایسے مرتبہ پر پہنچ گئے کہ تمہاری کنیزیں بھی محترم سمجھی جانے لگیں، اور تمہارے ہمسایوں سے بھی اچھا برتاؤ کیا جانے لگا۔ اور وہ لوگ بھی تمہاری تعظیم کرنے لگے جن پر تمہیں نہ کوئی فضیلت تھی، نہ تمہارا کوئی ان پر احسان تھا کہ اور وہ لوگ بھی تم سے دہشت کھانے لگے جنہیں تمہارے حملہ کا کوئی اندیشہ نہ تھا، اور نہ تمہارا ان پر تسلط تھا۔ مگر اس وقت تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ کے عہد توڑے جارہے ہیں، اور تم غیظ میں نہیں اتے۔ حالانکہ اپنے اباؤ اجداد کے قائم کردہ رسم و ائین کے توڑے جانے سے تمہاری رگ حمیت جنبش میں اجاتی ہے۔ حالانکہ اب تک اللہ کے معاملات تمہارے ہی سامنے پیش ہوتے رہے اور تمہارے ہی (ذریعہ سے) ان کا حل ہوتا رہے اور تمہاری ہی طرف ہر پھر کروتے ہیں۔ لیکن تم نے اپنی جگہ ظالموں کے حوالے کر دی ہے، اور اپنی باگ ڈور انہیں تھما دی ہے اور اللہ کے معاملات انہیں سونپ دیئے ہیں کہ وہ شبہوں پر عمل پیرا اور نفسانی خواہشوں پر گامزن ہیں۔ خدا کی قسم! اگر وہ تمہیں ہر ستارے کے نیچے بکھیر دیں، تو بھی اللہ تمہیں اس دن (ضرور) جمع کرے گا، جو ان کے لیے بہت بُرا دن ہوگا۔

خطبہ 105:

جنگِ صفین میں جب آپ علیہ السلام کے لشکر کے پاؤں اکھڑنے کے بعد جب دوبارہ جمے تو فرمایا

میں نے تمہیں بھاگتے اور صفوں سے منتشر ہوتے ہوئے دیکھا (جب کہ) تمہیں چند کھرے قسم کے اوباشوں اور شام کے بدوؤں نے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ حالانکہ تم عرب کے جوانمرد اشراف کے راس ورئیس (قوم میں) اونچی ناک والے اور چوٹی والے ہو۔ میرے سینے سے نکلنے والی کراہنے کی اوازیں اسی وقت دب سکتی ہیں کہ جب میں دیکھ لوں کہ اخر کار جس طرح انہوں نے تمہیں گھیر رکھا ہے تم نے بھی انہیں اپنے نرغہ میں لے لیا ہو اور جس طرح انہوں نے تمہارے قدم اکھیڑ دیئے ہیں، اسی طرح تم نے بھی ان کے قدم ان کی جگہوں سے اکھیڑ ڈالے ہوں۔ تیروں کی بوچھاڑ سے انہیں قتل کرتے ہوئے اور نیزوں کے ایسے ہاتھ چلانے ہوئے کہ جس سے ان کی پہلی صفیں دوسری صفوں پر چڑھی جاتی ہوں۔ جیسے ہنکائے ہوئے پیاسے اونٹ کہ جنہیں ان کے تالابوں سے دور پھینک دیا گیا ہو، اور ان کے گھاٹوں سے علیحدہ کر دیا گیا ہو۔»

خطبہ 106:

پیغمبر ﷺ کی توصیف

یہ ان خطبوں میں سے ہے جن میں زمانہ کے حوادث وفتن کر تذکرہ ہے:۔

تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جو اپنے مخلوقات کی وجہ سے مخلوقات کے سامنے عیاں ہے اور اپنی ہمت و برہان کے ذریعہ سے دلوں میں نمایاں ہے اور اپنی ہمت و برہان کے ذریعہ سے دلوں میں نمایاں ہے۔اس نے بغیر سوچ بچار میں پڑے بغیر مخلوق کو پیدا کیا۔اس لیے کہ غور وفکر اس کے مناسب ہوا کرتی ہے۔ جو دل و دماغ (جیسے اعضا) رکھتا ہو۔اور وہ دل و دماغ کی احتیاج سے بری ہے اس کا علم غیب کے پردوں میں سرایت کئے ہوئے ہے اور عقیدوں کی گہرائیوں کی تہ تک اترا ہوا ہے:۔اس خطبہ کا یہ جُز نبی کے متعلق ہے:۔انہیں انبیاؑ کے شجرہ، روشنی کے مرکز (ال ابراہیم) بلندی کی جبیں (قریش) بطحاؑ کی ناف (مکہ) اور اندھیرے کے چراغوں اور حکمت کے سرچشموں سے منتخب کیا۔اس خطبہ کا یہ حصہ بھی رسوُل ہی سے متعلق ہے۔وہ ایک طبیب تھے جو اپنی حکمت وطب کو لیے ہوئے چکر لگا رہا ہو۔اس نے اپنے مرہم ٹھیک ٹھاک کر لیے ہوں اور داغنے کے الات تپا لیے ہوں۔ وہ اندھے دلوں بہرے کانوں، گونگی زبانوں (کے علاج معالجہ) میں جہاں ضرورت ہوتی ہے، ان چیزوں کو استعمال میں لاتا ہو، اور دوا لیے غفلت زدہ اور حیرانی و پریشانی کے مارے ہوؤں کی کھوج میں لگا رہتا ہو۔مگر لوگوں نے نہ تو حکمت کی تنویروں سے ضیا ونور کو حاصل کیا، اور نہ علوم درخشاں کے چقماق کو رگر کر نورانی شعلے پیدا کئے وہ اس معاملہ میں چرنے والے حیوانوں

اور سخت پتھروں کی مانند ہیں۔ اہل بسیرت کے لیے چھپی ہوئی چیزیں ظاہر ہو گئی ہیں اور بھٹکنے والوں کے لیے حق کی راہ واضح ہو گئی اور آنے والی ساعت نے اپنے چہرے سے نقاب الٹ دی اور غور سے دیکھنے والوں کے لیے علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں لیکن تمہیں میں دیکھتا ہوں کہ پیکر بے روح اور روحِ بے قالب بنے ہوئے ہو، عابد بنے پھرتے ہو بغیر صلاح وتقویٰ کے اور تاجر بنے وہئے بگیر فائدوں کے بیدار ہو مگر سو رہے ہو، حاضر ہو مگر ایسے جیسے غائب ہوں دیکھنے والے ہو مگر اندھے سننے والے ہو مگر بہرے گونگے گمراہی کا بولنے والی ہو مگر اپنی سواریوں جھنڈہ تو اپنے مرکز پر پرچم چکا ہے، اور اس کی شاخیں (ہر سُو) پھیل گئی ہیں۔ تمہیں (تباہ کرنے کے لیے) اپنے پیمانوں میں تول رہا ہے، اور اپنے ہاتھوں سے تمہیں ادھر ادھر بھٹکا رہا ہے اس کا پیشتر وملت (اسلام) سے خارج ہے اور گمراہی پر ڈٹا کھڑا ہے۔ اس دن تم میں سے کوئی نہیں بچے گا۔ مگر کچھ گرے پڑے لوگ جیسے دیگ کی کھِرچن یا تھیلے کے جھاڑنے سے گرے ہوئے ریزے۔ وہ گمراہی تمہیں اس طرح مسل ڈالے کی جس طرح چمڑے کو مسلا جاتا ہے اور اس طرح روندے گی۔ جیسے کٹی ہوئی زراعت کو روندا جاتا ہے اور (مصیبت وابتدا کے لیے) تم میں سے مومن (کامل) کو اس طرح چن لے گی جس طرح پرندے باریک دانوں میں سے موٹے دانہ کو چن لیتا ہے۔ یہ (غلط) روشیں تمہیں کہاں لیے جا رہی ہیں اور یہ اندھیاں تمہیں کن پریشانیوں میں ڈال رہی ہیں اور جھوٹی امیدیں تمہیں کاہے کو فریب دے رہی ہیں۔ کہاں سے لائے جاتے ہو اور کدھر پلٹائے جاتے ہو؟ ہر میعاد کا ایک نوشتہ ہوتا ہے اور ہر غائب کو پلٹ کر آنا ہے اپنے عالم ربانی سے

سنو۔ اپنے دلوں کو حاضر کرو، اگر تمہیں پکارے تو جاگ اٹھو قوم کے نمائندہ کو تو اپنی قوم سے سچ ہی بولنا چاہیے اور اپنی پریشان خاطری میں یکسوئی پیدا کرنا اور اپنے ذہن کو حاضر رکھنا چاہیئے چنانچہ اس نے حقیقت کو اس طرح واشگاف کر دیا ہے جس طرح (دھاگے میں پروئے جانے والے) مہرہ کو چیر دیا جاتا ہے اور اس طرح اسے (تہہ سے) چھیل ڈالا ہے۔ جیسے درخت سے گوند۔ باوجود اس کے باطل پھر اپنے مرکز پر آ گیا اور جہالت اپنی سواریوں پر چڑھ بیٹھی۔ اس کی طغیانیاں بڑھ گئی ہیں۔ اور حق کی اواز دب گئی ہے اور زمانہ نے پھاڑ کھانے والے درندے کی طرح حملہ کر دیا ہے۔ اور باطل کا اونٹ چپ رہنے کے بعد پھر بلبلانے لگا ہے۔ لوگوں نے فسق و فجور پر اپس میں بھائی چارہ کر لیا ہے۔ اور دین کے سلسلہ میں ان میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے۔ جھوٹ پر تو ایک دوسرے سے یارانہ گانٹھ رکھا ہے اور سچ کے معاملہ میں باہم کدورتیں رکھتے ہیں۔ (ایسے موقعہ پر) بیٹا (انکھوں کی ٹھنڈک ہونے کے بجائے) غیظ و غضب کا سبب ہوگا۔ اور بارشیں گرمی و تپش کا کمینے پھیل جائیں گے۔ اور شرف گھٹتے جائیں گے اس زمانہ کے لوگ بھڑیئے ہوں گے اور حکمران درندے درمیانی طبقہ کے لوگ کھا پی کر مست رہنے والے اور فقیر و نادار بالکل مردہ۔ سچائی دب جائے گی اور جھوٹ ابھر آئے گا محبت کی لفظیں) صرف زبانوں پر ائیں گے اور لوگ دلوں میں ایک دوسرے سے کشیدہ رہیں گے نسب کا معیار زنا ہوگا۔ عفت و پاکدامنی نرارلی چیز سمجھی جائے گی۔ اور اسلام کا لبادہ پوستین کی طرح الٹا اوڑھا جائے گا۔

خطبہ 107

خدا کی عظمت اور ملائکہ کی رفعت کے متعلق فرمایا

ہر چیز اس کے سامنے عاجز و سرنگوں اور ہر شے اس کے سہارے وابستہ ہے وہ ہر فقیر کا سرمایہ ہر ذلیل کی ابرو، ہر کمزور کی توانائی اور ہر مظلوم کی پناہ گاہ ہے۔ جو کہے، اس کی بات بھی وہ سنتا ہے، اور جو چپ رہے اس کے بھید سے بھی وہ اگاہ ہے۔ جو زندہ ہے اس کے رزق کا ذمہ اس پر ہے، اور جو مر جائے اس کا پلٹنا اسی کی طرف ہے۔ (اے اللہ) انکھوں نے تجھے دیکھا نہیں کہ تیری خبر دے سکیں، بلکہ تو تو اس وصف کرنے والی مخلوق سے پہلے موجود تھا۔ تو نے (تنہائی کی) وحشتوں سے اکتا کر مخلوق کو پیدا نہیں کیا اور نہ اپنے کسی فائدے کے پیش نظر ان سے اعمال کرائے، جسے تو گرفت میں لانا چاہے وہ تجھ سے اگے بڑھ کر جا نہیں سکتا، اور جسے تو نے گرفت میں لے لیا پھر وہ نکل نہیں سکتا۔ جو تری مکالفت کرتا ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ تیری فرمانروائی کو نقصان پہنچائے اور جو تیری اطاعت کرتا ہے، وہ ملک (کی وسعتوں) کو بڑھا نہیں دیتا اور جو تیری قضاؤ قدر پر بگڑتا ھے وہ تیرے امر کو رد نہیں کر سکتا اور جو تیرے حکم سے منہ موڑ لے، وہ تجھ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ہر چھپی ہوئی چیز تیرے لیے ظاہر اور ہر غیب تیرے سامنے بے نقاب ہے۔ تو ابدی ہے جس کی کوئی حد نہیں اور تو ہی (سب کی) منزل منتہا ہے کہ جس سے کوئی گریز کی راہ نہیں اور تو ہی وعدہ گاہ ہے کہ تجھ سے چھٹکارا پانے کی کوئی جگہ نہیں، مگر تیری ہی ذات، ہر راہ چلنے والا تیرے قبضہ میں ہے اور ہر ذی روح کی بازگشت تیری طرف ہے۔ سبحان اللہ! یہ تیری کائنات جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ کتنی عظیم الشان ہے۔ اور

تیری قدرت کے سامنے ان کی عظمت کتنی کم ہے۔اور تیری پادشاہت جو ہماری نظروں کے سامنے ہے، کتنی پر شکوہ ہے۔لیکن تیری اس سلطنت کے مقابلہ میں جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے کتنی حقیر ہے۔اور دنیا میں یہ تیری نعمتیں کتنی کامل و ہمہ گیر ہیں مگر اخرت کی نعمتوں کے سامنے وہ کتنی مختصر ہیں۔

اسی خطبہ کا ایک جزٔ یہ ہے:۔تو نے فرشتوں کو آسمانوں میں بسایا، اور انہیں زمین کی سطح سے بلند رکھا۔ وہ سب مخلوق سے زیادہ تیری معرفت رکھتے ہیں، اور سب سے زیادہ تجھ سے ڈرتے ہیں۔اور سب سے زیادہ تیرے مقرب ہیں، نہ وہ صلبوں میں ٹھہرے نہ شکموں میں رکھے گئے، نہ ذلیل پانی (نطفہ) سے ان کی پیدائش ہوئی، اور نہ زمانہ کے حوادث نے انہیں منتشر کیا۔وہ تیرے قرب میں اپنے مقام ومنزلت کی بلندی اور تیرے بارے میں خیالات کی یکسوئی اور تیری عبادت کی فراوانی اور تیرے احکام میں عدم غفلت کے باوجود اگر تیرے رازہائے قدرت کی اس تہہ تک پہنچ جائیں کہ جو ان سے پوشیدہ ہے،تو وہ اپنے اعمال کو بہت ہی حقیر سمجھیں گے اور اپنے نفسوں پر حرف گیری کریں گے اور یہ جان لیں گے کہ انہوں نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا اور نہ کماحقہ تیری اطاعت کی ہے۔میں خالق ومعبود جانتے ہوئے تیری تسبیح کرتا ہوں۔ تیرے اس بہترین سلوک کی بنا پر، جو تیرا اپنے مخلوقات کے ساتھ ہے۔تو نے ایک ایسا گھر (جنت) بنایا ہے کہ جس میں مہمانی کے لیے کھانے پینے کی چیزیں، حوریں، غلمان، محل، نہریں، کھیت اور پھل مہیا کئے ہیں۔ پھر تو نے ان نعمتوں کی طرف دعوت دینے والا بھیجا، مگر نہ انہوں نے بلانے والے کی اواز پر لبیک کہی، اور نہ ان

چیزوں کی طرف راغب ہوئے جن کی تو نے رغبت پائی تھی اور نہ ان چیزوں کے مشتاق ہوئے جن کا تو نے اشتیاق دلایا تھا وہ تو اسی مردار دنیا پر ٹوٹ پڑے کہ جسے نوچ کھانے میں اپنی عزت و ابرو گنوار ہے تھے اور اس کی چاہت پر یکا کر لیا تھا، جو شخص کسی شے سے بے تحاشا محبت کرتا ہے، تو وہ اس کی انکھوں کو اندھا، دل کو مریض کر دیتی ہے۔ وہ دیکھتا ہے تو بیمار انکھوں سے سنتا ہے تو نہ سننے والے کانوں سے۔ شہوتوں نے اس کی عقل کا دامن چاک کر دیا ہے، اور دنیا نے اس کے دل کو مردہ بنا دیا ہے۔ اور اس کا نفس اس پر مرمٹا ہے یہ دنیا کا اور ان لوگوں کا جن کے پاس کچھ بھی وہ دنیا ہے بندہ و غلام بن گیا ہے، جدھر وہ مڑتی ہے، ادھر یہ مڑتا ہے، جدھر اس کا رخ ہوتا ہے۔ ادھر ہی اس کا رخ ہوتا ہے۔ نہ اللہ کی طرف سے کسی روکنے والے کے کہنے سننے سے وہ رکتا ہے، اور نہ ہی اس کے کسی وعظ و پند کرنے والے کی نصیحت مانتا ہے۔ حالانکہ وہ ان لوگوں کو دیکھتا ہے۔ کہ جنہیں عین غفلت کی حالت میں وہاں پر جکڑ لیا گیا کہ جہاں نہ تدارک کی گنجائش اور نہ دنیا کی طرف پلٹنے کا موقعہ ہوتا ہے۔ اور کس طرح وہ چیزیں ان پر ٹوٹ پڑیں کہ جن سے وہ بے خبر تھے، اور کسی طرح اس دنیا سے جدائی (کی گھڑی سامنے) اگئی کہ جس سے پوری طرح مطمئن تھے، اور کیونکر اخرت کی ان چیزوں تک پہنچ گئے کہ جن کی انہیں خبر دی گئی تھی اب جو مصیبتیں ان پر ٹوٹ پڑی ہیں۔ انہیں بیان نہیں کیا جا سکتا، موت کی سختیاں اور دنیا چھوڑنے کی حسرتیں مل کر انہیں گھیر لیتی ہیں۔ چنانچہ ان کے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور رنگتیں بدل جاتی ہیں۔ پھر ان (کے اعضا) میں موت کی دخل اندازیاں بڑھ جاتی ہیں۔ کوئی ایسا ہوتا ہے کہ پہلے ہی اس کی

زبان بند ہو جاتی ہے۔ درصوتیکہ اس کی عقل درست اور ہوش وحواس باقی ہوتے ہیں۔ وہ اپنے گھر والوں کے سامنے پڑا ہوا اپنی انکھوں سے دیکھتا ہے اور اپنے کانوں سے سنتا ہے اوران چیزوں کو سوچتا ہے کہ جن میں اس نے اپنی عمر گنوادی ہے اور اپنا زمانہ گزار دیا ہے اور اپنے جمع کیے ہوئے مال ومتاع کو یاد کرتا ہے کہ جس کے طلب کرنے میں (جائز و ناجائز سے) انکھیں بند کر لی تھیں، اور جسے صاف اور مشکوک ہر طرح کی جگہوں سے حاصل کیا تھا۔ اس کا وبال اپنے سر لے کر اسے چھوڑ دینے کی تیاری کرنے لگا وہ مال (اب) اس کے پچھلوں کے لیے رہ جائے گا کہ وہ اس سے عیش و ارام کریں، اور گلچھرے اڑائیں۔ اس طرح وہ دوسروں کو تو بغیر ہاتھ پیر ہلائے یونہی مل گیا، لیکن اس کا بوجھ اس کی پیٹھ پر رہا۔ اور یہ اس مال کی وجہ سے ایسا گروی ہوا ہے کہ بس اپنے کو چھڑا نہیں سکتا مرنے کے وقت یہ حقیقت جو کھل کر اس کے سامنے اگئی تو ندامت سے وہ اپنے ہاتھ کاٹنے لگتا ہے اور عمر بھر جن چیزوں کا طلب گار رہا تھا، اب ان سے کنارہ ڈھونڈتا ہے اور یہ تمنا کرتا ہے کہ جو اس مال کی وجہ سے اس پر رشک وحسد کیا کرتے تھے (کاش کہ) وہی اس مال کو سمیٹتے نہ وہ اب موت کے تصرفات اس کے جسم میں اور بڑھے یہاں تک کہ زبان کے ساتھ ساتھ کانوں پر بھی موت چھا گئی۔ گھر والوں کے سامنے اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ نہ زبان سے بول سکتا ہے نہ کانوں سے سن سکتا ہے انکھیں گھما گھما کر ان کے چہروں کو تکتا ہے۔ ان کی زبانوں کی جنبشوں کو دیکھتا ہے۔ لیکن بات چیت کی اوازیں نہیں سنُ پاتا۔ پھر اس سے موت اور لپٹ گئی کہ اس کی انکھوں کو بھی بند کر دیا۔ جس طرح اس کے کانوں کو بند کیا تھا اور روح اس کے

جسم سے مفارقت کرگئی۔اب وہ گھر والوں کے سامنے ایک مردار کی صورت میں پڑا ہوا ہے کہ اس کی طرف سے انہیں وحشت ہوتی ہے، اوراس کے پاس پھٹکنے سے دور بھاگتے ہیں۔ وہ نہ رونے والے کی کچھ مدد کرسکتا ہے، نہ پکارنے والے کو جواب دے سکتا ہے۔ پھر اسے اٹھا کر زمین میں جہاں اس کی قبر بننا ہے، لے جاتے ہیں اور اسے اس کے حوالے کر دیتے ہیں کہ اب وہ جانے اوراس کا کام، اوراس کی ملاقات سے ہمیشہ کے لیے منہ موڑ لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ نوشتہ (تقدیر) اپنی میعاد کو اور حکمِ الٰہی اپنی مقررہ حد کو پہنچ جائے گا اور پچھلوں کو اگلوں کے ساتھ ملا دیا جائے گا، اور فرمان قضا پھر سرے سے پیدا کرنے کا ارادہ لے کر آئے گا، تو وہ اسمانوں کو جنبش میں لائے گا۔ اور انہیں پھاڑ دے گا۔ اور زمین کو ہلا ڈالے گا۔ اور انہیں پھاڑ دے گا۔ اور زمین کو ہلا ڈالے گا، اور اسکی بنیادیں کھوکھلی کر دے گا اور پہاڑوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ دے گا۔ اور وہ اس کے جلال کی ہیبت اور قہر و غلبہ کی دہشت سے اپس میں ٹکرانے لگیں گے۔ وہ زمین کے اندر سے سب کو نکالے گا۔ اور انہیں سڑ گل جانے کے بعد پھر از سرنو تر و تازہ کرے گا اور متفرق و پراگندہ ہونے کے بعد پھر یکجا کر دے گا پھر ان کے چھپے ہوئے اعمال اور پوشیدہ کارگزاریوں کے متعلق پوچھ گچھ کرنے کے لیے انہیں جدا جدا کرے گا اور انہیں دو حصوں میں بانٹ دے گا۔ ایک کو وہ انعام و اکرام دے گا، اور ایک سے انتقام لے گا جو فرمانبردار تھے انہیں جزا دے گا۔ کہ وہ اس کے جوارِ رحمت میں رہیں اور اپنے گھر میں انہیں ہمیشہ کے لیے ٹھہرا دے گا کہ جہاں اترنے والے پھر کوچ نہیں کیا کرتے اور نہ ان کے حالات ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ اور نہ انہیں گھڑی گھڑی خوف ستاتا ہے، نہ

بیماریاں ان پر اتی ہیں، نہ انہیں خطرات درپیش ہوتے ہیں اور نہ انہیں سفر ایک جگہ سے دوسری جگہ لیے پھرتے ہیں، اور جو نافرمان ہوں گے انہیں ایک برے گھر میں پھینکے گا، اور ان کے ہاتھ گردن سے (کس کر) باندھ دے گا اور ان کی پیشانیوں پر لٹکنے والے بالوں کو قدموں سے جکڑ دے گا۔ اور انہیں تارکول کی قمیضیں اور اگے سے قطع کیے ہوئے کپڑے پہنائے گا (یعنی ان پر تیل چھڑک کر اگ میں جھونک دے گا) وہ ایسے عذاب میں ہوں گے کہ جس کی تپش بڑی سخت ہوگی، اور ایسی جگہ میں ہوں گے کہ جہاں ان پر دروازے بند کر دیئے جائیں گے، اور ایسی اگ میں ہوں گے کہ جس میں تیز شرارے، بھڑکنے کی اوازیں، اٹھتی ہوئی لپٹیں اور ہولناک چیخیں ہوں گی۔ اس میں ٹھہرنے والا نکل نہ سکے گا۔ اور نہ ہی اس کے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑایا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کی بیڑیاں ٹوٹ سکتی ہیں۔ اس گھر کی کوئی مدّت مقرر نہیں کہ اس کے بعد مٹ مٹا جائے۔ نہ رہنے والوں کے لیے کوئی مقررہ میعاد ہے کہ وہ پوری ہو جائے (تو پھر چھوڑ دیئے جائیں۔):۔ اسی خطبہ کا یہ جز نبی کے متعلق ہے:۔ انہوں نے اس دنیا کو ذلیل و خوار سمجھا اور پست و حقیر جانا اور جانتے تھے کہ اللہ نے ان کی شان کو بالاتر سمجھتے ہوئے دنیا کا رخ ان سے موڑا ہے، اور گھٹیا سمجھتے ہوئے دوسروں کے لیے اس کا دامن پھیلا دیا ہے۔ لہذا اپ نے دنیا سے دل ہٹا لیا اور اس کی یاد اپنے نفس سے مٹا ڈالی اور یہ چاہتے رہے کہ اس کی سج دھج ان کی نظروں سے اوجھل رہے کہ نہ اس سے عمدہ عمدہ لباس حاصل کریں، اور نہ اس میں قیام کی اس لگائیں انہوں نے عذر تمام کرتے ہوئے اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا اور ڈراتے ہوئے امت کو پند و نصیحت کی، اور

خوشخبری سناتے ہوئے جنت کی طرف دعوت دی اور اشباہ کرتے ہوئے دوزخ سے خوف دلایا۔ہم نبوت کا شجرہ، رسالت کی منزل، ملائکہ کی فرودگاہ، علم کا معدن اور حکمت کا سرچشمہ ہیں۔ ہماری نصرت کرنے والا اور ہم سے محبت کرنے والا رحمت کے لیے چشم براہ ہے اور ہم سے دشمنی وعناد رکھنے والے کو زہر (الٰہی) کا منتظر رہنا چاہیئے

خطبہ 108

فرائضِ اسلام کے متعلق فرمایا

اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈنے والوں کے لیے بہترین وسیلہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ہے اور اس کی راہ میں جہاد کرنا کہ وہ اسلام کی سربلند چوٹی ہے۔اور کلمہ توحید کی وہ فطرت (کی اواز) ہے اور نماز کی پابندی کی وہ عین دین ہے اور زکوٰۃ ادا کرنا کہ وہ فرض وواجب ہے اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا، کہ وہ عذاب کی سپر ہیں اور خانہ کعبہ کا حج وعمرہ بجالانا کہ وہ فقر کو دور کرتے اور گناہوں کو دھودیتے ہیں۔اور عزیزوں سے حسن سلوک کرنا کہ وہ مال کی فروانی، اور عمر کی درازی کا سبب ہے۔اور مخفی طور پر خیرات کرنا کہ وہ گناہوں کا کفارہ ہے اور کھلم کھلا خیرات کرنا کہ وہ بری موت سے بچاتا ہے اور لوگوں پر احسانات کرنا کہ وہ ذلّت و رسوائی کے مواقع سے بچاتا ہے۔اللہ کے ذکر میں بڑھے چلو۔اس لیے کہ وہ بہترین ذکر ہے اور اس چیز کے خواہشمند بنو، کہ جس کا اللہ نے پرہیزگاروں سے وعدہ کیا ہے۔اس لیے کہ اس کا وعدہ سب وعدوں سے زیادہ سچا ہے۔ نبی کی سیرت کی پیروی کرو کہ وہ بہترین سیرت ہے۔اور ان کی سنت پر چلو، کہ وہ سب طریقوں سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہے،

اورقران کا علم حاصل کرو، کہ وہ بہترین کلام ہے! اوراس میں غوروفکر کرو کہ یہ دلوں کی بہار ہے اوراس کے نور سے شفا حاصل کرو کہ سینوں (کے اندر چھپی ہوئی بیماریوں) کے لیے شفا ہے۔اوراس کی خوبی کے ساتھ تلاوت کرو کہ اس کے واقعات سے زیادہ فائدہ رساں ہیں۔ وہ عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا اس سرگرداں جاہل کے مانند ہے جو جہالت کی سرمستیوں سے ہوش میں نہیں اتا، بلکہ اس پر (اللہ کی) حجت زیادہ ہے اورحسرت وافسوس اس کے لیے لازم وضروری ہے اورحسرت وافسوس اس کے لیے لازم وضروری ہے۔اوراللہ کے نزدیک وہ زیادہ قابل ملامت ہے۔

خطبہ 109:

دنیا کی بے ثباتی کے متعلق فرمایا

میں تمہیں دنیا سے ڈراتا ہوں، اس لیے کہ یہ (بظاہر) شیریں وخوش گوار، تروتازہ وشاداب ہے نفسانی خواہشیں اس کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔وہ اپنی جلد میسرا جانے والی نعمتوں کی وجہ سے لوگوں کو محبوب ہوتی ہے اوراپنی تھوڑی سی (ارائشوں) سے مشتاق بنالیتی ہے۔ وہ (جھوٹی) امیدوں سے سجی ہوئی۔اوردھوکے اورفریب سے بنی سنوری ہوئی ہے۔نہ اس کی مسرتیں دیرپا ہیں اورنہ اس کی ناگہائی مصیبتوں سے مطمئن رہا جاسکتا ہے۔وہ دھوکے باز،نقصان رساں،ادلنے بدلنے والی اورفنا ہونے والی ہے،ختم ہونے والی،اورمٹ جانے والی ہے،کھا جانے اور ہلاک کردینے والی ہے۔جب یہ اپنی طرف مائل ہونے والوں اور خوش ہونے والوں کی انتہائی ارزوؤں تک پہنچ جاتی ہے۔تو بس وہی ہوتا ہے، جو اللہ سبحانہ

نے بیان کیا ہے (اس دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہے) « جیسے وہ پانی جسے ہم نے اسمان سے اتارا، تو زمین کا سبزہ اس سے گھل مل گیا اور (اچھی طرح پھولا پھلا) پھر سوکھ کر تنکا تنکا ہو گیا جسے ہوائیں (ادھر سے ادھر) اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو شخص اس دنیا کا عیش وارام پاتا ہے تو اس کے بعد اس کے انسو بھی بہتے ہیں اور جو شخص دنیا کی مسرتوں کا رخ دیکھتا ہے۔ وہ مصیبتوں میں دھکیل کر اس کو اپنی بے رخی بھی دکھاتی ہے۔ اور جس شخص پر راحت وارام کی بارش کے ہلکے ہلکے چھینٹے پڑتے ہیں اس پر مصیبت و بلا کی دھواں دھار بارشیں بھی ہوتی ہیں یہ دنیا ہی کے مناسب حال سہے کہ صبح کو کسی کی دوست بن کر اس کا (دشمن سے) بدلہ چکائے اور شام کو یوں ہو جائے کہ گویا کوئی جان پہچان ہی نہ تھی۔ اگر اس کا یک جنبہ شیریں وخوشگوار ہے تو دوسرا حصہ تلخ اور بلانگیز جو شخص بھی دنیا کی تر وتازگی سے اپنی کوئی تمنا پوری کرتا ہے تو وہ اس پر مصیبتوں کی مشقتیں بھی لا دیتی ہے جسے امن وسلامتی کے پر دبال پر شام ہوتی ہے، تو اسے صبح خوف کے پروں پر ہوتی ہے۔ وہ دھوکے باز ہے اور اس کی ہر چیز دھوکا دہ خود بھی فنا ہو جانے والی ہے۔ اور اس میں رہنے والا بھی فانی ہے۔ اس کے کسی زاد میں سوازا وتقویٰ کے جلائی نہیں ہے جو شخص کم حصہ لیتا ہے وہ اپنے لیے راحت کے سامان بڑھا لیتا ہے۔ اور جو دنیا کو زیادہ سمیٹتا ہے، وہ اپنے لیے تباہ کن چیزوں کا اضافہ کر لیتا ہے۔ (حالانکہ) اسے اپنے مال ومتاع سے بھی جلد ہی الگ ہونا ہے، کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جنہوں نے دنیا پر بھروسہ کیا، اور اس نے انہیں مصیبتوں میں ڈال دیا۔ اور کتنے ہی اس پر اطمینان کیے بیٹھے تھے جنہیں اس نے پچھاڑ دیا اور کتنے ہی رعب وطنطنہ

والے تھے، جنہیں حقیر و پست بنا دیا، اور کتنے ہی نخوت و غرور والے تھے۔ جنہیں ذلیل کر کے چھوڑا۔ اس کی بادشاہی دست بدست منتقل ہونے والی چیز، اس کا سرچشمہ گدلا، اس کا خوش گوار پانی کھاری، اس کی حلاوتیں ایلوا (کے مانند تلخ)، میں۔ اس کے کھانے زہر ہلاہل اور اس کے اسباب و ذرائع کے سلسلے بودے ہیں۔ زندہ رہنے والا معرض ہلاکت میں ہے اور تندرست کو بیماریوں کا سامنا ہے اس کی سلطنت چھن جانے والی، اس کا زبردست زیردست بننے والا، مالدار بدبختیوں کا ستایا ہوا، اور ہمسار لُٹا لٹیا ہوا ہے۔ کیا تم انہیں سابقہ لوگوں کے گھروں میں نہیں بستے جو لمبی عمروں والے، پائدار نشانیوں والے بڑی بڑی امیدیں باندھنے والے، زیادہ گنتی و شمار والے اور بڑے لاؤلشکر والے تھے؟ وہ دنیا کی کس کس طرح پر پرستش کرتے رہے، اور اسے اخرت پر کیسا کیسا ترجیح دیتے رہے۔ پھر بغیر کسی ایسے زاد و راحلہ کے جو انہیں راستہ طے کر کے منزل تک پہنچاتا، چل دیے۔ کیا تمہیں کبھی یہ خبر پہنچی ہے۔ کہ دنیا نے ان کے بدلہ میں کسی فدیہ کی پیشکش کی ہو یا۔ انہیں کوئی مدد پہنچائی ہو یا اچھی طرح ان کے ساتھ رہی سہی ہو؟ بلکہ اس نے تو ان پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے افتوں سے انہیں عاجز و درماندہ کر دیا اور لوٹ لوٹ کرانے والی زحمتوں سے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور ناک کے بل انہیں خاک پر پچھاڑ دیا اور اپنے کھروں سے کچل ڈالا، اور ان کے خلاف زمانہ کے حوادث کا ہاتھ بٹایا۔ تم نے تو دیکھا ہے کہ جو ذرا دنیا کی طرف جھکا اور اسے اختیار کیا اور اس سے لپٹا تو اس نے (اپنے تیور بدل کر ان سے کیسی) اجنبیت اختیار کر لی یہاں تک کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہو کر چل دیے، اور اس نے انہیں بھوک کے

سوا کچھ زادِ راہ نہ دیا، اور ایک تنگ جگہ کے سوا کوئی ٹھہرنے کا سامان نہ کیا، اور سوا گھپ اندھیرے کے کوئی روشنی نہ دی اور ندامت کے سوا کوئی نتیجہ نہ دیا، تو کیا تم اسی دنیا کو ترجیح دیتے ہو، یا اسی پر مطمئن ہو گئے ہو، یا اسی پر مرے جا رہے ہو، جو دنیا پر بے اعتماد نہ رہے اور اس میں بے خوف و خطر ہو کر رہے، اس کے لیے یہ بتہ بُرا گھر ہے۔ جان لو اور حقیقت میں تم جانتے ہی ہو، کہ (ایک نہ ایک دن) تمہیں دنیا کو چھوڑنا ہے، اور یہاں سے کوچ کرنا ہے ان لوگوں سے عبرت حاصل کرو جو کہا کرتے تھے کہ « ہم سے زیادہ قوت و طاقت میں کون ہے۔» انہیں لاد کر قبروں تک پہنچایا گیا۔ مگر اس طرح نہیں کہ انہیں سوار سمجھا جائے انہیں قبروں میں اتار دیا گیا مگر وہ مہمان نہیں کہلاتے پتھروں سے ان کی قبریں چن دی گئیں اور خاک کے کفن ان پر ڈال دیا گیا ہے۔ وہ ایسے ہمسائے ہیں کہ جو پکارنے والے کے جواب نہیں دیتے۔ اور نہ زیادتیوں کو روک سکتے ہیں اور نہ رونے دھونے والوں کی پروا کرتے ہیں۔ اگر بادل (جھوم کر) ان پر برسیں تو خوش نہیں ہوتے، اور قحط ائے تو ان پر مایوسی نہیں چھا جاتی۔ وہ ایک جگہ ہیں، مگر الگ الگ، وہ اپس میں ہمسائے ہیں مگر دور دور۔ پاس پاس ہیں۔ مگر میل ملاقات نہیں قریب قریب ہیں۔ مگر ایک دوسرے کے پاس نہیں پھٹکتے وہ بردبار بنے ہوئے بے خبر پڑے ہیں۔ ان کے بغض و عناد ختم ہو گئے اور کینے مٹ گئے نہ ان سے کسی ضرر کا اندیشہ ہے، نہ کسی تکلیف کے دور کرنے کی توقع ہے انہوں نے زمین کے اوپر کا حصہ اندر کے حصہ سے اور کشادگی اور وسعت تنگی سے اور گھر بار پردیس سے اور روشنی اندھیرے سے بدل لی ہے اور جس طرح ننگے پیر اور ننگے بدن پیدا ہوئے

تھے ویسے ہی زمین میں (پیوند خاک) ہو گئے اور اس دنیا سے صرف عمل لے کر ہمیشہ کی زندگی اور سدا رہنے والے گھر کی طرف کوچ کر گئے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے، جس طرح ہم نے مخلوقات کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔ اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے۔ اس وعدہ کا پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے اور ہم اسے ضرور پورا کر کے رہیں گے۔»

خطبہ 110:

ملك الموت کے بارے میں

اس میں ملک الموت اور اس کے روح قبض کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ جب (ملک الموت) کسی گھر میں داخل ہوتا ہے تو کبھی تم اس کی اہٹ محسوس کرتے ہو؟ یا جب کسی کی روح قبض کرتا ہے، تو کیا تم اسے دیکھتے ہو! (حیرت ہے) کہ وہ کس طرح ماں کے پیٹ میں بچے کی روح کو قبض کر لیتا ہے، کیا وہ ماں کے جسم کے کسی حصہ سے وہاں تک پہنچتا ہے یا اللہ کے حکم سے روح اس کی اواز پر لبیک کہتی ہوئی بڑھتی ہے۔ یا وہ بچہ کے ساتھ شکم مادر میں ٹھہرا ہوا ہے؟ جو اس جیسی مخلوق کے بارے میں بھی کچھ نہ بیان کر سکے، وہ اپنے اللہ کے متعلق کیا بتا سکتا ہے

خطبہ 111:

دنیا اور اہلِ دنیا کے متعلق فرمایا

میں تمہیں دنیا سے خبردار کئے دیتا ہوں کہ یہ ایسے شخص کی منزل ہے جس کے لئے قرار نہیں اور ایسا گھر ہے جس میں اب و دانہ نہیں ڈھونڈا جا سکتا۔ یہ اپنے باطل سے اراستہ ہے اور اپنی ارائشوں سے دھوکا دیتی ہے۔ یہ ایک ایسا گھر ہے جو اپنے رب کی نظروں میں ذلیل وخوار ہے۔ چنانچہ اس نے حلال کے ساتھ حرام اور بھلائیوں کے ساتھ برائیاں اور زندگی کے ساتھ موت اور شیرینیوں کے ساتھ تلخیاں غلط ملط کر دی ہیں اور اپنے دوستوں کے لئے اسے بے غل وغش نہیں رکھا اور نہ دشمنوں کو دینے میں بخل کیا ہے۔ اس کی بھلائیاں بہت ہی کم ہیں۔ اور برائیاں (جہاں چاہو) موجود۔ اس کی جمع پونجی ختم ہو جانے والی اور اس کا مل کچھ نہ جانے والا ہے اور اس کیا آبادیاں ویران ہو جانے والی ہیں۔ بھلا اس گھر میں خیر وخوبی ہی کیا ہو سکتی ہے۔ جو مسمار عمارت کی طرح گر جائے۔ اور اس عمر میں جو زادراہ کی طرح ختم ہوا جائے اور اس مدت میں جو چلنے پھرنے کی طرح تمام ہو جائے جن چیزوں کی تمہیں طلب وتلاش رہنی ہے ان میں اللہ تعالیٰ کے فرائض کو بھی داخل کر لو اور جو اللہ نے تم سے چاہا ہے اسے پورا کرنے کی توفیق بھی اس سے مانگو اور موت کا پیغام انے سے پہلے موت کی پکار اپنے کانوں کو سنا دو۔ اس دنیا میں زاہدوں کے دل روتے ہیں۔ اگر چہ وہ ہنس رہے ہوں اور ان کا غم اندوہ حد سے بڑھا ہوتا ہے اگر چہ ان (کے چہروں) سے مسرت ٹپک رہی ہو۔ اور انہیں اپنے نفسوں سے انتہائی بیر ہوتا ہے۔ اگر چہ اس رزق کی وجہ سے جو انہیں میسر ہے، ان پر

رشک کیا جاتا ہوتمہارے دلوں سے موت کی یاد جاتی رہی ہے اور جھوٹی امیدیں (تمہارے اندر) موجود ہیں۔ اخرت سے زیادہ دنیا تم پر چھائی ہوئی ہے اور وہ عقبیٰ سے زیادہ تمہیں اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تم دین خدا کے سلسلہ میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہو۔ لیکن بد نیتی اور بدبختی نے تم میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ نہ تم ایک دوسرے کا بوجھ بٹاتے ہو نہ باہم پندو نصیحت کرتے ہو۔ نہ ایک دوسرے پر کچھ خرچ کرتے ہو، نہ تمہیں ایک دوسرے کی چاہت ہے۔ تھوڑی سی دنیا پاکر خوش ہونے لگتے ہو، اور اخرت کے پیشتر حصہ سے بھی محرومی تمہیں غم زدہ نہیں کرتی۔ ذرا سی دنیا کا تمہارے ہاتھوں سے نکلنا تمہیں بے چین کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ بے چینی تمہارے چہروں سے ظاہر ہونے لگتی ہے اور کھوئی ہوئی چیز پر تمہاری بے صبریوں سے اشکارا ہو جاتی ہے۔ گو یا یہ دنیا تمہارا (مستقل) مقام ہے، اور دنیا کا ساز و برگ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ تم میں سے کسی کو بھی اپنے کسی بھائی کا ایسا عیب اچھالنے سے کہ جس کے ظاہر ہونے سے ڈرتا ہے۔ صرف یہ امر مانع ہوتا ہے کہ وہ بھی اس کا ویسا ہی عیب کھول کر اس کے سامنے رکھ دے گا۔ تم نے اخرت کو ٹھکرانے اور دنیا کو چاہنے پر سمجھوتہ کر رکھا ہے۔ تو لوگوں کا دین تو یہ رہ گیا ہے کہ جیسے ایک دفعہ زبان سے چاٹ لیا جائے (یعنی صرف زبانی اقرار) اور تم تو اس شخص کی طرح (مطمئن) ہو چکے ہو کہ جو اپنے کام دھندوں سے فارغ ہو گیا ہو، اور اپنے مالک کی رضامندی حاصل کر لی ہو۔

خطبہ 112:

زھد و تقویٰ کے متعلق

تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جو حمد کا پیوند نعمتوں سے اور نعمتوں کا سلسلہ شکر سے ملانے والا ہے۔ ہم اس کی نعمتوں پر اسی طرح حمد کرتے ہیں جس طرح اس کی ازمائشوں پر ثنا و شکر بجالاتے ہیں اور ان نفسوں کے خلاف اس سے مدد مانگتے ہیں کہ جو احکام کے بجالانے میں سست قدم اور ممنوع چیزوں کی طرف بڑھنے میں تیز گام ہیں۔ اور (ان گناہوں سے) مغفرت چاہتے ہیں کہ جن پر اس کا علم محیط اور نامۂ اعمال حاوی ہے۔ نہ علم کوئی کمی کرنے والا ہے۔ ہم اس شخص کے مانند اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ جس نے غیب کی چیزوں کو (اپنی انکھوں سے) دیکھ لیا ہو اور وعدہ کی ہوئی چیزوں سے اگاہ ہو چکا ہو۔ ایسا ایمان کہ جس کے خلوص نے شرک کو اور یقین نے شک کو دور پھینک دیا ہو، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں جو وحدہ لاشریک ہے اور یہ کہ محمد اس کے عبد اور رسول ہیں۔ یہ دونوں شہادتیں (اچھی) باتوں کو اونچا اور (نیک) اعمال کو بلند کرتی ہیں۔ جس ترازو میں انہیں رکھ دیا جائے گا اس کا پلہ ہلکا نہیں ہو گا اور جس میزان سے انہیں الگ کرلیا جائے گا اس کا پلہ بھاری نہیں ہوسکتا۔ اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اس لیے کہ یہی تقویٰ زادراہ ہے اور اسی کو لے کر پلٹنا ہے۔ یہ زاد (منزل تک) پہنچانے والا اور یہ پلٹنا کامیاب پلٹنا ہے۔ اس کی طرف سب سے بہتر سنا دینے والے نے دعوت دی، اور بہترین سننے والے نے اسے سن کر محفوظ کرلیا چنانچہ دعوت دینے والے نے سنا دیا، اور سننے

والا بہرہ اندوز ہو گیا۔ اللہ کے بندو! تقویٰ ہی نے اللہ کے دوستوں کو منہیات سے بچایا ہے اوران کے دلوں میں خوف پیدا کیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کی راتیں جاگتے اور تپتی ہوئی دو پہریں پیاس میں گزر جاتی ہیں اوراس تعب وکلفت کے عوض راحت (دائمی) اوراس پیاس کے بدلہ میں (تسنیم وکوثر سے) سیرابی حاصل کرتے ہیں۔ انہوں نے موت کو قریب سمجھ کر اعمال میں جلدی کی اورامیدوں کو جھٹلا کر اجل کو نگاہ میں رکھا پھر یہ دنیا تو فنا اور مشقت تغیر اور عبرت کی جگہ ہے چنانچہ فنا کرنے کی صورت یہ ہے کہ زمانہ اپنی کمان کا چلہ چڑھائے ہوئے ہے جس کے تیر خطا نہیں کرتے اور نہ اس کے زخموں کا کوئی مداوا ہوسکتا ہے، زندہ پر موت کے تندرست پر بیماری کے، اور محفوظ پر ہلاکت کے تیر چلاتا رہتا ہے۔ وہ ایسا کھاؤ ہے کہ سیر نہیں ہوتا اور ایسا پینے والا ہے کہ اس کی پیاس بجھتی ہی نہیں اور رنج وتعب کی صورت یہ ہے کہ انسان مال جمع کرتا ہے۔ لیکن اس میں سے کھانا اسے نصیب نہیں ہوتا۔ گھر بناتا ہے۔ مگر اسی میں رہنے نہیں پاتا اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف اس طرح چل دیتا ہے کہ نہ مال ساتھ اٹھا کر لے جاسکتا ہے اور نہ گھر ہی ادھر منتقل کرسکتا ہے اوراس کے تغیر کی یہ حالت ہے کہ تم ایک ایسے شخص کو دیکھتے ہو جس کی حالت قابل رحم ہوتی ہے اور وہ (دیکھتے ہی دیکھتے) اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس پر رشک کھایا جائے۔ اور قابل رشک آدمی کو دیکھتے ہو کہ (چند ہی دنوں میں) اس کی حالت پر ترس انے لگتا ہے۔ اس کی یہی وجہ تو ہے کہ اس سے نعمت جاتی رہی، اوراس پر فقر و افلاس ٹوٹ پڑا۔ اس سے عبرت حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ انسان اپنی امیدوں کی انتہا تک پہنچنے والا ہی ہوتا ہے کہ موت پہنچ کر امیدوں کے سارے بندھن توڑ

دیتی ہے اس طرح یہ امیدیں براتی ہیں اور نہ امیدیں باندھنے والا ہی باقی چھوڑا جاتا ہے۔
اللہ اکبر! اس دنیا کی مسرت کی فریب کاریاں اور اس کی سیرابی کی تشنہ کامیاں کتنی زیادہ ہیں اور اس کے سایہ میں دھوپ کی شرکت کتنی زیادہ ہیں اور اس کے سایہ میں دھوپ کی شرکت کتنی زیادہ ہے، نہ انے والی موت کو پلٹا یا جا سکتا ہے اور نہ جانے والا پلٹ کر ا سکتا ہے۔
سبحان اللہ! زندہ مردوں سے انہی میں مل جانے کی وجہ سے کتنا قریب ہے اور مردہ زندوں سے تمام تعلقات کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے کس قدر دور ہے، بیشک کوئی بدی سے بدتر شے نہیں سوا اسی کے عذاب کے اور کوئی اچھائی سے اچھی چیز نہیں سوا اسی کے ثواب کے دنیا کی ہر چیز کا سننا اس کے دیکھنے سے عظیم تر ہے۔
مگر اخرت کی ہر شئے کا دیکھنا سننے سے کہیں بڑھا چڑھا ہوا ہے۔تم اسی سننے سے اس کی اصلی حالت کا، جو مشاہدہ میں ائے گی اندازہ اور خبر ہی سُن کر اس غیب کی تصدیق کر لو، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا کی کمی اور اخرت کا اضافہ عقبیٰ کی کمی اور دنیا کے اضافے سے کہیں بہتر ہے۔
بہت سے گھاٹا اٹھانے والے فائدہ میں رہتے ہیں اور بہت سے سمیٹ لینے والے نقصان میں رہتے ہیں۔
جن چیزوں کا خدا نے تم کو حکم دیا ہے (اور تمہارے لیے جائز رکھی ہیں) ان کا دامن ان چیزوں سے کہیں وسیع ہے۔جن سے روکا ہے اور حرام کی ہوئی چیزوں سے حلال چیزیں کہیں زیادہ ہیں۔لہذا زیادہ چیزوں کی وجہ سے کم چیزوں کو چھوڑ دو، اور تنگنائے حرام سے نکل کر حلال کی وسعتوں میں اجاؤ۔اس نے تمہارے رزق کا ذمہ لے لیا ہے اور تمہیں اعمال بجا

لانے کا حکم دیا گیا ہے لہذا جس چیز کا ذمہ لیا جا چکا ہے اس کی تلاش وطلب اعمال وفرائض کے بجالانے سے تمہاری نظروں میں مقدم نہ ہونا چاہیئے مگر خدا کی قسم! تمہارا طرز عمل ایسا ہے کہ دیکھنے والے کو شبہ ہونے لگے۔ اور ایسا معلوم ہو کہ رزق کا حاصل کرنا تو تم پر فرض ہے اور جو واقعی تمہارا فریضہ ہے یعنی واجبات کا بجالانا، وہ تم سے ساقط ہے۔ عمل کی طرف بڑھو اور موت کے اچانک اجانے سے ڈرو۔ اس لیے کہ عمر کے پلٹ کرانے کی اس نہیں لگائی جا سکتی۔ جب کہ رزق کے پلٹنے کی امید ہو سکتی ہے۔ جو رزق ہاتھ نہیں لگا، کل اس کی زیادتی کی توقع ہو سکتی ہے۔ اور امید نہیں کہ عمر کا گزرا ہوا۔ کل آج پلٹ آئے گا۔ امید تو انے والے کی ہو سکتی ہے۔ اور جو گزر جائے اس سے تو مایوسی ہی ہے اللہ سے ڈرو، جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور جب موت ائے، تو تم کو بہر صورت مسلمان ہونا چاہیئے۔

خطبہ 113:

طلبِ باراں کے لیے اپ کے دُعائیہ کلمات

بارالہا! (خشک سالی سے) ہمارے پہاڑوں کا سبزہ بالکل سوکھ گیا ہے اور زمین پر خاک اڑ رہی ہے ہمارے چوپائے پیاسے ہیں اور اپنے چوپالوں میں بوکھلائے ہوئے پھرتے ہیں اور اس طرح چلا رہے ہیں جس طرح رونے والیاں اپنے بچوں پر بین کرتی ہیں اور اپنی چراگاہوں کے پھیرے کرنے اور تالابوں کی طرف بصد شوق بڑھنے سے عاجز اگئے ہیں۔ پروردگار! چیخنے والی بکریوں اور ان شوق بھرے لہجے میں پکارنے والے اونٹوں پر رحم کر۔ خدایا! تو راستوں میں ان کی پریشانی اور گھروں میں ان کی چیخ و پکار پر ترس کھا۔ بار خدایا!

جب کہ قحط سالی کے لاغر اور نڈھال اونٹ ہمارے طرف پلٹ پڑے ہیں اور بظاہر برسنے والی گھٹائیں اکے بن برسے گزر گئیں تو ہم تیری طرف نکل پڑے ہیں۔ تو ہی دکھ درد کے ماروں کی اس ہے اور تو ہی التجا کرنے والوں کا سہارا ہے۔ جب کہ لوگ بے اس ہو گئے اور بادلوں کا اٹھنا بند ہو گیا اور مویشی بے جان ہو گئے تو ہم تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے اعمال کی وجہ سے ہماری گرفت نہ کر اور ہمارے گناہوں کے سبب سے ہمیں (اپنے عذاب میں نہ دھر لے۔ اے اللہ! تو دھواں دار بارشوں والے ابر اور چھاجوں پانی برسانے والی برکھا رت اور نظروں میں کھب جانے والے ہریاول سے اپنے دامانِ رحمت کو ہم پر پھیلا دے وہ موسلا دھار اور لگا تار اس طرح برسیں کہ ان سے مری ہوئی چیزیں کو تو زندہ کر دے اور گزری ہوئی بہاروں کو پلٹا دے۔ خدایا! ایسی سیرابی ہو کہ جو (مردہ زمینوں کو) زندہ کرنے والی، سیراب بنانے والی، اور پاکیزہ و بابرکت اور خوشگوار و شاداب ہو، جس سے نباتات پھلنے پھولنے لگیں۔ شاخیں بار اور اور پتے ہرے بھرے ہو جائیں اور جس سے تو اپنے عاجز و زمین گیر بندوں کو سہارا دے کر اوپر اٹھائے اور اپنے مردہ شہروں کو زندگی بخش دے۔ اے اللہ! ایسی سیرابی کہ جس سے ہمارے ٹیلے سبزہ پوش ہو جائیں اور ندی نالے بہہ نکلیں اور اس پاس کے اطراف سر سبز و شاداب ہو جائیں اور پھل نکل ائیں اور چوپائے جی اٹھیں اور دور کی زمینیں بھی تر بتر ہو جائیں اور کھلے میدان بھی اس سے مدد پا سکیں۔ اپنی پھیلنے والی برکتوں اور بڑی بڑی بخششوں سے جو تیری تباہ حال مخلوق اور بغیر چرواہے کے کھلے پھرنے والے حیوانوں پر ہیں۔ ہم پر ایسی بارش ہو، جو پانی سے شرابور کر دینے والی،

اور موسلا دھار اور لگاتار برسنے والی ہو۔ اس طرح کہ بارشیں بارشوں سے ٹکرائیں اور بوندیں بوندوں کو تیزی سے دھکیلیں۔ (کہ تار بند جائے) اس کی بجلی دھوکہ دینے والی نہ ہو۔ اور نہ سفید ابر کے ٹکڑے بکھرے بکھرے سے ہوں اور نہ صرف ہوا کے ٹھنڈے جھونکوں والی بوندا باندی ہو کر رہ جائے (یوں برسا کہ) قحط کے مارے ہوئے اس کی سرسبزوں سے خوشحال ہو جائیں اور خشک سالی کی سختیاں جھیلنے والے اس کی برکتوں سے جی اٹھیں، اور تو ہی وہ ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے، اور اپنی رحمت کے دامن پھیلا دیتا ہے۔ اور تو ہی والی و وارث اور (اچھی) صفتوں والا ہے۔

سید رضی فرماتے ہیں۔ کہ امیر المومنین کے اس ارشاد «انصاحت جبالنا» کے معنی یہ ہیں کہ پہاڑوں میں قحط سالی سے شگاف پڑ گئے ہیں انصاح الثوب اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب کپڑا اپھٹ جائے اور انصاح النبت، صاح النبت اور صوح النبت اس وقت بولا جاتا ہے کہ جب سبزہ خشک ہو جائے اور بالکل سوکھ جائے اور ہامت دوبنا کے معنی یہ ہیں کہ ہمارے چوپائے پیاسے ہو گئے ہیں۔ ھیام کے معنی پیاس کے ہوتے ہیں اور حَدَابیرُ السِّنِین میں میں حدابیر، حدبار کی جمع ہے۔ جس کے معنی اس اونٹنی کے ہیں جسے سفروں نے لاغر اور نڈھال کر دیا ہو۔ چنانچہ حضرت نے قحط زدہ سال کی اسی سفروں کی ماری ہوئی اونٹنی سے تشبیہ دی ہے۔ (عرب کے شاعر) «ذوالرّمہ» نے کہا ہے:۔ یہ لاغر اور کمزور اونٹنیاں ہیں کہ جو یا تو بس ہر سختی وصعوبت کو جھیل کر اپنی جگہ پر بیٹھی رہتی ہیں اور یا یہ کہ ہم انہیں کسی بے اب و

گیاہ جنگل کے سفر میں لے جاتے ہیں تو وہاں جاتی ہیں اور قزع ربابھا میں قزع چھوٹی چھوٹی بکھری ہوئی بدلیوں کو کہتے ہیں اور شفان ٹھا بھا میں شفاف کے معنی ٹھنڈی ہواؤں کے ہیں اور ہلکی ہلکی بوندا باندی کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ٹھنڈی ہواؤں والی پھوہار۔ اور ذات کی لفظ جس کے معنی «والی» ہوتے ہیں اس جگہ خدف فرما دی ہے۔ اس لیے کہ سننے والا اسے خود ہی سمجھ سکتا ہے۔

خطبہ 114:

حجاج ابن یوسف ثقفی کے مظالم کے متعلق

اللہ نے اپ کو حق کی طرف بلانے والا اور اور مخلوق کی گواہی دینے والا بنا کر بھیجا۔ چنانچہ اپ نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کو پہنچایا۔ نہ اس میں کچھ سستی کی نہ کوتاہی اور اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں سے جہاد کیا۔ جس میں نہ کمزوری دکھائی، نہ حیلے بہانے کئے، وہ پرہیز گاروں کے امام اور ہدایت پانے والے (کی انکھوں) کے لیے بصارت ہیں۔ اسی خطبہ کا ایک جُز یہ ہے:۔

جو چیزیں تم سے پردہ غیب میں لپیٹ دی گئی ہیں

اگر تم بھی انہیں جان لیتے، جس طرح میں جانتا ہوں، تو بلا شبہ تم اپنی بداعمالیوں پر روتے ہوئے اور اپنے نفسوں کا ماتم کرتے ہوئے اور اپنے مال ومتاع کو بغیر کسی نگہبان اور بغیر کسی نگہداشت کرنے والے کے یونہی چھوڑ چھاڑ کر کھلے میدانوں میں نکل پڑتے، اور ہر شخص کو اپنے ہی نفس کی پڑی ہوتی۔ کسی اور کی طرف متوجہ ہی نہ ہوتا۔

لیکن جو تمہیں یاد دلایا گیا تھا اسے تم بھول گئے اور جن چیزوں سے تمہیں ڈرایا گیا تھا اسے تم بھول گئے اور جن چیزوں سے تمہیں ڈرایا گیا تھا ان سے تم نڈر ہو گئے اس طرح تمہارے خیالات بھٹک گئے، اور تمہارے سارے امور درہم برہم ہو گئے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی ڈال دے، اور مجھے ان لوگوں سے ملا دے جو تم سے زیادہ میرے حقدار ہیں خدا کی قسم! وہ ایسے لوگ ہیں جن کے خیالات مبارک اور عقلیں ٹھوس تھیں۔ وہ کھل کر حق بات کہنے والے اور سرکشی و بغاوت کو چھوڑنے والے تھے وہ قدم آگے بڑھا کر اللہ کی راہ پر ہو لیے اور سیدھی راہ پر (بے کھٹکے) دوڑے چلے گئے۔ چنانچہ انہوں نے ہمیشہ رہنے والی آخرت اور عمدہ و پاکیزہ نعمتوں کو پا لیا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تم پر بنی ثقیقف کا ایک لڑکا تسلط پالے گا وہ دراز قد ہوگا، اور بل کھا کر چلے گا۔ وہ تمہارے تمام سبزہ زاروں کو چر جائے گا۔ اور تمہاری چربی (تک) پگھلا دے گا۔ ہاں اے ابو ودحہ کچھ اور!

سید رضی فرماتے ہیں:۔ کہ وذحہ کے معنی خنفسا 1 کے ہیں۔ آپ نے اپنے ارشاد سے حجاج (ابن یوسف ثقفی) کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اس کا خنفساب سے متعلق ایک واقعہ ہے جس کے بیان کرنے کا یہ محل نہیں ہے۔

1. اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے یہ حجاج ایک دن نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہوا، تو خنفسا※ اس کی طرف بڑھا حجاج نے ہاتھ بڑھا کر اسے روکنا چاہا۔ مگر اس نے اسے کاٹ لیا۔ جس سے اس

کے ہاتھ پر ورم آگیا اور اخراس کے اثر سے اس کی موت واقع ہوئی۔» ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ وذحہ اس گوبر کو کہتے ہیں کہ کسی حیوان کی دم پر لگا رہ گیا ہو، اور اس کنیت سے مقصود اس کی تذلیل ہے

خطبہ 115:

خدا کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے کے متعلق

جس نے تم کو مال و متاع بخشا ہے اسکی راہ میں تم اسے صرف نہیں کرتے اور نہ اپنی جانوں کو اس کے لیے خطرہ میں ڈالتے ہو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ تم نے اللہ کی وجہ سے بندوں میں عزت و ابرو پائی۔ لیکن اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کر کے اس کا احترام و اکرام نہیں کرتے۔ جن مکانات میں اگلے لوگ اباد تھے۔ ان میں اب تم مقیم ہوتے ہو، اور قریب سے قریب تر بھائی گزر جاتے، اور تم رہ جاتے ہو اور اس سے عبرت حاصل کرو۔

خطبہ 116:

اپنے دوستوں کی حالت اور اپنی اولیت کے متعلق فرمایا

تم حق کے قائم کرنے میں (میرے) ناصر و مددگار ہو، اور دین میں (ایک دوسرے کے) بھائی بھائی ہو اور سختیوں میں (میری) سپر ہو، اور تمام لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی میرے رازدار ہو، تمہاری مدد سے روگردانی کرنے والے پر میں تلوار چلاتا ہوں اور پیش قدمی کرنے والے کی

اطاعت کی توقع رکھتا ہوں۔ایسی خیر خواہی کے ساتھ میری مدد کرو۔کہ جس میں دھوکا فریب ذرا نہ ہو،اور شک و بدگمانی کا شائبہ تک نہ ہو۔اس لیے کہ میں ہی لوگوں (کی امامت) کے لیے سب سے زیادہ اولیٰ و مقدم ہوں۔

خطبہ 117:

جب اپنے ساتھیوں کو دعوتِ جھاد دی اور وہ خاموش رہے تو فرمایا

امیر المومنین علیہ السلام نے لوگوں کو جمع کیا 1 اور انہیں جہاد پر امادہ کرنا چاہا تو وہ لوگ دیر تک چپ رہے،تو اپ نے فرمایا،تمہیں کیا ہو گیا ہے۔کیا تم گونگے ہو گئے ہو؟ تو ایک گروہ نے کہا کہ اے امیر المومنین اگر اپ چلیں،تو ہم بھی اپ کے ہمراہ چلیں گے۔جس پر حضرت نے فرمایا:۔

تمہیں کیا ہو گیا ہے۔تمہیں ہدایت کی توفیق نہ ہو اور نہ سیدھی راہ دیکھنا نصیب ہو۔کیا ایسے حالات میں مَیں ہی نکلوں۔اس وقت تو تمہارے جوانمردوں اور طاقتوروں میں سے جس شخص کو میں پسند کروں اسے جانا چاہیئے میرے لیے مناسب نہیں کہ میں لشکر،شہر، بیت المال، زمین کے خراج کی فراہمی،مسلمانوں کے مقدمات کا تصفیہ اور مطالبہ کرنے والوں کے حقوق کی دیکھ بھال چھوڑ دوں اور لشکر لیے ہوئے دوسرے لشکر کے پیچھے نکل کھڑا ہوں۔اور جس طرح خالی ترکش میں بے پیکاں کا تیر ہلتا جلتا ہے جنبش کھاتا رہوں۔میں چکی کے اندر کا وہ قطب ہوں کہ جس پر وہ گھومتی ہے جب تک میں اپنی جگہ پر ٹھہرا رہوں اور اگر میں نے اپنا

مقام چھوڑ دیا، تو اس کے گھومنے کا دریرہ متزلزل ہو جائے گا۔ اور اس کا نیچے والا پتھر بھی بے ٹھکانے ہو جائے گا۔ خدا کی قسم! یہ بت بُرا مشورہ ہے۔ قسم بخدا! اگر دشمن کا مقابلہ کرنے سے مجھے شہادت کی امید نہ ہو جب کہ وہ مقابلہ میرے لیے مقدر ہو چکا ہو، تو میں اپنی سواریوں کو (سوار ہونے کے لیے) قریب کر لیتا اور تمہیں چھوڑ چھاڑ کر نکل جاتا اور جب تک جنوبی و شمالی ہوائیں چلتی رہتیں، تمہیں کبھی طلب نہ کرتا۔ تمہارے شمار میں زیادہ ہونے سے کیا فائدہ جب کہ تم ایک دل نہیں ہو پاتے۔ میں نے تمہیں صحیح راستے پر لگایا ہے کہ جس میں ایسا ہی شخص تباہ و برباد ہو گا جو خود اپنے لیے ہلاکت کا سامان کئے بیٹھا ہو؟ اور جو اس راہ پر جما رہے گا وہ جنت کی طرف، اور جو پھسل جائے گا۔ وہ دوزخ کی جانب بڑھے گا۔

1. جنگ صفین کے بعد جب معاویہ کی فوجوں نے آپ کے مختلف علاقوں پر حملے شروع کر دیے تو ان کی روک تھام کے لیے اپ نے عراقیوں سے کہا لیکن انہوں نے ٹالنے کے لیے یہ عذر تراشا کہ اگر اپ فوج کے ہمراہ چلیں تو ہم بھی چلنے کو تیار ہیں۔ جس پر حضرت نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا، اور اپنی مجبوریوں کو واضح کیا کہ اگر میں چلوں، تو مملکت کا نظم وضبط برقرار نہیں رہ سکتا اور اس عالم میں کہ دشمن کے حملے چاروں طرف سے شروع ہو چکے ہیں۔ مرکز کو خالی رکھنا مصلحت کے خلاف ہے۔ مگر ان لوگوں سے کیا توتوقع کی جا سکتی تھی جنہوں نے صفین کی فتح کو شکست سے بدل کر ان حملون کا دروازہ کھول دیا ہو۔»

خطبہ118:

اہلِ بیت کی عظمت اور قوانینِ شریعت کی اہمیت کے متعلق

خدا کی قسم! مجھے پیغاموں کے پہنچانے، وعدوں کے پورا کرنے اور ایتوں کی صحیح تاویل بیان کرنے کا خوب علم ہے اور ہم اہل بیت (نبوت) کے پاس علم و معرفت کے دروازے اور شریعت کی روشن راہیں ہیں۔ آگاہ ہو کہ دین کے تمام قوانین کی روح ایک اور اسی کی راہیں سیدھی ہیں جو ان پر ہو لیا وہ منزل تک پہنچ گیا اور بہرہ یاب ہوا اور جو ٹھہرا رہا وہ گمراہ ہوا اور (اخرکار) نادم و پشیمان ہوا۔ اس دن کے لیے عمل کرو کہ جس کے لیے ذخیرے فراہم کئے جاتے ہیں اور جس میں نیتوں کو جانچا جائے گا۔ جسے اپنی ہی عقل فائدہ نہ پہنچائے کہ جو اس کے پاس موجود ہے، تو (دوسروں کی) عقلیں کہ جو اس سے دور اور اوجھل ہیں۔ فائدہ رسانی سے بہت عاجز و قاصر ہوں گی (دوزخ کی اگ سے ڈرو کہ جس کی تپش تیز اور گہرائی بہت زیادہ ہے۔ اور (جہاں پہننے کو) لوہے کے زیور اور (پینے کو) پیپ بھرا لہو ہے۔ ہاں! 1 جس شخص کا ذکرِ خیر لوگوں میں خدا برقرار رکھے وہ اس کے لیے اس مال سے کہیں بہتر ہے جس کا ایسوں کو وارث بنایا جاتا ہے جو اس کی سراہتے تک نہیں۔

1. اگر انسان جیتے جاگتے اپنے اختیار سے کسی کو کچھ دے جائے تو لینے والا اس کا احسان مند ہوتا ہے۔ لیکن جو مال مجبوری سے چھن جائے، تو چھین لینے والا اپنے کو اس کا زیر احسان نہیں سمجھتا اور نہ اسے سراہتا ہے یہی حالت مرنے والے کی ہوتی ہے کہ اس کے ورثا ※ یہی سمجھتے

ہیں کہ وہ جو کچھ چھوڑ گیا ہے وہ ہمارا حق تھا کہ جو ہمیں ملنا چاہیئے تھا۔اس میں اس کا احسان ہی کیا کہ اسے سراہا جائے۔لیکن اسی مال سے اگر وہ کوئی اچھا کام کر جاتا،تو دنیا میں اس کا نام بھی رہتا اور دنیا والے اس کی تحسین وافرین بھی کرتے # خنک کے کہ پس از دے حدیث خیر کنند کہ جز حدیث نے ماند از بنی ادم!

خطبہ 119:

تحکیم کے متعلق اعتراض پر جواب

حضرت کے اصحاب میں سے ایک شخص اٹھ کر آپ کے سامنے ایا اور کہا کہ یا امیرالمومنین پہلے تو اپ نے ہمیں تحکیم سے روکا اور پھر اس کا حکم بھی دے دیا۔نہیں معلوم کہ ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات زیادہ صحیح ہے (یہ سُن کر) حضرت نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا، اور فرمایا

جس نے عہد ووفا کو توڑ دیا ہو،اس کی یہی پاداش ہوا کرتی ہے خدا کی قسم! جب میں نے تمہیں تحکیم کے مان لینے کا حکم دیا تھا اگر اسی امر نا گوار (جنگ پر) تمہیں ٹھہرائے رکھتا کہ جس میں اللہ تمہارے لیے بہتری ہی کرتا چنانچہ تم اس پر جمے رہتے۔تو تمہیں سیدھی راہ لے چلتا اور اگر ٹیڑھے ہوتے تو تمہیں سیدھا کر دیتا اور اگر انکار کرتے تو تمہارا تدارک کرتا تو بلا شبہ یہ ایک مضبوط طریق کار ہوتا لیکن کس کی مدد سے اور کس کے بھروسے پر،میں تم سے اپنا چارہ چاہتا تھا اور تم ہی میرا مرض نکلے۔جیسے کانٹے کو کانٹے سے نکالنے والا کہ وہ جانتا ہے کہ یہ بھی اسی کی طرف جھکے گا۔خدایا اس موذی مرض سے چارہ گر عاجز آ گئے ہیں اور اس کنوئیں کی

رسیاں کھینچنے والے تھک کر بیٹھ گئے ہیں

اور وہ لوگ 1 کہاں ہیں کہ جنہیں اسلام کی طرف دعوت دی گئی، تو انہوں نے اسے قبول کر لیا اور قران کو پڑھا، تو اس پر عمل بھی کیا۔ جہاد کے لیے انہیں ابھارا گیا تو اس طرح شوق سے بڑھے جیسے دودھ دینے والی اونٹنیاں اپنے بچوں کی طرف۔ انہوں نے تلواروں کو نیاموں سے نکال لیا، اور دستہ بدستہ اور صف بصف بڑھتے ہوئے زمین کے اطراف پر قابو پالیا۔ (ان میں سے کچھ مر گئے، کچھ بچ گئے۔ نہ زندہ رہنے والوں کے مژدہ سے وہ خوش ہوتے ہیں اور نہ مرنے والوں کی تعزیت سے متاثر ہوتے ہیں۔ رونے سے ان کی انکھیں سفید، روزوں سے ان کے پیٹ لاغر، دعاؤں سے ان کے ہونٹ خشک اور جاگنے سے ان کے رنگ زرد ہو گئے تھے اور فروتنی و عاجزی کرنے والوں کی طرف ان کے چہرے خاک الودر ہتے تھے۔ یہ میرے وہ بھائی تھے۔ جو (دنیا سے) گزر گئے۔ اب ہم حق بجانب ہیں۔ اگر ان کی دید کے پیاسے ہوں، اور ان کے فراق میں اپنی بوٹیاں کاٹیں۔ بے شک تمہارے لیے شیطان نے اپنی راہیں اسان کردی ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ تمہارے دین کی ایک ایک گرہ کھول دے اور تم میں یکجائی کے بجائے پھوٹ ڈلوائے تم اس کے وسوسوں اور جھاڑ پھونک سے منہ موڑے رہو، اور نصیحت کی پیش کش کرنے والے کا ہدیہ قبول کرو۔ اور اپنے نفسوں میں اس کی گرہ باندھ لو۔

1. امیر المومنین کے پرچم کے نیچے جنگ کرنے والے گو اپ ہی کی جماعت میں شمار ہوتے

تھے۔مگر جن کی انکھوں میں انسو چہروں پر زردی، زبانوں پر قران نغمہ، دلوں میں ایمانی ولولہ، پیروں میں ثبات وقرار، روح میں عزم وہمت اور نفس میں صبر واستقامت کا جوہر ہوتا تھا، انہی کو صحیح معنوں میں شیعان علی کہا جاتا ہے۔اور یہی وہ لوگ تھے جن کی جدائی میں امیر المومنین کے دل کی بے تابیاں اہ بن کر زبان سے نکل رہی ہیں، اور اتش فراق کے لو کے قلب وجگر کو پھونکے دے رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو دیوانہ وار موت کی طرف لپکتے تھے، اور بچ رہنے پر انہیں مسرت وشادمانی نہ ہوتی تھی۔ بلکہ ان کے دل کی اواز یہ ہوتی تھی، کہ

شرمندہ ماندہ ایم کہ چرا زندہ ماندہ ایم

] جس انسان میں ان صفات کی تھوڑی بہت جھلک ہوگی، وہی متبع الِ محمد (علیہ وعلیہم الصّلوٰ ۃ والسلام)، اور شیعہ علی علیہ السلام کہلا سکتا ہے۔ ورنہ ایک ایسی لفظ ہوگی، جو اپنے معنی کو کھو چکا ہو، اور بے محل استعمال ہونے کی وجہ سے اپنی عظمت کو گنوا چکا ہو۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ امیر المومنین نے ایک جماعت کو اپنے دروازہ پر دیکھا تو قنبر سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ قنبر نے کہا کہ یا امیر المومنین یہ اپ کے شیعہ ہیں۔ یہ سن کر حضرت کی پیشانی پر بل ایا اور فرمایا: کیا وجہ سے کہ یہ شیعہ کہلاتے ہیں، اور ان میں شیعوں کی کوئی بھی علامت نظر نہیں اتی۔

اس پر قنبر نے دریافت کیا کہ شیعوں کی علامت کیا ہوتی ہے؟ تو حضرت نے جواب میں فرمایا: بھوک سے ان کے پیٹ لاغر، پیاس سے ان کے ہونٹ خشک اور رونے سے ان کی انکھیں بے رونق ہوگئی ہوتی ہیں۔

خطبہ 120:

خوارج کے تحکیم نہ ماننے پر فرمایا

جب خوارج تحکیم کے نہ ماننے پر اڑ گئے، تو حضرت ان کے پڑاؤ کی طرف تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا:۔

کیا تم سب 1 کے سب ہمارے ساتھ صفین میں موجود تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہم میں سے کچھ تھے اور کچھ نہیں تھے تو حضرت نے فرمایا کہ پھر تم دو گروہوں میں الگ الگ ہو جاؤ۔ ایک وہ جو صفین میں موجود تھا اور ایک وہ جو وہاں موجود نہ تھا تا کہ میں ہر ایک سے جو گفتگو اس سے مناسب ہو وہ کروں۔ اور لوگوں سے پکار کر کہا: کہ بس اب (اپس میں) بات چیت نہ کرو، اور خاموشی سے میری بات سنو اور دل سے توجہ کرو، اور جس سے ہم گواہی طلب کریں وہ اپنے علم کے مطابق (جوں کی توں) گواہی دے۔ پھر حضرت نے ان لوگوں سے ایک طویل گفتگو فرمائی۔» منجملہ اس کے یہ فرمایا کہ جب ان لوگوں نے حیلہ و مکر اور جعل و فریب سے قران (نیزوں پر) اٹھائے تھے تو کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ۔ وہ ہمارے بھائی بند اور ہمارے ساتھ (اسلام کی) دعوت قبول کرنے والے ہیں۔ اب چاہتے ہیں کہ ہم جنگ سے ہاتھ اٹھا لیں اور وہ اللہ سبحانہ، کی کتاب پر (سمجھوتہ کے لیے) ٹھہر گئے ہیں۔ صحیح رائے یہ ہے کہ ان کی بات مان لی جائے اور ان کی گلو خلاصی کی جائے، تو میں نے تم سے کہا تھا کہ اس چیز کے باہر ایمان اور اندر کینہ و عناد ہے۔ اس کی ابتدا: شفقت و مہربانی اور نتیجہ ندامت و پشیمانی ہے۔ لہذا تم اپنے رویہ پر ٹھہرے رہو، اور اپنی راہ پر مضبوطی سے جمے رہو۔ اور جہاد

کے لیے اپنے دانتوں کو بھیچ لو اور اسے چلانے والے ۲ کی طرف دھیان نہ کرو اگر اس کی اواز پر لبیک کہی گئی تو یہ گمراہ کرے گا اور اگر اسے یونہی رہنے دیا جائے تو ذلیل ہو کر رہ جائے گا (لیکن) جب تحکیم کی صورت انجام پا گئی تو میں تمہیں دیکھ رہا تھا کہ تم ہی اس پر رضا مندی دینے والے تھے۔ خدا کی قسم اگر میں نے اس سے انکار کر دیا ہوتا تو مجھ پر اس کا کوئی فریضہ واجب نہ ہوتا اور نہ اللہ مجھ پر اس (کے ترک) کا گناہ عائد کرتا اور قسم بخدا اگر میں اس کی طرف بڑھا تو اس صورت میں بھی میں ہی وہ حق پرست ہوں جس کی پیروی کی جانا چاہیئے اور کتاب خدا میرے ساتھ ہے اور جب سے میرا اس کا ساتھ ہوا ہے۔ میں اس سے الگ نہیں ہوا۔ ہم (جنگوں میں) رسول کے ساتھ تھے اور قتل ہونے والے وہی تھے۔ جو ایک دوسرے کے باپ، بیٹے، بھائی اور رشتہ دار ہوتے تھے۔ لیکن ہر مصیبت اور سختی میں ہمارا ایمان بڑھتا تھا اور حق کی پیروی اور دین کی اطاعت میں زیادتی ہوتی تھی اور زخموں کی ٹیسوں پر صبر میں اضافہ ہوتا تھا مگر اب ہم کو ان لوگوں سے کہ جو اسلام کی رو سے ہمارے بھائی کہلاتے ہیں جنگ کرنا پڑ گئی ہے، چونکہ (ان کی وجہ سے) اس میں گمراہی، کجی، شبہات اور غلط سلط تاویلات داخل ہو گئے ہیں تو جب ہمیں کوئی ایسا ذریعہ نظر ائے کہ جس سے (ممکن ہے) اللہ ہماری پریشانیوں کو دور کر دے، اور اس کی وجہ سے ہمارے درمیان جو باقی ماندہ (لگاؤ) رہ گیا ہے۔ اس کی طرف بڑھتے ہوئے ایک دوسرے سے قریب ہوں تو ہم اسی کے خواہشمند رہیں گے اور کسی دوسری صورت سے جو اس کے خلاف ہو ہاتھ روک لیں گے۔»

1.ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ یہ خطبہ تین ایسے ٹکڑوں پر مشتمل ہے جو ایک دوسرے سے غیر مرتبط ہیں۔ چونکہ علامہ سید رضی حضرت کے خطبوں کا کچھ حصہ منتخب کرتے تھے اور کچھ درج نہ کرتے تھے جس سے سلسلہ کلام ٹوٹ جاتا تھا اور ربط برقرار نہ رہتا تھا۔ چنانچہ ایک ٹکڑا ان ترک پر اور دوسرا اصبروا علی مفض الجراح پر ختم ہوتا ہے اور تیسرا اخر کلام تک ہے۔

2.اس سے معاویہ یا عمر بن عاص مراد ہے۔

خطبہ 121:

جنگ کے میدان میں اپنے اصحاب سے فرمایا:

تم میں سے جو شخص بھی جنگ کے موقع پر اپنے دل میں حوصلہ و دلیری محسوس کرے اور اپنے کسی بھائی سے کمزوری کے اثار دیکھے تو اسے چاہیئے کہ اپنی شجاعت کی برتری کے ذریعہ سے جس کے لحاظ سے وہ اس پر فوقیت رکھتا ہے اس سے (دشمنوں کو) اسی طرح دور کرے، جیسے انہیں اپنے سے دور ہٹاتا ہے۔ اسی لیے کہ اگر اللہ چاہے تو اسے بھی ویسا ہی کر دے۔ بیشک موت تیزی سے ڈھونڈ ھنے والی ہے نہ ٹھہرنے والا اس سے بچ کر نکل سکتا ہے اور اور نہ بھاگنے والا اسے عاجز کر سکتا ہے۔ بلا شبہ قتل ہونا عزت کی موت ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں ابن ابی طالب کی جان ہے کہ بستر پر اپنی موت مرنے سے تلوار کے ہزار وار کھانا مجھے آسان ہیں۔ اسی خطبہ کا ایک حصہ یہ ہے: گویا میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم

(شکست و ہزیمت کے وقت) اس طرح کی اوازیں نکال رہے ہو جس طرح سوسماروں کے اژدہان کے وقت ان کے جسموں کے رگڑ کھانے کی اواز ہوتی ہے۔ نہ تم اپنا حق لیتے ہو اور نہ توہین آمیز زیادتیوں کی روک تھام کر سکتے ہو۔ تمہیں راستے پر کھلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ نجات اس کے لیے ہے۔ کہ جو اپنے کو جنگ میں جھونک دے اور جو سوچتا ہی رہ جائے اس کے لیے ہلاکت وتباہی ہے۔

خطبہ 122:

میدانِ صفین میں اپنے اصحاب 1 کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لیے فرمایا:

زرہ پوش کو آگے رکھو اور بے زرہ کو پیچھے کر دو اور دانتوں کو بھینچ لو کہ اس سے تلواریں سروں سے اُچٹ جاتی ہیں اور نیزوں کی انیوں کو پہلو بدل کر خالی دیا کرو کہ اس سے ان کے رخ پلٹ جاتے ہیں انکھیں جھکا رکھو کہ اس سے حوصلہ مضبوط رہتا ہے اور دل ٹھہرے رہتے ہیں اور اوازوں کو بلند نہ کرو کہ اس سے بزدلی دور رہتی ہے اور اپنا جھنڈا سرنگوں نہ ہونے دو اور نہ اسے اکیلا چھوڑ و اسے اپنے جوانمردوں اور عزت کے پاسبانوں کے ہاتھوں ہی میں رکھو، چونکہ مصیبتوں کے ٹوٹ پڑنے پر وہی لوگ صبر کرتے ہیں اور اگے پیچھے سے اس کا احاطہ کر لیتے ہیں وہ پیچھے نہیں ہٹتے کہ (اسے) دشمنوں کے ہاتھوں میں سونپ دیں اور نہ اگے بڑھ جاتے ہیں کہ اسے اکیلا چھوڑ دیں۔ ہر شخص اپنے مدمقابل سے خود نپٹنے اور دل و جان سے اپنے بھائی کی بھی مدد کر لے اور اپنے حریف کو کسی اور بھائی کے حوالے نہ کرے کہ یہ اور

اس کا حریف اکا دکا کر کے اس پر ٹوٹ پڑیں

خدا کی قسم تم اگر دنیا کی تلوار سے بھاگے تو آخرت کی تلوار سے نہیں بچ سکتے تم تو عرب کے جوانمرد اور سر بلند لوگ ہو (یاد رکھو کہ) بھاگنے میں اللہ کا غضب اور نہ مٹنے والی رسوائی اور ہمیشہ کے لیے ننگ و عار ہے بھاگنے والا اپنی عمر بڑھا نہیں لیتا اور نہ اس میں اور اس کی موت کے دن میں کوئی چیز حائل ہو جاتی ہے اللہ کی طرف جانے والا تو ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا پانی تک پہنچ جائے۔ جنت نیزوں کی انیوں کے نیچے ہے۔ اج حالات پرکھ لیے جائیں گے۔ خدا کی قسم میں ان دشمنوں سے دو بدو ہو کر لڑنے کا اس سے زیادہ مشتاق ہوں جتنا یہ اپنے گھروں کو پلٹنے کے مشتاق ہوں گے۔ خداوند! اگر یہ حق کو ٹھکرا دیں تو انکے جتھے کو توڑ دے اور انہیں ایک اواز پر جمع نہ ہونے دے اور ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں تباہ و برباد کر یہ اپنے موقف (شر و فساد) سے اس وقت تک ہٹنے والے نہیں جب تک تابڑ توڑ نیزوں کے ایسے وار نہ ہوں (کہ جس سے زخموں کے منہ اس طرح کھل جائیں کہ) ہوا کے جھونکے گزر سکیں اور تلواروں کی ایسی چوٹیں نہ پڑیں کہ جو سروں کو شگافتہ کر دیں اور ہڈیوں کے پرخچے اڑا دیں اور بازوؤں اور قدموں کو توڑ کر پھینک دیں اور پے در پے لشکروں کا نشانہ نہ بنائے جائیں اور ایسی فوجیں ان پر ٹوٹ نہ پڑیں کہ جن کے پیچھے (کمک کے لیے) اور شہسواروں کے دستے ہوں اور جب تک کہ ان کے شہروں پر یکے بعد دیگرے فوجوں کی چڑھائی نہ ہو یہاں تک کہ گھوڑے ان کی زمینوں کو اخر تک روند ڈالیں اور ان کے سبزہ زاروں اور چراگاہوں کو پامال کر دیں۔ سید رضی کہتے ہیں کہ دعق کے معنی روندنے کے ہیں اور اس جملہ

کے معنی یہ ہیں کہ گھوڑے اپنے سموں سے ان کی زمینوں کو روند دیں اور نواحرار ضہم سے مراد وہ زمینین ہیں جو ایک دوسرے کے بالمقابل ہوں۔عرب اگر یوں کہیں کہ منازل بنی فلاں تتنا حر تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فلاں قبیلے کے گھر ایک دوسرے کے انے سامنے ہیں۔

1.حضرت نے یہ خطبہ جنگِ صفین کے موقع پر ارشاد فرمایا۔ یہ جنگِ امیر المومنین اور امیر شام معاویہ کے درمیان 72 ھ میں خون عثمان کے قصاص کے نام سے لڑی گئی مگر اصل حقیقت اس کے علاوہ کچھ نہ تھی کہ امیر شام جو حضرت عمر کے عہد سے شام کا خودمختار حکمران چلا ارہا تھا۔حضرت کے ہاتھوں پر بیعت کر کے شام کی ولایت سے دستبر دار ہونا نہ چاہتا تھا اور قتل عثمان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے اقتدار کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔جیسا کہ بعد کے واقعات اس کے شاہد ہیں کہ اس نے حکومت حاصل کر لینے کے بعد خونِ عثمان کے سلسلہ میں کوئی عملی قدم نہ اٹھایا اور بھولے سے بھی قاتلین عثمان کا نام نہ لیا۔امیر المومنین کو اگرچہ پہلے سے اس کا اندازہ تھا کہ اس سے ایک نہ ایک دن جنگ ضرور ہوگی۔تاہم اس پر اتمام حجت کر دنیا ضروری تھا۔اس لیے جب 21 رجب روز دوشنبہ 36 ھ میں جنگ جمل سے فارغ ہو کر وارد کوفہ ہوئے تو جویرا ابن عبداللہ بجلی کو خط دے کر معاویہ کے پاس دمشق روانہ کیا جس میں تحریر فرمایا کہ مہاجرین وانصار میرے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں لہذا تم بھی میری اطاعت قبول کرتے ہوئے پہلے بیعت کرو اور پھر قتل عثمان کا مقدم میرے سامنے پیش کرو تاکہ میں کتاب وسنت کے مطابق اس کا فیصلہ کروں مگر معاویہ نے جریر کو حیلے بہانوں سے

روک لیا اور عمر و ابن عاص سے مشورہ کرنے کے بعد خون عثمان کے بہانہ سے بغاوت شروع کردی اور شام کے سر براوردہ لوگوں کے ذریعہ تنگ نظر و نافہم عوام کو یقین دلا دیا کہ حضرت عثمان کے قتل کی ذمہ داری حضرت علی پر عائد ہوتی ہے اور وہی اپنے طرز عمل سے محاصرہ کرنے والوں کی ہمت افزائی کرنے والے اور انہیں اپنے دامن میں پناہ دینے والے ہیں اور ادھر حضرت عثمان کا خون الودہ پیراہن اور ان کی زوجہ نائلہ بنت فرافصہ کی کٹی ہوئی انگلیاں دمشق کی جامع مسجد میں منبر پر لٹکا دیں۔جس کے گرد ستر ہزار شامی دھاڑیں مار مار کر روتے اور قصاصِ عثمان کے عہد و پیمان باندھتے تھے جب معاویہ نے شامیوں کے جذبات اس حد تک بھڑکا دیئے کہ وہ جان دینے اور کٹ مرتنے کے لیے امادہ ہو گئے تو خونِ عثمان کے قصاص پر ان سے بیعت لی اور حرب و پیکار کے سرو سامان کرنے میں مصروف ہو گیا اور جریر کو یہ سارا نقشہ دکھا کر کامران رخصت کر دیا۔

جب امیر المومنین کو جریر ابنِ عبداللہ کی زبانی ان واقعات کا علم ہوا تو اپ اس کے خلاف قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئے اور مالک بن حبیب پر بوعی کو وادی نخیلہ میں فوجوں کی فراہمی کا حکم دیا چنانچہ کوفہ اور اطراف و جوانب کے لوگ وہاں پر جوق در جوق انے شروع ہوئے اور بڑھتے بڑھتے ان کی تعداد اسی 80 ہزار سے متجاوز ہو گئی۔حضرت نے پہلے اٹھ ہزار کا ایک ہراول دستہ زیادہ بن نضر حارثی کی زیر قیادت اور چار ہزار کا ایک دستہ شریح بن ہانی کی زیر سرکردگی شام کی جانب روانہ کیا اور اس مقدمۃ الجیش کی روانگی کے بعد 5 شوال روز چہار

شنبہ خود بھی بقایا لشکر کو لے کر شام کی جانب چل دیئے جب حدود کوفہ سے نکلے تو نماز ظہر ادا فرمائی اور دیر ابوموسلی، نہر نرس قبہ قین۔ بابل، دیر کعب، کربلا، ساباط، بُہر سیر، ابنار اور جزیرہ میں منزل کرتے ہوئے مقام رقہ پر پہنچے۔ یہاں کے لوگ حضرت عثمان کے ہواہ خواہ تھے اور یہیں پر سماک ابن مخرمہ اسدی بن اسد کے اٹھ سو ادمیوں کے ساتھ مقیم تھا۔ یہ لوگ امیر المومنین سے منحرف ہو کر معاویہ کے پاس جانے کے لیے کوفہ سے نکل کھڑے ہوئے تھے جب انہوں نے حضرت کی فوج کو دیکھا تو دریائے فرات پر سے کشتیوں کا پل اتار دیا تاکہ اپ کی فوج ادھر سے دریا کو عبور کر کے دوسری طرف نہ جا سکے مگر مالک اشتر کے ڈرانے دھمکانے سے وہ لوگ خوفزدہ ہو گئے اور اپس میں مشورہ کرنے کے بعد کشتیوں کو پھر سے جوڑ دیا جس سے حضرت اپنے لشکر سمیت گزر گئے۔ جب دریا کے اس پار اترے تو دیکھا کہ زیاد اور شریح بھی اپنے اپنے دستوں کے ساتھ وہاں پر موجود ہیں چونکہ ان دونوں نے دریائے فرات کے کنارے خشکی کا راستہ اختیار کیا تھا اور یہاں پہنچ کر جب انہیں معلوم ہوا کہ امیر شام اپنی فوجوں کے ہمراہ فرات کی طرف بڑھ رہا ہے تو اس خیال سے کہ وہ شامی فوج کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ امیر المومنین کے انتظار میں ٹھہر گئے تھے۔ جب ان لوگوں نے اپنے رک جانے کی وجہ بیان کی تو حضرت نے ان کے عذر کو صحیح قرار دیا اور یہاں سے پھر انہیں اگے کی جانب روانہ کر دیا۔ جب یہ فصیل روم کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ابوالاعور سلمی سپاہ شام کے ساتھ چھاؤنی ڈالے ہوئے ہے۔ ان دونوں نے امیر المومنین کو اس کی اطلاع دی جس پر حضرت نے مالک بن حارث اشتر کو سپہ سالار بنا کر ان کے عقب میں روانہ کر دیا اور

انہیں تاکید فرما دی کہ جنگ میں پہل نہ کریں اور جہاں تک بن پڑے انہیں سمجھانے بجھانے اور حقیقتِ حال پر مطلع کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ مالک اشتر نے وہاں پہنچ کر ان کے تھوڑے فاصلہ پر پڑاؤ ڈال دیا۔ جنگ تو ہر وقت شروع کی جا سکتی تھی۔ مگر انہوں نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا اور نہ کوئی ایسا قدام کیا کہ جس سے جنگ کے چھڑنے کی کوئی صورت پیدا ہوتی۔ مگر ابوالاعور نے اچانک رات کے وقت ان پر حلہ بول دیا۔ جس پر انہوں نے بھی تلواریں نیاموں سے نکال لیں اور ان کی روک تھام کے لیے امادہ ہو گئے کچھ دیر تک اپس میں جھڑپیں ہوتی رہیں۔ اخر وہ رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ جنگ کی ابتدا تو ہو چکی تھی۔ صبح ہوتے ہی عراقیوں کے ایک سپہ سالار ہاشم ابن عتبہ میدان میں اکھڑے ہوئے۔ ادھر سے بھی فوج کا ایک دستہ مقابلہ کے لیے اترا یا اور دونوں طرف سے جنگ کے شعلے بھڑکنے لگے اخر مالک اشتر نے ابولاعور کو اپنے مقابلہ کے لیے للکارا۔ مگر وہ ان کے مقابلہ میں انے کی جرأت نہ کر سکا اور شام کے وقت اپنے لشکر کو لے کر اگے کی طرف بڑھ گیا۔ دوسرے دن امیر المومنین بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گئے اور ہراول دستوں اور فوجوں کے ہمراہ صفین کے رخ پر چل دیے کہ جہاں معاویہ نے پہلے ہی پہنچ کر مناسب جگہوں پر مورچے قائم کر لیے تھے اور فرات کے تھاٹ پر پہرہ بٹھا کر اس پر قبضہ کر لیا تھا حضرت نے وہاں پہنچ کر اسے فرات پر سے پہرا اٹھا لینے کے لیے کہلوایا مگر اس نے انکار کیا جس پر عراقیوں نے تلواریں کھینچ لیں اور دلیرانہ حملہ کر کے فرات پر قبضہ کر لیا۔ جب یہ مرحلہ طے ہو گیا تو حضرت نے بشیر ابن عمرو انصاری سعید بن قیس ہمدانی اور شیث

بن ربعی تمیمی کو معاویہ کے پاس بھیجا تا کہ اسے جنگ کے نشیب و فراز سمجھائیں اور مصالحت و بیعت کے لیے امادہ کریں۔ مگر اس نے یہ جواب دیا کہ ہم کس طرح عثمان کے خون کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے اور اب ہمارا فیصلہ تلوار ہی کرے گی چنانچہ ذی الحجہ 63ھ میں دونوں فریق میں جنگ کی ٹھن گئی اور دونوں طرف سے مردان کارزار اپنے حریف کے مقابلہ کے لیے میدان میں اترائے۔ حضرت کی طرف سے میدانِ مقابلہ میں انے والے حجر بن عدی کندی، شیث بن ربیع، خالکد بن معمرہ زیاد بن نصر۔ زیاد بن خصفہ تمیمی، سعید بن قیس، قیس بن سعد اور مالک بن حارث اشتر تھے اور شامیوں کی طرف سے عبدالرحمٰن بن خالک مخزجومی، ابوالاعور سلمی حبیب بن مسلمہ فہری، عبداللہ ابن ذی الکلاع حمیری، عبیداللہ بن عمر بن خطاب، شرجیل ابن سمط کندی اور حمزہ بن مالک ہمدانی تھے۔ جب ذی الحجہ کا مہینہ ختم ہو گیا تو محرم میں جنگ کا سلسلہ روک دینا پڑا اور یکم صفر روز چہار شنبہ سے پھر جنگ شروع ہو گئی۔ اور دونوں فریق تلواروں، نیزوں، تیروں اور دوسرے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ایک دوسرے کے سامنے صف ارا ہو گئے۔ حضرت کی طرف سے اہل کوفہ کے سواروں پر مالک اشترا اور پیادوں پر عمار بن یاسر اور اہل بصرہ کے سواروں پر سھل بن حنیف اور پیادوں پر قیس بن سعد سپہ سالار متعین ہوئے اور علم لشکر ہاشم بن عتبہ کے سپرد کیا گیا اور سپاہ شام کے میمنہ پر ابن ذی الکلاع اور میسرہ پر جیب بن مسلمہ اور سواروں پر عمؓ و بن عاص اور پیادوں پر ضحاک بن قیس امیر سپاہ مقرر ہوئے۔

پہلے دن مالک اشتر اپنے دستہ کے ساتھ میدان دغا میں ائے اور ادھر سے ان کے مقابلہ میں حبیب بن مسلمہ اپنی فوج کر لے کر نکلا اور دونوں طرف سے خونریز جنگ شروع ہوگئی۔ اور دن بھر تواروں سے اور نیزے نیزوں سے ٹکراتے رہے دونوں لشکر ایک دوسرے سے قریب ہوئے تو سوار سواروں اور پیادے پیادوں پر ٹوٹ پڑے اور بڑے صبر و استقلال سے ایک دوسرے پر وار کرتے اور سہتے رہے۔

تیسرے دن عمار بن یاسر اور زیاد بن نضر سوار و پیادے لے کر نکلے اور ادھر سے عمرو بن عاص سپاہ کثیر لے کر بڑھا زیاد نے فوج مخالف کے سواروں پر اور عمار یاسر نے پیادوں پر ایسے جوش وخروش سے حملے کیے کہ سپاہ دشمن کے قدم اکھڑ گئے اور وہ تاب مقاومت نہ لا کر اپنی قیام گاہوں کی طرف پلٹ گئے۔

چوتھے دن محمد بن حنفیہ اپنے دستہ فوج کے ساتھ میدان میں ائے اور ادھر سے عبید اللہ بن عمر شامیوں کے لشکر کے ساتھ بڑھا اور دونوں فوجوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔

پانچویں دن عبداللہ بن عباس اگے بڑھے اور ادھر سے ولید بن عتبہ سامنے ایا۔ عبداللہ بن عباس نے بڑی پامردی و جرات سے حملے کئے اور اس طرح جوہر شجاعت دکھائے کہ دشمن میدان چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔

چھٹے دن قیس بن سعد انصاری فوج کو لے کر بڑھے اور ان کے مقابلہ میں ذو الکلاع اپنا دستہ لے کر بڑھا اور ایسا سخت دن پڑا کہ قدم قدم پر لاشے تڑپتے اور خون کے سیلاب بہتے ہوئے نظر انے لگے۔ اخر رات کے اندھیرے نے دونوں لشکروں کو جدا کر دیا:۔

ساتویں دن مالک اشتر نکلے اوران کے مقابلہ میں حبیب ابن مسلمہ اپنی سپاہ کے ساتھ بڑھا اورظہر تک معرکہ کارزار گرم رہا۔

اٹھویں دن خود امیرالمومنین لشکر کے جلو میں نکلے اوراس طرح حملہ کیا میدان میں زلزلہ اگیا صفوں کو چیرتے اور تیر و سنان کے حملے روکتے ہوئے دونوں صفوں کے درمیان اکھڑے ہوئے اورمعاویہ کوللکارا جس پر عمرو ابن عاص کو لیے ہوئے کچھ قریب ایا تو اپ نے فرمایا: ابزرالی فاینا قتل صاحبہ فالامرلہ، تم خود میرے مقابلہ کے لیے نکلو، اور پھر جو اپنے حریف کو مارے وہ خلافت کوسنبھال لے »۔جس پر عمرو ابن عاص نے معاویہ سے کہا کہ علی بات تو انصاف کی کہتے ہیں۔ ذرا جرأت کرو اور مقابلہ کر دیکھو۔ معاویہ نے کہا کہ میں تمہارے تاننے کی وجہ سے اپنی جان گنوانے کے لیے تیارنہیں اور یہ کہہ کر واپس ہوگیا۔حضرت نے اسے جاتے دیکھا تومسکرا کر خود بھی لوٹ گیا۔ امیرالمومنین نے صفین کے میدان میں جس بےجگری سے حملے کئے اسے اعجازی قوت ہی کا کرشمہ کہا جاسکتا ہے چنانچہ جب اپ میدان میں للکارتے ہوئے نکلتے دشمن کی صفین ابتری اورسراسیمگی کے عالم میں منتشرہو جاتیں اور جی توڑ کرلڑنے والے بھی اپ کے مقابلہ میں انے سے ہچکچانے لگتے۔ اسی لیے حضرت بعض دفعہ لباس تبدیل فرما کرمیدان میں اتے تاکہ دشمن پہچان نہ سکے اورکوئی دو بدو ہو کرلڑنے کے لیے تیار ہو جائے۔ چنانچہ ایک دفعہ عباس ابن ربیعہ کے مقابلہ میں ادھر سے غراز ابن ادہم نکلا اور دونوں داؤ پیچ دکھاتے رہے مگرکوئی اپنے حریف کوشکست نہ دے سکا اتنے میں عباس کواس کی زرہ کا ایک حلقہ ڈھیلا دکھائی دیا۔ چنانچہ انہوں نے نہایت چابکدستی سے اس

حلقہ کو تلوار کی نوک میں پرو لیا اور جھٹکا دے کر زرہ کے حلقے چیڑ والے اور پھر تاک کر ایسا وار کیا کہ تلوار اس کے سینہ کے اندر اتر گئی۔لوگوں نے یہ دیکھ کر نعرہ تکبیر بلندی کیا۔معاویہ اس اواز پر چونکا اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ غراز مارا گیا تو پیچ و تاب کھانے لگا اور پکار کر کہا کہ کوئی ہے جو عباس کو قتل کر کے غراز کا بدلہ لے جس پر قبیلہ بنی لخم کے دو شمشیر زن اٹھ کھڑے ہوئے اور عباس کو اپنے مقابلہ میں للکارا،عباس نے کہا کہ میں اپنے امیر سے اجازت لے اتا ہوں اور یہ کہہ کر حضرت کے پاس اجازت طلب کرنے لیے ائے۔حضرت نے انہیں روک کر ان کا لباس خود پہن لیا اور انہی کے گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں اگئے۔لخمی اپ کو عباس سمجھ کر کہنے لگا کہ کیا اپنے امیر سے اجازت لے ائے ہو۔حضرت نے جواب میں اس ایت کی تلاوت فرمائی (ترجمہ) جن (مسلمانوں) کے خلاف (کافر) لڑا کرتے ہیں اب انہیں بھی جنگ کی اجازت ہے کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ ان کی حدود پر یقینا قادر ہے۔اب ان میں سے ایک فیل مست کی طرح چنگھاڑتا ہوا نکلا اور اپ پر حمل کیا مگر اپ نے اس کا وار خالی جانے دیا اور پھر اس طرح صفائی سے اس کی کمر پر تلوار چلائی کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے لوگوں نے یہ سمجھا کہ وار خالی گیا ہے مگر جب اس کا گھوڑا اچھلا تو اس کے دونوں ٹکڑے الگ الگ زمین پر جا پڑے۔اس کے بعد دوسرا نکلا اور وہ بھی چشم زدن میں ڈھیر ہو گیا پھر حضرت نے دوسروں کو مقابلہ کے لیے للکارا مگر دشمن تلوار کے وار سے سمجھ گیا کہ عباس کے بھیس میں خود امیر المومنین ہیں اس لیے کسی نے سامنے انے کی جراَت نہ کی۔

نویں دن میمنہ عبداللہ ابن بدیل کے اور میسرہ عبداللہ ابن عباس کے زیر کمان تھا اور قلب لشکر میں خود امیر المومنین رونقِ افزا تھے اور ادھر سے جیب ابن مسلمہ سپاہ شام کی قیادت کر رہا تھا۔ جب دونوں صفیں ایک دوسرے کے قریب ہوئیں تو بہادروں نے تلواریں سونت لیں اور ایک دوسرے پر بپھرے ہوئے شیر کی طرح جھپٹ پڑے اور ہر طرف رن پر رَن پڑنے لگا۔ حضرت کے میمنہ لشکر کا علم بنی ہمدان کے ہاتھوں میں گردش کر رہا تھا۔ چنانچہ جب بھی ان میں سے کوئی شہید ہو کر گرتا تھا تو دوسرا بڑھ کر علم اٹھا لیتا۔ پہلے کریب ابن شریح نے علم سپاہ بلند کیا ان کے شہید ہونے پر شرجیل ابن شریح نے پھر مرثد ابن شریح نے پھر ہبیرہ ابن شریح نے پھر ندیم ابن شریح نے ان سب بھائیوں کے مارے جانے کے بعد عمیر ابن بشیر نے بڑھ کر علم لے لیا ان کے شہید ہونے کے بعد حارث ابن بشیر نے اور پھر وہب ابن کریب نے اٹھا لیا۔ اج دشمن کا زیادہ زور میمنہ ہی پر تھا اور اس کے حملے اتنے شدید تھے کہ میمنہ لشکر کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر پیچھے ہٹنے لگا اور رئیس میمنہ عبداللہ ابن بدیل کے ہمراہ صرف دو تین سو ادمی رہ گئے۔ امیر المومنین نے جب یہ صورت حال دیکھی تو مالک اشتر سے فرمایا۔ ذرا انہیں پکارو اور کہو کہ کہاں بھاگے جا رہے ہو۔ اگر زندگی کے دن ختم ہو چکے ہیں تو بھاگ کر موت سے بچ نہیں سکے ادھر میمنہ لشکر کی ہزیمت سے قلب لشکر کا متاثر ہونا بھی چونکہ ضرور تھا اس لیے حضرت میسرہ کی طرف مڑ گئے اور صفوں کو چیر کر اگے بڑھ رہے تھے کہ بنی امیہ کے ایک غلام احمر نامی نے حضرت سے کہا کہ خدا مجھے مارے اگر میں اج اپ کو قتل نہ کروں یہ سن کر حضرت کا غلام کیسان اس کی طرف جھپٹا مگر اس کے ہاتھ سے

شہید ہو گیا۔ حضرت نے یہ دیکھا تو بڑھ کر اسے دامنِ زرہ سے پکڑ لیا اور اونچا لے جا کر اس طرح زمین پر ٹپکا کہ اس کے جوڑ بند الگ ہو گئے اور امام حسن اور محمد ابن حنفیہ نے بڑھ کر اسے دالبوار میں پہنچا دیا۔ ادھر مالک اشتر کے للکارنے اور شرم و غیرت دلانے سے بھاگنے والے پلٹ پڑے اور پھر جم کر اس طرح حملہ دشمن کو دھکیلتے ہوئے وہیں پہنچ گئے جہاں عبداللہ ابن بدیل نرغہ میں گھرے ہوئے تھے جب انہوں نے اپنے ادمیوں کو دیکھا تو ان کی ہمت بندھ گئی اور تلوار سونت کر معاویہ کے خیمہ کی طرف لپلپے مالک اشتر نے انہیں روکنا چاہا۔ مگر وہ نہ رکے اور سات شامیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر معاویہ کی قیام گاہ کے قریب پہنچ گئے۔ معاویہ نے جب انہیں بڑھتے دیکھا تو ان پر پتھراؤ کا حکم دیا جس سے اپ نڈھال ہو کر گر پڑے اور شامیوں نے ہجوم کر کے اپ کو شہید کر دیا۔ مالک اشتر نے دیکھا تو قبیلہ ہمدان اور بن مذحج کے جنگجوؤں کے ہمراہ معاویہ پر حملہ کرنے کے لیے بڑھے اور اس کے گرد حلقہ کرنے والے حفاظی دستوں کو منتشر کرنا شروع کیا جب ان کے پانچ حلقوں میں سے صرف ایک حلقہ منتشر ہونے سے رہ گیا تو معاویہ نے گھوڑے کی رکاب میں پیر رکھ دیا اور بھاگنے پر تیار ہو گیا مگر ایک شخص کے ڈھارس بندھانے سے پھر رک گیا۔

ادھر میدان کارزار میں عمار ابن یاسر ہاشم ابن عتبہ کی تلواروں سے اس سرے سے لے کر اس سرے تک تلاطم بر پا تھا۔ حضرت عمار جدھر سے ہو کر گزرتے تھے صحابہ ہجوم کر کے اپ کے ساتھ ہو لیتے تھے اور پھر اس طرح حملہ کرتے تھے کہ دشمن کی صفوں میں تہلکہ مچ جاتا تھا۔ معاویہ نے جب ان کو بڑھتے دیکھا تو اپنی تازہ دم فوجیں ان کی طرف جھونک دیں۔ مگر

اپ تلواروں اور سنانوں کے ہجوم میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے اخرابو عادیہ مری نے اپ پر نیزہ لگایا جس سے اپ سنبھل نہ سکے اور ابن جون نے اگے بڑھ کر اپ کو شہید کر دیا۔عمار یاسر کی شہادت سے معاویہ کی فوج میں ہلچل مچ گئی کیونکہ ان کے متعلق پیغمبر کا ارشاد تقتل عمار انفئتہ الباغیتہ: عمار ایک باغی گروہ کے ہاتھ سے قتل ہوں گے وہ سن چکے تھے۔چنانچہ ان کی شہادت سے پہلے ذوالکلاع نے عمرو ابن عاص سے کہا بھی تھا کہ میں عمار کو علی کے ساتھ دیکھ رہا ہوں کیا وہ باغی گروہ ہم ہی تو نہیں جس پر عمرو نے یہ کہا تھا کہ اخر میں عمار ہمارے ساتھ مل جائیں گے مگر جب وہ امیر المومنین کی طرف جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے تو اگرچہ باغی گروہ بے نقاب ہو چکا تھا اور کسی تاویل کی گنجائش نہ رہی تھی مگر معاویہ نے شامیوں سے یہ کہنا شروع کیا عمار کے قاتل ہم نہیں بلکہ علی ہیں۔چونکہ وہی انہیں میدان جنگ میں لانے والے ہیں۔امیر المومنین نے یہ پر فریب جملہ سنا تو فرمایا کہ پھر حمزہ کے قاتل رسول اللہ تھے جو انہیں میدان احد میں لائے تھے۔اس معرکہ میں ہاشم ابن عتبہ بھی کام اگئے جو حارث ابن منذر کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور ان کے بعد علمِ لشکر ان کے فرزند عبداللہ نے سنبھال لیا۔

جب ایسے ایسے جان نثار ختم ہو چکے تو حضرت نے قبیلہ ہمدان اور ربعیہ کے جوانمردوں سے کہا کہ تم میرے لیے بمنزلہ زرہ اور نیزہ کے ہو۔اٹھو اور ان باغیوں کو کیفر کردار تک پہنچاؤ۔ چنانچہ قبیلہ ربیعہ و ہمدان کے بارہ ہزار نبرد ازما شمشیر بکف اٹھ کھڑے ہوئے علم لشکر حصین ابن منذر نے اٹھا لیا اور دشمن کی صفوں میں گھس کر اس طرح تلواریں چلائیں کہ سر کٹ کٹ کر

گرنے لگے۔ لاشوں کے انبار لگ گئے اور ہر طرف خون کے سیلاب بہہ نکلے۔ مگر ان شمشیرزنوں کے حملے کس طرح رکنے میں نہ اتے تھے یہاں تک کہ دن اپنی ہولنا کیوں کے ساتھ سمٹنے لگا اور شام کے بھیانک اندھیرے پھیلنے لگے۔ اور وہ دہشت انگیز و بلاخیز رات شروع ہوئی جسے تاریخ میں "لیلتہ الہریر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس میں ہتھیاروں کی کھڑکھڑاہٹ، گھوڑوں کی ٹاپوں کی اواز اور شامیوں کی چیخ پکار کی وجہ سے کان پڑی اواز سنائی نہ دیتی تھی۔ امیر المومنین کے باطل شکن نعروں سے ایک طرف دلوں میں ہمت و شجاعت کی لہریں دوڑ رہی تھی۔ اور دوسرے طرف سینوں میں کلیجے دہل رہے تھے جنگ اپنے پورے زوروں پر تھی۔ تیراندازوں کے ترکش خالی ہو چکے تھے نیزوں کی چوبیں ٹوٹ چکی تھی۔ صرف تواروں سے دست بدست جنگ ہوتی رہی اور کشتوں کے پشتے لگتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہونے تک مقتولین کی تعداد تیس ہزار سے متجاوز ہوگئی۔

دسویں دن امیر المومنین کے لشکریوں کے وہی دم خم تھے۔ میمنہ پر مالک اشتر اور میسرہ پر ابن عباس متعین تھے اور تازہ دم سپاہیوں کی طرح حملوں پر حملے کیے جا رہے تھے۔ شامیوں پر شکست کے اثار ظاہر ہو چکے تھے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلنے کو تیار ہی تھے کہ پانچ سو 500 قران نیزوں پر بلند کر کے جنگ کا نقشہ بدل دیا گیا۔ چلتی ہوئی تواریں رک گئیں۔ فریب کا حربہ چل نکلا اور باطل کے اقتدار کے لیے راستہ ہموار ہوگیا۔ اس جنگ میں 54 ہزار شامی مارے گئے اور 52 ہزار عراقی شہید ہوئے۔

کتاب صفین (نصر ابن مزاحم المنقری المتوفی 212ھ (تاریخ طبری)

خطبہ 123:

خوارج کے عقائد کی رد میں فرمایا

تحکیم کے بارے میں فرمایا:۔ہم نے ادمیوں کونہیں بلکہ قران کوحکم قرار دیا تھا چونکہ یہ قران دو دفتیوں کے درمیان ایک لکھی ہوئی کتاب ہے کہ جو زبان سے بولا نہیں کرتی۔اس لیے ضرورت تھی کہ اس کے لیے کوئی ترجمان ہو اور وہ ادمی ہی ہوتے ہیں جو اس کی ترجمانی کیا کرتے ہیں۔جب ان لوگوں نے ہمیں یہ پیغام دیا کہ ہم اپنے درمیان قران کو حکم ٹھہرائیں تو ہم ایسے لوگ نہ تھے کہ اللہ کی کتاب سے منہ پھیر لیتے۔جب کہ حق سبحانہ کا ارشاد ہے کہ اگر تم کسی بات میں جھگڑا کرو تو (اس کا فیصلہ نپٹانے کے لیے) اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔» اللہ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی کتاب کے مطابق حکم کریں اور رسول کی طرف رجوع کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کی سنت پر چلیں۔چنانچہ اگر کتابِ خدا سے سچائی کے ساتھ حکم لگایا جائے تو اس کی رو سے سب لوگوں سے زیادہ ہم (خلافت کے) حق دار ہوں گے۔اور اگر سنتِ رسول کے مطابق حکم لگایا جائے تو بھی ہم ان سے زیادہ اس کے اہل ثابت ہوں گے اب رہا تمہارا یہ قول کہ اپ نے تحکیم کے لیے اپنے اور ان کے درمیان مہلت کیوں رکھی۔» تو یہ میں نے اس لیے کیا کہ (اس عرصہ میں) نہ جاننے والا تحقیق کر لے اور جاننے والا اپنے مسلک پر جم جائے اور شاید کہ اللہ تعالیٰ اس صلح کی وجہ سے اس امت کے حالات درست کر دے اور وہ (بیخبری میں) گلا گھونٹ کر تیار نہ کی جائے کہ حق کے واضح ہونے سے پہلے جلدی میں کوئی قدم نہ اٹھا بیٹھے اور پہلی ہی گمراہی کے پیچھے

لگ جائے بلاشبہ اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ شخص ہے کہ جو حق پر عمل پیرا رہے چاہے وہ اس کے لیے باعث نقصان و مضرت ہو اور باطل کی طرف رخ نہ کرے چاہے وہ اس کے کچھ فائدہ کا باعث ہو رہا ہو تمہیں تو بھٹکا یا جا رہا ہے۔ اخر تم کہاں سے (شیطان کی راہ پر) لائے گئے ہو۔ تم اس قوم کی طرف بڑھنے کے لیے مستعد و امادہ ہو جاؤ کہ جو حق سے منہ موڑ کر بھٹک رہی ہے کہ اسے دیکھتی ہی نہیں اور وہ بے راہ رویوں میں بہکا دیئے گئے ہیں کہ ان سے ہٹ کر سیدھی راہ پر انا نہیں چاہتے۔ یہ لوگ کتاب خدا سے الگ رہنے والے اور صحیح راستے سے ہٹ جانے والے ہیں۔ لیکن تم تو کوئی مضبوط وسیلہ ہی نہیں ہو کہ تم پر بھروسہ کیا جائے اور نہ عزت کے سہارے ہو کہ تم سے وابستہ ہوا جائے تم (دشمن کے لیے) جنگ کی اگ بھڑکانے کے اہل نہیں ہو تم پر افسوس ہے کہ مجھے تم سے کتنی تکلیفیں اٹھانا پڑی ہیں۔ میں کسی دن تم سے (جنگ کی) راز دارانہ باتیں کرتا ہوں، مگر تم نہ پکارنے کے وقت سچے جوانمرد اور نہ راز کی باتوں کے لیے قابل اعتماد بھائی ثابت ہوتے ہو۔

خطبہ 124

جب مال کی تقسیم میں اپ کے برابری و مساوات کا اصول برتنے پر کچھ لوگ بگڑ اٹھے تو اپ نے ارشاد فرمایا۔

کیا تم مجھ پر یہ امر عائد کرنا چاہتے ہو کہ میں جن لوگوں کا حاکم ہوں ان پر ظلم و زیادتی کر کے (کچھ لوگوں کی) امداد حاصل کروں تو خدا کی قسم جب تک دنیا کا قصہ چلتا رہے گا۔ اور کچھ ستارے دوسرے ستاروں کی طرف جھکتے رہیں گے ہیں اس چیز کے قریب بھی نہیں پھٹکوں

گا۔اگر چہ خود میرا مال ہوتا جب بھی میں اسے سب میں برابر تقسیم کرتا۔چہ جائیکہ یہ مال اللہ کا مال ہے۔دیکھو بغیر کسی حق کے دود و دہش کرنا بے اعتدالی اور فضول خرچی ہے اور یہ اپنے مرتکب کو دنیا میں بلند کر دیتی ہے لیکن اخریت میں پست کرتی ہے اور لوگوں کے اندر عزت میں اضافہ کرتی۔مگر اللہ کے نزدیک ذلیل کرتی ہے جو شخص بھی مال کو بغیر استحقاق کے یا نا اہل افراد کو دے گا اوران کی دوستی و محبت بھی دوسروں ہی کے حصہ میں جائے گا اور اگر کسی دن اس کے پیر پھسل جائیں (یعنی فقر و تنگدستی اسے گھیر لے)اوران کی امداد کا محتاج ہو جائے تو وہ اس کے لیے بہت ہی بُرے ساتھی اور کمینے دوست ثابت ہوں گے۔

خطبہ125:

خوارج کے عقائد کے متعلق فرمایا:۔

اگر تم اس خیال سے باز انے والے نہیں ہو کہ میں نے غلطی کی اور گمراہ ہو گیا ہوں،تو میری گمراہی کی وجہ سے امت محمد کے عام افراد کو کیوں گمراہ سمجھتے ہو اور میری غلطی کی پاداش انہیں کیوں دیتے ہو،اور میرے گناہوں کے سبب سے انہیں کیوں کافر کہتے ہو،تلواریں کندھوں پر اٹھائے ہر موقع و بے موقع جگہ پر وار کئے جا رہے ہو۔اور بیخطاؤں کو خطا کاروں کے ساتھ ملائے دیتے ہو،حالانکہ جانتے ہو کہ رسول نے جب زانی کو سنگسار کیا تو نماز جنازہ میں اس کی پڑھی اوراس کے وارثوں کواس کا ورثہ بھی دلوایا اور قاتل سے قصاص لیا تو اسکی میراث اس کے گھر والوں کو دلائی چور کے ہاتھ کاٹے اور زنائے غیر محصنہ کے مرتکب کو تازیانے لگوائے تو اس کے ساتھ انہیں مالِ غنیمت میں سے حصہ بھی دیا اورانہوں نے (مسلمان

ہونے کی حیثیت سے) مسلمان عورتوں سے نکاح بھی کیئے۔ اس طرح رسول اللہ نے ان کے گناہوں کی سزا ان کو دی اور جوان کے بارے میں اللہ کا حق (حد شرعی) تھا اسے جاری کیا، مگر انہیں اسلام کے حق سے محروم نہیں کیا اور نہ اہل اسلام سے ان کے نام خارج کیئے۔ اس کے بعد (ان شر انگیزیوں کے معنی یہ ہیں کہ) تم ہو ہی شر پسند اور وہ کہ جنہیں شیطان نے اپنی مقصد براری کی راہ پر لگا رکھا ہے اور گمراہی کے سنسان بیابان میں لا پھینکا ہے (یادرکھو کہ) میرے بارے میں دو قسم کے لوگ تباہ و برباد ہوں گے، ایک حد سے زیادہ چاہنے والے جنہیں (محبت کی افراط) غلطِ راستے پر لگا دے گی، اور ایک میرے مرتبہ میں کمی کر کے دشمنی رکھنے والے کہ جنہیں یہ عناد حق سے بے راہ کر دے گا۔ میرے متعلق درمیانی راہ اختیار کرنے والے ہی سب سے بہتر حالت میں ہوں گے تم اسی راہ پر جمے رہو اور اسی بڑے گروہ کے ساتھ لگ جاؤ۔ چونکہ اللہ کا ہاتھ اتفاق و اتحاد رکھنے والوں پر ہے اور تفرقہ و انتشار سے باز آجاؤ اس لیے کہ جماعت سے الگ ہو جانے والا شیطان کے حصہ میں چلا جاتا ہے۔ جس طرح گلے سے کٹ جانے والی بھیڑ بھیڑیئے کو مل جاتی ہے۔ خبردار! جو بھی ایسے نعرے لگا کر اپنی طرف بلائے، اسے قتل کر دو، اگرچہ وہ اسی عمامہ کے نیچے کیوں نہ ہو (یعنی میں خود کیوں نہ ہوں) اور وہ دونوں حکم (ابو موسیٰ و عمرو ابن عاص) تو صرف اس لیے ثالث مقرر کیئے گئے تھے کہ وہ انہی چیزوں کو زندہ کریں۔ جنہیں قران نے زندہ کیا ہے اور انہی چیزوں کو نیست و نابود کریں جنہیں قران نے نیست و نابود کیا ہے کسی چیز کے زندہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس پر یک جہتی کے ساتھ متحد ہوا جائے اور اس کے نیست و نابود کرنے کا

مطلب یہ ہے کہ اس سے علیحدگی اختیار کر لی جائے اب اگر قران ہمیں ان لوگوں (کی اطاعت) کی طرف لے جاتا تو ہم ان کے پیرو بن جاتے اور اگر انہیں ہماری طرف لائے تو پھر انہیں ہمارا اتباع کرنا چاہئے تمہارا بُرا ہو میں نے کوئی مصیبت تو کھڑی نہیں کی اور نہ کسی بات میں تمہیں دھوکا دیا ہے اور نہ اس میں فریب کاری کی ہے تمہاری جماعت ہی کی یہ رائے قرار پائی تھی کہ دو ادمی چن لیے جائیں جن سے ہم نے یہ اقرار لے لیا تھا کہ وہ قران سے تجاوز نہ کریں گے۔ لیکن وہ اچھی طرح دیکھنے بھالنے کے باوجود قران سے بہک گئے اور حق کو چھوڑ بیٹھے اور ان کے جذبات بے راہ روی کے مقتضی ہوئے۔ چنانچہ وہ اس روش پر چل پڑے (حالانکہ) ہم نے پہلے ہی ان سے شرط کر لی تھی کہ وہ عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے اور حق کا مقصد پیش نظر رکھنے میں بدنیتی و بے راہ روی کو دخل نہ دیں گے (اگر ایسا ہوا تو وہ فیصلہ ہمارے لیے قابل تسلیم نہ ہوگا)

خطبہ 126:

بصرہ میں برپا ہونے والے فتنوں کے متعلق

اس میں بصرہ کے اندر برپا ہونے والے ہنگاموں کا تذکرہ ہے۔ اے احنف! میں اس شخص کو اپنی انکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک ایسے لشکر کو لے کر بڑھ رہا ہے کہ جس میں نہ گرد و غبار ہے نہ شور و غوغا، نہ لگاموں کی کھڑکھڑاہٹ ہے اور نہ گھوڑوں کے ہنہنانے کی اواز وہ لوگ زمین کو اپنے پیروں سے جو شتر مرغ کے پیروں کے مانند ہیں۔ روندرہے ہوں گے۔ سید رضی کہتے ہیں کہ حضرت نے اس سے حبشیوں ا کے سردار کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پھر

اپ نے فرمایا: ان لوگوں کے ہاتھوں سے کہ جن کے قتل ہو جانے والوں پر بین نہیں کیا جاتا۔اورگم ہونے والوں کوڈھونڈھا نہیں جاتا تمہاری ان اباد گلیوں اور سجے سجائے مکانوں کے لیےتباہی ہے کہ جن کے چھجے گدوں کے پروں اور ہاتھیوں کی سونڈوں کے مانند ہیں۔ میں دنیا کو اوندھے منہ گرانے والا اور اس کی بساط کا صحیح اندازہ رکھنے والا اور اس کے لائق حال نگاہوں سے دیکھنے والا ہوں۔اسی خطبہ کے ذیل میں ترکوں کی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے:۔ میں ایسے لوگوں 2 کو دیکھ رہا ہوں کہ جن کے چہرے ان ڈھالوں کی طرح ہیں کہ جن پر چمڑے کی تہیں منڈھی ہوئی ہوں وہ ابر ریشم و دیبا کے کپڑے پہنتے ہیں اور اصیل گھوڑوں کو عزیز رکھتے ہیں اور وہاں کشت وخون کی گرم بازاری ہوگی۔ یہاں تک کہ زخمی کشتوں کے اوپر سے ہو کر گزریں گے اور بچ کر بھاگ نکلنے والے اسیر ہونے والوں سے کم ہوں گے۔

(اس موقع پر) اپ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے جو قبیلہ بنی کلب سے تھا۔عرض کیا کہ یا امیرالمومنین اپ کو تو علم غیب 3 حاصل ہے۔جس پر اپ ہنسے اور فرمایا اے برادر کلبی! یہ علم غیب نہیں بلکہ ایک صاحب علم (رسول) سے معلوم کی ہوئی باتیں ہیں۔علم غیب تو قیامت کی گھڑی اور ان چیزوں کے جاننے کا نام ہے کہ جنہیں اللہ سبحانہ، نے اِنَّ اللہَ عِندَہ عِلمُ الشَّاعَۃِ عالی ایت میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ اللہ ہی جانتا ہے کہ شکموں میں کیا ہے۔نر ہے یا مادہ، بدصورت ہے یا خوبصورت سخی ہے یا بخیل بدبخت ہے یا خوش نصیب اور کون جہنم کا ایندھن ہوگا۔اور کون جنت میں نبیوں کا رفیق ہوگا۔ یہ وہ علم غیب ہے جسے اللہ کے سوا کوئی

نہیں جانتا۔ رہا دوسری چیزوں کا علم تو وہ اللہ نے اپنے نبی کو دیا اور نبی نے مجھے بتایا اور میرے لیے دعا فرمائی کہ میرا سینہ انہیں محفوظ رکھےّ اور میری پسلیاں انہیں سمیٹے رہیں۔

ا۔علی ابن محمد رے کے مضافات میں ورزئین نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔خوارج کے فرقہ زارقہ سے تعلق رکھتا تھا اور خود کو محمد ابن احمد مختفی ابن عیسیٰ ابن زید ابن علی کا فرزند کہہ کر سیادت کا مُدّعی بنتا تھا۔مگر اہل انساب وسیر نے اس کے دعویٰ سیادت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے اور اس کے باپ کا نام محمد احمد کے بجائے محمد ابنِ ابراہیم تحریری کیا ہے جو قبیلہ عبدالقیس سے تھا اور ایک سندھی کنیز کے بطن سے متولد ہوا تھا۔

علی ابن محمد نے ۲۵۵ ھ میں مہتدی باللہ کے دور میں خروج کیا اور اطراف بصرہ میں بسنے والے غلاموں کو مال و دولت اور ازادی کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور 71 شوال 752 ھ میں مار دھاڑ کرتا ہوا بصرہ کے اندر داخل ہوا اور صرف دو دن میں تیس ہزار افراد کو کہ جن میں بچے بوڑھی عورتیں سب ہی تھیں موت کے گھاٹ اتار دیا اور ظلم وسفا کی اور وحشت و خونخواری کی انتہا کر دی، مکانوں کو مسمار کر دیا اور مسجدوں میں اگ لگا دی اور لگاتار چودہ برس تک قتل و غارت گری کے بعد موفق کے دور میں صفر 072 ھ میں قتل ہوا اور لوگوں کو اس کی تباہ کاریوں سے نجات ملی۔

امیر المومنین کی یہ پیشین گوئی ان پیشنگوئیوں میں سے ہے جو اپ کے علم امامت پر روشنی ڈالتی ہیں۔ چنانچہ اس کے لشکر کی جو کیفیت بیان فرمائی ہے کہ نہ اس میں گھوڑوں کے ہنہنانے کی اواز اور نہ ہتھیاروں کے کھڑ کھڑانے کی صدا ہو گی۔ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔جیسا کہ مُورخ طبری نے لکھا ہے کہ جب یہ خروج کے ارادے سے مقام کرخ کے قریب پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور ایک شخص نے ایک گھوڑا بطور تحفہ اسے پیش کیا۔مگر تلاش کے باوجود اس کے لیے لگام نہ مل سکی اخر ایک رسی کی لگام دے کر اس پر سوار ہوا۔اور یونہی اس کے لشکر میں اس وقت صرف تین تلواریں تھیں ایک خود اس کے پاس اور ایک علی ابن مہلبی اور ایک محمد ابن مسلم کے پاس اور بعد میں لوٹ مار سے کچھ اور اسلحہ ان کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

2.امیر المومنین کی پیشین گوئی تا تاریوں کے حملہ کے متعلق ہے جو ترکستان کے شمال مشرق کی جانب صحرائے منگولیا کے رہنے والے تھے۔ان تین وحشی قبیلوں کی زندگی لوٹ مار اور قتل و غارت میں گزرتی تھی اور اپس میں لڑتے بھڑتے اور گردونواح پر حملے کرتے رہتے تھے۔ ہر قبیلہ کا سردار الگ الگ ہوتا تھا جو ان کی حفاظت کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا۔چنگیز خان جو انہی تا تاری قبائل کے حکمران خاندان کا ایک فرد اور بڑا باہمت و جرأت مند تھا ان تمام منتشر و پراگندہ قبیلوں کو منظم کرنے کے لیے اٹھا اور ان کے مزاحم ہونے کے باوجود اپنی قوت وحسن تدبیر سے ان پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا۔اور ایک کثیر تعداد اپنے پرچم کے نیچے جمع کر

کے 606ھ میں سیلاب کی طرح امنڈا اور شہروں کو غرق اور ابادیوں کو ویران کرتا ہوا شمالی چین تک کا علاقہ فتح کر لیا۔

جب اس کا اقتدار قائم ہو گیا تو اس نے اپنے ہمسایہ ملک ترکستان کے فرمانروا علاؤالدین خوارزم شاہ کی طرف دست مصالحت بڑھایا اور ایک وفد بھیج کر اس سے عہد لیا کہ تاتاری تاجر اس کے علاقہ میں خرید و فروخت کے لیے اتے جاتے رہیں گے۔ ان کے جان و مال کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچا جائے۔ چنانچہ کچھ عرصہ تک وہ بے کھٹکے اتے جاتے رہے۔ مگر ایک موقع پر اس نے تاتاری تاجروں پر جاسوسی کا الزام لگا کر ان کا مال لوٹ لیا اور انہیں والئ اترار کے ذریعہ قتل کروا دیا۔ چنگیز خان کو جب معاہدہ کی خلاف ورزی اور تاتاری تاجروں کے مارے جانے کا علم ہوا تو اس کی انکھوں سے شرارلے برسنے لگے۔ غصہ میں پیچ و تاب کھانے لگا اور علاؤالدین کو پیغام بھیجا کہ وہ تاتاری تاجروں کا مال واپس کرے اور والی اترار کو اس کے حوالے کرے، مگر علاؤالدین اپنی قوت و طاقت کے نشہ میں مدہوش تھا اس نے کوئی پروانہ کی اور ناعاقبت اندیشی سے کام لیتے ہوئے چنگیز خان کے ایلچی کو بھی مروا دیا اب چنگیز خان میں تابِ ضبط نہ رہی۔ اس کی انکھوں میں خون اتر ایا۔ شمشیر بکف اٹھ کھڑا ہو اور تاتاری جنگجو بارفتار گھوڑے دوڑاتے ہوئے بخارا پر چڑھ دوڑے۔ علاؤلدین بھی چار لاکھ نبرد ازماؤں کے ساتھ مقابلہ کو نکلا مگر تاتاریوں کے تابڑ توڑ حملوں کو نہ روک سکا۔ اور چند ہی حملوں میں سپر انداختہ ہو کر جیجون کے راستہ سے نیشاپور کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ تاتاریوں نے بخارا کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ مسجدوں اور مدرسوں کو مسمار اور گھروں کو

پھونک کر راکھ کا ڈھیر کر دیا اور بلا امتیاز زن و مرد سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اگلے سال سمرقند پر یورش کی اور اسے بھی تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

علاؤالدین کے نکل بھاگنے کے بعد اس کے بیٹے جلال الدین خوارزم شاہ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی تھی تاتاریوں نے اس کا بھی پیچھا کیا مگر وہ دس برس تک ادھر سے ادھر بھاگتا پھرا اور ان کے ہاتھ نہ لگا اور اخر دریا کو عبور کر کے اپنی مدد سلطنت سے باہر نکل گیا اس اثنا میں تاتاریوں نے اباد زمینوں کو ویران اور نسلِ انسانی کو تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا نہ کوئی شہر ان کی غارت گری سے بچ سکا اور نہ کوئی ابادی ان کی پامالیوں سے محفوظ رہ سکی جدھر کا رخ کیا مملکتوں کو تہ و بالا کر دیا۔ حکومتوں کا تختہ الٹ دیا اور تھوڑے عرصہ میں ایشیا کے بالائی حصہ پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔

جب 622ھ میں چنگیز خان کا انتقال ہوا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا اوکتائی خاں تخت نشین ہوا جس نے 628ھ میں جلال الدین کو ڈھونڈھ نکالا اور اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد چنگیز خاں کے دوسرے لڑکے کے تولی خان کا بیٹا منکو خاں تخت حکومت پر بیٹھا، منکو خاں کے بعد قوبیلائی خان مملکت کے ایک حصہ کا وارث ہوا۔ اور وسط ایشیا اس کے بھائی ہلاکو خاں کے حصہ میں ایا۔ جب سلطنت چنگیز خاں کے پوتوں میں بٹ گئی تو ہلاکو خاں اسلامی مما لک کو تسخیر کرنے کی فکر میں تھا ہی کہ خراساں کے حنفیوں نے شافیوں کی ضد میں اکر اسے خراسان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ اس نے خراسان پر چڑھائی کر دی اور حنفیوں نے اپنے کو تاتاری تلواروں سے محفوظ سمجھتے ہوئے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ مگر تاتاریوں نے

حنفیوں اور شافعیوں میں کوئی امتیاز نہ کیا اور جو سامنے ایا اسے تہ تیغ کر دیا اور وہاں کی بیشتر ابادی کو قتل کرنے کے بعد اسے اپنے مقبوضات میں داخل کر لیا اور انہی شافعیوں اور حنفیوں کے جھگڑوں نے اس کے لیے عراق تک کے فتوحات کا دروازہ کھول دیا۔ چنانچہ خراسان کو فتح کرنے کے بعد ان کی ہمت بڑھ گئی اور 656ھ میں دو لاکھ تا تاریوں کے ساتھ بغداد کی جانب لشکر کشی کی معتصم باللہ کی فوج اور اہل بغداد نے مل کر مقابلہ کیا مگر اس سیلاب بلا کو روکنا ان کے بس میں نہ تھا۔ چنانچہ تا تاری مار دھاڑ کرتے ہوئے عاشورا کے دن بغداد کے اندر داخل ہو گئے اور چالیس دن تک اپنی خون اشام تلواروں کی پیاس بجھاتے رہے۔ گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہادیں راستے لاشوں سے پاٹ دیئے لاکھوں ادمیوں کو تہ تیغ کر دیا اور معتصم باللہ کو پیروں کے نیچے روند کر مار ڈالا اور صرف وہی لوگ بچ سکے جو کنوؤں اور تہ خانوں میں چھِپ کر ان کی انکھوں سے اوجھل رہ سکے۔ یہ تھی بغداد کی وہ تباہی کہ جس سے عباسی سلطنت بنیاد سے ہل گئی اور اس کا پرچم پھر لہرا نہ سکا:۔

بعض مورخین نے اس تباہی و بربادی کی ذمہ داری ابن علقمی پر عائد کی ہے کہ اس نے شیعوں کے قتلِ عام اور محلہ کرخ کی تباہی سے متاثر ہو کر نصیر الدین طوسی وزیر ہلاکو خان کی وساطت سے اسے بغداد پر حملہ اور ہونے کی دعوت دی۔ اگر ایسا ہو بھی تو اس تاریخی حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے پہلے اسلامی ممالک پر حملہ کرنے کی تحریک خلیفہ عباسی الناصرلدین اللہ کر چکا تھا چنانچہ جب خوارزمیوں نے مرکز خلافت کے اقتدار کو تسلیم کرنے سے انکار دیا تو اس نے چنگیز خان کو خوارزم پر حملہ کرنے کے لیے کہلوایا تھا جس سے

تاتاریوں کو یہ اندازہ ہو گیا کہ مسلمانوں میں یک جہتی و اتحاد نہیں ہے اور پھر حنفیوں نے شافعیوں کی سرکوبی کے لیے ہلاکو خان کو بلا وا بھیجا تھا جس کے نتیجہ میں خراسان پر ان کا اقتدار قائم ہو گیا اور بغداد کی طرف پیشقدمی کرنے کے لیے انہیں راستہ مل گیا۔ ان حالات میں بغداد کی تباہی کا ذمہ دار صرف ابن علقمی کو ٹھہرانا اور الناصرلدین اللہ کی تحریک اور حنفی و شافعی نزاع کو نظر انداز کر دینا حقیقت پر پردہ ڈالنا ہے۔ جب کہ بغداد کی تباہی کا پیش خیمہ یہی خراسان کی فتح تھی کہ جس کا سبب وہاں کے حنفی باشندے تھے۔ چنانچہ اسی فتح کی وجہ سے اس کا اتنا حوصلہ ہوا کہ وہ مسلمانوں کے مرکز پر حملہ اور ہو ورنہ محض ایک شخص کے پیغام کا نتیجہ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بغداد ایسے قدیم مرکز پر یلغار کرتا ہوا پہنچ جاتا کہ جس کی سطوت و ہیبت کی دھاک ایک دنیا کے دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی:۔

3. ذاتی طور پر عالم الغیب ہونا اور چیز ہے اور اللہ کی طرف سے کسی مد پر مطلع ہو کر خبر دینا دوسری چیز ہے انبیاو اولیا کو جو مستقبل کا علم ہوتا ہے وہ اللہ ہی کے سکھانے اور بتانے سے ہوتا ہے اگر کوئی ذاتی طور پر مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والی چیزوں سے اگاہ ہے تو وہ صرف اللہ سبحانہ ہے۔ البتہ وہ جس کو چاہتا ہے امور غیب پر مطلع کر دیتا ہے چنانچہ اس کا ارشاد ہے۔ وہی غیب کا جاننے والا ہے اور اپنی غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا، مگر جس پیغمبر کو وہ پسند فرمائے۔

یونہی امیرالمومنین کو بھی مستقبل کا علم تعلیم رسول والقائے ربانی سے حاصل ہوتا تھا جس کے لیے اپ کا یہ کلام شاہد ہے البتہ کبھی بعض چیزوں پر مطلع کرنے کی مصلحت یا ضرورت نہیں ہوتی تو انہیں پردہ خفا میں رہنے دیا جاتا ہے جن پر کوئی اگاہ نہیں ہوسکتا، جیسا کہ قدرت کا ارشاد ہے۔

بیشک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور شکموں میں جو کچھ ہے وہ جانتا ہے اور کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور نہ کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ وہ کس سر زمین پر مرے گا۔ بیشک اللہ (ان چیزوں سے) اگاہ اور باخبر ہے۔

خطبہ 127:

جس میں آپ نے پیمانوں اور ترازوؤں کا ذکر فرمایا

اللہ کے بندو! تم اور تمہاری اس دنیا سے بندھی ہوئی امیدیں مقررہ مدت کی مہمان ہیں اور ایسے قرضدار جن سے ادائیگی کا تقاضا کیا جارہا ہے عمر ہے جو گھٹتی جارہی ہے اور اعمال ہیں جو محفوظ ہورہے ہیں۔ بہت سے دوڑ دھوپ کرنے والے اپنی محنت اکارت کرنے والے ہیں اور بہت سے سعی وکوشش میں لگے رہنے والے گھاٹے میں جارہے ہیں تم ایسے زمانے میں ہو کہ جس میں بھلائی کے قدم پیچھے ہٹ رہے ہیں اور برائی آگے بڑھ رہی ہے اور لوگوں کو تباہ کرنے میں شیطان کی حرص تیز ہوتی جارہی ہے۔ چنانچہ یہی وہ وقت ہے کہ اس کے (ہتھکنڈوں) کا سروسامان مضبوط ہوچکا ہے اور اس کی سازشیں پھیل رہی ہیں اور اس کے

شکار آسانی سے پھنس رہے ہیں۔ جدھر چاہو لوگوں پر نگاہ دوڑاؤ تم یہی دیکھو گے کہ ایک طرف کوئی فقیر فقر و فاقہ جھیل رہا ہے اور دوسری طرف دولت مند نعمتوں کو کفرانِ نعمت سے بدل رہا ہے اور کوئی بخیل اللہ کے حق کو دبا کر مال بڑھا رہا ہے اور کوئی سرکش پند و نصیحت سے کان بند کیئے پڑا ہے۔ کہاں ہیں تمہارے نیک اور صالح افراد اور کہاں ہیں تمہارے عالی حوصلہ اور کریم النفس لوگ۔ کہاں ہیں کاروبار میں (دغا وفریب) سے بچنے والے اور اپنے طور طریقوں میں پاک و پاکیزہ رہنے والے؟ کیا وہ سب کے سب اس ذلیل اور زندگی کا مزا کرکرا کرنے والی تیز رو دنیا سے گذر نہیں گئے اور کیا تم ان کے بعد ایسے رذیل اور ادنیٰ لوگوں میں نہیں رہ گئے کہ جن کے مرتبہ کو پست و حقیر سمجھتے ہوئے اور ان کے ذکر سے پہلو بچاتے ہوئے ہونٹ ان کی مذمت میں بھی کھلنا گوارا نہیں کرتے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فساد ابھر آیا ہے اور برائی کا وہ دور ایسا ہے کہ انقلاب کے کوئی آثار نہیں اور نہ کوئی روک تھام کرنے والا ہے جو خود بھی باز رہے۔ کیا انہی کرتوتوں سے جنت میں اللہ کے پڑوس میں بسنے اور اس کا گہرا دوست بننے کا ارادہ ہے۔ ارے توبہ اللہ کو دھوکا دے کر اس سے جنت نہیں لی جاسکتی اور بغیر اس کی اطاعت کے اس کی رضامندیاں حاصل نہیں ہوسکتیں۔ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے کہ جو اوروں کو بھلائی کا حکم دیں اور خود اسے چھوڑ بیٹھیں اور دوسروں کو بری باتوں سے روکیں اور خود بھی ان پر عمل کرتے ہیں۔

خطبہ128:

جب 1حضرت ابوذر کو ربذہ کی طرف جلاوطن کیا گیا تو ان سے خطاب کر کے فرمایا:۔

اے ابوذر! تم اللہ کے لیے غضب ناک ہوئے ہوتو پھر جس کی خاطر یہ تمام غم وغصہ ہے اسی سے امید بھی رکھو ان لوگوں کو تم سے اپنی دنیا کے متعلق خطرہ ہے اور تمہیں ان سے اپنے دین کے متعلق اندیشہ ہے لہذا جس چیز کے لیے انہیں تم سے کھٹکا ہے وہ انہیں کے ہاتھ میں چھوڑ و اور جس شے کے لیے تمہیں ان سے اندیشہ ہے اسے لے کر ان سے بھاگ نکلو۔ جس چیز سے تم انہیں محروم کر کے جا رہے ہو۔ کاش کہ وہ سمجھتے کہ وہ اس کے کتنے حاجتمند ہیں اور جس چیز کو انھوں نے تم سے روک لیا ہے اس سے تم بہت ہی بے نیاز ہو اور جلد ہی تم جان لو گے کہ کل فائدہ میں رہنے والا کون ہے اور کس پر حسد کرنے والے زیادہ ہیں، اگر یہ اسمان وزمین کسی بندے پر بند پڑے ہوں اور وہ اللہ سے ڈرے تو وہ اس کے لیے زمین واسمان کی راہیں کھول دے گا تمہیں صرف حق سے دلچسپی ہونا چاہئے اور صرف باطل ہی سے گھبرانا چاہئے۔ اگر تم ان کی دنیا قبول کر لیتے تو وہ تمہیں چاہنے لگتے اور تم اس میں کوئی حصہ اپنے لیے مقرر کرا لیتے تو وہ تم سے مطمئن ہو جاتے۔

1. ابوذر غفاری کا نام جندب ابن جنادہ تھا۔ ربذہ کے رہنے والے تھے جو مدینہ کی مشرق جانب ایک چھوٹا سا گاؤں تھا نے انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دیں اذیتوں پہنچائیں۔ مگر

اپ کے ثباتِ قدم میں لغزش نہ ائی۔ اسلام لانے والوں میں اپ تیسرے یا چوتھے یا پانچویں ہیں اوراس سبقت اسلامی کے ساتھ اپ کے زہدو اتقاکا یہ عالم تھا کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا کہ ابوذر می امتی شبیہ عیسیٰ ابن مریم فی زہدہ وورعہ میری امت میں ابوذر زہدو ورع میں عیسیٰ ابن مریم کی مثال ہیں۔

آپ حضرت عمر کے دورحکومت میں شام چلے گئے اورحضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں بھی وہیں مقیم تھے۔زندگی کے شب و روز ہدایت وتبلیغ کے فرائض سرانجام دیتے۔ اہل بیت رسول کی عظمت سے روشناس کرنے اور جادۂ حق کی طرف رہنمائی فرمانے میں گزرتے تھے۔ چنانچہ شام اورجبل عامل میں شیعیت کے جواثرات پائے جاتے ہیں۔ وہ اپ ہی کی تبلیغ ومساعی کانتیجہ اوراپ ہی کے بوئے ہوئے بیج کے برگ وبار ہیں امیرشام معاویہ کوان کی یہ روش پسند نہ تھی چنانچہ وہ ان کے کھلم کھلا لے دے کرنے اور حضرت عثمان کی زر اندوزی و بے راہ روی کے تذکرے کرنے سے انتہائی بیزار تھے مگر کچھ بنائے بنتی تھی اخر اس نے حضرت عثمان کولکھا کہ اگر یہ کچھ عرصہ اور یہاں مقیم رہےتو ان اطراف کےلوگوں کوتم سے برگشتہ کردیں گے۔لہذا اس کا انسداد ہونا چاہئے جس پر انہوں نےلکھا کہ ابوذرکوشتر بے پالان پرسوارکرکے مدینہ روانہ کردیا جائے چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اورانہیں مدینہ روانہ کردیا گیا۔ جب اپ مدینہ پہنچے تو یہاں بھی حق وصداقت کی تبلیغ شروع کردی۔ مسلمانوں کوپیغمبر کاعہد یاددلاتے ۔کسروی وقیصری شان کےمظاہروں سے روکتے۔جس پر حضرت عثمان جُز بز ہوتے۔ان کی زبان بندی کی تدبیریں کرتے چنانچہ ایک دن انہیں بلاکر

کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے پھرتے ہو کہ پیغمبر نے فرمایا تھا کہ:۔

جب بنی امیہ کی تعداد تیس تک پہنچ جائے گی تو وہ اللہ کے شہروں کو اپنی جاگیر اور اس کے بندوں کو اپنا غلام اور اس کے دین کو فریب کاری کا ذریعہ قرار دے لیں گے۔

آپ نے کہا کہ بیشک میں نے پیغمبر اسلام کو یہ فرماتے سنا تھا۔عثمان نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو اور پاس بیٹھنے والوں سے کہا کہ کیا تم میں سے کسی نے اس حدیث کو سنا ہے۔سب نے نفی میں جواب دیا۔جس پر حضرت ابوذر نے فرمایا کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب سے دریافت کیا جائے۔چنانچہ اپ کو بلا کر دریافت کیا گیا تو اپ نے فرمایا کہ ہاں یہ درست ہے اور ابوذر سچ کہتے ہیں۔عثمان نے کہا کہ اپ کس بنا پر اس حدیث کی صحت کی گواہی دیتے ہیں۔حضرت نے فرمایا کہ میں نے پیغمبر کو فرماتے سنا ہے کہ:۔

کسی بولنے والے پر اسمان نے سایہ نہیں ڈالا اور زمین نے اسے نہیں اٹھایا جو ابوذر سے زیادہ راست گو ہو۔

اب حضرت عثمان کیا کہہ سکتے تھے اگر جھٹلاتے تو پیغمبر کی تکذیب لازم اتی تھی۔پیچ وتاب کھا کر رہ گئے اور کوئی تردید نہ کر سکے۔ادھر حضرت ابوذر نے سرمایہ پرستی کے خلاف کھلم کھلا کہنا

شروع کر دیا اور حضرت عثمان کو دیکھتے تو اس ایت کی تلاوت فرماتے۔

وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو جس دن کہ ان کا جمع کیا ہوا سونا چاندی دوزخ کی اگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیاں، پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی اور ان سے کہا جائے کہ یہ وہی ہے جسے تم نے اپنے لیے ذخیرہ بنا کر رکھا تھا تو اب اس ذخیرہ اندوزی کا مزا چکھو۔

حضرت عثمان نے مال و دولت کا لالچ دیا مگر اس طائر ازاد کو سنہری جال میں نہ جکڑ سکے۔ تشدد و سختی سے بھی کام لیا مگر ان کی زبان حق ترجمان کو بند نہ کر سکے اخر انہیں مدینہ چھوڑ دینے اور ربذہ کی جانب چلے جانے کا حکم دیا اور طرید رسول کے فرزند مروان کو اس پر مامور کیا کہ وہ انہیں مدینہ سے باہر نکال دے اور اس کے ساتھ یہ فرمان بھی صادر فرمایا کہ کوئی ان سے کلام نہ کرے اور نہ انہیں الوداع کہے، مگر امیر المومنین علیہ السّلام، امام حسن علیہ السّلام، امام حسین عقیل، عبداللہ، ابن جعفر اور عمار یاسر نے اس فرمان کی کوئی پرواہ نہ کی اور انہیں رخصت کرنے کے لیے ساتھ ہو لیے اور اسی رخصت کے موقعہ پر حضرت نے ان سے یہ کلمات فرمائے۔

ربذہ میں حضرت ابوذر کی زندگی بڑی ابتلاؤں میں کٹی۔ یہیں پر اپ کے فرزند ذر اور اہلیہ

نے انتقال کیااور جو بھیڑ بکریاں گزارا کرنے کے لیے پال رکھی تھیں۔ وہ بھی ہلاک ہوگئیں۔ اولاد میں صرف ایک دختر رہ گئی جو فاقوں اور دکھوں میں برابر کی شریک تھی۔ جب سروسامان زندگی ناپید ہوگئے اور فاقوں پر فاقے ہونے لگے تو اس نے حضرت ابوذر سے عرض کیا کہ بابا یہ زندگی کے دن کس طرح کٹیں گے کہیں انا جانا چاہیئے اور رزق کی تلاش کرنا چاہیئے۔ جس پر حضرت ابوذر اسے ہمراہ لے کر صحرا کی طرف نکل کھڑے ہوئے مگر گھاس پات بھی میسر نہ اسکا۔ اخر تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئے اور ریت جمع کر کے اس کا ڈھیر بنایا اور اس پر سر رکھ کر لیٹ گئے اسی عالم میں سانسیں اکھڑ گئیں پتلیاں اوپر چڑھ گئیں نزع کی حالت طاری ہوگئی۔ جب دختر ابوذر نے یہ حالت دیکھی تو سراسیمہ و مضطرب ہو کر کہنے لگی کہ بابا اگر اپ نے اس لق ودق صحرا میں انتقال فرمایا تو میں اکیلی کیسے دفن و کفن کا سامان کروں گا۔ اپ نے فرمایا کہ بیٹی گھبراؤ نہیں پیغمبر اکرم مجھ سے فرما گئے تھے کہ اے ابوذر تم عالم غربت میں مرو گے اور کچھ عراقی گزرے تو اس سے کہنا کہ پیغمبر کے صحابی ابوذر نے انتقال کیا ہے۔ چنانچہ ان کی رحلت کے بعد وہ سر راہ جا کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر کے بعد ایک قافلہ گزرا جس میں ہلال ابن مالک مزنی، احنف ابن قیس تمیمی صعصعہ ابن صومان عبدی، اسود ابنِ قیس تمیمی اور مالک ابن حارث اشتر تھے۔ جب انہوں نے حضرت ابوذر کے انتقال کی خبر سنی تو اس بیکسی کی موت پر تڑپ اٹھے۔ سواریاں روک لیں اور ان کی تجہیز و تکفین کے لیے سفر ملتوی کر دیا۔ مالک اشتر نے ایک حلہ کفن کے لیے دیا جس کی قیمت چار ہزار درہم تھی اور تجہیز و تکفین کے فرائض سرانجام دے کر رخصت ہوئے۔ یہ واقعہ 8 ذی الحجہ 32 ھ کا ہے۔

خطبہ 129:

خلافت کو قبول کرنے کی وجہ اور حاکم کے اوصاف

اے الگ الگ طبیعتوں اور پراگندہ دل و دماغ والو کہ جن کے جسم موجود اور عقلیں گم ہیں میں تمہیں نرمی وشفقت سے حق کی طرف لانا چاہتا ہوں اور تم اس سے اس طرح بھڑک اٹھتے ہو جس طرح شیر کے ڈکار سے بھیڑ بکریاں، کتنا دشوار ہے کہ میں تمہارے سہارے پر چھپے ہوئے عدل کو ظاہر کروں یا حق میں پیدا کی ہوئی کجیوں کو سیدھا کروں۔ بارالہا تو خوب جانتا ہے کہ یہ جو کچھ بھی ہم سے (جنگ و پیکار کی صورت میں) ظاہر ہوا اس لیے نہیں تھا کہ ہمیں تسلط واقتدار کی خواہش تھی یا مال دنیا کی طلب تھی بلکہ یہ اس لیے تھا کہ ہم دین کے نشانات کو (پھر ان کی جگہ پر) پلٹائیں اور تیرے شہروں میں امن و بہبودی کی صورت پیدا کریں تا کہ تیرے ستم رسیدہ بندوں کو کوئی کھٹکا نہ رہے اور تیرے وہ احکام (پھر سے) جاری ہو جائیں جنہیں بیکار بنا دیا گیا ہے۔ اے اللہ! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیری طرف رجوع کی اور تیرے حکم کو سن کر لبیک کہی اور رسول اللہ کے علاوہ کسی نے بھی نماز پڑھنے میں مجھ پر سبقت نہیں کی۔ (اے لوگو!) یہ معلوم ہے کہ ناموس، خون، مال غنیمت (نفاذ) احکام اور مسلمانوں کی پیشوائی کے لیے کسی طرح مناسب نہیں کہ کوئی بخیل حاکم ہو۔ کیونکہ اس کا دانت مسلمانوں کے مال پر لگا رہے گا اور نہ کوئی جاہل کہ وہ انہیں اپنی جہالت کی وجہ سے گمراہ کرے گا اور نہ کوئی کج خلق کہ وہ تندمزاجی سے چرکے لگاتا رہے گا اور نہ کوئی مال و دولت میں بے راہ روی کرنے والا کہ وہ کچھ لوگوں کو دے گا اور کچھ کو محروم کر دے گا اور نہ فیصلہ

کرنے میں رشوت لینے والا کہ وہ دوسروں کے حقوق کورائیگاں کر دے گا اور انہیں انجام تک نہ پہنچائے گا اور نہ کوئی سنت کو بیکار کر دینے والا کہ وہ امت کو تباو برباد کر دے گا۔

خطبہ 130:

موت سے ڈرانے کے سلسلے میں

وہ جو کچھ لے اور جو کچھ دے اور جو نعمتیں بخشے اور جن از مائشوں میں ڈالے (سب پر) ہم اس کی حمد وثنا کرتے ہیں وہ ہر چھپی ہوئی چیز کی گہرائیوں سے اگاہ، اور ہر پوشیدہ شئے پر حاضر وناظر ہے وہ سینوں میں چھپی ہوئی چیزوں اور انکھوں کی چوری چھپے اشاروں کا جاننے والا ہے

، ہم گواہی دیتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے برگزیدہ (بندے) اور فرستادہ (رسول) ہیں۔ایسی گواہی کہ جس میں ظاہر وباطن یکساں اور دل وزبان ہمنوا ہیں۔ اسی خطبہ کا ایک جز یہ ہے۔خدا کی قسم وہ چیز جو سراسر حقیقت ہے ہنسی کھیل نہیں اور سرتا پا حق ہے جھوٹ نہیں وہ صرف موت ہے اس کے پکارنے والے نے اپنی اواز پہنچا دی ہے اور اس کے ہنکانے والے نے جلدی مچا رکھی ہے یہ (زندہ) لوگوں کی کثرت تمہارے نفس کو دھوکا نہ دے (کہ اپنی موت کو بھول جاؤ) تم ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے۔جنہوں نے مال و دولت کو سمیٹا تھا۔جو افلاس سے ڈرتے تھے اور امیدوں کی درازی اور موت کی دوری کا (فریب کھا کر) نتائج سے بے خوف بن چکے تھے۔دیکھ چکے ہو کہ کس طرح موت ان پر ٹوٹ پڑی کہ انہیں وطن سے نکال باہر کیا اور ان کی جائے امن سے انہیں اپنی گرفت میں

لے لیا اس عالم میں کہ وہ تابوت پر لدے ہوئے تھے اور لوگ یکے بعد دیگرے کندھا دے رہے تھے اور اپنی انگلیوں (کے سہارے) سے روکے ہوئے تھے کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جو دور کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے۔ جنہوں نے مضبوط محل بنائے تھے اور ڈھیروں مال جمع کیا تھا۔ کس طرح ان کے گھر قبروں میں بدل گئے اور جمع شدہ پونجی تباہ ہوگئی اور ان کا مال وارثوں کا ہوگیا۔ اور ان کی بیوایں دوسروں کے پاس پہنچ گئیں (اب) نہ وہ نیکیوں میں کچھ اضافہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کا کوئی موقعہ ہے کہ وہ کسی گناہ کے بعد (توبہ کر کے) اللہ کی رضا مندیاں حاصل کر لیں جس شخص نے اپنے دل کو تقویٰ شعار بنا لیا وہ بھلائیوں میں سبقت لے گیا اور اس کا کیا کرایا سوارت ہوا۔ تقویٰ حاصل کرنے کا موقعہ غنیمت سمجھو اور جنت کے لیے جو عمل ہونا چاہیئے اسے انجام دو۔ کیونکہ دنیا تمہاری قیام گاہ نہیں بنائی گئی۔ بلکہ یہ تو تمہارے لیے گزرگاہ ہے تاکہ تم اس سے اپنی مستقل قیام گاہ کے لیے زاد اکٹھا کرسکو۔ اس دنیا سے چل نکلنے کے لیے امادہ رہو، اور کوچ کے لیے سواریاں اپنے سے قریب کرلو (کہ وقت انے پر باسانی سوار ہوسکو)

خطبہ 131:

اللہ کی عظمت اور قران کی اھمیت

دنیا و آخرت اپنی باگ ڈور اللہ کو سونپے ہوئے اس کے زیر فرمان ہے اور آسمان و زمین نے اپنی کنجیاں اس کے آگے ڈال دی ہیں اور ترو تازہ و شاداب درخت صبح و شام اس کے اگے سر بسجود ہیں اور اپنی شاخوں سے چمکتی ہوئی اگ (کے شعلے) بھڑکاتے ہیں اور اس کے حکم سے

(پھل پھول کر) پکے ہوئے میوؤں (کی ڈالیاں) پیش کرتے ہیں،

اسی خطبہ کا ایک جزیہ ہے۔ اللہ کی کتاب تمہارے سامنے اس طرح (کھل کر) بولنے والی ہے کہ اس کی زبان کہیں لڑکھڑاتی نہیں اور ایسا گھر ہے جس کے کھمبے سرنگوں نہیں ہوتے اور ایسی عزت ہے کہ اس کے معاون شکست نہیں کھاتے:۔ اسی خطبہ کے ذیل میں فرمایا۔ اللہ نے اپ کو اس وقت بھیجا جب کہ رسولوں کی بعثت کا سلسلہ رکا پڑا تھا اور لوگوں میں جتنے منہ تھے۔ اتنی باتیں تھیں۔ چنانچہ اپ کو سب رسولوں سے اخر میں بھیجا اور اپ کے ذریعہ سے وحی کا سلسلہ ختم کیا اپ نے اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جہاد کیا جو اس سے پیٹھ پھرائے ہوئے تھے اور دوسروں کو اس کا ہمسر ٹھہرا رہے تھے:۔ اسی خطبہ کا ایک جزیہ ہے۔ (دل کے) اندھے کا منتہائے نظر یہی دنیا ہوتی ہے کہ اسے اس کے سوا کچھ نظر نہیں اتا اور نظر رکھنے والے کی نگاہیں اس سے پار چلی جاتی ہیں اور وہ اس امر کا یقین رکھتا ہے کہ اس کے بعد بھی ایک گھر ہے نگاہ رکھنے والا اس سے نکلنا چاہتا ہے اور اندھا اسی پر نظریں جمائے رہتا ہے با بصیرت اس سے (آخرت کے لیے) زاد حاصل کرتا ہے اور بے بصیرت اسی کے سروسامان میں لگا رہتا ہے۔ اسی خطبہ کا ایک جزیہ ہے: تمہیں جاننا چاہئے کہ ہر شے سے ادمی کبھی کبھی سیر ہو جاتا ہے اور اکتا جاتا ہے سوا زندگی کے وہ کبھی مرنے میں راحت نہیں محسوس کرتا اور یہ اس حکمت کی طرح ہے کہ جو قلب مردہ کے لیے حیات، اندھی انکھوں کے لیے بینائی بہرے کانوں کے لیے شنوائی اور تشنہ کام کے لیے سیرابی ہے، اور اسی میں پورا پورا سامان کفایت و سروسامان حفاظت ہے۔ یہ اللہ کی کتاب ہے کہ جس کے ذریعہ تمہیں سجھائی دیتا ہے اور

تمہاری زبان میں گویائی اتی ہے اور (حق کی اواز) سنتے ہو۔ اس کے کچھ حصے کچھ حصوں کی وضاحت کرتے ہیں اور بعض بعض کی صداقت کی) گواہی دیتے ہیں یہ ذات الٰہی کے متعلق الگ الگ نظریئے نہیں پیش کرتا اور نہ اپنے ساتھی کو اس کی راہ سے ہٹا کر کسی اور راہ پر لگا دیتا ہے۔ (مگر) تم نے دلی کدورتوں اور گھورے پر اُگے ہوئے سبزہ کی خواہش پر ایکا کر لیا ہے۔ امیدوں کی چاہت پر تو تم میں صلح صفائی ہے اور مال کے کمانے پر ایک دوسرے سے دشمنی رکھتے ہو۔ تمہیں (شیطان) خبیث نے بھٹکا دیا ہے اور فریبوں نے تمہیں بہکا رکھا ہے میرے اور تمہارے نفسوں کے مقابل میں اللہ ہی مددگار ہے۔

خطبہ 132:

جب حضرت عمر ابن خطاب 1 نے غزوہ روم میں شرکت کے لیے حضرت علی علیہ السلام سے مشورہ مانگا تو فرمایا:

اللہ نے دین والوں کی حدوں کو تقویت پہنچانے اور ان کی غیر محفوظ جگہوں کو دشمن کی نظروں سے بچائے رکھنے کا ذمہ لے لیا ہے۔ وہی خدا (اب بھی) زندہ و غیر فانی ہے کہ جس نے اس وقت ان کی تائید و نصرت کی تھی جبکہ وہ اتنے تھوڑے تھے کہ دشمن سے انتقام نہیں لے سکتے تھے اور ان کی حفاظت کی جب وہ اتنے کم تھے کہ اپنے کو محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے۔ تم اگر خود ان دشمنوں کی طرف بڑھے اور ان سے ٹکرائے اور کسی افتاد میں پڑ گئے تو اس صورت میں مسلمانوں کے لیے دور کے چہروں کے پہلے کوئی ٹھکانا نہ رہے گا اور نہ تمہارے بعد کوئی ایسی پلٹنے کہ جگہ ہوگی کہ اس کی طرف پلٹ کر آسکیں۔ تم ان کی طرف اپنے بجائے کوئی تجربہ کار

آدمی بھیجو اور اس کے ساتھ اچھی کارکردگی والے اور خیر خواہی کرنے والے لوگوں کو بھیج دو۔ اگر اللہ نے غلبہ دے دیا تو تم یہی چاہتے ہو اگر دوسری صورت میں شکست ہوئی تو تم لوگوں کے لیے ایک مددگار اور مسلمانوں کے لیے پلٹنے کا مقام ہو گے۔

1۔ امیر المومنین کے متعلق یہ بہت عجیب روش اختیار کی جاتی ہے کہ ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ آپ امورِ سیاست سے بے خبر تھے جس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ بنی امیہ کی سازشوں کو آپ کی کمزور سیاست کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ اور دوسری طرف خلفائے وقت نے اہم معاملات اور کفار سے محاربات کے سلسلے میں آپ سے جو مشورے طلب کیے ہیں ان کو بڑی اہمیت دے کر اچھالا جاتا ہے جس سے مقصد یہ نہیں ہوتا کہ آپ کی اصابتِ رائے کو پیش کیا جائے بلکہ یہ ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے کہ آپ میں اور خلفاء میں اتحاد و یگانگت تھی تاکہ توجہ یہاں جانے نہ پائے کہ آپ میں اور خلفاء میں نظریاتی تصادم بھی تھا اور اختلافات بھی تھے۔ چنانچہ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ آپ کے ان سے اختلافات تھے اور آپ ان کے ہر قدم کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ جیسا کہ آپؑ نے خطبہِ شقشقیہ میں واضح طور پر ان اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے غم و غصہ کا اظہار کیا ہے۔ مگر ان اختلافات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلامی مفادات کے سلسلہ میں صحیح رہنمائی نہ کی جائے۔ اس لیے نظریات کے اختلاف کے باوجود آپ سے مشورے لیے جاتے تھے جس سے آپ کے کردار کی عظمت پر روشنی پڑتی ہے۔ اور جس طرح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کا نمایاں جوہر یہ ہے کہ کفارِ قریش

آپ کی دعوت کو جھٹلانے کے باوجود آپ کو بہترین امانت دار سمجھتے تھے اور کبھی یہ وہم نہیں کرتے تھے کہ ان کی امانتیں خرد برد ہو جائیں گی۔ یوں ہی حضرت علیؑ بھی کردار کی اس بلندی پر تھے کہ دوست اور دشمن، دونوں ہی آپ کی اصابتِ رائے پر یقین رکھتے تھے۔ تو جس طرح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرزِ عمل سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا تھا کہ ان میں اور کفار میں یگانگت تھی کیونکہ امانت اپنے مقام پر ہے اور کفر و اسلام کا ٹکراؤ اپنے مقام پر۔ اس طرح حضرت علیؑ خلفاء سے نظریاتی ٹکراؤ کے باوجود ان کی نظروں میں ملکی مفاد کے محافظ سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ جہاں نوعی مفاد کا سوال ہوتا تو آپ سے مشورہ طلب کیا جاتا اور آپ شخصی اغراض سے بلند ہو کر اپنی بے لاگ رائے کا اظہار فرما دیتے۔ چنانچہ حضرت عمر کو ان اختلافات کے باوجود مشورہ دیتے ہیں کہ کسی تجربہ کار شخص کو محاذ پر بھیجیں کیونکہ نا تجربہ کاری کی صورت میں اسلام کی بندھی ہوئی ہوا اکھڑ جاتی اور پیغمبر کے زمانے سے مسلمانوں کی جو دھاک بیٹھ چکی تھی وہ ختم ہو جاتی۔ اور حضرت عمر کو احتیاطی طور پر مشورہ دے رہے ہیں کہ ان کے خود جنگ میں نہ جانا ہی بہتر ہے کیونکہ شکست کی صورت میں وہ ہی مرکز سے کمک روانہ کر سکتے ہیں۔

یہ وہ مشورہ ہے جسے باہمی روابط پر دلیل بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ مشورہ صرف اسلام کی سربلندی اور سرفرازی کے پیشِ نظر تھا جو کہ آپ کو ہر مفاد سے زیادہ عزیز تھا، اور کسی خاص شخص کی جان عزیز نہ تھی کہ جس کی بنا پر اسے جانے سے روکا ہو۔

خطبہ 133:

جب مغیرہ ابن اخنس نے عثمان کی حمایت میں بولنا چاہا تو فرمایا

آپ میں اور عثمان ابن عفان میں کچھ بحث ہوئی تو مُغیرہ ابن اخنس نے عثمان سے کہا میں تمہاری طرف سے نبٹے لیتا ہوں، جس پر اپ نے مغیرہ سے کہا:۔اے 1 بے اولا دلعین کے بیٹے اور ایسے درخت کے پھل جس کی نہ کوئی جڑ ہے نہ شاخ تو بھلا مجھ سے کیا نپٹے گا۔خدا کی قسم جس کا تجھ ایسا مددگار ہو، اللہ اسے غلبہ وسرفرازی نہیں دیتا اور جس کا تجھ ایسا ابھارنے والا ہو(وہ اپنے پیروں پر) کھڑا نہیں ہوسکتا۔ہم سے دور ہو خدا تیری منزل کو دور ہی رکھے اور اس کے بعد جو بن پڑے کرنا اور اگر کچھ بھی مجھ پر ترس کھائے تو خدا تجھ پر رحم نہ کرے۔

1 .مغیرہ ابن اخنس عثمان کے ہواخواہوں میں سے تھا۔اس کا بھائی ابوالحکم ابن اخنس احد میں امیرالمومنین کے ہاتھ سے مارا گیا تھا جس کی وجہ سے یہ حضرت کی طرف سے دل میں کینہ و عناد رکھتا تھا۔اس کا باپ ان لوگوں میں سے تھا جو فتح مکہ کے موقع پر بظاہر ایمان لے ائے۔مگر دلوں میں کفر ونفاق لیے ہوئے تھے۔اس لیے اسے لعین فرمایا ہے اور ابتر اس لیے کہا ہے کہ جس کی مغیرہ ایسی اولاد ہو وہ بے اولاد ہی سمجھے جانے کے لائق ہے۔

خطبہ 134:

اپنی نیت کے اخلاص اور مظلوم کی حمایت کے سلسلے میں فرمایا

تم نے میری بیعت اچانک اور بے سوچے سمجھے نہیں کی تھی اور نہ میرا اور تمہارا معاملہ یکساں

ہے میں تمہیں اللہ کے لیے چاہتا ہوں اور تم مجھے اپنے شخصی فوائد کے لیے چاہتے ہو۔ اے لوگو! اپنی نفسانی خواہشوں کے مقابلہ میں میری اعانت کرو۔ خدا کی قسم میں مظلوم کا اس کے ظالم سے بدلہ لوں گا اور ظالم کی ناک میں نکیل ڈال کر اسے سرچشمہ حق تک کھینچ کر لے جاؤں گا۔ اگرچہ اسے یہ ناگوار کیوں نہ گزرے۔

خطبہ 135:

طلحہ و زبیر اور خونِ عثمان کے قصاص اور اپنی بیعت کے سلسلے میں فرمایا

طلحہ و زبیر کے متعلق ارشاد فرمایا: ۔خدا کی قسم! انہوں نے مجھ پر کوئی سچا الزام نہیں لگایا اور نہ انہوں نے میرے اور اپنے درمیان انصاف برتا وہ مجھ سے اس حق کا مطالبہ کرتے ہیں جسے خود ہی انہوں نے چھوڑ دیا اور اس خون کا عوض چاہتے ہیں۔ جسے انہوں نے خود بہایا ہے۔ اب اگر اس میں میں ان کا شریک تھا تو پھر اس میں ان کا بھی تو حصہ نکلتا ہے اور اگر وہی اس کے مرتکب ہوئے ہیں میں نہیں تو پھر اس کا مطالبہ صرف انہی سے ہونا چاہئے اور ان کے عدل وانصاف کا پہلا قدم یہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنے خلاف حکم لگائیں اور میرے ساتھ میری بصریت کی جلوہ گری ہے، نہ میں نے خود (جان بوجھ کر) کبھی اپنے کو دھوکا دیا اور نہ مجھے واقعی کبھی دھوکا ہوا اور بلاشبہ یہی وہ باغی گروہ ہے جس میں ایک ہمارا سگا (زبیر) اور ایک بچھو کا ڈنگ (حمیرا) ہے اور حق پر سیاہ پردے ڈالنے والے شبہے ہیں (اب تو) حقیقت حال کھل کر سامنے آچکی ہے اور باطل اپنی بنیادوں سے ہل چکا ہے اور شر انگیزی سے اس کی

زبان بندی ہو چکی ہے خدا کی قسم! میں ان کے لیے ایک ایسا حوض چھلکاؤں گا جس کا پانی نکالنے والا میں ہوں کہ جس سے سیراب ہو کر پلٹنا ان کے امکان میں ہوگا اور نہ اس کے بعد کوئی گڑھا کھود کر پانی پی سکیں گے:۔اسی خطبہ کا ایک جز یہ ہے: تم اس طرح (شوق و رغبت سے) بیعت بیعت پکارتے ہوئے میری طرف بڑھے جس طرح ن؁ بیاہی ہوئی بچوں والی اونٹنیاں اپنے بچوں کی طرف۔ میں نے اپنے ہاتھوں کو اپنی طرف سمیٹا تو تم نے انہیں اپنی جانب پھیلا دیا۔ میں نے اپنے ہاتھوں کو تم سے چھیننا چاہا۔ مگر تم نے انہیں کھینچا۔ خدایا ان دونوں نے میرے حق کو نظر انداز کیا ہے اور مجھ پر ظلم ڈھایا ہے اور میری بیعت کو توڑ دیا ہے۔ اور میرے خلاف لوگوں کو اکسایا ہے، لہذا تو جو انہوں نے گرہیں لگائی ہیں انہیں کھول دے اور جو انہوں نے بٹا ہے اسے مضبوط نہ ہونے دے اور اور انہیں ان کی امیدوں اور کرتوتوں کا بُرا نتیجہ دکھا۔ میں نے جنگ کے چھڑنے سے پہلے انہیں باز رکھنا چاہا اور لڑائی سے قبل انہیں ڈھیل دیتا رہا۔ لیکن انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور عافیت کو ٹھکرا دیا۔

خطبہ 136:

ظہورِ حضرت قائم کے وقت اس دنیا کی حالت اور کوفہ میں ہونے والے فتنے کی پیش گوئی

اس میں انے والے فتنوں اور ہنگاموں کی طرف اشارہ کیا ہے»۔ وہ خواہشوں کو ہدایت کی طرف موڑے گا جبکہ لوگوں نے ہدایت کو خواہشوں کی طرف موڑ دیا ہوگا اور ان کی رایوں کو قران کی طرف پھیرے گا جب کہ انہوں نے قران کو (توڑ مروڑ کر) قیاس و رائے کے

ڈھرے پر لگا لیا ہو گا۔

اس خطبه کا ایک جزیه هے 1۔

(اس داعی حق سے پہلے) یہاں تک نوبت پہنچے گی کہ جنگ اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے گی۔ دانت نکالے ہوئے اور تھن بھرے ہوئے جن کا دودھ شیریں و خوش گوار معلوم ہوگا۔ لیکن اس کا انجام تلخ و ناگوار ہوگا۔ ہاں کل اور یہ کل بہت نزدیک ہے کہ ایسی چیزوں کو لے کر اجائے جنہیں ابھی تک تم نہیں پہچانتے حاکم و والی جو اس جماعت میں سے نہیں ہو گا۔ تمام حکمرانوں سے ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے مواخذہ کرے گا اور زمین اس کے سامنے اپنے خزانے انڈیل دے گی اور اپنی کنجیاں بسہولت اس کے اگے ڈال دے گی، چنانچہ وہ تمہیں دکھائے گا کہ حق وعدالت کی روش کیا ہوتی ہے اور وہ دم توڑ چکنے والی کتاب وسنت کو پھر سے زندہ کر دے گا۔

اسی خطبه کا ایک جزیه هے:

گویا یہ منظر میں اپنی انکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ2 (داعی باطل) شام میں کھڑا ہوا للکار رہا ہے اور کوفہ کے اطراف میں اپنے جھنڈے لہرا رہا ہے اور کاٹ کھانے والی اونٹنی کی طرح اس پر (حملہ کرنے کے لیے) جھکا ہوا ہے اور اس نے زمین پر سروں کا فرش بچھا دیا ہے اس کا منہ (پھاڑ کھانے کے لیے) کھل چکا ہے اور زمین میں اس کی پامالیاں بہت سخت ہو چکی ہیں وہ دور دور تک بڑھ جانے والا اور بڑے شدومد سے حملہ کرنے والا ہے۔ بخدا وہ تمہیں اطراف

زمین میں بکھیر دے گا۔ یہاں تک کہ تم میں سے کچھ تھوڑے ہی بچیں گے جیسے انکھ میں سُرمہ تم اسی سراسیمگی کے عالم میں رہو گے۔ یہاں تک کہ عربوں کی عقلیں پھر اپنے ٹھکانے پر اجائیں تم مضبوط طریقوں، روشن نشانیوں اور اسی قریب کے عہد پر جمے رہو کہ جس میں نبوت کے پائیدار اثار ہیں اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ شیطان اپنے قدم بقدم چلانے کے لیے راہیں اسان کرتا رہتا ہے۔

1. امیر المومنین کی یہ پشین گوئی حضرت حجت کے ظہور کے سلسلہ میں ہے۔

2. یہ عبدالملک ابن مروان کی طرف اشارہ ہے کہ جو مروان کے بعد شام میں برسر اقتدار ایا اور پھر مصعب کے مقابلہ میں مختار ابن ابی عبیدہ کے مارے جانے پر یہ اپنے پرچم لہراتا ہوا عراق کی طرف بڑھا اور اطراف کوفہ میں دیر جاثلیق کے نزدیک مقام مسکن پر مصعب کی فوجوں سے نبرد ازما ہوا۔ اور اسے شکست دینے کے بعد فتحمندانہ کوفہ میں داخل ہوا، اور وہاں کے باشندوں سے بیعت لی اور پھر حجاج ابن یوسف ثقفی کو عبداللہ ابن زبیر سے لڑنے کے لیے مکہ روانہ کیا چنانچہ اس نے مکہ کا محاصرہ کر کے خانہ کعبہ پر سنگ باری کی اور ہزاروں بے گناہوں کا خون پانی کی طرف بہایا۔ ابن زبیر کو قتل کر کے اس کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا اور خلق خدا پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے کہ جن سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

خطبہ 137:

شوریٰ کے موقع پر فرمایا

شوریٰ کے موقع پر فرمایا:۔ مجھ سے پہلے تبلیغ حق صلہ رحم اور جود و کرم کی طرف کسی نے بھی تیزی سے قدم نہیں بڑھایا، لہذا تم میرے قول کو سنو اور میری باتوں کو یاد رکھو کہ تم جلدی ہی دیکھ لو گے کہ اس دن کے بعد سے خلافت کے لیے تلواریں سونت لی جائیں اور عہد و پیمان توڑ کر رکھ دیئے جائیں گے یہاں تک کہ کچھ لوگ گمراہ لوگوں کے پیشوا بن کے کھڑے ہوں گے اور کچھ جاہلوں کے پیروکار ہو جائیں گے۔

خطبہ 138:

غیبت اور عیب 1 جوئی سے ممانعت کے سلسلے میں فرمایا

اس میں لوگوں کو دوسروں کے عیب بیان کرنے سے روکا ہے۔ جن لوگوں کا دامن خطاؤں سے پاک صاف ہے اور بفضل الٰہی گناہوں سے محفوظ ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ گناہگاروں اور خطا کاروں پر رحم کریں اور اس چیز کا شکر ہی (کہ الہہ نے انہیں گناہوں سے بچائے رکھا ہے) ان پر غالب اور دوسروں کے عیب اچھالنے) سے مانع رہے چہ جائیکہ وہ عیب لگانے والا اپنے کسی بھائی کی پیٹھ پیچھے برائی کرے اور اس کے عیب بیان کر کے طعن و تشنیع کرے یہ اخر خدا کی اس پردہ پوشی کو کیوں نہیں یاد کرتا جو اس نے خود اس کے ایسے گناہوں پر کی ہے جو اس گناہ سے بھی جس کی وہ غیبت کر رہا ہے بڑے تھے اور کیونکر کسی ایسے گناہ کی بنا پر اس

کی بُرائی کرتا ہے جب کہ خود بھی ویسے ہی گناہ کا مرتکب ہو چکا ہے اور اگر بعینہٗ ویسا گناہ نہیں بھی کیا تو ایسے گناہ کئے ہیں کہ جو اس سے بھی بڑھ چڑھ کر تھے۔ خدا کی قسم! اگر اس نے گناہ کبیرہ نہیں بھی کیا تھا اور صرف صغیرہ کا مرتکب ہوا تھا۔ تب بھی اس کا لوگوں کے عیوب بیان کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ اے خدا کے بندے جھٹ سے کسی پر گناہ کا عیب نہ لگا، شاید اللہ نے وہ بخش دیا ہو، اور اپنے کسی چھوٹے (سے چھوٹے) گناہ کے لیے بھی اطمینان نہ کرنا شاید کہ اس پر تجھے عذاب ہو۔ لہذا تم میں سے جو شخص بھی کسی دوسرے کے عیوب جانتا ہو۔ اسے ان کے اظہار سے باز رہنا چاہئے اس علم کی وجہ سے جو خود اسے اپنے گناہوں کے متعلق ہے اور اس امر کا شکر کہ اللہ نے اسے ان چیزوں سے محفوظ رکھا ہے کہ جن میں دوسرے مبتلا ہیں کسی اور طرف اسے متوجہ نہ ہونے دے:۔

1۔ عیب جوئی و خوردہ گیری کا مشغلہ اتنا عام اور ہمہ گیر ہو چکا ہے کہ اس کی برائی کا احساس تک جاتا رہا ہے اور اب تو نہ خواص کی زبانیں بند ہیں نہ عوام کی۔ نہ منبر کی رفعت اس سے مانع ہے نہ محراب کی تقدیس۔ بلکہ جہاں چند ہم خیال جمع ہوں گے۔ موضوع سخن اور دلچسپ مشغلہ یہی ہوگا۔ کہ اپنے فریق مخالف کے عیوب رنگ امیزیوں سے بیان کئے جائیں اور کان دھر کر ذوق سماعت کا مظاہرہ کیا جائے۔ حالانکہ غیبت کرنے والے کا دامن ان الودگیوں سے خود الودہ ہوتا ہے جن کا اظہار وہ دوسروں کے لیے کرتا ہے مگر وہ اپنے لیے یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کے عیوب اشکارا ہوں تو پھر اسے دوسروں کے جذبات کا بھی پاس

لحاظ کرتے ہوئے۔ان کی عیب گیری ودل ازاری سے احتراز کرنا چاہئے اورانچہ برائے خود نمی پسندی برائے دیگر الم پسند پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔غیبت کی تعریف یہ ہے کہ اپنے کسی برادر مومن کے عیب کو بغرض تنقیص اس طرح بے نقاب کرنا کہ اس کے لیے دل ازاری کا باعث ہو چاہے یہ اظہار زبان سے ہو یا محاکات سے اشارہ سے ہو یا کنایہ وتعریض سے بعض لوگ غیبت بس اسی کو سمجھتے ہیں جو غلط اور خلاف واقع ہو۔اور جو دیکھا اور سنا ہوا سے جوں کا توں بیان کر دینا ان کے نزدیک غیبت نہیں ہوتی اور وہ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم غیبت نہیں کرتے بلکہ جو دیکھا یا سنا ہے اسے صحیح صحیح بیان کر دیا ہے حالانکہ غیبت اسی سچ کہنے کا نام ہے اور اگر جھوٹ ہوتو وہ افترا ※ وبہتان ہے۔چنانچہ پیغمبر سے مروی ہے کہ:۔اپ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ غیبت کیا ہے لوگوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔اپ نے فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ تم اپنے کسی بھائی کے متعلق کوئی ایسی بات کہو جو اس کے لیے ناگواری کا باعث ہو۔کہنے والے نے کہا کہ اگر میں وہی بات کہوں جو واقعاً اس میں پائی جاتی ہو؟ اپ نے فرمایا کہ اگر ہو جب ہی تو وہ غیبت ہے اور اگر نہ ہوتو تم نے اس پر افترا باندھا ہے۔غیبت میں مبتلا ہونے کے بہت سے وجوہ واسباب ہیں جن کی وجہ سے انسان کہیں دانستہ اور کہیں نادانستہ اس کا مرتکب ہوتا ہے۔امام غزالی نے احیاء العلوم میں ان وجوہ واسباب کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ان میں چند نمایاں اسباب یہ ہیں:۔

1)کسی کی ہنسی اڑانے اور اسے پست وسبک دکھانے کے لیے۔

2)لوگوں کو ہنسانے اور اپنی زندہ دلی وخوش طبعی کا مظاہرہ کرنے کے لیے۔

3)غیظ وغضب کے تقاضوں سے متاثر ہوکر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے۔
4)کسی کی تنقیص سے اپنا تفوق جتلانے کے لیے۔
5)اپنی بے تعلقی اور برائت ظاہر کرنے کے لیے کہ یہ بات مجھ سے سرزد نہیں ہوئی بلکہ فلاں سے سرزد ہوئی ہے۔
6)کسی بزم میں بیٹھ کر ہم رنگ جماعت ہونے کے لیے تا کہ اس سے اجنبیت نہ برتی جائے۔
7)کسی ایسے شخص کی بات کو بے وقعت بنانے کے لیے کہ جس کے متعلق یہ اندیشہ ہو کہ وہ اس کے کسی عیب کو بے نقاب کر دے گا۔
8)اپنے کسی ہم پیشہ رقیب کی سرد بازاری کے لیے۔
9)کسی رئیس کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کے لیے۔
10)اظہار رنج وتاسف کے لیے یہ کہنا کہ مجھے افسوس ہے کہ فلاں شریف زادہ فلاں بُری بات میں مبتلا ہو گیا ہے۔
11)اظہار تعجب کے لیے مثلاً اس طرح کہنا کہ مجھے حیرت ہے کہ فلاں شخص اور یہ کام کرے۔
12)کسی امر قبیح پر غم وغصہ کا اظہار کرنے کے لیے اس کے مرتکب کا نام لے دینا۔ البتہ چند صورتوں میں عیب گیری ونکتہ چینی غیبت میں شمار نہیں ہوتی:۔

1. مظلوم اگر دادرسی کے لیے ظالم کا گلہ کرے تو غیبت نہیں ہے۔جیسا کہ خداوندِ عالم کا ارشاد ہے۔

اللہ برائی کے اچھالنے کو پسند نہیں کرتا مگر وہ کہ جس پر ظلم کیا گیا ہو۔

2. مشورہ دینے کے موقعہ پر کسی کا کوئی عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔کیونکہ مشورہ میں غل و غش جائز نہیں ہے۔

3. اگر استفتا؁ کے سلسلہ میں کسی خاص شخص کو متعین کیے بغیر مسئلہ حل نہ ہوتا ہو تو علی قدر الضرورۃ اس کا عیب بیان کر دینا غیبت نہ ہوگا۔

4. کسی مسلمان کو ضرر سے بچانے کے لیے کسی خائن و بد دیانت کی بد یانتی سے اگاہ کر دینا غیبت نہ ہوگا

5. کسی ایسے شخص کے سامنے کسی کی برائی کرنا کہ جو اسے برائی سے روک سکتا ہو غیبت نہیں ہے

6. روایت کے سلسلہ میں رواۃ پر نقد و تبصرہ غیبت میں داخل نہیں ہے

7. اگر کوئی شخص اپنے کسی عیب ہی سے متعارف ہو تو اسے پہنچوانے کے لیے اس کا ذکر کرنا غیبت نہ ہوگا جیسے بہرا گونگا، گنجا، لنگڑا وغیرہ

8. بغرض علاج طبیب کے سامنے مریض کے کسے عیب کو بیان کرنا غیبت نہیں ہے

9. اگر کوئی غلط نسب کا مدعی ہو تو اس کے نسب کی تردید کرنا غیبت نہ ہوگا۔

10. اگر کسی کی جان و مال یا عزت کا بچاؤ اسی صورت میں ہو سکتا ہو کہ اسے کسی عیب سے

روشناس کیا جائے تو یہ بھی غیبت نہیں ہے

11۔اگر دو شخص اپس میں کسی کی ایسی برائی کا ذکر کریں کہ جو انہیں پہلے سے معلوم ہو تو یہ اگر چہ غیبت نہیں ہے تاہم زبان کو بچانا ہی بہتر ہے ممکن ہے کہ ان میں سے ایک بھول چکا ہو۔

12۔جو اعلانیہ فسق و فجور کرتا ہو، اس کی برائی کرنا غیبت نہیں جیسا کہ روایت میں وراد ہوا ہے۔من القی جلباب الحیا فلا غیبتہ لہ۔جو حیاء کی چادر اتار ڈالے اس کی غیبت۔غیبت نہیں۔

خطبہ 139:

سنی سنائی باتوں کو سچا نہیں سمجھنا چاھئے

اے لوگو! اگر تمہیں اپنے کسی بھائی کی دینداری کی پختگی اور طور طریقوں کی درستگی کا علم ہو تو پھر اس کے بارے میں افواہی باتوں پر کان نہ دھرو۔دیکھو! کبھی تیر چلانے والا تیر چلاتا ہے اور اتفاق سے تیرِ خطا کر جاتا ہے اور بات ذرا میں ادھر سے ادھر ہو جاتی ہے اور جو غلط بات ہوگی۔وہ خود ہی نیست و نابود ہو جائے گی۔اللہ ہر چیز کا سننے والا اور ہر شے کی خبر رکھنے والا ہے۔معلوم ہونا چاہئے کہ سچ اور جھوٹ میں صرف چار انگلیوں کا فاصلہ ہے۔جب اپ سے اس کا مطلب پوچھا گیا تو اپ نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کر کے اپنے کان اور انکھ کے درمیان رکھا اور فرمایا جھوٹ وہ ہے جسے تم کہو کہ میں نے سنا اور سچ وہ ہے جسے تم کہو کہ میں نے دیکھا۔

خطبہ 140:

بے محل داد و دہش سے ممانعت اور مال کا صحیح مصرف

جو شخص غیر مستحق کے ساتھ حسن سلوک برتتا ہے۔ نا اہلوں کے ساتھ احسان کرتا ہے، اس کے پلے یہی پڑتا ہے کہ کمینے اور شریر اس کی مدح وثنا کرنے لگتے ہیں اور جب تک وہ دیتا دلاتا رہے جاہل کہتے رہتے ہیں کہ اس کا ہاتھ کتنا سخی ہے۔ حالانکہ اللہ کے معاملہ میں وہ بخل کرتا ہے چاہیئے یہ کہ اللہ نے جسے مال دیا ہے وہ اس سے عزیزوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ خوش اسلوبی سے مہمان نوازی کرے۔ قیدیوں اور خستہ حال اسیروں کو آزاد کرائے محتاجوں اور قرضداروں کو دے اور ثواب کی خواہش میں حقوق کی ادائیگی اور مختلف زحمتوں کو اپنے نفس پر برداشت کرے اس لیے کہ ان خصائل و عادات سے اراستہ ہونا دنیا کی بزرگیوں سے شرفیاب ہونا اور اخرت کی فضیلتوں کو پالینا ہے، انشاءاللہ

خطبہ 141:

طلب باراں کے سلسلہ میں:۔

دیکھو یہ زمین جو تمہیں اٹھائے ہوئے ہے اور یہ اسمان جو تم پر سایہ گستہ ہے، دونوں تمہارے پروردگار کے زیر فرمان ہیں۔ یہ اپنی برکتوں سے اس لیے تمہیں مالا مال نہیں کرتے کہ ان کا دل تم پر کڑھتا ہے یا تمہارا تقرب چاہتے ہیں یا کسی بھلائی کے تم سے امیدوار ہیں۔ بلکہ یہ تو تمہاری منفعت رسانی پر مامور ہیں جسے بجا لاتے ہیں اور تمہاری مصلحتوں کی حدوں پر انہیں

ٹھہرایا گیا ہے چنانچہ یہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔

(البتہ) اللہ سبحانہ، بندوں کو ان کی بداعمالیوں کے وقت پھلوں کے کم کرنے، برکتوں کے روک لینے اور انعامات کے خزانوں کو بند کر دینے سے آزماتا ہے تاکہ توبہ کرنے والا توبہ کرے (انکار و سرکشی سے) باز آنے والا باز آجا۔ نصیحت و عبرت حاصل کرنے والا نصیحت و بصیرت حاصل کرے اور گناہوں سے رکنے والا رک جائے۔ اللہ سبحانہ، نے توبہ و استغفار کو روزی کے اترنے کا سبب اور خلق پر رحم کھانے کا ذریعہ قرار دیا۔ چنانچہ اس کا ارشاد ہے کہ اپنے پروردگار سے توبہ و استغفار کرو۔ بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہی تم پر موسلا دھار مینہ برساتا ہے اور مال و اولاد سے تمہیں سہارا دیتا ہے۔ خدا اس شخص پر رحم کرے جو توبہ کی طرف متوجہ ہو اور گناہوں سے ہاتھ اٹھائے اور موت سے پہلے نیک اعمال کرے

بارالٰہا! تیری رحمت کی خواہش کرتے ہوئے اور نعمتوں کی فراوانی چاہتے ہوئے اور تیرے عذاب و غضب سے ڈرتے ہوئے ہم پردوں اور گھروں کے گوشوں سے تیری طرف نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ اس وقت جب کہ چوپائے چیخ رہے ہیں اور بچے چلا رہے ہیں۔ خدایا ہمیں بارش سے سیراب کر دے اور ہمیں مایوس نہ کر اور خشک سالی سے ہمیں ہلاک نہ ہونے دے اور ہم میں سے کچھ بے وقوفوں کے کرتوت پر ہمیں اپنی گرفت میں نہ لے، اے رحم کرنے والوں میں بہت رحم کرنے والے، خدایا! جب ہمیں سخت تنگیوں نے مضطرب و بے چین کر دیا اور قحط سالیوں نے بے بس بنا دیا اور شدید حاجتمندیوں نے لاچار بنا ڈالا اور منہ زور فتنوں کا ہم پر تانتا بندھ گیا تو ہم تیری طرف نکل پڑے ہیں گلہ لے کر اس کا جو تجھ سے

پوشیدہ نہیں۔ اے اللہ! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ہمیں محروم نہ پلٹا اور نہ اس طرح کہ ہم اپنے نفسوں پر پیچ و تاب کھا رہے ہوں اور ہمارے گناہوں کی بناء پر ہم سے (عتاب امیز) خطاب نہ کر اور ہمارے کئے کے مطابق ہم سے سلوک نہ کر۔ خداوند! تو ہم پر باران و برکت اور رزق و رحمت کا دامن پھیلا دے اور ایسی سیرابی سے ہمیں نہال کر دے جو فائدہ بخشنے والی اور سیراب کرنے والی اور گھاس پات اگانے والی ہو کہ جس سے تو گئی گذری ہوئی (کھیتیوں میں پھر سے) روئیدگی لے ائے اور مردہ زمینوں میں حیات کی لہریں دوڑا دے۔ وہ ایسی سیرابی ہو کہ جس کی تر و تازگی (سرتاسر) فائدہ مند اور چنے ہوئے پھلوں کے انبار لیے ہو جس سے تو ہموار زمینوں کو جل تھل بنا دے اور ندی نالے بہا دے اور درختوں کو برگ و بار سے سرسبز کر دے اور نرخوں کو سستا کر دے بلاشبہ تو جو چاہے اس پر قادر ہے۔

خطبہ 142:

اهل بیت راسخون فی العلم هیں اور وهی امامت و خلافت کے اهل هیں

اللہ سبحانہ نے اپنے رسولوں کو وحی کے امتیازات کے ساتھ بھیجا اور انہیں مخلوق پر اپنی حجت ٹھہرایا تاکہ وہ یہ عذر نہ کرسکیں کہ ان پر حجت تمام نہیں ہوئی۔ چنانچہ اللہ نے انہیں سچی زبانوں سے راہ حق کی دعوت دی

(یوں تو) اللہ مخلوقات کو اچھی طرح جانتا بوجھتا ہے اور لوگوں کے ان رازوں اور بھیدوں سے کہ جنہیں وہ چھپا کر رکھتے ہیں بے خبر نہیں (پھر یہ حکم و احکام اس لیے دیئے ہیں) کہ وہ ان

لوگوں کو آزما کر ظاہر کر دے کہ ان میں اعمال کے اعتبار سے کون اچھا ہے تاکہ ثواب ان کی جزا اور عتاب ان کی (بداعمالیوں) کی پاداش ہو کہاں ہیں وہ لوگ کہ جو جھوٹ بولتے ہوئے اور ہم پر ستم روا رکھتے ہوئے یہ ادعا کرتے ہیں کہ وہ راسخون فی العلم ہیں نہ ہم۔ چونکہ اللہ نے ہم کو بلند کیا ہے اور انہیں گرایا ہے اور ہمیں منصبِ امامت دیا ہے اور انہیں محروم رکھا ہے۔ ہم ہی سے ہدایت کی طلب اور گمراہی کی تاریکیوں کو چھانٹنے کی خواہش کی جا سکتی ہے بلاشبہ امام قریش میں سے ہوں گے جو اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنی ہاشم کی کشت زار سے ابھریں گے۔ نہ امامت کسی اور کو زیب دیتی ہے اور نہ ان کے علاوہ کوئی اس کا اہل ہو سکتا ہے۔ اسی خطبہ کا ایک جزیہ ہے۔ ان لوگوں نے دنیا کو اختیار کر لیا ہے اور عقبیٰ کو پیچھے ڈال دیا ہے۔ صاف پانی چھوڑ دیا ہے اور گندا پانی پینے لگے ہیں گویا میں ان کے فاسق کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ برائیوں میں رہا اتنا کہ انہی برائیوں سے اسے محبت ہو گئی اور ان سے مانوس ہوا اور ان سے اتفاق کرتا رہا۔ یہاں تک کہ (انہی برائیوں میں) اس کے سر کے بال سفید ہو گئے اور اسی رنگ میں اس کی طبیعت رنگ گئی پھر یہ کہ وہ (منہ سے) کف دیتا ہوا متلاطم دریا کی طرح آگے بڑھا بغیر اس کا کچھ خیال کئے کہ کس کو ڈبو رہا ہے اور بھوسے میں لگی ہوئی آگ کی طرح پھیلا بغیر اس کی پروا کئے ہو کہ کونسی چیزیں بلا رہا ہے۔ کہاں ہیں ہدایت کے چراغوں سے روشن ہونے والی عقلیں اور کہاں ہیں تقویٰ کے روشن مینار کی طرف دیکھنے والی آنکھیں اور کہاں ہیں اللہ کے ہو جانے والے قلوب اور اس کی اطاعت پر جم جانے والے دل وہ تو مال دنیا پر ٹوٹ پڑے ہیں اور (مال) حرام پر جھگڑ رہے ہیں۔ ان کے سامنے جنت اور

دوزخ کے جھنڈے بلند ہیں، لیکن انہوں نے جنت سے اپنے منہ موڑ لیے ہیں اور اپنے اعملا کی وجہ سے دوزخ کی طرف بڑھ نکلے ہیں۔ اللہ نے ان لوگوں کو بلایا تو یہ بھڑک اٹھے اور پیٹھ پھرا کر چل دیئے اور شیطان نے ان کو دعوت دی تو لبیک کہتے ہوئے اس کی طرف لپک پڑے۔

اس سے عبدالملک ابن مروان مراد ہے کہ جس نے اپنے عامل حجاج ابن یوسف کے ذریعہ ظلم وسفاکی کی انتہا کردی تھی۔

خطبہ 143:

دنیا کی اہلِ دنیا سے روش اور بدعت و سنت کا بیان

اے لوگو! تم اس دنیا میں موت کی تیراندازیوں کا ہدف ہو (جہاں) ہر گھونٹ کے ساتھ اچھو ہے اور ہر لقمہ میں گلوگیر پھندا ہے۔ جہاں تم ایک نعمت اس وقت تک نہیں پاتے جب تک دوسری نعمت جدا نہ ہوجائے۔ اور تم میں سے کوئی زندگی پانے والا ایک دن کی زندگی میں قدم نہیں رکھتا جب تک اس کی مدتِ حیات میں سے ایک دن کم نہیں ہوجاتا اور اس کے کھانے میں کسی اور رزق کا اضافہ نہیں ہوتا جب تک پہلا رزق ختم نہ ہوجائے اور جب تک ایک نقش مٹ نہ جائے دوسرا نقش ابھرتا نہیں اور جب تک کوئی نئی چیز کہنہ و فرسودہ نہ ہوجائے دوسری نئی چیز حاصل نہیں ہوتی اور جب تک کٹی ہوئی فصل گر نہ جائے نئی فصل کھڑی نہیں ہوتی اباؤ اجداد گزر گئے اور ہم انہی کی شاخیں ہیں جب جڑ ہی نہ رہی تو شاخیں کہاں رہ سکتی ہیں۔

اسی خطبه کا ایک جز یه هے۔

کوئی بدعت وجود میں نہیں اتی۔مگر یہ کہ اس کی وجہ سے سنت کو چھوڑنا پڑتا ہے۔بدعتی لوگوں سے بچو روشن طریقہ پر جمے رہو۔پرانی باتیں ہی اچھی ہیں اور (دین میں) پیدا کی ہوئی نئ چیزین بدترین ہیں۔

خطبہ 144:

جب حضرت عمر نے غزوہ فارس میں حصہ لینے کے لئے مشورہ لیا تو اس موقع پر فرمایا

missing

خطبہ 145:

بعثتِ رسول کی غرض و غایت اور اُس زمانے کی حالت جب لوگ قران و سنت سے منحرف هو جائیں گے اور یه که حق کی پهچان اُسی وقت هو سکتی هے جب اس کی ضد کو پهچان لیا جائے

اللہ سبحانہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کے بندوں کو محکم و واضح قرآن کے ذریعہ سے بتوں کی پرستش کی طرف اور شیطان کی اطاعت سے اللہ کی اطاعت کی طرف نکال لے جائیں تا کہ بندے اپنے پروردگار سے جاہل و بے خبر رہنے کے بعد

اسے جان لیں ہٹ دھرمی اور انکار کے بعد اس کے وجود کا یقین اور اقرار کریں۔ اللہ ان کے سامنے بغیر اس کے کہ اسے دیکھا ہو قدرت کی (ان نشانیوں) کی وجہ سے جلوہ طراز ہے کہ جو اس نے اپنی کتاب میں دکھائی ہیں اور اپنی سطوت وشوکت کی (قہرمانیوں سے) نمایاں ہے کہ جن سے ڈرایا ہے اور دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جنہیں اسے مٹانا تھا۔ انہیں کس طرح اس نے اپنی عقوبتوں سے مٹا دیا اور جنہیں تہس نہس کرنا تھا انہیں کیونکر اپنے عذابوں سے تہس نہس کر دیا۔ میرے بعد تم پر ایک ایسا دور آنے والا ہے جس میں حق بہت پوشیدہ اور باطل بہت نمایاں ہوگا اور اللہ و رسول پر افترا پردازی کا زور ہوگا۔ اس زمانہ والوں کے نزدیک قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہ ہوگی جبکہ اسے اس طرح پیش کیا جائے جیسے پیش کرنے کا حق ہے اور اس قرآن سے زیادہ ان میں کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں ہوگی۔ اس وقت جبکہ اس کی آیتوں کا بے محل استعمال کیا جائے اور نہ (ان کے) شہروں میں نیکی سے زیادہ کوئی برائی اور برائی سے زیادہ کوئی نیکی ہوگی۔ چنانچہ قرآن کا بار اٹھانے والے اسے پھینک کر الگ کریں گے اور حفظ کرنے والے اس کی (تعلیم) بھلا بیٹھیں گے اور قرآن اور قرآن والے (اہلبیت) بے گھر اور بے در ہوں گے اور ایک ہی راہ میں ایک دوسرے کے ساتھی ہوں گے انہیں کوئی پناہ دینے والا نہ ہوگا۔ وہ (بظاہر) لوگوں میں ہوں گے مگر ان سے الگ تھلگ۔ ان کے ساتھ ہوں گے مگر بے تعلق۔ اس لیے کہ گمراہی ہدایت سے سازگار نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ یک جا ہوں۔ لوگوں نے تفرقہ پردازی پر تو اتفاق کر لیا ہے اور جماعت سے کٹ گئے ہیں۔ گویا کہ وہ کتاب کے پیشوا ہیں کتاب ان کی پیشوا نہیں۔ ان کے پاس تو

صرف قران کا نام رہ گیا ہے اور صرف اس کے خطوط ونقوش کو پہچان سکتے ہیں۔ اس آنے والے دور سے پہلے وہ نیک بندوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچا چکے ہوں گے اور اللہ کے متعلق ان کی سچی باتوں کا نام بھی بہتان رکھ دیا ہوگا اور نیکیوں کے بدلہ میں انہیں بری سزائیں دی ہوں گی۔» تم سے پہلے لوگوں کی تباہی کا سبب یہ ہے کہ وہ امیدوں کے دامن پھیلاتے رہے اور موت کو نظروں سے اوجھل سمجھا کیے۔ یہاں تک کہ جب وعدہ کی ہوئی (موت) آگئی تو ان کی معذرت کو ٹھکرا دیا گیا اور توبہ اٹھالی گئی اور مصیبت و بلا ان پر ٹوٹ پڑی۔ اے لوگو! جو اللہ سے نصیحت چاہے اسے ہی توفیق نصیب ہوتی ہے اور جو اس کے ارشادات کو رہنما بنائے وہ سیدھے راستہ پر ہولیتا ہے اس لیے کہ اللہ کی ہمسائیگی میں رہنے والا امن وسلامتی میں ہے اور اس کا دشمن خوف و ہراس میں۔ جو اللہ کی عظمت وجلالت کو پہچان لے اسے کسی طرح زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی عظمت کی نمائش کرے چونکہ جو اس کی عظمت کو پہچان چکے ہیں ان کی رفعت و بلندی اسی میں ہے کہ اس کے آگے پیچھے جھک جائیں۔ اور جو اس کی قدرت کو جان چکے ہیں ان کی سلامتی اسی میں ہے کہ اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیں حق سے اس طرح بھڑک نہ اٹھو جس طرح صحیح وسالم خارش زدہ سے یا تندرست بیمار سے تم ہدایت کو اس وقت تک نہ پہچان سکو گے جب تک اس کے چھوڑنے والوں کو نہ پہچان لو اور قرآن کے عہد و پیمان کے پابند نہ رہ سکو گے جب تک کہ اس کے توڑنے والے کو نہ جان لو اور اس سے وابستہ نہیں رہ سکتے جب تک اسے دور پھینکنے والی کی شناخت نہ کرلو جو ہدایت والے ہیں انہی سے ہدایت طلب کرو وہی علم کی زندگی اور جہالت

کی موت ہیں۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا (دیا ہوا) ہر حکم ان کے علم کا اور ان کی خاموشی ان کی گویائی کا پتہ دے گی اور ان کا ظاہر ان کے باطن کا آئینہ دار ہے۔ وہ نہ دین کی مخالفت کرتے ہیں نہ اس کے بارے میں باہم اختلاف رکھتے ہیں۔ دین ان کے سامنے ایک سچا گواہ ہے اور ایک ایسا بے زبان ہے جو بول رہا ہے۔

خطبہ 146:

طلحہ و زبیر کے متعلق فرمایا

ان دونوں (طلحہ وزبیر) میں سے ہر ایک اپنے لیے خلافت کا امیدوار ہے اور اسے اپنی ہی طرف موڑ کر لانا چاہتا ہے۔ نہ اپنے ساتھی کی طرف۔ وہ اللہ کی طرف کسی وسیلہ سے توسل نہیں ڈھونڈتے اور نہ کوئی ذریعہ لے کر اس کی طرف بڑھنا چاہتے ہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف سے (دلوں میں کینہ) لیے ہوئے ہیں اور جلد ہی اس سلسلے میں بے نقاب ہو جائیں گے۔ خدا کی قسم اگر وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جائیں تو ایک ان میں دوسرے کو جان ہی سے مار ڈالے اور ختم کر کے ہی دم لے (دیکھو) باغی گروہ اٹھ کھڑا ہوا ہے (اب) کہاں ہیں اجر و ثواب کے چاہنے والے جب کہ حق کی راہیں مقرر ہو چکی ہیں اور یہ خبر انہیں پہلے سے دی جا چکی ہے۔ ہر گمراہی کیلئے حیلے بہانے ہوا کرتے ہیں اور ہر پیمان شکن (دوسروں) کو اشتباہ میں ڈالنے کیلئے کوئی نہ کوئی بات بنایا کرتا ہے خدا کی قسم! میں اس شخص کی طرح نہیں ہوں گا جو ماتم کی آواز پر کان دھرے۔ موت کی سنائی دینے والے کی آواز سنے اور رونے والے کے پاس (پرسے کیلئے) بھی جائے اور پھر عبرت حاصل نہ کرے۔

خطبہ 147:

موت سے قبل بطور وصیت فرمایا

مرنے سے پہلے فرمایا: اے لوگو! ہر شخص اسی چیز کا سامنا کرنے والا ہے جس سے وہ راہ فرار 1 اختیار کئے ہوئے ہے اور جہاں زندگی کا سفر کھینچ کر لے جاتا ہے وہی حیات کی منزل منتہا ہے موت سے بھاگنا اسے پالینا ہے۔ میں نے اس موت کے چھپے ہوئے بھیدوں کی جستجو میں کتنا ہی نہ مانا گزارا مگر مشیت ایزدی یہی رہی کہ اس کی (تفصیلات) بے نقاب نہ ہوں۔ اس کی منزل تک رسائی کہاں وہ تو ایک پوشیدہ علم ہے تو ہاں میری وصیت یہ ہے کہ اللہ کا کوئی شریک نہ ٹھہراؤ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو ضائع و برباد نہ کرو۔ ان دونوں ستونوں کو قائم و برقرار رکھو اور ان دونوں چراغوں کو روشن کئے رہو۔ جب تک منتشر و پراگندہ نہیں ہوتے تم میں کوئی برائی نہیں آئے گی 2۔ تم میں سے ہر شخص اپنی وسعت بھر بوجھ اٹھائے۔ نہ جاننے والوں کا بوجھ بھی ہلکا رکھا گیا ہے (کیونکہ) اللہ رحم کرنے والا، دین سیدھا (کہ جس میں کوئی الجھاؤ نہیں) اور پیغمبر عالم و دانا ہے۔ میں کل تمہارا ساتھی تھا اور آج تمہارے لیے عبرت بنا ہوا ہوں اور کل تم سے چھوٹ جاؤں گا۔ 3 خدا مجھے اور تمہیں مغفرت عطا کرے۔ اگر اس پھسلنے کی جگہ پر قدم جمے رہے تو خیر اور اگر قدموں کا جماؤ اکھڑ گیا تو ہم بھی انہی (گھنی) شاخوں کی چھاؤں ہوا کی گزرگاہوں اور چھائے ہوئے ابر کے سایوں میں تھے (لیکن) اس کے تہ بہ تہ جمے ہوئے لکے چھٹ گئے اور ہوا کے نشانات مٹ مٹا گئے۔ میں تمہارا ہمسایہ تھا کہ میرا جسم چند دن تمہارے پڑوس میں رہا اور میرے مرنے کے بعد مجھے

جسد بے روح پاؤ گے کہ جو حرکت کرنے کے بعد تھم گیا اور بولنے کے بعد خاموش ہو گیا تا کہ میرا یہ سکون اور ٹھہراؤ اور آنکھوں کا مندھ جانا اور ہاتھ پیروں کا بے حس و حرکت ہو جانا تمہیں پند و نصیحت کرے۔ کیونکہ عبرت حاصل کرنے والوں کیلئے یہ (منظر) بلیغ کلموں اور کان میں پڑنے والی باتوں سے زیادہ موعظت و عبرت دلانے والا ہوتا ہے۔ میں تم سے اس طرح رخصت ہو رہا ہوں جیسے کوئی شخص (کسی کی) ملاقات کیلئے چشم براہ ہو۔ کل تم میرے اس دور کو یاد کرو گے اور میری نیتیں کھل کر تمہارے سامنے آجائیں گی اور میری جگہ کے خالی ہونے اور دوسروں کے اس مقام پر آنے سے تمہیں میری قدر و منزلت کی پہچان ہو گی۔

۱۔ یعنی انسان موت سے بچنے کیلئے جو ہاتھ پیر مارتا ہے اور چارہ سازی کرتا ہے اس میں جتنا زمانہ صرف ہوتا ہے وہ مدت حیات ہی ہے کہ جو کم ہو رہی ہے اور جوں وقت گزرتا ہے موت کی منزل قریب ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ زندگی ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے موت سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔

۲۔ خلاکم ذم (تم پر کوئی برائی عائد نہ ہو گی) یہ جملہ بطور مثل استعمال ہوتا ہے۔ جسے سب سے پہلے جذیمہ ابرش کے غلام قصیر نے استعمال کیا تھا۔

۳۔ مقصد یہ ہے کہ جب یہ ساری چیزیں فنا ہو جائیں گی تو ان میں رہنے والے کیونکر موت سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ یقیناً انہیں بھی ہر چیز کی طرح ایک نہ ایک دن فنا ہونا ہے لہذا میرے جام حیات کے چھلک جانے پر تعجب ہی کیا۔

خطبہ 148:

حضرتِ حجت کی غیبت

(وہ لوگ) گمراہی کے راستوں پر لگ کر اور ہدایت کی راہوں کو چھوڑ کر (افراط و تفریط کے) دائیں بائیں راستوں پر ہو لیے ہیں جو بات کہ ہو کر رہنے والی اور محل انتظار میں ہو اس کیلئے جلدی نہ مچاؤ اور جسے «کل» اپنے ساتھ لیے آ رہا ہے۔ اس کی دوری محسوس کرتے ہوئے ناگواری ظاہر نہ کرو۔ بہتیرے لوگ ہیں کہ جو کسی چیز کیلئے جلدی مچاتے ہیں اور جب اسے پا لیتے ہیں تو پھر یہ چاہنے لگتے ہیں کہ اسے نہ ہی پاتے تو اچھا تھا «آج» آنے والی «کل» کے اجالوں سے کتنا قریب ہے۔ اے میری قوم یہی تو وعدہ کی ہوئی چیزوں کے آنے اور ان فتنوں کے نمایاں ہو کر قریب ہونے کا زمانہ ہے کہ جن سے ابھی تم آگاہ نہیں ہو۔ دیکھو! ہم (اہلبیت) میں سے جو (ان فتنوں کا دور) پائے گا وہ اس میں (ہدایت کا) چراغ لے کر بڑھے گا اور نیک لوگوں کی راہ و روش پر قدم اٹھائے گا تا کہ بندھی ہوئی گرہوں کو کھولے اور بندوں کو آزاد کرے اور حسب ضرورت جڑے ہوئے کو توڑے اور ٹوٹے ہوئے کو جوڑے وہ لوگوں کی (نگاہوں سے) پوشیدہ ہوگا۔ کھوج لگانے والے پیہم نظریں جمانے کے باوجود بھی اس کے نقش قدم کو نہ دیکھ سکیں گے۔ اس وقت ایک قوم کو (حق کی سان پر) اس طرح تیز کیا جائے گا جس طرح لوہار تلوار کی باڑ تیز کرتا ہے۔ قرآن سے ان کی آنکھوں میں جلا پیدا کی جائے گی اور اس کے مطالب ان کے کانوں میں پڑتے رہیں گے اور حکمت کے چھلکتے ہوئے ساغر انہیں صبح و شام پلائے جائیں گے۔ اسی خطبہ کا ایک جزیہ

ہے: ان کی (گمراہیوں کا) زمانہ بڑھتا ہی رہا تا کہ وہ اپنی رسوائیوں کی تکمیل اور سختیوں کا استحقاق پیدا کر لیں۔ یہاں تک کہ جب وہ مدت ختم ہونے کے قریب آ گئی اور ایک (فتنہ انگیز) جماعت فتنوں کا سہارا لے کر بڑھی اور جنگ کی تخم پاشیوں کیلئے کھڑی ہو گئی تو اس وقت ایمان لانے والے اپنے صبر و شکیب سے اللہ پر احسان نہیں جتاتے تھے اور نہ حق کی راہ میں جان دینا کوئی بڑا کارنامہ سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ جب حکم قضائے مصیبت کا زمانہ ختم کر دیا تو انہوں نے بصیرت کے ساتھ تلواریں اٹھا لیں اور اپنے ہادی کے حکم سے اپنے رب کے احکام کی اطاعت کرنے لگے اور جب اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا سے اٹھایا تو ایک گروہ الٹے پاؤں پلٹ گیا اور گمراہی کی راہوں نے اسے تباہ و برباد کر دیا اور وہ اپنے غلط سلط عقیدوں پر بھروسا کر بیٹھا (قریبیوں کو چھوڑ کر) بیگانوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے لگا اور جن (ہدایت کے) وسیلوں سے اسے مودت کا حکم دیا گیا تھا۔ انہیں چھوڑ بیٹھا اور (خلافت کو) اس کی مضبوط بنیادوں سے ہٹا کر وہاں نصب کر دیا جو اس کی جگہ نہ تھی یہی تو گناہوں کے مخزن اور گمراہی میں بھٹکنے والوں کا دروازہ ہیں۔ وہ حیرت و پریشانی میں سرگرداں اور آل فرعون کی طرح گمراہی کے نشہ میں مدہوش پڑے تھے۔ کچھ تو آخرت سے کٹ کر دنیا کی طرف متوجہ تھے اور کچھ حق سے منہ موڑ کر دین چھوڑ چکے تھے۔

خطبہ 149:

فتنوں میں لوگوں کی حالت

میں اللہ کی حمد و ثناء کرتا ہوں اور ان چیزوں کیلئے اس سے مدد مانگتا ہوں کہ جو شیطان کو راندہ

اور دور کرنے والی اور اس کے پھندوں اور ہتھکنڈوں سے اپنی پانہ میں رکھنے والی ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے عبد و رسول اور منتخب و برگزیدہ ہیں۔ نہ ان کے فضل وکمال کی برابری اور نہ ان کے اٹھ جانے کی تلافی ہوسکتی ہے۔ تاریک گمراہیوں اور بھرپور جہالتوں اور سخت ودرشت (خصلتوں) کے بعد شہروں (کے شہر) ان کی وجہ سے روشن ومنور ہو گئے جبکہ لوگ حلال کو حرام اور مرد زیرک ودانا کو ذلیل سمجھتے تھے۔ نبیوں سے خالی زمانہ میں جیتے تھے اور گمراہی کی حالت میں مرجاتے تھے پھر یہ کہ اے گروہ عرب تم ایسی ابتلاؤں کا نشانہ بننے والے ہو کہ جو قریب پہنچ چکی ہیں عیش وتنعم کی بدمستیوں سے بچو اور عذاب کی تباہ کاریوں سے ڈرو۔ شبہات کے دھندلکوں اور فتنہ کی کجرویوں میں اپنے قدموں کو روک لو جبکہ اس کا چھپا ہوا خدشہ سر اٹھائے اور مخفی اندیشہ سامنے آجائے اور اس کا کھونٹا مضبوط ہو جائے۔ فتنے ہمیشہ چھپے ہوئے راستوں سے ظاہر ہوا کرتے ہیں اور انجام کار ان کی کھلم کھلا برائیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ان کی اٹھان ایسی ہوتی ہے۔ جیسے نوخیز بچے کی اور ان کے نشانات ایسے ہوتے ہیں جیسے پتھر (کی چوٹوں) کے ظالم آپس کے عہد و پیمان سے اس کے وارث ہوتے چلے آتے ہیں۔ اگلا پچھلے کا رہنما اور پچھلا اگلے کا پیرو ہوتا ہے۔ وہ اسی رذیل دنیا پر مرمٹتے ہیں اور اس سڑے ہوئے مردار پر ٹوٹ پڑے ہیں جلد ہی پیروکار اپنے پیشتر ورہنماؤں سے اظہار بیزاری کریں گے اور ایک دوسرے کی دشمنی کے ساتھ علیحدگی اختیار کرلیں گے اور سامنے ہونے پر ایک دوسرے کو لعنت کریں گے۔ اس دور کے بعد ایک فتنہ ایسا آئے گا جو امن وسلامتی کو تہ وبالا کرنے والا اور تباہی

مچانے والا اور خلق خدا پر سختی کے ساتھ حملہ آور ہو گا تو بہت سے دل ٹھہراؤ کے بعد ڈانواں ڈول اور بہت سے لوگ (ایمان کی) سلامتی کے بعد گمراہ ہو جائے گے اس کے حملہ آور ہونے کے وقت خواہشیں بٹ جائیں گی اور اس کے ابھرنے کے وقت رائیں مشتبہ ہو جائیں گی جو اس فتنہ کی طرف جھک کر دیکھے گا وہ اسے تباہ کر دے گا۔ اور جو اس میں سعی و کوشش کرے گا اسے جڑ بنیاد سے اکھیڑ دے گا اور آپس میں ایک دوسرے کو اس طرح کاٹنے لگیں گے جس طرح وحشی گدھے اپنی بھیڑ میں ایکدوسرے کو دانتوں سے کاٹتے ہیں۔ اسلام کی بٹی ہوئی رسی کے بل کھل جائیں گے۔ صحیح طریق کار چھپ جائے گا۔ حکمت کا پانی خشک ہو جائے گا اور ظالموں کی زبان کھل جائے گی وہ فتنہ بادیہ نشینوں کو اپنے ہتھوڑوں سے کچل دے گا اور اپنے سینہ سے ریزہ ریزہ کر دے گا۔ اس کے گرد و غبار میں اکیلے دوکیلے تباہ و برباد ہو جائیں گے اور سوار اس کی راہوں میں ہلاک ہو جائیں گے۔ وہ حکم الٰہی کی تلخیاں لے کر آئے گا اور (دودھ کے بجائے) خالص خون دوہے گا۔ دین کے میناروں کو ڈھا دے گا اور یقین کے اصولوں کو توڑ دے گا۔ عقلمند اس سے بھاگیں گے اور شر پسند اس کے کرتا دھرتا ہونگے وہ گرجنے اور چمکنے والا ہو گا اور پورے زوروں کے ساتھ سامنے آئے گا۔ سب رشتے ناطے اس میں توڑ دیئے جائیں گے اور اسلام سے علیحدگی اختیار کر لی جائے گی۔ اس سے الگ تھلگ رہنے والا بھی اس میں مبتلا ہو جائے گا اور اس سے نکل بھاگنے والا بھی اپنے قدم اس سے باہر نہ نکال سکے گا۔ اسی خطبہ کا ایک جز یہ ہے: (جس میں ایمان والوں کی حالت کا ذکر رہے) کچھ تو ان میں سے شہید ہوں گے کہ جن کا بدلہ نہ لیا جا سکے گا اور کچھ خوف

زدہ ہوں گے جو اپنے لیے پناہ ڈھونڈتے پھریں گے انہیں قسموں اور (ظاہری) زبان کی فریب کاریوں سے دھوکا دیا جائے گا۔ تم فتنوں کی طرف راہ دکھانے والے نشان اور بدعتوں کے سربراہ نہ بنو تم (ایمان والی) جماعت کے اصولوں اور ان کی عبادت و اطاعت کے طور طریقوں پر جمے رہو۔ اللہ کے پاس مظلوم بن کر جاؤ ظالم بن کر نہ جاؤ۔ شیطان کی راہوں اور نمرود سرکشی کے مقاموں سے بچو۔ اپنے پیٹ میں حرام کے لقمے نہ ڈالو۔ اس لیے کہ تم اس کی نظروں کے سامنے ہو جس نے معصیت اور خطا کو تمہارے لیے حرام کیا ہے اور اطاعت کی راہیں آسان کر دی ہیں۔

خطبہ 150:

خداوندِ عالم کی عظمت و جلالت

تمام تعریف 1 اس اللہ کیلئے ہے کہ جو خلق (کائنات سے) اپنے وجود کا اور پیدا شدہ مخلوقات سے اپنے قدیم و ازلی ہونے کا اور ان کی باہمی شباہت سے اپنے بے نظیر ہونے کا پتہ دینے والا ہے نہ حواس اسے چھو سکتے ہیں اور نہ پردے اسے چھپا سکتے ہیں۔ چونکہ بنانے والے اور بننے والے گھیرنے والے اور گھرنے والے پالنے والے اور پرورش پانے والے میں فرق ہوتا ہے۔ وہ ایک ہے لیکن نہ ویسا کہ جو شمار میں آئے وہ پیدا کرنے والا ہے لیکن نہ اس معنی سے کہ اسے حرکت کرنا اور تعب اٹھانا پڑے وہ سننے والا ہے لیکن نہ کسی عضو کے ذریعہ سے اور دیکھنے والا ہے لیکن نہ اس طرح کہ آنکھیں پھیلائے۔ وہ حاضر ہے لیکن نہ اس طرح کہ چھوا جا سکے وہ جدا ہے نہ اس طرح کہ بیچ میں فاصلہ کی دوری ہو۔ وہ ظاہر بظاہر ہے مگر

آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔ وہ ذاتا پوشیدہ ہے نہ لطافت جسمانی کی بنا پر۔ وہ سب چیزوں سے اس لیے علیحدہ ہے کہ وہ ان پر چھایا ہوا ہے اور ان پر اقتدار رکھتا ہے اور تمام چیزیں اس لیے اس سے جدا ہیں کہ وہ اس کے سامنے جھکی ہوئی اور اس کی طرف پلٹنے والی ہیں۔ جس نے (ذات کے علاوہ) اس کے لیے صفات تجویز کئے اسنے اس کی حد بندی کر دی اور جس نے اسے محدود خیال کیا وہ اسے شمار میں آنے والی چیزوں کی قطار میں لے آیا اور جس نے اسے شمار کے قابل سمجھ لیا اس نے اس کی قدامت ہی سے انکار کر دیا اور جس نے یہ کہا کہ وہ کیسا ہے وہ اس کے لیے (الگ سے) صفتیں ڈھونڈ ھنے لگا۔ اور جس نے یہ کہا کہ وہ کہاں ہے اس نے اسے کسی جگہ میں محدود سمجھ لیا وہ اس وقت بھی عالم تھا جب کہ معلوم کا وجود نہ تھا اور اس وقت بھی رب تھا جب کہ پرورش پانے والے نہ تھے اور اس وقت بھی قادر تھا جب کہ یہ زیر قدرت آنے والی مخلوق نہ تھی۔

اسی خطبہ کا ایک جزیہ ھے:

ابھرنے والا ابھر آیا۔ چمکنے والا چمک اٹھا اور ظاہر ہونے والا ظاہر ہوا ٹیڑھے معاملے سیدھے ہو گئے۔ اللہ نے جماعت کو جماعت سے اور زمانہ کو زمانہ سے بدل دیا ہے۔ ہم اس انقلاب کے اس طرح منتظر تھے جس طرح قحط زدہ بارش کا بلاشبہ آئمہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حاکم ہیں اور اس کو بندوں سے پہچنوانے والے ہیں۔ جنت میں وہی جائے گا جسے ان کی معرفت ہو اور وہ بھی اسے پہچانیں اور دوزخ میں وہی ڈالا جائے گا جو نہ انہیں پہچانے اور نہ وہ اسے پہچانیں۔

اللہ نے تمہیں اسلام کیلئے مخصوص کرلیا ہے اور اس کیلئے تمہیں چھانٹ لیا ہے اور یہ اس طرح کہ اسلام سلامتی کا نام اور عزت انسانی کا سرمایہ ہے۔ اس کی راہ کو اللہ نے تمہارے لیے چن لیا ہے اور اس کے کھلے ہوئے احکام اور چھپی ہوئی حکمتوں سے اس کے دلائل واضح کر دیئے ہیں۔ نہ اس کے عجائبات مٹنے والے ہیں اور نہ اس کے لطائف ختم ہونے والے ہیں۔ اسی میں نعمتوں کی بارشیں اور تاریکیوں کے چراغ ہیں۔ اسی کی کنجیوں سے نیکیوں کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور اسی کے چراغوں سے تیرگیوں کا دامن چاک کیا جاتا ہے۔ خدا نے اس کے ممنوعہ مقامات سے روکا ہے اور اس کی چراگاہوں میں چرنے کی اجازت دی ہے۔ شفا چاہنے والے کیلئے اس میں شفا اور بے نیازی چاہنے والے کے لیے اس میں بے نیاز ہے۔

1. اس خطبہ کا پہلا جز علم الٰہیات کے اہم مطالب پر مشتمل ہے جس میں خلق کائنات سے خالق کائنات کے وجود پر استدلال فرماتے ہوئے اس کی ازلیت وعینیت صفات پر روشنی ڈالی ہے۔ چنانچہ جب ہم کائنات پر نظر کرتے ہیں تو ہر حرکت کے پیچھے کسی محرک کا ہاتھ کار فرما نظر آتا ہے جس سے ایک سطحی ذہن والا انسان بھی یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کوئی اثر موثر کے بغیر ظاہر نہیں ہوسکتا۔ یہاں تک کہ چند دنوں کا بچہ بھی اپنے جسم کے چھوئے جانے سے اپنے شعور کے دھندلکوں میں یہ محسوس کرتا ہے کہ کوئی چھونے والا ہے۔ جس کا اظہار آنکھوں کو کھولنے یا مڑ کر دیکھنے سے کرتا ہے تو پھر کس طرح دنیائے کائنات کی تخلیق اور

عالم کون و مکاں کا نظم و نسق کسی خالق و منتظم کے بغیر مانا جا سکتا ہے۔

جب ایک خالق کا اعتراف ضروری ہوا تو اسے موجود بالذات ہونا چاہیے کیونکہ ہر وہ چیز جس کی ابتدا ہے اس کیلئے ایک مرکز وجود کا ہونا ضروری ہے کہ جس تک وہ منتہی ہو۔ تو اگر وہ بھی کسی موجد کا محتاج ہوگا تو پھر اس موجود کے لیے سوال ہوگا کہ وہ از خود ہے یا کسی کا بنایا ہوا اور جب تک ایک موجود بالذات ہستی کا اقرار نہ کیا جائے کہ جو تمام ممکنات کیلئے علۃ العلل ہو عقل علت و معلول کے نامتناہی سلسلوں میں بھٹک کر سلسلہ موجودات کی آخری کڑی کا تصور بھی نہ کر سکے گی اور تسلسل کے چکر میں پڑ کر اسے کہیں ٹھہراؤ نصیب نہ ہوگا اور اگر خود اسی کو اپنی ذات کا خالق فرض کیا جائے تو دو صورتوں سے خالی نہیں ہوگا یا تو وہ معدوم ہوگا یا موجود۔ اگر معدوم ہوگا تو معدوم کسی کو موجد نہیں بنا سکتا اور اگر موجود کرنے کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ لہذا اسے ایسا موجود ماننا پڑے گا جو اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ ہو اور اس کے ماسوا ہر چیز اس کی محتاج ہو اور یہی احتیاج کائنات اس سرچشمہ وجود کے ازلی اور ہمیشہ سے برقرار ہونے کی شاہد ہے اور اس کے علاوہ چونکہ ہر چیز تغیر پذیر ہی محل و مکان کی محتاج ہے اور عوارض و صفات میں ایک دوسرے کے مشابہہ ہے اور مشابہت کثرت کی آئینہ دار ہوتی ہے اور وحدت اپنی آپ ہی نظیر ہے اس لیے کوئی چیز اس کی مثل و نظیر نہیں ہو سکتی اور ایک کہی جانے والی چیزوں کو بھی اس کی یکتائی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ ہر اعتبار سے واحد و یگانہ ہے وہ ان تمام چیزوں سے منزہ و مبرا ہے جو جسم و جسمانیات میں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ جسم ہے نہ رنگ ہے نہ شکل ہے نہ کسی جہت میں واقع ہے اور نہ کسی محل و مکان میں محدود

ہے۔اس لیے انسان اپنے حواس ومشاعر کے ذریعہ اس کا ادراک ومشاہدہ نہیں کرسکتا کیونکہ حواس انہی چیزوں کا ادراک کرسکتے ہیں جو زمان ومکان اور مادہ کے حدود کی پابند ہوں۔ لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ دیکھا جاسکتا ہے اس کیلئے جسم مان لینا ہے اور جب وہ جسم ہی نہیں ہے اور نہ جسم کے ساتھ قائم ہے اور نہ کسی جہت ومکان میں واقع ہے تو اس کے دیکھے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔لیکن اس کی یہ پوشیدگی ان لطیف اجسام کی طرح نہیں ہے کہ جن سے ان کی لطافت کی وجہ سے نگاہیں آر پار ہوجاتی ہیں اور آنکھیں انہیں دیکھنے سے قاصر رہتی ہیں۔جیسے فضا کی پہنائیوں میں ہوا بلکہ وہ ذاتی طور پر پوشیدہ ہے البتہ اس سے کوئی شے پوشیدہ نہیں ہے وہ دیکھتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے لیکن آلات سماعت وبصارت کا محتاج نہیں کیونکہ اگر وہ دیکھنے سننے کیلئے اعضا کا محتاج ہوگا تو اس کی ذات اپنے کمالات میں خارجی چیزوں کی دست نگر ہوگی اور بحیثیت ذات کامل نہ رہے گی حالانکہ وہ ہر لحاظ سے کامل ہے اور اس کا کوئی کمال اس کی ذات سے الگ نہیں کیونکہ ذات کے علاوہ الگ سے صفات ماننے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک ذات ہوگی اور کچھ صفتیں اور اس ذات کے مجموعہ کا نام ہوگا خدا اور جو چیز اجزا سے مرکب ہو وہ اپنے وجود میں اجزاء کی محتاج ہوتی ہے اور ان اجزاء کو مرکب کے ترکیب پانے سے پہلے موجود ہونا چاہیے تو جب اجزاء اس پر مقدم ہوں گے تو وہ ہمیشہ سے موجود اور ازلی کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ اس کا وجود اجزاء سے متاخر ہے حالانکہ وہ اس وقت بھی علم وقدرت وربوبیت لیے ہوئے تھا جبکہ کوئی چیز موجود نہ تھی۔کیونکہ اس کی کوئی صفت خارج سے اس میں پیدا نہیں ہوئی بلکہ جو صفت ہے وہی ذات ہے اور جو ذات ہے وہی صفت ہے

اس لیے اس کا علم اس پر منحصر نہیں ہے کہ معلوم کا وجود ہو لے تو پھر وہ جانے کیونکہ اس کی ذات حادث ہونے والے معلومات سے مقدم ہے اور نہ اس کی قدرت کیلئے ضروری ہے کہ مقدور کا وجود ہو تو وہ قادر سمجھا جائے کیونکہ قادر اسے کہتے ہیں جو ترک و فعل پر یکساں اختیار رکھتا ہو اور اس کیلئے مقدور کا ہونا ضروری نہیں اور یونہی رب کے معنی مالک کے ہیں اور وہ جس طرح معدوم کا اس کے موجود ہونے کے بعد مالک ہے۔اسی طرح موجود کے پردہ عدم میں ہونے کی صورت میں اسے موجود کرنے پر اختیار رکھتا ہے کہ چاہے اسے معدوم رہنے دے اور چاہے اسے وجود بخش دے۔

خطبہ 151:

غفلت شعاروں کی حالت

اسے اللہ کی طرف سے مہلت ملی ہے۔ وہ غفلت شعاروں کے ساتھ (تباہیوں میں) گرتا ہے بغیر سیدھی راہ اختیار کئے اور بغیر کسی ہادی و رہبر کے ساتھ دیئے صبح سویرے ہی گنہگاروں کے ساتھ ہو لیتا ہے۔اسی خطبہ کا ایک جزیہ ہے: آخر کار جب اللہ ان کے گناہوں کے نتیجہ ان کے سامنے لائے گا اور غفلت کے پردوں سے انہیں نکال باہر کرے گا تو پھر اس چیز کی طرف بڑھیں گے جسے پیٹھ دکھاتے تھے اور اس شے سے پیٹھ پھرائیں گے جس کی طرف ان کا رخ رہتا تھا۔ انہوں نے اپنے مطلوبہ سروسامان کو پا کر اور خواہشوں کو پورا کر کے کچھ بھی تو فائدہ حاصل نہ کیا۔ میں تمہیں اور خود اپنے کو اس مرحلہ سی متنبہ کرتا ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس سے فائدہ اٹھائے اس لیے کہ آنکھوں والا وہ ہے جو سنے تو غور

کرے اور نظر اٹھائے تو حقیقتوں کو دیکھ لے اور عبرتوں سے فائدہ اٹھائے پھر واضح راستہ اختیار کرے جس کے بعد گڑھوں میں گرنے اور شبہات میں بھٹک جانے سے بچتا رہے اور حق سے بے راہ ہونے اور بات میں ردوبدل کرنے اور سچائی میں خوف کھانے سے گمراہوں کی مدد کر کے زیان کار نہ بنے۔ اے سننے والو! اپنی سرمستیوں سے ہوش میں آؤ غفلت سے آنکھیں کھولو۔ اس دنیا کی دوڑ دھوپ کو کم کرو اور جو باتیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان (مبارک) سے پہنچی ہیں۔ ان میں اچھی طرح غور و فکر کرو کہ ان سے نہ کوئی چارہ ہے اور نہ کوئی گریز کی راہ۔ جو ان کی خلاف ورزی کرے تم اس سے دوسری طرف رخ پھیر لو اور اسے چھوڑو کہ وہ اپنے نفس کی مرضی پر چلتا رہے۔ فخر کے پاس نہ جاؤ اور بڑائی (کے سر) کو نیچا کرو اپنی قبر کو یاد رکھو کہ تمہارا راستہ وہی ہے اور جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے جو بوؤ گے وہی کاٹو گے جو آج آگے بھیجو گے وہی کل پا لو گے آگے کیلئے کچھ تہیہ کرو اور اس دن کیلئے سروسامان تیار رکھو۔1

اے سننے والو! ڈرو ڈرو اور اے غفلت کرنے والو! کوشش کرو۔ کوشش کرو تمہیں خبر رکھنے والا جو بتائے گا وہ دوسرا نہیں بتا سکتا۔ قرآن حکیم میں اللہ کے ان اٹل اصول میں سے کہ جن پر وہ جزا و سزا دیتا ہے اور راضی و ناراض ہوتا ہے۔ یہ چیز ہے کہ کسی بندے کو چاہے وہ جو کچھ جتن کر ڈالے دنیا سے نکل کر اللہ کی بارگاہ میں جانا ذرا فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ جبکہ وہ ان خصلتوں میں سے کسی ایک خصلت سے توبہ کئے بغیر مر جائے ایک یہ کہ فرائض عبادت میں کسی کو اس کا

شریک ٹھہرایا ہو یا کسی کو ہلاک کر کے اپنے غضب کو ٹھنڈا کیا ہو یا دوسرے کے کیئے پر عیب لگایا ہو۔ یا دین میں بدعتیں ڈال کر لوگوں سے اپنا مقصد پورا کیا ہو یا لوگوں سے دوزخی چال چلتا ہو یا دوزبانوں سے لوگوں سے گفتگو کرتا ہو۔ اس بات کو سمجھو اس لئے کہ ایک نظیر دوسری نظیر کی دلیل ہوا کرتی ہے۔ بلاشبہ چوپاؤں کا مقصد پیٹ (بھرنا) اور درندوں کا مقصد دوسروں پر حملہ آور ہونا اور عورتوں کا مقصد اس پست دنیا کو بنانا سنوارنا اور فتنے اٹھانا ہی ہوتا ہے۔ مومن وہ ہیں جو تکبر و غرور سے دور ہوں مومن وہ ہیں جو خائف و ترسان ہوں۔ مومن وہ ہیں جو ہراساں ہو۔

ا۔ مقصد یہ کہ تمام شر و مفاسد کا سرچشمہ قوت شہویہ و قوت غضبیہ ہوتی ہے۔ اگر انسان قوت شہویہ سے مغلوب ہو کر پیٹ بھرنا ہی اپنا مقصد بنالے تو اس میں اور چوپائے میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا کیونکہ چوپائے کے پیش نظر بھی پیٹ بھرنے کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہوتا اور اگر قوت غضبیہ سے مغلوب ہو کر ہلاکت و تباہ کاری شروع کر دے تو اسمیں اور درندے میں کوئی فرق نہ رہے گا کیونکہ اس کا مقصد بھی یہی چیرنا پھاڑنا ہوتا ہے اور اگر دونوں قوتیں اس میں کارفرما ہوں تو پھر عورت کی مانند ہے کیونکہ عورت میں یہ دونوں قوتیں کارفرما ہوتی ہیں جس کی وجہ سے وہ بناؤ سنگھار پر جان دیتی ہے اور فتنہ و فساد کو ہوا دینے میں اپنی کوششوں کو برسرکار رکھتی ہے۔ البتہ مرد مومن کبھی یہ گوارا نہ کرے گا کہ وہ ان حیوانی خصلتوں کو اپنا شعار بنائے بلکہ وہ ان قوتوں کو دبائے رکھتا ہے۔ یوں کہ نہ وہ غرور خود پسندی کو اپنے پاس

پھٹکنے دیتا ہے اور نہ خوف خدا کی وجہ سے فتنہ وشر کو ہوا دیتا ہے۔

ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے کہ حضرت نے یہ خطبہ بصرہ کی طرف روانہ ہوتے وقت ارشاد فرمایا اور بصرہ کا ہنگامہ چونکہ ایک عورت کے ابھارنے کا نتیجہ تھا اس لیے چوپاؤں اور درندوں کی طبعی عادتوں کا ذکر کرنے کے بعد عورت کو بھی انہی خصلتوں کا حامل قرار دیا ہے چنانچہ انہی کے نتیجہ میں بصرہ کی خونریز جنگ ہوئی اور ہزاروں افراد ہلاکت وتباہی کی لپیٹ میں آگئے۔

خطبہ 152:

اھل بیت کی توصیف، علم و عمل کا تلازم اور اعمال کا ثمرہ

عقلمند دل کی آنکھوں سے اپنا مال کار دیکھتا ہے اور اپنی اونچ نیچ (اچھی بری راہوں) کو پہچانتا ہے دعوت دینے والے نے پکارا اور نگہداشت کرنے والے نے نگہداشت کی بلانے والے کی آواز پر لبیک کہو اور نگہداشت کرنے والے کی پیروی کرو۔ کچھ لوگ فتنوں کے دریاؤں میں اترے ہوئے ہیں اور سنتوں کو چھوڑ کر بدعتوں میں پڑ چکے ہیں۔ ایمان والے دبکے پڑے ہیں اور گمراہوں اور جھٹلانے والوں کی زبانیں کھلی ہوئی ہیں۔ ہم قریبی تعلق رکھنے والے اور خاص ساتھی اور خزانہ دار اور دروازے ہیں اور گھروں میں دروازوں ہی سے آیا جاتا ہے اور جو دروازوں کو چھوڑ کر کسی اور طرف سے آئے اس کا نام چور ہوتا ہے۔ اسی خطبہ کا ایک جزیہ ہے:

(آل محمدؐ) انہی کے بارے میں قرآن کی نفیس آیتیں اتری ہیں اور وہ اللہ کے خزینے ہیں اگر

بولتے ہیں تو سچ بولتے ہیں اور اگر خاموش رہتے ہیں تو کسی کو بات میں پہل کا حق نہیں پیشرو کو اپنے قوم قبیلے سے (ہر بات) سچ سچ بیان کرنا چاہیے اور اپنی عقل کو گم نہ ہونے دے اور اہل آخرت میں سے بنے اس لیے کہ وہ ادھر ہی سے آیا ہے اور ادھر ہی اسے پلٹ کر جانا ہے دل (کی آنکھوں) سے دیکھنے والے اور بصیرت کے ساتھ عمل کرنے والے کے عمل کی ابتدا یوں ہوتی ہے کہ وہ (پہلے) پہچان لیتا ہے کہ یہ عمل اس کیلئے فائدہ مند ہے یا نقصان رساں اگر مفید ہوتا ہے تو آگے بڑھتا ہے مضر ہوتا ہے تو ٹھہر جاتا ہے اس لیے کہ بے جانے بوجھے ہوئے بڑھنے والا ایسا ہے جیسے کوئی غلط راستے پر چل نکلے تو جتنا وہ اس راہ پر بڑھتا جائے گا اتنا ہی مقصد سے دور ہوتا جائے گا اور علم کی (روشنی میں) عمل کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی روشن راہ پر چل رہا ہو (تو اب) دیکھنے والے کو چاہیے کہ وہ دیکھے کہ آگے کی طرف بڑھ رہا ہے یا پیچھے کی طرف پلٹ رہا ہے۔ تمہیں جاننا چاہیے کہ ہر ظاہر کا ویسا ہی باطن ہوتا ہے جس کا ظاہر اچھا ہوتا ہے۔ اس کا باطن بھی اچھا ہوتا ہے جس کا ظاہر برا ہوتا ہے۔ اس کا باطن بھی برا ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ ایک بندے کو (ایمان کی وجہ سے) دوست رکھتا ہے اور اس کے عمل کو برا سمجھتا ہے اور (کہیں) عمل کو دوست رکھتا ہے اور عمل کرنے والے کی ذات سے نفرت کرتا ہے۔ دیکھو ہر عمل ایک اگنے والا سبزہ ہے اور سبزہ کیلئے پانی کا ہونا ضروری ہے اور پانی مختلف قسم کا ہوتا ہے جہاں پانی اچھا دیا جائے گا۔ وہاں پر کھیتی بھی اچھی ہوگی اور اس کا پھل بھی میٹھا ہوگا اور جہاں پانی برا دیا جائے گا وہاں کھیتی بھی بری ہوگی اور پھل بھی کڑوا ہوگا۔

خطبہ153:

چمگاڈر کی عجیب و غریب خلقت

اس میں چمگاڈر1 کی عجیب وغریب خلقت کا ذکر فرمایا ہے۔تمام حمد اس اللہ کیلئے ہے جس کی معرفت کی حقیقت ظاہر کرنے سے اوصاف عاجز ہیں اور اس کی عظمت و بلندی نے عقلوں کو روک دیا ہے جس سے وہ اس کی سرحد فرمانروائی تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں پاتیں۔وہ اللہ اقتدار کا مالک ہے اور (سراپا) حق اور (حق کا) ظاہر کرنے والا ہے وہ ان چیزوں سے بھی زیادہ (اپنے مقام پر) ثابت و آشکارا ہے کہ جنہیں آنکھیں دیکھتی ہیں عقلیں اس کی حد بندی کر کے اس تک نہیں پہنچ سکتیں کہ وہ دوسروں سے مشابہ ہو جائے اور نہ ہم اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کسی چیز کے مانند ہو جائے۔اس نے بغیر کسی نمونہ و مثال کے اور بغیر کسی مشیر کار کے مشورہ کے اور بغیر کسی معاون کی امداد کے مخلوقات کو پیدا کیا۔اس کے حکم سے مخلوق اپنے کمال کو پہنچ گئی اور اس کی اطاعت کیلئے جھک گئی اور بلاتوقف لبیک کہی اور بغیر کسی نزاع و مزاحمت کے اس کی مطیع ہوگئی۔اس کی صنعت کی لطافتوں اور خلقت کی عجیب و غریب کارفرمائیوں میں کیا کیا گہری حکمتیں ہیں کہ جو اس نے ہمیں چمگاڈروں کے اندر دکھائی ہیں کہ جن کی آنکھوں کو (دن کا) اجالا سکیڑ دیتا ہے حالانکہ وہ تمام آنکھوں میں (روشنی) پھیلانے والا ہے اور اندھیرا ان کی آنکھوں کو کھول دیتا ہے۔حالانکہ وہ ہر زندہ شے کی آنکھوں پر نقاب ڈالنے والا ہے اور کیونکر چمکتے ہوئے سورج میں ان کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں کہ وہ اس کی نور پاش شعاعوں سے مدد لے کر اپنے راستوں پر آ جا سکیں اور نور آفتاب

کے پھیلاؤ میں اپنی جانی پہچانی ہوئی چیزوں تک پہنچ سکیں۔ اس نے تو اپنی ضو پاشیوں کی تابش سے انہیں نور کی تجلیوں میں بڑھنے سے روک دیا ہے اور ان کے پوشیدہ ٹھکانوں میں انہیں چھپا دیا ہے کہ وہ اس کی روشنی کے اجالوں میں آسکیں۔ دن کے وقت تو وہ اس طرح ہوتی ہیں کہ ان کی پلکیں جھلک کر آنکھوں پر لٹک آتی ہیں اور تاریکی شب کو اپنا چراغ بنا کر رزق کے ڈھونڈنے میں اس سے مدد لیتی ہیں۔ رات کی تاریکیاں ان کی آنکھوں کو دیکھنے سے نہیں روکتیں اور نہ اس کی گھٹا ٹوپ اندھیریاں راہ پیمائیوں سے باز رکھتی ہیں۔ مگر جب آفتاب اپنے چہرے سے نقاب ہٹاتا ہے اور دن کے اجالے ابھر آتے ہیں اور سورج کی کرنیں سوسمار کے سوراخ کے اندر تک پہنچ جاتی ہیں تو وہ اپنی پلکوں کو آنکھوں پر جھکا لیتی ہیں اور رات کی تیرگیوں میں جو معاش حاصل کی ہے۔ اسی پر اپنا وقت پورا کر لیتی ہیں۔ سبحان اللہ کہ جس نے رات ان کے کسب معاش کیلئے اور دن آرام وسکون کیلئے بنایا ہے اور ان کے گوشت ہی سے ان کے پر بنائے ہیں اور جب اڑنے کی ضرورت ہوتی ہے تو انہی پروں سے اونچی ہوتی ہیں گویا کہ وہ کانوں کی لویں ہیں کہ نہ ان میں پر و بال ہیں اور نہ کریاں مگر تم ان کی رگوں کی جگہ کو دیکھو گے کہ اس کے نشان ظاہر ہیں اور اس میں دو پر سے لگے ہوئے ہیں کہ جو نہ اتنے باریک ہیں کہ پھٹ جائیں اور نہ اتنے موٹے ہیں کہ بوجھل ہو جائیں (کہ اڑا نہ جا سکے) وہ اڑتی ہیں تو بچے ان سے چمٹے رہتے ہیں جب وہ نیچے کی طرف جھکتی ہیں تو بچے بھی جھک پڑتے ہیں اور جب وہ اونچی ہوتی ہیں تو بچے بھی اونچے ہو جاتے ہیں اور اس وقت تک الگ نہیں ہوتے جب تک ان کے اعضاء میں مضبوطی نہ آ جائے اور بلند ہونے

کیلئے ان کے پر (ان کا بوجھ) اٹھانے کے قابل نہ ہو جائیں وہ اپنی زندگی کی راہوں اور اپنی مصلحتوں کو پہچانتے ہیں۔ پاک ہے وہ خدا کہ جس نے بغیر کسی نمونہ کے کہ جو اس سے پہلے کسی نے بنایا ہو، ان تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

1. چمگاڈر ایک عجیب وغریب پرندہ ہے جو انڈے دینے کے بجائے بچے دیتا ہے دانہ بھرانے کے بجائے دودھ پلاتا اور بغیر پروں کے پرواز کرتا ہے۔ اس کی انگلیاں جھلی دار ہوتی ہیں جن سے پروں کا کام لیتا ہے۔ ان پروں کا پھیلاؤ ڈیڑھ انچ سے پانچ فٹ تک ہوتا ہے۔ یہ اپنے پیروں کے بل چل پھر نہیں سکتا اس لیے اڑ کر روزی حاصل کرتا اور درختوں اور چھتوں میں الٹا لٹکا رہتا ہے۔ دن کی روشنی میں اسے کچھ نظر نہیں آتا اس لیے غروب آفتاب کے بعد ہی پرواز کرتا ہے اور کیڑے مکوڑے اور رات کو اڑنے والے پروانے کھاتا ہے۔ چمگاڈروں کی ایک قسم پھل کھاتی ہے اور بعض گوشت خوار ہوتی ہیں جو مچھلی کا شکار کرتی ہیں۔ شمالی امریکہ کے تاریک غاروں میں خونخوار چمگاڈریں بھی بڑی کثرت سے پائی جاتی ہیں یہ بڑی خطرناک اور مہلک ہوتی ہیں۔ ان کی خوراک انسانی وحیوانی خون ہے۔ جب یہ کسی انسان کا خون چوستی ہیں تو انسانی خون میں زہر سرایت کر جاتا ہے جس کے نتیجہ میں پہلے ہلکا سا بخار اور دردسر ہوتا ہے پھر سانس کی نالی متورم ہو جاتی ہے۔ کھانا پینا چھوٹ جاتا ہے۔ جسم کا نیچے والا حصہ بے حس وحرکت ہو جاتا ہے۔ آخر سانس کی آمد وشد رک جاتی ہے اور وہ دم توڑ دیتا ہے۔ یہ خوں آشام چمگاڈریں اس وقت حملہ کرتی ہیں جب آدمی بے ہوش ہو یا سو

رہا ہو۔ جاگتے میں حملہ کم ہوتا ہے اور خون چوستے وقت درد کا احساس تک نہیں ہوتا۔

چمگاڈر کی آنکھ خاص قسم کی ہوتی ہے جو صرف تاریکی ہی میں کام کرسکتی ہے اور دن کے اجالے میں کچھ نہیں دیکھ سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی آنکھ کی پتلی کا پھیلاؤ آنکھ کی وسعت کے مقابلہ میں بڑا ہوتا ہے اور تیز روشنی میں سمٹ جاتا ہے اور کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک بڑی طاقت کے کیمرہ سے کھلی روشنی میں تصویر اتاری جائے تو روشنی کی چھوٹ سے تصویر دھندلی اترتی ہے۔ اسی لیے کیمرہ کے شیشہ کا سائز جو بمنزلہ آنکھ کی پتلی کے ہوتا ہے چھوٹا کر دیا جاتا ہے تاکہ روشنی کی چکاچوند کم ہوجائے اور تصویر صاف اترے۔ اگر چمگاڈر کی پتلی کا پھیلاؤ آنکھ کے مقابلہ میں کم ہوتا تو وہ بھی دوسرے جانوروں کی طرح دن کی روشنی میں دیکھ سکتی تھی۔

خطبہ 154:

حضرت عائشہ کے عناد کی کیفیت اور اہلِ بصرہ کو فتنوں سے آگاہ کرنا

اس میں اہل بصرہ کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں فتنوں سے آگاہ کیا ہے۔ جو شخص ان (فتنہ انگیزیوں) کے وقت اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت پر ٹھہرائے رکھنے کی طاقت رکھتا ہو اسے ایسا ہی کرنا چاہیے۔ اگر تم میری اطاعت کرو گے تو میں انشاءاللہ تمہیں جنت کی راہ پر لگا دوں گا۔ اگرچہ وہ سفر کٹھن دشواریوں اور تلخ مزوں کو لیے ہوئے ہے۔ رہیں 1 فلاں تو ان میں عورتوں

والی کم عقلی آگئی ہے اور لوہار کے کڑھاؤ کی طرح کینہ وعناد ان کے سینہ میں جوش مار رہا ہے اور جو سلوک مجھ سے کررہی ہیں۔ اگر میرے سوا کسی دوسرے سے ویسے سلوک کو ان سے کہا جاتا تو وہ نہ کرتیں۔ ان سب چیزوں کے بعد بھی ہمیں ان کی سابقہ حرمت کا لحاظ ہے ان کا حساب و کتاب اللہ کے ذمہ ہے۔ اس خطبہ کا ایک جزیہ ہے: (ایمان کی) راہ سب راہوں سے واضح اور سب چراغوں سے زیادہ نورانی ہے۔ ایمان سے نیکیوں سے استدلال کیا جاتا ہے اور نیکیوں سے ایمان پر دلیل لائی جاتی ہے ایمان سے علم کی دنیا آباد ہوتی ہے اور علم کی بدولت موت سے ڈرا جاتا ہے اور موت سے دنیا کے سارے جھنجھٹ ختم ہوجاتے ہیں اور دنیا سے آخرت حاصل کی جاتی ہے۔ مخلوقات کیلئے قیامت سے ادھر کوئی منزل نہیں۔ وہ اسی کے میدان میں انتہا کی حد تک پہنچنے کیلئے دوڑ لگانے والی ہے۔ اس خطبہ کا ایک جزیہ ہے: وہ اپنی قبروں کے ٹھکانوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی آخرت کے ٹھکانوں کی طرف پلٹ پڑے ہر گھر کے لیے اس کے اہل ہیں کہ نہ وہ اسے تبدیل کرسکیں گے اور نہ اس سے منتقل ہوسکیں گے۔ نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا ایسے دو کام ہیں جو اخلاق خداوندی میں سے ہیں نہ ان کی وجہ سے موت قبل از وقت آسکتی ہے اور نہ جو رزق مقرر ہے اس میں کوئی کمی ہوسکتی ہے۔ تمہیں کتاب خدا پر عمل کرنا چاہیے اس لیے کہ وہ ایک مضبوط رسی روشن و واضح نور نفع بخش شفا پیاس بجھانے والی سیرابی تمسک کرنے والے کیلئے سامان حفاظت اور وابستہ رہنے والے کیلئے نجات ہے۔ اس میں کجی نہیں آتی کہ اسے سیدھا کیا جائے نہ حق سے الگ ہوتی ہے کہ اس کا رخ موڑا جائے۔ کثرت سے دھرایا جانا اور (بار بار) کانوں میں

پڑنا اسے پرانا نہیں کرتا جو اس کے مطابق کہے وہ سچا ہے اور جو اس پر عمل کرے وہ سبقت لے جانے والا ہے۔(اسی اثناء میں) ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ ہمیں فتنہ کے بارے میں کچھ بتایئے اور کیا آپ نے اس کے متعلق رسول اللہ سے دریافت کیا تھا! آپ نے فرمایا کہ ہاں جب اللہ نے یہ آیت اتاری کہ « کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ان کے اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لائے ہیں انہیں چھوڑ دیا جائے گا اور وہ فتنون سے دوچار نہیں ہوں گے تو میں سمجھ گیا کہ فتنہ ہم پر تو نہیں آئے گا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان موجود ہیں چنانچہ میں نے کہا یا رسول اللہ! یہ فتنہ کیا ہے کہ جس کی اللہ نے آپ کو خبر دی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اے علی! میرے بعد میری امت جلدی فتنوں میں پڑ جائے گی۔تو میں نے کہا یا رسول اللہ (احد کے دن جب شہید ہونے والے مسلمان شہید ہو چکے تھے اور شہادت مجھ سے روک لی گئی اور یہ مجھ پر گراں گزرا تھا تو آپ نے مجھ سے نہیں فرمایا تھا کہ تمہیں بشارت ہو کہ شہادت تمہیں پیش آنے والی ہے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ یونہی ہو کر رہے گا۔(یہ کہو) کہ اس وقت تمہارے صبر کی کیا حالت ہوگی تو میں نے کہا تھا کہ یا رسول اللہ یہ صبر کا کوئی موقع نہیں ہے یہ تو (میرے لیے) مژدہ اور شکر کا مقام ہوگا۔تو آپ نے فرمایا کہ یا علی حقیقت یہ ہے کہ لوگ میرے بعد مال و دولت کی وجہ سے فتنوں میں پڑ جائیں گے اور دین اختیار کر لینے سے اللہ پر احسان جتائیں گے۔اس کی رحمت کی آرزوئیں تو کریں گے لیکن اس کے قہر و غلبہ (کی گرفت) سے بے خوف ہو جائیں گے کہ جھوٹ موٹ کے شبھوں اور غافل کر دینے والی خواہشوں کی وجہ سے حلال کو حرام کر لیں گے شراب کو انگورو

خرما کا پانی کہہ کر اور رشوت کا نام ہدیہ رکھ کر اور سود کو خرید وفروخت قرار دے کر جائز سمجھ لیں گے (پھر) میں نے کہا کہ یارسول اللہ میں انہیں اس موقع پر کس مرتبہ پر سمجھوں اس مرتبہ پر کہ وہ مرتد ہوگئے ہیں یا اس مرتبہ پر کہ وہ فتنہ میں مبتلا ہیں تو آپ نے فرمایا کہ فتنہ کے مرتبہ پر۔

ا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت عائشہ کا رویہ امیرالمومنین سے ہمیشہ معاندانہ رہا اور اکثر ان کے دل کی کدورت ان کے چہرے پر کھل جاتی اور طرز عمل سے نفرت وبیزاری جھلک اٹھتی تھی۔ یہاں تک کہ اگر کسی واقعہ کے سلسلہ میں حضرت کا نام آجاتا تو ان کی پیشانی پر بل پڑ جاتا تھا اور اس کا زبان پر لانا بھی گوارا نہ تھیں۔ چنانچہ عبیداللہ ابن عبداللہ نے حضرت عائشہ کی روایت کا کہ پیغمبر حالت مرض میں فضل ابن عباس اور ایک دوسرے شخص کا سہارا لے کر ان کے ہاں چلے آئے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا۔

" کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ دوسرا شخص کون تھا اس نے کہا کہ نہیں کہ وہ علی ابن ابی طالب تھے مگر حضرت عائشہ کے بس کی یہ بات نہ تھی کہ وہ علی کا کسی اچھائی کے ساتھ ذکر کرتیں۔"

اس نفرت وعناد کا ایک سبب حضرت فاطمہ الزہراء کا وجود تھا کہ جن کی ہمہ گیر عظمت وتوقیر ان

کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی اور سوتاپے کی جلن یہ گوارا نہ کر سکتی تھی کہ پیغمبر سوت کی دختر کو اس طرح چاہیں کہ اسے دیکھتے ہی تعظیم کیلئے کھڑے ہو جائیں اور اپنی مسند پر جگہ دیں اور سیدۃ نساء العالمین کہہ کر دنیا جہاں کی عورتوں پر اس کی فوقیت ظاہر کریں اور اس کی اولاد کو اس حد تک دوست رکھیں کہ انہیں اپنا فرزند کہہ کر پکاریں۔ یہ تمام چیزیں ان پر شاق گزرنے والی تھیں اور فطری طور پر ان کے جذبات اس موقع پر یہی ہوں گے کہ اگر خود ان کے بطن سے اولاد ہوتی تو وہ پیغمبر کے بیٹے کہلاتے اور بجائے حسن و حسین کے وہ ان کی محبت کا مرکز بنتے مگر ان کی گود اولاد سے ہمیشہ خالی رہی اور ماں بننے کی آرزو کو اپنے بھانجے کے نام پر اپنی کنیت ام عبداللہ رکھ کر پورا کر لیا۔ غرض یہ سب چیزیں ایسی تھیں جنہوں نے ان کے دل میں نفرت کا جذبہ پیدا کر دیا جس کے تقاضے سے مجبور ہو کر جناب سیدہ کے خلاف شکوہ و شکایت کرتی رہتی تھیں۔ مگر پیغمبر کی توجہات ان سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس رنجش و کشیدگی کا تذکرہ حضرت ابو بکر کے کانوں میں بھی برابر پہنچتا رہتا تھا۔ جس سے وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے تھے مگر ان کے کیئے بھی کچھ نہ ہو سکتا تھا سوا اس کے کہ ان کی زبانی ہمدردیاں اپنی بیٹی کے ساتھ ہوتی تھیں۔ یہاں تک کہ پیغمبر اکرم نے دنیا سے رحلت فرمائی اور حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں آ گئی۔ اب موقع تھا کہ وہ جس طرح چاہتے انتقام لیتے اور جو تشدد چاہتے روا رکھتے۔ چنانچہ پہلا قدم یہ اٹھایا کہ جناب سیدہ کو محروم الارث قرار دینے کیلئے پیغمبروں کے ورثہ کی نفی کر دی کہ نہ وہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ان کا کوئی وارث ہوتا ہے۔ بلکہ ان کا ترکہ حکومت کی ملکیت ہوتا ہے۔ جس

سے سیدہ اس حد تک متاثر ہوئیں کہ ان سے ترک کلام کر دیا اور انہی تاثرات کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ حضرت عائشہ نے اس موقع پر بھی اپنی روش نہ بدلی اور یہ تک گوارا نہ کیا۔ ان کے انتقال پر ملال پر افسوس کا اظہار کرتیں۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے کہ

"جب حضرت فاطمۃ الزہراء نے رحلت فرمائی تو تمام ازواج پیغمبر بنی ہاشم کے ہاں تعزیت کیلئے پہنچ گئیں سوا عائشہ کے کہ وہ نہ آئیں اور یہ ظاہر کیا کہ وہ مریض ہیں اور حضرت علی تک ان کی طرف سے ایسے الفاظ پہنچے جن سے ان کی مسرت و شادمانی کا پتہ چلتا تھا۔"

جب جناب سیدہ سے اس حد تک عناد تھا تو جن سے ان کا دامن وابستہ ہو گا وہ کس طرح ان کی دشمنی و عناد سے بچ سکتا ہے جب کہ ایسے واقعات بھی رونما ہوتے رہے ہوں کہ جو اس مخالفت کو ہوا دیتے اور ان کے جذبہ نفرت کو ابھارتے ہوں جیسے واقعہ افک کے سلسلہ میں امیرالمومنین کا پیغمبر سے یہ کہنا کہ ان ہی الا شسع نعلک ۔ یہ تو آپ کی جوتی کا تسمہ ہے» اسے چھوڑیئے اور طلاق دے کر الگ کیجئے۔ جب حضرت عائشہ نے یہ سنا ہو گا تو یقیناً بے قراری کے بستر پر کروٹیں بدلی ہوں گی اور حضرت کے خلاف جذبہ نفرت انتہائی شدت سے ابھرا ہو گا۔ پھر ایسے واقعات بھی پیش آتے رہے کہ ان کے والد حضرت ابوبکر کے مقابلہ میں حضرت کو امتیاز دیا گیا اور ان کے مدارج کو بلند اور نمایاں کر کے دکھایا گیا۔ جیسے تبلیغ سورہ برات کے سلسلہ میں پیغمبر کا انہیں معزول کر کے واپس پلٹا لینا اور یہ خدمت حضرت علی کے

سپرد کرنا اور یہ فرمانا کہ «انی امرت ان ابلغہ ۔انا اور جل من اھل بیتی» مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خود سے پہنچاؤں یا وہ شخص جو میرے اہلبیت میں سے ہو۔اسی طرح مسجد نبوی میں کھلنے والے تمام دروازے کہ جن میں حضرت ابوبکر کے گھر کا بھی دروازہ تھا چنوا دیئے اور صرف امیرالمومنین کے گھر کا دروازہ کھلا رہنے دیا۔

حضرت عائشہ اپنے باپ کے مقابلہ میں حضرت کا تفوق گوارا نہ کرسکتی تھیں اور جب کوئی امتیازی صورت پیدا ہوتی تھی تو اسے مٹانے کی کوشش اٹھا نہ رکھتی تھیں۔ چنانچہ جب پیغمبر نے آخر وقت میں حضرت اسامہ کے ہمراہ لشکر روانہ کیا اور حضرت ابوبکر وحضرت عمر کو بھی ان کی زیر امارت جانے کا حکم دیا تو ازواج پیغمبر کے ذریعہ انہیں یہ پیغام ملتا ہے کہ پیغمبر کی حالت نازک ہے۔لشکر کو آگے بڑھنے کے بجائے پلٹ آنا چاہیے۔ چونکہ ان دوررس نظروں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ مدینہ کو مہاجرین وانصار سے خالی کرنے کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ رحلت نبی کے بعد امیرالمومنین سے کوئی مزاحم نہ ہو اور کسی شورش انگیزی کے بغیر آپ منصب خلافت پر فائز ہوجائیں۔ چنانچہ لشکر اسامہ اس پیغام پر پلٹ آیا۔ جب پیغمبر نے یہ دیکھا تو اسامہ کو پھر لشکر لے جانے کی تاکید فرمائی اور یہ تک فرمایا لعن اللہ علی من تخلف عن جیش اسامۃ جو شخص لشکر اسامہ سے تخلف کرے اس پر خدا کی لعنت ہو۔جس پر وہ پھر روانہ ہوئے مگر پھر انہیں واپس بلایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبر کے مرض نے شدت اختیار کرلی اور لشکر کو روانہ ہونا تھا نہ ہوا۔اس کاروائی کے بعد بلال کے ذریعہ حضرت ابوبکر کو یہ کہلوایا جاتا ہے کہ وہ امامت نماز کے فرائض سرانجام دیں تاکہ ان کی خلافت کیلئے راستہ ہموار ہوجائے۔ چنانچہ

اسی کے پیش نظر انہیں خلیفۃ رسول اللہ علی الصلواۃ کہہ کر علی الاطلاق مان لیا گیا اور پھر ایسا طریقہ اختیار کیا گیا کہ کسی طرح خلافت امیرالمومنین تک نہ پہنچ سکے لیکن دور ثالث کے بعد حالات نے اس طرح کروٹ لی کہ لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کیلئے مجبور ہو گئے۔ حضرت عائشہ اس موقع پر مکہ میں تشریف فرما تھیں انہیں جب حضرت کی بیعت کا علم ہوا تو ان کی آنکھوں سے شرارے برسنے لگے۔ غیظ وغضب نے مزاج میں برہمی پیدا کر دی اور نفرت نے ایسی شدت اختیار کر لی کہ جس خون کے بہانے کا فتویٰ دے چکی تھیں۔ اسی کے قصاص کا سہارا لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں اور کھلم کھلا اعلان جنگ کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں ایسا کشت وخون ہوا کہ بصرہ کی سرزمین کشتوں کے خون سے رنگین ہو گئی۔ اور افتراق انگیزی کا دروازہ ہمیشہ کیلئے کھل گیا۔

خطبہ 155:

دنیا کی بے ثباتی اور اعضاء جوارح کی شہادت

تمام حمد اس اللہ کیلئے ہے جس نے حمد کو اپنے ذکر کا افتتاحیہ، اپنے فضل واحسان کے بڑھانے کا ذریعہ اور اپنی نعمتوں اور عظمتوں کا دلیل راہ قرار دیا ہے۔ اے اللہ کے بندو! باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ بھی زمانہ کی وہی روش رہے گی جو گزر جانے والے کے ساتھ تھی جتنا زمانہ گزر چکا ہے وہ پلٹ کر نہیں آئے گا اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ہمیشہ رہنے والا نہیں آخر میں بھی اس کی مصیبتیں ایک دوسرے سے بڑھ جانا چاہتی ہیں اور اس کے جھنڈے ایک دوسرے کے عقب میں ہیں گویا تم قیامت کے دامن سے وابستہ ہو کہ وہ تمہیں دھکیل کر اس

طرح لیے جا رہی ہے جس طرح للکارنے والا اپنی اونٹنیوں کو جو شخص اپنے نفس کو سنوارنے کے بجائے اور چیزوں میں پڑ جاتا ہے وہ تیرگیوں میں سرگرداں اور ہلاکتوں میں پھنسا رہتا ہے اور شیاطین اسے سرکشیوں میں کھینچ کر لے جاتے ہیں اور اس کی بداعمالیوں کو اس کے سامنے سج دیتے ہیں آگے بڑھنے والوں کی آخری منزل جنت ہے اور عمداً کوتاہیاں کرنے والوں کی حد جہنم ہے۔ اللہ کے بندو! یاد رکھو کہ تقویٰ ایک مضبوط قلعہ ہے اور فسق و فجور ایک (کمزور) چار دیواری ہے کہ جو نہ اپنے رہنے والے سے تباہیوں کو روک سکتی ہے اور نہ ان کی حفاظت کر سکتی ہے۔ دیکھو تقویٰ ہی وہ چیز ہے کہ جس سے گناہوں کا ڈنک کاٹا جاتا ہے اور یقین ہی سے منتہائے مقصد کی کامرانیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اے اللہ کے بندو! اپنے نفس کے بارے میں کہ جو تمہیں تمام نفسوں سے زیادہ عزیز و محبوب ہے اللہ سے ڈرو اس نے تو تمہارے لیے حق کا راستہ کھول دیا ہے اور اس کی راہیں اجاگر کر دی ہیں۔ اب یا تو انمٹ بدبختی ہوگی یا دائمی خوش بختی و سعادت۔ دار فانی سے عالم باقی کیلئے توشہ مہیا کر لو تمہیں زادراہ کا پتہ دیا جا چکا ہے اور کوچ کا حکم مل چکا ہے اور چل چلاؤ کیلئے جلدی مچائی جا رہی ہے۔ تم ٹھہرے ہوئے سواروں کے مانند ہو کہ تمہیں یہ پتہ نہیں کہ کب روانگی کا حکم دیا جائے گا۔ بھلا وہ دنیا کو لے کر کیا کرے گا جو آخرت کیلئے پیدا کیا گیا ہو اور اس مال کا کیا کرے گا جو عنقریب اس سے چھن جانے والا ہے اور اس کا مظلمہ و حساب اس کے ذمہ رہنے والا ہے۔ اللہ کے بندو! خدا نے جس بھلائی کا وعدہ کیا ہے اسے چھوڑا نہیں جا سکتا اور جس برائی سے روکا ہے اس کی خواہش نہیں کی جا سکتی۔ اللہ کے بندو! اس دن سے ڈرو کہ جس میں عملوں کی جانچ

پڑتال اورزلزلوں کی بہتات ہوگی اور بچے تک اس میں بوڑھے ہوجائیں گے۔اے اللہ کے بندو! یقین رکھو کہ خودتمہاراضمیر تمہارانگہبان اورخودتمہارے اعضاء و جوارح تمہارے نگران ہیں اورتمہارے عملوں اور سانسوں کی گنتی کوصحیح صحیح یادرکھنے والے (کراماً کاتبین) ہیں ان سے نہ اندھیری رات کی اندھیاریاں چھپاسکتی ہیں اورنہ بنددروازے تمہیں اوجھل رکھ سکتے ہیں۔ بلاشبہ آنے والاکل «آج کے دن سے قریب ہے۔» «آج کا دن» اپنا سب کچھ لے کرچلا جائے گا۔اور «کل» اس کے عقب میں آیاہی چاہتا ہے۔گویاتم میں سے ہرشخص زمین کےاس حصہ پرکہ جہاں تنہائی کی منزل اورگڑھے کا نشان (قبر) ہے پہنچ چکاہے۔اس تنہائی کے گھر وحشت کی منزل اورمسافرت کے عالم تنہائی (کی ہولناکیوں) کا کیاحال بیان کیاجائے۔گویاکہ صور کی آوازتم تک پہنچ چکی ہےاورقیامت تم پر چھاگئی ہے اورآخری فیصلہ سننے کے لیے تم (قبروں سے) نکل آئے ہو باطل کے پردے تمہاری آنکھوں سے ہٹادیئے گئے ہیں اورتمہارے حیلے بہانے دب چکے ہیں اور حقیقتیں تمہارے لیے ثابت ہوگئی ہیں اورتمام چیزیں اپنے اپنے مقام کی طرف پلٹ پڑی ہیں۔عبرتوں سے پندونصیحت اورزمانہ کے الٹ پھیر سے عبرت حاصل کرواورڈرانے والی چیزوں سے فائدہ اٹھاؤ۔

خطبہ 156: بعثتِ پیغمبراور بنی امیہ کے مظالم اوراُن کاانجام

(اللہ نے) آپ کو اس وقت رسول بنا کر بھیجا جب کہ رسولوں کا سلسلہ رکا ہوا تھا اور امتیں مدت سے پڑی سو رہی تھیں اور (دین کی) مضبوط رسی کے بل کھل چکے تھے۔ چنانچہ آپ ان کے پاس پہلی کتابوں کی تصدیق (کرنے والی کتاب) اور ایک ایسا نور لے کر آئے کہ جس کی پیروی کی جاتی ہے اور وہ قرآن ہے۔ اس کی طرف سے خبر دیتا ہوں کہ اس میں آئندہ کے معلومات گذشتہ واقعات اور تمہاری بیماریوں کا چارہ اور تمہارے باہمی تعلقات کی شیرازہ بندی ہے۔ اس خطبہ کا ایک جزیہ ہے: اس وقت کوئی پختہ گھر اور کوئی اونی خیمہ ایسا نہ بچے گا کہ جس میں ظالم غم وحزن کو داخل نہ کریں اور سختیوں کو اس کے اندر نہ پہنچائیں وہ دن ایسا ہوگا کہ آسمان میں تمہارا کوئی عذر خواہ اور زمین می کوئی تمہارا مددگار نہ رہے گا۔ تم نے امر (خلافت) کیلئے نااہلوں کو چن لیا اور اسی جگہ پر سے لا اتارا کہ جو اس کے اترنے کی جگہ نہ تھی۔ عنقریب اللہ ظلم ڈھانے والوں سے بدلہ لے گا۔ کھانے کے بدلے میں کھانے کا اور پینے کے بدلے میں پینے کا یوں کہ انہیں کھانے کیلئے حنظل اور پینے کے لیے ایلوا اور زہریلا ہل دیا جائے گا اور ان کا اندرونی لباس خوف اور بیرونی پہناوا تلوار ہوگا۔ وہ گناہوں کی سواریاں اور خطاؤں کے باربردار اونٹ ہیں۔ میں قسم پر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے بعد بنی امیہ کو یہ خلافت اس طرح تھوک دینا پڑے گی جس طرح بلغم تھوکا جاتا ہے۔ پھر جب تک دن رات کا چکر چلتا رہے گا وہ اس کا ذائقہ نہ چکھیں گے اور نہ اس کا مزا اٹھا سکیں گے۔

خطبہ 157: لوگوں کے ساتھ آپ کا حسنِ سلوک اور اُن کی لغزشوں سے چشم پوشی

میں تمہارا اچھا ہمسایہ بن کر رہا اور اپنی طاقت بھر تمہاری نگہداشت وحفاظت کرتا رہا اور تمہیں ذلت کے پھندوں اور ظلم کے بندھنوں سے آزاد کیا (یہ صرف) تمہاری تھوڑی سی بھلائی کا شکریہ ادا کرنے اور تمہاری بہت سی ایسی برائیوں سے چشم پوشی برتنے کیلئے کہ جو میری آنکھوں کے سامنے اور میری موجودگی میں ہوتی تھیں۔

خطبہ158:

خداوند عالم کی توصیف، خوف ورجاء، انبیاء کی زندگی، اور امیر المومنین کے پیراھن کی حالت

اس کا حکم فیصلہ کن اور حکمت آمیز اور اس کی خوشنودی امان اور رحمت ہے وہ اپنے علم سے فیصلہ کرتا ہے اور اپنے حلم سے عفو کرتا ہے۔ بارالہا! تو جو کچھ (دے کر) لیتا ہے اور جو کچھ عطا کرتا ہے اور جن (مرضوں سے) شفا دیتا ہے اور جن آزمائشوں میں ڈالتا ہے (سب پر) تیرے لیے حمد وثنا ہے ایسی حمد جو انتہائی درجے تک تجھے پسند آئے اور انتہائی درجے تک تجھے محبوب ہو اور تیرے نزدیک ہر ستائش سے بڑھ چڑھ کر ہو۔ ایسی حمد جو کائنات کو بھر دے اور جو تو نے چاہا ہے اس کی حد تک پہنچ جائے۔ ایسی حمد کہ جس کے آگے تیری بارگاہ تک پہنچنے سے کوئی حجاب ہے اور نہ اس کیلئے کوئی بندش ایسی حمد کہ جس کی گنتی نہ کہیں پر ٹوٹے اور نہ اس کا سلسلہ ختم ہو ہم تیری عظمت و بزرگی کی حقیقت کو نہیں جانتے مگر اتنا کہ تو زندہ و کارساز (عالم) ہے نہ تجھے غنودگی ہوئی ہے اور نہ نیند آتی ہے نہ تار نظر تجھ تک پہنچ سکتا ہے اور نہ نگاہیں

تجھے دیکھ سکتی ہیں تو نے نظروں کو پالیا ہے اور عمروں کا احاطہ کرلیا ہے اور پیشانی کے بالوں کو پیروں (سے ملاکر) گرفت میں لے لیا ہے یہ تیری مخلوق کیا ہے جو ہم دیکھتے ہیں اور اس میں تیری قدرت (کی کارسازیوں) پر تعجب کرتے ہیں اور تیری عظیم فرمانروائی (کی کارفرمائیوں) پر اس کی توصیف کرتے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ (مخلوقات) جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور جس تک پہنچنے سے ہماری نظریں عاجز اور عقلیں درماندہ ہیں اور ہمارے اور جن کے درمیان عیب کے پردے حائل ہیں اس سے کہیں زیادہ باعظمت ہے جو شخص (وسوسوں سے) اپنے دل کو خالی کرکے اور غور وفکر (کی قوتوں) سے کام لے کر یہ جاننا چاہے کہ تو نے کیونکر عرش کو قائم کیا ہے اور کس طرح مخلوقات کو پیدا کیا ہے اور کیونکر آسمانوں کو فضا میں لٹکایا ہے اور کس طرح پانی کے تھپیڑوں پر زمین کو بچھایا ہے تو اس کی آنکھیں تھک کر عقل مغلوب ہوکر اور کان حیران وسراسیمہ اور فکر گم گشتہ راہ ہوکر پلٹ آئے گی۔

اسی خطبہ کا ایک جزیہ ہے: وہ اپنے خیال میں اس کا دعوے دار بنتا ہے کہ اس کا دامن امید اللہ سے وابستہ ہے۔ خدائے برتر کی قسم وہ جھوٹا ہے (اگر ایسا ہی ہے) تو پھر کیوں اس کے اعمال میں اس امید کی جھلک نمایاں نہیں ہوتی جبکہ ہر امیدوار کے کاموں میں امید کی پہچان ہوجایا کرتی ہے۔ سوائے اس امید کے کہ جو اللہ سے لگائی جائے کہ اس میں کھوٹ پایا جاتا ہے اور ہر خوف و ہراس جو (دوسروں سے ہو) ایک مسلمہ حقیقت رکھتا ہے۔ مگر اللہ کا خوف غیر یقینی ہے وہ اللہ سے بڑی چیزوں کا اور بندوں سے چھوٹی چیزوں کا امیدوار ہوتا ہے پھر بھی جو عاجزی کا رویہ بندوں سے رکھتا ہے۔ وہ رویہ اللہ سے نہیں برتتا تو آخر کیا بات ہے کہ اللہ کے

حق میں اتنا بھی نہیں کیا جاتا جتنا بندوں کے لیے کیا جاتا ہے کیا تمہیں کبھی اس کا اندیشہ ہوا ہے کہ کہیں تم ان امیدوں (کے دعوؤں) میں جھوٹے تو نہیں؟ یا یہ کہ تم اسے محل امید ہی نہیں سمجھتے یوں ہی انسان اگر اس کے بندوں میں سے کسی بندے سے ڈرتا ہے تو جو خوف کی صورت اس کے لیے اختیار کرتا ہے اللہ کیلئے ویسی صورت اختیار نہیں کرتا انسانوں کا خوف تو اس نے نقد کی صورت میں رکھا ہے اور اللہ کا ڈر صرف ٹال مٹول اور (غلط سلط) وعدے یوں ہی جس کی نظروں میں دنیا عظمت پا لیتی ہے اور اس کے دل میں اس کی عظمت و وقعت بڑھ جاتی ہے تو وہ اسے اللہ پر ترجیح دیتا ہے اور اس کی طرف مڑتا ہے اور اسی کا بندہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول و عمل پیروی کے لیے کافی ہے اور ان کی ذات دنیا کے عیب و نقص اور اس کی رسوائیوں اور برائیوں کی کثرت دکھانے کیلئے رہنما ہے۔ اس لیے کہ اس دنیا کے دامنوں کو ان سے سمیٹ لیا گیا اور دوسروں کیلئے اس کی وسعتیں مہیا کر دی گئیں وراس (زال دنیا کی چھاتیوں سے) آپ کا دودھ چھڑا دیا گیا اور اس کی آرائشوں سے آپ کا رخ موڑ دیا گیا۔ اگر دوسرا نمونہ چاہو تو موسیٰ کلیم اللہ ہیں کہ جنھوں نے اپنے اللہ سے کہا کہ: پروردگار! تو جو کچھ بھی اس وقت تھوڑی بہت نعمت بھیج دے گا میں اس کا محتاج ہوں خدا کی قسم انہوں نے صرف کھانے کے لیے روٹی کا سوال کیا تھا۔ چونکہ وہ زمین کا ساگ پات کھاتے تھے اور لاغری اور (جسم پر) گوشت کی کمی کی وجہ سے ان کے پیٹ کی نازک جلد سے گھاس پات کی سبزی دکھائی دیتی تھی اگر چاہو تو تیسری مثال داؤد علیہ السلام کی سامنے رکھ لو جو صاحب زبور اور اہل جنت کے قاری ہیں۔ وہ اپنے ہاتھ

سے کھجور کی پتیوں کی ٹوکریاں بنا کرتے تھے اور اپنے ساتھیوں سے فرماتے تھے کہ تم میں سے کون ہے جو انہیں بیچ کر میری دستگیری کرے (پھر) جو اس کی قیمت ملتی اس سے جو کی روٹی کھا لیتے تھے۔ اگر چاہو تو عیسیٰ ابن مریم کا حال کہوں کہ جو (سر کے نیچے) پتھر کا تکیہ رکھتے تھے سخت اور کھردرا لباس پہنتے تھے اور (کھانے) میں سالن کے بجائے بھوک اور رات کے چراغ کی جگہ چاند اور سردیوں میں سایہ کے بجائے (ان کے سر پر) زمین کے مشرق و مغرب کا سائبان ہوتا تھا اور زمین جو گھاس پھوس چوپاؤں کے لیے اگاتی تھی وہ ان کے لیے پھل پھول کی جگہ تھی نہ ان کی بیوی تھیں جو انہیں دنیا (کے جھنجٹوں) میں مبتلا کرتیں اور نہ بال بچے تھے کہ ان کے لیے فکر و اندوہ کا سبب بنتے اور نہ مال و متاع تھا کہ ان کی توجہ کو موڑتا اور نہ کوئی طمع تھی کہ انہیں رسوا کرتی۔ ان کی سواری ان کے دونوں پاؤں اور خادم ان کے دونوں ہاتھ تھے۔ تم اپنے پاک و پاکیزہ نبی کی پیروی کرو چونکہ ان کی ذات اتباع کرنے والے کے لیے ڈھارس ہے۔ ان کی پیروی کرنے والا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والا ہی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے جنہوں نے دنیا کو (صرف ضرورت بھر) چکھا اور اسے نظر بھر کر نہیں دیکھا وہ دنیا میں سب سے زیادہ شکم تہی میں بسر کرنے والے اور خالی پیٹ رہنے والے تھے۔ ان کے سامنے دنیا کی پیش کش کی گئی تو انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور (جب) جان لیا کہ اللہ نے ایک چیز کو برا جانا ہے تو آپ نے بھی اسے برا ہی جانا اور اللہ نے ایک چیز کو حقیر سمجھا ہے تو آپ نے بھی اسے حقیر ہی سمجھا اور اللہ نے ایک چیز کو پست قرار دیا ہے تو آپ نے بھی اسے پست ہی قرار دیا۔ اگر ہم میں صرف یہی ایک چیز ہو

کہ ہم اس شے کو چاہنے لگیں جسے اللہ اور رسول برا سمجھتے ہیں اور اس چیز کو برا سمجھنے لگیں جسے وہ حقیر سمجھتے ہیں تو اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم سے سرتابی کیلئے یہی بہت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے جوتی ٹانکتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے اور بے پالان کے گدھے پر سوار ہوتے تھے اور اپنے پیچھے کسی کو بٹھا بھی لیتے تھے۔ گھر کے دروازہ پر (ایک دفعہ) ایسا پردہ پڑا تھا جس میں تصویریں تھیں۔ تو آپ نے اپنے ازواج میں سے ایک کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اسے میری نظروں سے ہٹا دو۔ جب میری نظریں اس پر پڑتی ہیں تو مجھے دنیا اور اس کی آرائشیں یاد آجاتی ہیں۔ آپ نے دنیا سے دل ہٹا لیا تھا اور اس کی یاد تک اپنے نفس سے مٹا ڈالی تھی اور یہ چاہتے تھے کہ اس کی سج دھج نگاہوں سے پوشیدہ رہے تاکہ نہ اس سے عمدہ عمدہ لباس حاصل کریں اور نہ اسے اپنی منزل خیال کریں اور نہ اس میں زیادہ قیام کی آس لگائیں انہوں نے اس کا خیال نفس سے نکال دیا تھا اور دل سے اسے ہٹا دیا تھا اور نگاہوں سے اسے اوجھل رکھا تھا۔ یونہی جو شخص کسی شے کو برا سمجھتا ہے تو نہ اسے دیکھنا چاہتا ہے اور نہ اس کا ذکر سننا گوارا کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے عادات وخصائل) میں ایسی چیزیں ہیں کہ جو تمہیں دنیا کے عیوب وقبائح کا پتہ دیں گی۔ جبکہ آپ اس دنیا میں اپنے خاص افراد سمیت بھوکے رہا کرتے تھے اور باوجود انتہائی قرب منزلت کے اس کی آرائشیں ان سے دور رکھی گئیں چاہیے کہ دیکھنے والا عقل کی روشنی میں دیکھے کہ اللہ نے انہیں دنیا نہ دے کر ان کی عزت

بڑھائی ہے یا اہانت کی ہے اگر کوئی یہ کہے کہ اہانت کی ہے تو اس نے جھوٹ کہا ہے اور بہت بڑا بہتان باندھا اور اگر یہ کہے کہ عزت بڑھائی ہے تو اسے یہ جان لینا چاہیے کہ اللہ نے دوسروں کی بے عزتی ظاہر کی جبکہ انہیں دنیا کی زیادہ سے زیادہ وسعت دے دی اور اس کا رخ اپنے مقرب ترین بندے سے موڑ رکھا۔ پیروی کرنے والے کو چاہیے کہ ان کی پیروی کرے اور ان کے نشان قدم پر چلے اور انہی کی منزل میں آئے ورنہ ہلاکت سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اللہ نے ان کو (قرب) قیامت کی نشانی اور جنت کی خوشخبری سنانے والا اور عذاب سے ڈرانے والا قرار دیا ہے۔ دنیا سے آپ بھوکے نکل کھڑے ہوئے اور آخرت میں سلامتیوں کے ساتھ پہنچ گئے۔ آپ نے تعمیر کیلئے کبھی پتھر پر پتھر نہیں رکھا۔ یہاں تک کہ آخرت کی راہ پر چل دیئے اور اللہ کی طرف بلاوا دینے والے کی آواز پر لبیک کہی۔ یہ اللہ کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ایک پیشرو و پیشوا جیسی نعمت عظمیٰ بخشی کہ جن کی ہم پیروی کرتے ہیں اور قدم بہ قدم چلتے ہیں (انہی کی پیروی میں) خدا کی قسم میں نے اپنی اس قمیض میں اتنے پیوند لگائے ہیں کہ مجھے پیوند لگانے والے سے شرم آنے لگی ہے۔ مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا کہ کیا آپ اسے اتاریں گے نہیں؟ تو میں نے سے کہا کہ میری (نظروں سے) دور ہو کہ صبح کے وقت ہی لوگوں کو رات کے چلنے کی قدر ہوتی ہے اور وہ اس طرح کی مدح کرتے ہیں۔

خطبہ 159:

دینِ اسلام کی عظمت اور دنیا سے درسِ عبرت حاصل کرنے کی تعلیم

اللہ نے اپنے رسول کو چمکتے ہوئے نور، روشن دلیل، کھلی ہوئی راہ، شریعت اور ہدایت دینے والی کتاب کے ساتھ بھیجا ان کا قوم وقبیلہ بہترین قوم وقبیلہ اور شجرہ بہترین شجرہ ہے کہ جس کی شاخیں سیدھی اور پھل جھکے ہوئے ہیں۔ ان کا مولد مکہ اور ہجرت کا مقام مدینہ ہے کہ جہاں سے آپ کے نام کا بول بالا ہوا اور آپ کا آوازہ (چارسو) پھیلا اللہ نے آپ کو مکمل دلیل شفا بخش نصیحت اور (پہلی حالتوں کی) تلافی کرنے والا پیغام دے کر بھیجا اور ان کے ذریعہ سے (شریعت کی) نامعلوم راہیں آشکار کیں اور غلط سلط بدعتوں کا قلع قمع کیا اور (قرآن وسنت میں) بیان کئے ہوئے احکام واضح کئے تو اب جو شخص بھی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے تو اس کی بدبختی مسلم، اس کا شیرازہ درہم و برہم اور اس کا منہ کے بل گرنا سخت و (ناگزیر) اور انجام طویل حزن اور مہلک عذاب ہے۔ میں اللہ پر بھروسا رکھتا ہوں ایسا بھروسا کہ جس میں ہمہ تن اس کی طرف توجہ ہے اور ایسے راستے کی ہدایت چاہتا ہوں کہ جو اس کی جنت تک پہنچانے والا اور منزل مطلوب کی طرف بڑھنے والا ہے۔ اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ تقویٰ ہی کل رستگاری (کا وسیلہ) اور نجات کی منزل دائمی ہوگا۔ اس نے اپنے عذاب سے ڈرایا تو سب کو خبردار کر دیا اور جنت کی رغبت دلائی تو اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی دنیا اور اس کے فنا وزوال

اوراس کے پلٹ جانے کوکھول کر بیان کیا۔ جو چیزیں اس دنیا سے تمہیں اچھی معلوم ہوتی ہیں ان سے پہلو بچائے رکھو۔ کیونکہ ان میں سے ساتھ جانے والی تو بہت ہی تھوڑی ہیں۔ دنیا کی منزل اللہ کی ناراضگیوں سے قریب اوراس کی رضامندیوں سے دور ہے۔ اللہ کے بندوں اس کی فکروں اوراس کے دھندوں سے آنکھیں بند کرلواس لیے کہ تمہیں یقین ہے کہ آخر یہ جدا ہو جانے والی ہے اوراس کے حالات پلٹا کھانے والے ہیں۔ اس دنیا سے اس طرح خوف کھاؤ جس طرح کوئی ڈرنے والا اوراپنے نفس کا خیرخواہ اور جانفشانی کے ساتھ کوشش کرنے والا ڈرتا ہے۔ تم نے اپنے سے پہلے لوگوں کے جوگرنے کی جگہیں دیکھی ہیں ان سے عبرت حاصل کروکہ ان کے جوڑ بند الگ الگ ہوگئے۔ نہ ان کی آنکھیں رہیں اور نہ کان۔ ان کا شرف ووقار مٹ گیا ان کی مسرتیں اور نعمتیں جاتی رہیں اور بال بچوں کے قرب کے بجائے علیحدگی اور بیویوں سے ہم نشینی کے بجائے ان سے جدائی ہوگئی۔ اب نہ وہ فخر کرتے ہیں اور نہ انکے اولاد ہوتی ہے۔ نہ ایک دوسرے سے ملتے ملاتے ہیں اور نہ آپس میں ایک دوسرے کے ہمسایہ بن کر رہتے ہیں۔ اے اللہ کے بندو! ڈرو جس طرح اپنے نفس پر قابو پا لینے والا اور اپنی خواہشوں کو دبانے والا اور چشم بصیرت سے دیکھنے والا ڈرتا ہے کیونکہ (ہر) چیز واضح ہو چکی ہے۔ نشانات قائم ہیں راستہ ہموار ہے اور راہ سیدھی ہے۔

خطبہ 160:

حضرت کو خلافت سے الگ رکھنے کے وجوہ

حضرت کے اصحاب میں سے ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ لوگوں نے آپ کو

منصب سے الگ رکھا۔ حالانکہ آپ اس کے زیادہ حقدار تھے۔ تو آپ نے فرمایا: کہ اے برادر بنی اسد! تم بہت تنگ حوصلہ ہو اور بے راہ ہو کر چل نکلے ہو۔ (اسکے باوجود) چونکہ ہمیں تمہاری قرابت کا پاس ولحاظ ہے اور تمہیں سوال کرنے کا حق بھی ہے تو اب دریافت کیا ہے تو پھر جان لو کہ (ان لوگوں کا) اس منصب پر خود اختیاری سے جم جانا باوجودیکہ ہم نسب کے اعتبار سے بلند تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ قرابت بھی قوی تھا ان کی یہ خود غرضی تھی جس میں کچھ لوگوں کے نفس اس پر مر مٹے تھے اور کچھ لوگوں کے نفسوں نے اس کی پرواتک نہ کی اور فیصلہ کرنے والا اللہ ہے اور اس کی طرف بازگشت قیامت کے روز ہے۔ (اس کے بعد حضرت نے بطور تمثیل یہ مصرع پڑھا) 1 "چھوڑو اس لوٹ مار کے ذکر کو کہ جس کا چاروں طرف شور مچا ہوا تھا۔" اب تو اس مصیبت کو دیکھو کہ جو ابوسفیان کے بیٹے کی وجہ سے آئی ہے مجھے تو (اس پر) زمانہ نے رلانے کے بعد ہنسایا ہے اور زمانہ کی (موجودہ روش سے) خدا کی قسم! کوئی تعجب نہیں ہے۔ اس مصیبت پر تعجب ہوتا ہے کہ جس سے تعجب کی حد ہوگئی ہے۔ اور جس نے بے راہ رویوں کو بڑھا دیا ہے۔ کچھ لوگوں نے اللہ کے روشن چراغ کا نور بجھانا چاہا اور اس کے سرچشمہ (ہدایت کے) فوارے کو بند کرنے کے درپے ہوئے اور میرے اور اپنے درمیان زہریلے گھونٹوں کی آمیزش کی۔ اگر اس ابتلا کی دشواریاں ہمارے اور ان کے درمیان سے اٹھ جائیں تو میں انہیں خالص حق کے راستے پر لے چلوں گا اور اگر کوئی اور صورت ہوگئی تو پھر ان پر حسرت وافسوس کرتے ہوئے تمہارا دم نہ نکلے۔ اس لیے کہ یہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

ا۔ یہ عرب کے مشہور شاعر امراء القیس کے ایک شعر کا مصرع ہے جس کا دوسرا مصرع یہ ہے۔ «وھات حدیثا ما حدیث الرواحل» اس شعر کا واقعہ یہ ہے کہ جب امراء القیس کا باپ حجر کندی مارا گیا تو وہ قبائل عرب میں چکر لگا تا تھا تا کہ ان کی مدد سے اپنے باپ کا قصاص لے سکے۔ چنانچہ بنی جدیلہ کے ایک شخص طریف کے یہاں چند دن ٹھہرا اور پھر وہاں سے اپنے کو غیر محفوظ سمجھ کر چل دیا اور خالد ابن سدوس کے ہاں جا اترا اس دوران میں بنی جدیلہ کا ایک شخص باعث ابن خویص اس کا اونٹ ہنکا لایا۔ امراء القیس نے اپنے میزبان سے اس کا شکوہ کیا تو اس نے کہا کہ تم اپنی اونٹنیاں میرے ساتھ کر دو میں تمہارے اونٹ ان سے واپس لائے دیتا ہوں۔ چنانچہ خالد ان کے ہاں گیا اور ان سے کہا کہ تم نے میرے مہمان کے اونٹوں کو لوٹ لیا ہے۔ تمہیں ان اونٹوں کو واپس کر دینا چاہیے۔ ان لوگوں نے کہا کہ وہ نہ تمہارا مہمان ہے اور نہ تمہاری زیر حمایت ہے خالد نے قسم کھا کر کہا کہ واقعی میرا مہمان ہے اور یہ اس کی اونٹنیاں میرے ساتھ ہیں۔ ان لوگوں نے کہا کہ پھر ہم وہ اونٹ واپس کر دیئے دیتے ہیں کہا تو یہ لیکن ان اونٹوں کو واپس کرنے کے بجائے ان اونٹنیوں کو بھی ہنکا کر لے گئے اور ایک قول یہ ہے کہ ان لوگوں نے وہ اونٹ خالد کے روانہ کر دیئے تھے اور اس نے امراء القیس کو دینے کے بجائے خود ان پر قبضہ کر لیا تھا۔ جب امراء القیس کو اس کا پتہ چلا تو اس نے چند اشعار کہے جن کا ایک شعر یہ تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ان اونٹوں کا ذکر چھوڑو جنہیں لوٹا جا چکا ہے۔ اب ان اونٹنیوں کی بات کرو جو ہاتھ سے جاتی رہی ہے۔

حضرت کے اس شعر کو بطور تمثیل پیش کرنے سے مقصد یہ ہے کہ اب جبکہ معاویہ برسر پیکار ہے اس کی بات کرو اور ان لوگوں کی غارت گریوں کا ذکر رہنے دو کہ جنہوں نے پیغمبر کے بعد میرے حق پر چھاپہ مارا۔ وہ دور گزر چکا ہے اب اس دور کے فتنوں سے نپٹنے کا وقت ہے۔ لہذا وقت کی بات کرو اور بے وقت کی راگنی نہ چھیڑو۔ یہ اس لیے فرمایا کہ سائل نے یہ سوال جنگ صفین کے موقع پر کیا تھا۔ جب جنگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے اور کشت و خون کی گرم بازاری تھی۔

خطبہ 161:

اللہ کی توصیف اور انسان کی خلقت

تمام حمد اس اللہ کیلئے ہے جو بندوں کا پیدا کرنے والا فرش زمین کا بچھانے والا ندی نالوں کا بہانے والا اور ٹیلوں کو سرسبز و شاداب بنانے والا ہے۔ نہ اس کی اولیت کی کوئی ابتداء اور نہ اس کی ازلیت کی کوئی انتہا ہے وہ ایسا اول ہے جو ہمیشہ ہے اور بغیر کسی مدت کی حد بندی کے ہمیشہ رہنے والا ہے پیشانیاں اس کے آگے (سجدہ میں) گری ہوئی ہیں اور لب اس کی توحید کے معترف ہیں اس نے تمام چیزوں کو ان کے پیدا کرنے کے وقت ہی سے جداگانہ صورتوں اور شکلوں میں محدود کر دیا تاکہ اپنی ذات کو ان کی مشابہت سے الگ رکھے۔ تصورات اسے حدود و حرکات اور اعضاء و حواس کے ساتھ متعین نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب سے ہے» اور نہ یہ کہہ کر اس کی مدت مقرر کی جا سکتی ہے کہ وہ

« کب تک ہے۔» وہ ظاہر ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ « کس سے (ظاہر ہوا) وہ باطن ہے مگر یہ نہیں کہا جائے گا کہ (کس میں) وہ نہ دور سے نظر آنے والا کوئی ڈھانچہ ہے کہ مٹ جائے اور نہ کسی حجاب میں ہے کہ محدود ہو جائے۔ وہ چیزوں سے اس طرح قریب نہیں کہ ساتھ چھو جائے اور نہ وہ جسمانی طور پر ان سے الگ ہو کر دور ہوا ہے۔ اس سے کسی کا ٹکٹکی باندھ باندھ کر دیکھنا کسی لفظ کا دہرایا جانا کسی بلندی کا دور سے جھلکنا اور کسی قدم کا آگے بڑھنا پوشیدہ نہیں ہے نہ اندھیری راتوں میں اور نہ چھائی ہوئی اندھیاریوں میں کہ جن پر روشن چاند اپنی کرنوں کا سایہ ڈالتا ہے اور نورانی آفتاب طلوع وغرب (کے چکروں) میں اور زمانہ کی ان کی گردشوں میں اندھیرے کے بعد نور پھیلاتا ہے کہ جو آنے والی رات اور جانے والے دن کی آمد وشد سے (پیدا) ہوتی ہے وہ ہر مدت وانتہا اور ہر گنتی اور شمار سے پہلے ہے۔ اسے محدود سمجھ لینے والے جن اندازوں اور اطراف وجوانب کی حدوں اور مکانوں میں بسنے اور جگہوں میں ٹھہرنے کو اس کی طرف منسوب کر دیتے ہیں وہ ان نسبتوں سے بہت بلند ہے۔ حدیں تو اس کی۔ مخلوق کیلئے قائم کی گئی ہیں اور دوسروں ہی کی طرف ان کی نسبت دی جایا کرتی ہے۔

اس نے اشیاء کو کچھ ایسے مواد سے پیدا نہیں کیا کہ جو ہمیشہ سے ہو اور نہ ایسی مثالوں پر بنایا کہ جو پہلے سے موجود ہوں بلکہ اس نے جو چیز پیدا کی اسے مستحکم کیا اور جو ڈھانچہ بنایا اسے اچھی شکل وصورت دی۔ کوئی شے اس کے (حکم سے) سرتابی نہیں کرسکتی نہ اس کو کسی اطاعت سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔

اسے پہلے مرنے والوں کا ویسا ہی علم ہے جیسا باقی رہنے والے زندہ لوگوں کا اور جس طرح بلند آسمانوں کی چیزوں کو جانتا ہے۔ ویسے ہی پست زمینوں کی چیزوں کو پہچانتا ہے۔ اسی خطبہ کا ایک جزیہ ہے:

اے وہ مخلوق کہ جس کی خلقت کو پوری طرح درست کیا گیا ہے اور جسے شکم کی اندھیاریوں اور دوہرے پردوں میں بنایا گیا ہے اور ہر طرح سے ان کی نگہداشت کی گئی ہے۔ تیری ابتدا مٹی کے خلاصہ سے ہوئی اور تجھے جانے پہچانے ہوئے وقت اور طے شدہ مدت تک ایک جماؤ پانے کی جگہ میں ٹھہرایا گیا کہ تو جنین ہونے کی حالت میں ماں کے پیٹ میں پھرتا تھا نہ تو کسی پکار کا جواب دیتا تھا اور نہ کوئی آواز سنتا تھا۔ پھر تو اپنے ٹھکانے سے ایسے گھر میں لایا گیا کہ جو تیرا دیکھا بھالا ہوا نہ تھا اور نہ اس سے نفع حاصل کرنے کے طریقے پہچانتا تھا کس نے تجھ کو ماں کی چھاتی سے غذا حاصل کرنے کی راہ بتائی اور ضرورت کے وقت طلب مقصود کی جگہ پہنچوائیں۔ بھلا جو شخص ایک صورت و اعضاء والی کے پہچاننے سے بھی عاجز ہو وہ اس کے پیدا کرنے والے کی صفات سے کیسے عاجز و درماندہ نہ ہوگا اور کیونکر مخلوقات کی سی حد بندیوں کے ساتھ اسے پالینے سے دور نہ ہوگا۔

خطبہ 162:

امیر المومنین علیہ السلام کا حضرت عثمان سے مکالمہ اور ان کی دامادی پر ایک نظر

جب امیر المومنین کے پاس لوگ جمع ہو کر آئے اور عثمان کے متعلق جو باتیں انہیں بری معلوم

ہوئی تھیں ان کا گلہ کیا اور چاہا کہ حضرت ان کی طرف سے بات چیت کریں اور لوگوں کو رضا مند کرنے کا ان سے مطالبہ کریں۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور ان سے کہا کہ لوگ میرے پیچھے (منتظر) ہیں اور مجھے اس مقصد سے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ میں تمہارے اور ان کے قضیوں کو نپٹاؤں خدا کی قسم 1 میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تم سے کیا کہوں جب کہ میں (اس سلسلہ میں) ایسی کوئی بات نہیں جانتا کہ جس سے تم بے خبر ہو اور نہ کوئی ایسی چیز بتانے والا ہوں کہ جس کا تمہیں علم نہ ہو جو تم جانتے ہو وہ ہم جانتے ہیں۔ تم سے پہلے ہمیں کسی چیز کی خبر تھی کہ تمہیں بتائیں اور نہ علیحدگی میں کچھ سنا ہے کہ تم تک پہنچائیں جیسے ہم نے دیکھا ویسے تم نے بھی دیکھا اور جس طرح ہم نے سنا تم نے بھی سنا۔ جس طرح ہم رسول اللہ کی صحبت میں رہے۔ تم بھی رہے اور حق پر عمل پیرا ہونے کی ذمہ داری ابن ابی قحافہ اور ابن خطاب پر اس سے زیادہ نہ تھی جتنی کہ تم پر ہونا چاہیے اور تم رسول سے خاندانی قرابت کی بناء پر ان دونوں سے قریب تر بھی ہو اور ان کی ایک طرح کی دامادی بھی تمہیں حاصل ہے کہ جو انہیں حاصل نہ تھی کچھ اپنے دل میں اللہ کا بھی خوف کرو۔ خدا کی قسم اس لیے تمہیں سمجھایا نہیں جا رہا ہے کہ تمہیں کچھ نظر آ نہ سکتا ہو اور نہ اس لیے یہ چیزیں تمہیں بتائی جا رہی ہیں کہ تمہیں علم نہ ہو اور (لاعلمی کے کیا معنی) جب کہ شریعت کی راہیں واضح اور دین کے نشانات قائم ہیں۔ یاد رکھو کہ اللہ کے نزدیک سب بندوں سے بہتر وہ انصاف پرور حاکم ہے جو خود بھی ہدایت پائے اور دوسروں کو بھی ہدایت کرے اور جانی پہچانی ہوئی سنت کو مستحکم کرے اور انجانی بدعتوں کو فنا کرے۔ سنتوں کے نشانات جگمگا رہے ہیں اور بدعتوں کی علامتیں بھی

واضح ہیں اور اللہ کے نزدیک سب لوگوں سے بدتر وہ ظالم حکمران ہے جو گمراہی میں پڑا رہے اور دوسرے بھی اس کیوجہ سے گمراہی میں پڑیں اور (رسول سے) حاصل کی ہوئی سنتوں کو تباہ اور قابل ترک بدعتوں کو زندہ کرے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن ظالم کو اس طرح لایا جائے گا کہ نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی عذرخواہ اور اسے (سیدھا) جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور وہ اس میں اس طرح چکر کھائے گا جس طرح چکی گھومتی ہے اور پھر اسے جہنم کے گہراؤ میں جکڑ دیا جائے گا۔ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم اس امت کے وہ سربراہ نہ بنو کہ جسے قتل ہی ہونا ہے۔ چونکہ کہا گیا ہے کہ اس امت میں ایک ایسا حاکم مارا جائے گا جو اس کے لیے قیامت تک قتل و خون ریزی کا دروازہ کھول دے گا اور اس کے تمام امور کو اشتباہ میں ڈال دے گا اور اس میں فتنوں کو پھیلائے کہ وہ لوگ حق کو باطل سے الگ کر کے نہ دیکھ سکیں گے اور وہ فتنوں میں (دریا کی) موجوں کی طرح الٹے پلٹے کھائیں گے اور انہی میں تہ و بالا ہوتے رہیں گے۔ تم مروان کی سواری نہ بن جاؤ کہ وہ تمہیں جہاں چاہے کھینچتا پھرے اور جب کہ تم سن رسیدہ بھی ہو اور عمر بھی بیت چکی ہے۔ (عثمان نے کہا): کہ آپ ان لوگوں سے بات کریں کہ وہ مجھے (کچھ عرصہ کیلئے) مہلت دیں کہ میں ان کی حق تلفیوں سے عہدہ برآ ہوسکوں تو آپ نے فرمایا کہ جن چیزوں کا تعلق مدینہ سے ہے ان میں تو کوئی مہلت کی ضرورت نہیں۔ البتہ وہ جگہیں نگاہوں سے اوجھل (اور دور) ہیں ان کیلئے اتنی مہلت ہوسکتی ہے کہ تمہارا فرمان وہاں تک پہنچ جائے۔

ا۔حضرت عثمان کے دور خلافت میں جب حکومت اور اس کے کارندوں کے ستائے ہوئے مسلمان اکابر صحابہ تک اپنی فریاد پہنچانے کیلئے مدینہ میں سمٹ آئے تو پر امن طریق کار اختیار کرتے ہوئے امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے خواہش کی کہ وہ حضرت عثمان سے مل کر انہیں سمجھائیں بجھائیں کہ وہ مسلمانوں کے حقوق پامال نہ کریں اور ان فتنوں کا سدباب کریں جو رعیت کیلئے تباہی کا باعث بن رہے ہیں۔جس پر حضرت ان کے ہاں تشریف لے گئے اور اس موقع پر یہ کلام ارشاد فرمایا:

امیرالمومنین نے موعظت کی تلخیوں کو خوشگوار بنانے کیلئے تمہید میں وہ لب ولہجہ اختیار کیا ہے جو اشتعال دلانے کے بجائے ان میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرے وار فرائض کی جانب متوجہ کرے۔ چنانچہ ان کی صحابیت شخصی اہمیت اور شیخین کے مقابلہ میں پیغمبر سے ان کی خاندانی قرابت کو ظاہر کرنے سے اسی فرض شناسی کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ موقعہ ان کی مدح سرائی کا نہ تھا کہ آخر کلام سے آنکھیں بند کر کے اسے قصیدا ؔ شرف سمجھ لیا جائے جبکہ تمہید سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کرتے تھے جان بوجھ کر کرتے تھے۔ایسا نہ تھا کہ انہیں علم واطلاع نہ ہو اور لاعلمی پر ان کی لغزشوں کو قابل مواخذہ نہ سمجھا جائے ہاں اگر رسول اللہ کی صحبت میں رہنے ان کی تعلیمات کو سننے ان کے طرز عمل کو دیکھنے اور اسلامی احکام پر مطلع ہونے کے بعد ایسا طور طریقہ اختیار کرنا کہ جس سے دنیائے اسلام چیخ اٹھے کوئی فضیلت ہے تو پھر اس تعریض کو بھی مدح سمجھا جاسکتا ہے۔اگر وہ فضیلت

نہیں ہے تو پھر اسے بھی مدح نہیں کہا جا سکتا حالانکہ جن لفظوں کو مدح سمجھ کر پیش کیا جاتا ہے وہ ان کے جرم کی سنگینی ثابت کرنے کیلئے ہیں کیونکہ بے خبری و لاعلمی میں جرم اتنا سنگین نہیں ہوتا جتنا جانتے بوجھتے ہوئے۔ جرم کا ارتکاب اس کے وزن کو بڑھا دیتا ہے۔ چنانچہ اگر راستے کے نشیب و فراز سے ناواقف شخص گھپ اندھیرے میں ٹھوکر کھائے تو اسے معذور سمجھ لیا جاتا ہے اور اگر راستے کے گڑھوں سے واقف دن کے اجالے میں ٹھوکر کھائے تو اسے سرزنش کے قابل سمجھا جاتا ہے اور اگر اس موقع پر اس سے یہ کہا جائے کہ تم آنکھیں بھی رکھتے ہو۔ راستے کی اونچ نیچ سے بھی واقف ہو تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اس کی وسعت علمی و روشنی چشم کو سراہا جا رہا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے آنکھوں کے ہوتے ہوئے پھر راستے کے گڑھوں کو نہ دیکھا اور جاننے بوجھنے کے باوجود پھر سنبھل کر نہ چلا۔ لہذا آنکھوں کا ہونا نہ ہونا برابر اور جاننا نہ جاننا کیسا ہے۔

اس سلسلہ میں ان کی دامادی پر بڑا زور دیا جاتا ہے کہ پیغمبر نے اپنی دو صاحبزادیوں رقیہ و ام کلثوم کا عقد یکے بعد دیگرے ان سے کیا۔ اس کی وجہ شرف ماننے سے قبل یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ دامادی عثمان کو نوعیت کیا ہے۔ تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ اس میں اولیت کا شرف حضرت عثمان کو حاصل نہ تھا بلکہ ان سے قبل رقیہ و ام کلثوم ابولہب کے بیٹوں عتبہ و عتبیہ سے منسوب تھیں۔ مگر ان کو باوجود پہلا داماد ہونے کے قبل از بعثت کے صاحبان شرف میں بھی اب تک شمار نہیں کیا گیا تو یہاں کسی جوہر ذاتی کے بغیر اس نسبت کو کس بنا پر سرمایہ افتخار

سمجھا جا سکتا ہے جب کہ اس رشتہ کی اہمیت کے متعلق نہ کوئی سند ہے اور نہ اس ماحول میں اس طرف کوئی توجہ پائی جاتی تھی کہ یہ کہا جائے کہ کسی اہم ترین عظمت کی مالک شخصیت اور ان میں معاملہ دائر تھا۔ پھر یہ منتخب ہو کر یہ شرف پا گئے۔ یا یہ کہ ان دونوں بیٹیوں کو تاریخ و حدیث و سیر میں کسی کرداری شخصیت کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہو۔ جس کی وجہ سے اس رشتہ کو خاص اہمیت دے کر ان کیلئے طرہ امتیاز قرار دیا جائے۔ اگر قبل بعثت عتبہ وعتیبہ سے ان کا بیاہا جانا اس بناء پر صحیح سمجھا جاتا ہے کہ اس وقت مشرکین کے ساتھ عقد کی حرمت کا سوال پیدا نہ ہوتا تھا تو یہاں پر بھی صحت عقد کیلئے صرف ظاہری اسلام کی شرط تھی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے زبان سے اقرار شہادتین بھی کیا اور بظاہر ایمان بھی لائے۔ لہذا اس عقد کو صرف ظاہر اسلام کی دلیل تو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی امتیاز کو اس کے ذریعہ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہی کہاں مسلم ہے کہ وہ رسول اللہ کی صلبی بیٹیاں تھیں جب کہ ایک طبقہ ان کے صلب رسول سے ہونے سے انکار کرتا ہے اور وہ انہیں حضرت خدیجہ الکبریٰ کی بہن ہالہ کی اولاد یا ان کے پہلے شوہر کی اولاد قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ابوالقاسم الکوفی متوفی 352 ھج تحریر فرماتے ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے عقد کیا تو اس کے تھوڑے عرصہ بعد ہالہ کا انتقال ہو گیا اور اس نے دو لڑکیاں چھوڑیں ایک کا نام زینب تھا اور ایک کا نام رقیہ اور ان دونوں نے پیغمبر اور خدیج کو گود میں پرورش پائی اور انہی نے ان کی تربیت کی اور

اسلام سے قبل یہ دستور تھا کہ اگر کوئی یتیم بچہ کسی کی گود میں پرورش پاتا تھا تو اسے اسی کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔

اور ابن ہشام نے حضرت خدیجہ کی اولاد کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

حضرت خدیجہ رسول اللہ کے حبالہ عقد میں آنے سے پہلے ابی ہالہ بن مالک کی زوجیت میں تھیں جس سے ایک لڑکا ہند اور ایک لڑکی زینب پیدا ہوئی اور ابی ہالہ سے قبل عتیق ابن عائذ کے عقد میں تھیں۔ جس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت خدیجہ کی دو لڑکیاں عقد رسول میں آنے سے پہلے موجود تھیں جو حسب ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں کہلائیں گی اور وہ جن سے بھی بیاہی جائیں گی وہ پیغمبر کے داماد ہی کہلائیں گے۔ لیکن دامادی کی حیثیت وہی ہوگی جو ان لڑکیوں کے بیٹی ہونے کی ہوسکتی ہے۔ لہذا اسے محل افتخار میں پیش کرنے سے پہلے ان بیٹیوں کی حیثیت کو دیکھ لینا چاہیے اور حضرت عثمان کے رویہ پر بھی ایک نظر کر لینا چاہیے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں امام بخاری اپنی صحیح میں یہ روایت درج کرتے ہیں۔

انس ابن مالک سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم دختر رسول کے دفن کی موقع پر موجود تھے

میں نے دیکھا کہ رسول اللہ قبر پر بیٹھے ہوئے ہیں اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا؟ کہ کون تم میں ایسا ہے جو آج کی رات ہم بستر نہ ہوا ہو۔ ابو طلحہ نے کہا کہ میں حضرت نے فرمایا کہ پھر تم قبر میں اترو۔ چنانچہ وہ قبر میں اترے۔

اس موقع پر پیغمبر اکرم نے حضرت عثمان کے راز درون پردہ کو بے نقاب کر کے انہیں قبر میں اترنے سے روک دیا۔ حالانکہ پیغمبر کی سیرت کا یہ نمایاں جوہر تھا۔ کہ وہ کسی کے اندرونی حالات کو طشت از بام کر کے اس کی ہتک واہانت گوارا نہ کرتے تھے اور دوسروں کے عیوب پر مطلع ہونے کے باوجود چشم پوشی فرماجاتے تھے مگر یہ کردار کا گھونا پن کچھ ایسا تھا کہ بھرے مجمع میں انہیں رسوا کرنا ضروری سمجھا گیا۔

خطبہ 163:

مور کی عجیب و غریب خلقت اور جنت کے دلفریب مناظر

جس میں مور 1 کی عجیب وغریب آفرینش کا تذکرہ فرمایا ہے۔ قدرت نے ہر قسم کی مخلوق کو وہ جاندار ہو یا بے جان ساکن ہو یا متحرک عجیب وغریب آفرینش کا جامہ پہنا کر ایجاد کیا ہے اور اپنی لطیف صنعت اور عظیم قدرت پر ایسی واضح نشانیاں شاہد بنا کر قائم کی ہیں کہ جن کے سامنے عقلیں اس کی ہستی کا اعتراف اور اس کی (فرمانبرداری) کا اقرار کرتے ہوئے سر اطاعت خم کر چکی ہیں اور اس کی یکتائی پر یہی عقل کی تسلیم کی ہوئی اور (اس کے خالق بے مثال ہونے پر) مختلف شکل وصورت کے پرندوں کی آفرینش سے ابھری ہوئی دلیلیں

ہمارے کانوں میں گونج رہی ہیں۔وہ پرندے جن کو اس نے زمین کے گڑھوں دروں کے شگافوں اور مضبوط پہاڑوں کی چوٹیوں پر بسایا ہے جو مختلف طرح کے پروبال اور جداگانہ شکل وصورت والے ہیں۔جنہیں تسلط (الٰہی) کی باگ ڈور میں گھمایا پھرایا جاتا ہے اور جو کشادہ ہوا کی وسعتوں اور کھلی فضاؤں میں پروں کو پھڑ پھڑاتے ہیں۔انہیں جبکہ یہ موجود نہ تھے عجیب وغریب ظاہری صورتوں سے (آراستہ کرکے) پیدا کیا اور (گوشت و پوست میں) ڈھکے ہوئے جوڑوں کے سروں سے ان کے (جسموں کی) ساخت قائم کی۔ان میں سے بعض وہ ہیں جنہیں ان کے جسموں کے بوجھل ہونے کی وجہ سے فضا میں بلند ہو کر تیز پروازی سے روک دیا ہے اور انہیں ایسا بنایا ہے کہ وہ زمین سے کچھ تھوڑے ہی اونچے ہو کر پرواز کرسکیں۔اس نی اپنی لطیف قدرت اور باریک صنعت سے ان قسم کے پرندوں کو (مختلف) رنگوں سے ترتیب دیا ہے۔چنانچہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو ایک ہی رنگ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔یوں کہ جس رنگ میں انہیں ڈبو دیا گیا ہے اس کے علاوہ کسی اور رنگ کی ان میں آمیزش نہیں کی گئی اور بعض اس طرح رنگ میں ڈبوئے گئے ہیں کہ جس رنگ کا طوق انہیں پہنا دیا گیا ہے وہ اس رنگ سے نہیں ملتا جس سے خود رنگین ہیں۔ان سب پرندوں سے زائد عجیب الخلقت مور ہے کہ (اللہ نے) جس کے (اعضاء کو) موزونیت کے محکم ترین سانچے میں ڈھالا ہے اور اس کے رنگوں کو ایک حسین ترتیب سے مرتب کیا ہے۔یہ (حسن وتوازن) ایسے پروں سے ہے کہ جن کی جڑوں کو (ایک دوسرے سے) جوڑ دیا ہے اور ایسی دم سے ہی جو دور تک کھنچتی چلی جاتی ہے جب وہ اپنی مادہ کی طرف بڑھتا ہے

تو اپنی لپٹی ہوئی دم کو پھیلا دیتا ہے اور اسے اس طرح اونچا لے جاتا ہے کہ وہ اس کے سر پر سایہ افگن ہو کر پھیل جاتی ہے۔ گویا وہ (مقام) دارین کی اس کشتی کا بادبان ہے جسے اس کا ملاح ادھر ادھر موڑ رہا ہو۔ وہ اس کے رنگوں پر اتراتا ہے اور اس کی جنبشوں کے ساتھ جھومنے لگتا ہے اور مرغوں کی طرح جفتی کھاتا ہے اور (اپنی مادہ کو) حاملہ کرنے کیلئے جوش و ہیجان میں بھرے ہوئے نروں کی طرح جوڑ کھاتا ہے۔ میں اس (بیان) کیلئے مشاہدہ کو تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس شخص کی طرح نہیں کہتا جو کسی کمزور سند کا حوالہ دے رہا ہو۔ گمان کرنے والوں کا یہ صرف وہم و گمان ہے کہ وہ اپنے گوشہ ہائے چشم کے بہائے ہوئے اس آنسو سے اپنی مادہ کو انڈوں پر لاتا ہے کہ جو اس کی پلکوں کے دونوں کناروں میں آکر ٹھہر جاتا ہے اور مورنی اسے پی لیتی ہے اور پھر وہ انڈے دینے لگتی ہے۔ اور اس پھوٹ کر نکلنے والے آنسو کے علاوہ یوں نر اس سے جفتی نہیں کھاتا۔ اگر ایسا ہو تو بھی (ان کے خیال کے مطابق) کوے کے اپنی مادہ کو (پوٹے سے دانا پانی) بھرا کر انڈوں پر لانے سے زیادہ تعجب خیز نہیں ہے (تم اگر بغور دیکھو گے) تو اس کے پروں کی درمیانی تیلیوں کو چاندی کی سلائیاں تصور کرو گے اور ان پر جو عجیب و غریب ہالے بنے ہوئے ہیں اور سورج (کی شعاعوں) کے مانند (جو پر و بال) اگے ہوئے ہیں (انہیں زردی میں) خالص سونا اور (سبزی میں) زمرد کے ٹکڑے خیال کرو گے اگر تم اسے زمین کی اگائی ہوئی چیزوں سے تشبیہ دو گے تو یہ کہو گے کہ وہ ہر موسم بہار کے چنے ہوئے شگوفوں کا گلدستہ ہے اور اگر کپڑوں سے تشبیہ دو گے تو وہ منقش حلول یا خوشنما یمنی چادروں کے مانند ہے اور اگر

زیوراتگ سے تشبیہہ دو گے تو وہ رنگ برنگ کے ان نگینوں کی طرح ہے جو مرصع بجواہر چاندی میں دائروں کی صورت میں پھیلا دیئے گئے ہوں وہ اس طرح چلتا ہے جس طرح کوئی ہشاش بشاش اور متکبر محو خرام ہوتا ہے اور اپنی دم اور پروبال کو غور سے دیکھتا ہے تو اپنے پیراہن کے حسن و جمال اور اپنے گلوبند کی رنگتوں کی وجہ سے قہقہہ لگا کر ہنستا ہے مگر جب اپنے پیروں پر نظر ڈالتا ہے تو اس طرح اونچی آواز سے روتا ہے کہ گویا اپنی فریاد کو ظاہر کر رہا ہے اور اپنے سچے درد (دل) کی گواہی دے رہا ہے۔ کیونکہ اس کے پیر خاکستری رنگ کے دوغلے مرغوں کے پیروں کی طرح باریک اور پتلے ہوتے ہیں اور اس کی پنڈلی کے کنارے پر ایک باریک سا کانٹا نمایاں ہوتا ہے اور اس کی (گردن پر) ایال کی جگہ سبز رنگ کے منقش پروں کا گچھا ہوتا ہے اور گردن کا پھیلاؤ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے صراحی (کی گردن) اور اس کے گڑنے کی جگہ سے لے کر وہاں تک کا حصہ کہ جہاں اس کا پیٹ ہے یمنی دسمہ کے رنگ کی طرح (گہرا سبز) ہے یا اس ریشم کی طرح ہے جو صیقل کئے ہوئے آئینہ پر پہنا دیا گیا ہو۔ گویا کہ وہ سیاہ رنگ کی اوڑھنی میں لپٹا ہوا ہے لیکن اس کی آب و تاب کی فراوانی اور چمک دمک کی بہتات سے ایسا گمان ہوتا ہے کہ اس میں تر و تازہ سبزی کی (الگ سے) آمیزش کر دی گئی ہے اس کے کانوں کے شگاف سے ملی ہوئی بابونہ کے پھولوں جیسی ایک سفید چمکیلی لکیر ہوتی ہے۔ جو قلم کی باریک نوک کے مانند ہے وہ (لکیر) اپنی سفیدی کے ساتھ اس جگہ کی سیاہیوں میں جگمگاتی ہے۔ کم ہی ایسے رنگ ہوں گے جس نے سفید دھاری کا کچھ حصہ نہ لیا ہو اور وہ ان رنگوں پر اپنی آب و تاب کی زیادتی اپنے پیکر ریشمیں کی چمک

دمک اور زیبائش کی وجہ سے چھائی ہوئی ہے۔ وہ ان بکھری ہوئی کلیوں کے مانند ہے کہ جنہیں نہ فصل بہار کی بارشوں نے پروان چڑھایا ہو اور نہ گرمیوں کے سورج نے پرورش کیا ہو وہ کبھی اپنے پروبال سے برہنہ اور اپنے رنگین لباس سے عریاں ہو جاتا ہے۔ اس کے بال و پر لگاتار جھڑتے ہیں اور پھر پے در پے اگنے لگتے ہیں۔ وہ اس کے بازوؤں سے اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح ٹہنیوں سے پتے۔ یہاں تک کہ جھڑنے سے پہلے جو شکل وصورت تھی اسی کی طرف پلٹ آتا ہے اور اپنے پہلے رنگوں سے سرمو ادھر سے ادھر نہیں ہوتا اور نہ کوئی رنگ اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ اختیار کرتا ہے۔ جب اس کے پروں کے ریشوں میں سے کسی ریشے کو تم غور سے دیکھو گے تو وہ تمہیں کبھی گلاب کے پھولوں جیسی سرخی اور کبھی زمرد جیسی سبزی اور کبھی سونے جیسی زردی کی (جھلکیاں) دکھائیے گا (غور تو کرو کہ) ایک ایسی مخلوق کی صفتوں تک فکروں کی گہرائیاں کیوں کر پہنچ سکتی ہیں یا عقلوں کی طبع آزمائیاں کس طرح وہاں تک رسائی پا سکتی ہیں۔ یا بیان کرنے والوں کے کلمات کیوں کر اس کے وصفوں کو ترتیب دے سکتے ہیں کہ جس کے چھوٹے سے چھوٹے جز نے واہموں کو سمجھنے سے عاجز اور زبانوں کو بیان کرنے سے درماندہ کر دیا ہو تو پاک ہے۔ وہ ذات کہ جس نے ایک ایسی مخلوق کی حالت بیان کرنے سے بھی عقلوں کو مغلوب کر رکھا ہے کہ جسے آنکھوں کے سامنے نمایاں کر دیا تھا اور ان آنکھوں نے اس کو ایک حد میں گھرا ہوا اور (اجزاء) سے مرکب اور (مختلف رنگوں سے) رنگین صورت میں دیکھ بھی لیا اور جس نے زبانوں کو اس (مخلوق) کے وصفوں کا خلاصہ کرنے سے عاجز اور اس کی صفتوں کے بیان کرنے سے درماندہ کر دیا ہے

اور پاک ہے وہ خدا کہ جس نے چیونٹی اور مچھر سے لے کر ان سے بڑی مخلوق مچھلیوں اور ہاتھیوں تک کے پیروں کو مضبوط و مستحکم کیا ہے اور اپنی ذات پر لازم کرلیا ہے کہ کوئی پیکر کہ جس میں اس نی روح داخل کی ہے۔ جنبش نہیں کھائے گا مگر یہ کہ موت کو اس کی وعدہ گاہ اور فنا کو اس کی حد آخر قرار دے گا۔ اس خطبہ کا یہ حصہ جنت کے بیان میں ہے۔

اگر تم دیدہ دل سے جنت کی ان کیفیتوں پر نظر کرو جو تم سے بیان کی جاتی ہیں تو تمہارا نفس دنیا میں پیش کی ہوئی عمدہ سے عمدہ خواہشوں اور لذتوں اور اس کے مناظر کی زیبائشوں سے نفرت کرنے لگے گا اور وہ ان درختوں کے پتوں کے کھڑکھڑانے کی آوازوں میں کہ جن کی جڑیں جنت کی نہروں کے کناروں پر مشک کے ٹیلوں میں ڈوبی ہوئی ہیں کھو جائے گا اور ان کی بڑی اور چھوٹی ٹہنیوں میں تروتازہ موتیوں کے گچھوں کے لٹکنے اور سبز پتیوں کے غلافوں میں مختلف قسم کے پھلوں کے نکلنے کے (نظاروں) میں محو ہو جائے گا۔ ایسے پھل کہ جو بغیر کسی زحمت کے چنے جاسکتے ہیں اور چننے والے کی خواہش کے مطابق آگے بڑھ آتے ہیں وہاں کے بلند ایوانوں کے صحنوں میں اترنے والے مہمانوں کے گرد پاک صاف شہد اور صاف ستھری شراب (کے جام) گردش میں لائے جائیں گے وہ ایسے لوگ ہیں کہ اللہ کی بخشش و عنایت ہمیشہ ان کے شامل حال رہی یہاں تک کہ وہ اپنی جائے قیام میں اتر پڑے اور سفروں کی نقل و حرکت سے آسودہ ہو گئے۔

اے سننے والے اگر تو ان دلکش مناظر تک پہنچنے کیلئے اپنے نفس کو متوجہ کرے جو تیری طرف ایک دم آنے والے ہیں تو اس کے اشتیاق میں تیری جان ہی نکل جائے گی اور اسے جلد سے

جلد پا لینے کیلئے میری اس مجلس سے اٹھ کر قبروں میں رہنے والوں کی ہمسائیگی اختیار کرنے کیلئے آمادہ ہو جائے گا۔ اللہ سبحانہ اپنی رحمت سے ہمیں اور تمہیں ان لوگوں میں سے قرار دے کہ جو نیک بندوں کی منزل تک پہنچنے کی (سرتوڑ) کوشش کرتے ہیں۔ سید رضی اس خطبہ کے بعص مشکل الفاظ کی توضیح وتشریح کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ آپ کے ارشاد یئور بملاقحۃ میں لفظ ار سے مباشرت کی طرف کنایہ ہے۔ یوں کہا جاتا ہے کہ ارالمراۃ یورھا یعنی اس نے عورت سے مباشرت کی اور آپ کے اس ارشاد کانہ قلع داری عنجہ نوتیہ میں قلع کے معنی کشتی کے بادبان کے ہیں اور لفظ داری دارین کی طرف منسوب ہے اور دارین سمندر کے کنارے ایک شہر کا نام ہے کہ جہاں سے خوشبودار چیزیں لائی جاتی ہیں اور عنجہ کے معنی ہیں اس کو موڑا اور استعمال یوں ہوتا ہے عنجت الناقۃ (عنجت بروزن نصرت) یعنی میں نے اونٹنی کے رخ کو موڑا اور اعنجھا عنجا اس وقت کہو گے کہ جب تم اس کے رخ کو موڑ و گے اور نوتی کے معنی ملاح کے ہیں اور آپ کے ارشاد ضفتی جفونہ سے مراد مور کی پلکوں کے دونوں کنارے ہیں اور یوں ضفتان کے معنی دو کناروں کے ہوتے ہیں اور آپ کے قول فلذ الزبرجد میں فلذ فلذۃ کی جمع ہے جس کے معنی ٹکڑے کے ہیں اور آپ کے قول کبائس اللئولئو الرطب میں کبائس کباسہ کی جمع ہے جس کے معنی کھجور کے خوشے کے ہیں اور عسالیج عسلوج کی جمع ہے جس کے معنی ٹہنی کے ہیں۔

ا۔ مور ایک خوبصورت دلکش اور انتہائی چوکنا رہنے والا پرندہ ہے جو برما جاوا ہندو پاکستان اور مشرقی ایشیا کے ممالک میں پایا جاتا ہے اس کے پروں کی رنگینی دم کا پھیلاؤ اور رقص

انتہائی جاذب نظر ہوتا ہے جب یہ اپنی دم کو جو 55 انچ سے 72 انچ تک لمبی ہوتی ہے۔ پھیلا کر چکر کاٹتا ہے تو نظروں میں مختلف رنگوں کی دنیا آباد ہو جاتی ہے جس طرح خزاں میں درختوں کے پتے جھڑتے اور بہار میں اگتے ہیں۔ اسی طرح اس کے پر خزاں میں جھڑ جاتے ہیں اور بہار میں دوبارہ اگ آتے ہیں۔ بہار کا موسم اس کے حسن کے نکھار کا زمانہ ہوتا ہے۔ اسی موسم میں جوڑ کھاتا ہے مورنی تین سال کی عمر سے انڈے دینے لگتی ہے اور اس کی اوسط عمر پینتیس برس ہوتی ہے ایک سال میں کم وبیش بارہ انڈے دیتی اور ایک مہینہ تک انہیں سیتی ہے۔ مور اکثر انڈوں کو توڑ دیتا ہے۔ اس لیے اس کے انڈے مرغی کے نیچے بھی بٹھا دیئے جاتے ہیں مگر مرغی کے سینے سے بچوں کی خوبصورتی اور جسمانی ہیئت میں فرق آجاتا ہے۔ مور اپنی دلکشی وخوبصورتی کے باوجود منحوس تصور ہوتا ہے اور گھروں میں رکھنا برا سمجھا جاتا ہے۔

خطبہ 164:

شفقت و مہربانی کی تعلیم اور بنی امیہ کا زوال

تمہارے چھوٹوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے بڑوں کی پیروی کریں۔ اور بڑوں کو چاہئے کہ وہ چھوٹوں سے شفقت ومہربانی سے پیش ائیں۔ زمانہ جاہلیت کے ان اُجڈ ادمیوں کے مانند نہ ہو جاؤ کہ جو نہ دین میں فہم وبصیرت سے اور نہ اللہ کے بارے میں عقل وفہم سے کام لیتے تھے۔ وہ ان انڈوں 1 کے چھلکوں کی طرح ہیں جو شتر مرغوں کے انڈے دینے کی جگہ پر رکھے ہوں جن کا توڑنا گناہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر انہیں سینے کے لیے چھوڑ دینا ایذا رساں بچوں

کے نکالنے کا سبب ہوتا ہے۔اسی خطبہ کا ایک جزیہ ہے: وہ الفت و یکجانی کے بعد الگ الگ اور اپنے مرکز سے منتشر ہو گئے ہوں گے البتہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے۔ جو ایک شاخ کو پکڑے رہیں گے کہ جدھر یہ جھکے ادھر وہ جھکیں گے یہاں تک کہ اللہ جلد ہی اس دن کے لیے کہ جو بنی امیہ کے لیے بدترین دن ہو گا۔ انہیں اس طرح جمع کرے گا۔جس طرح خریف کے موسم میں بادل کے ٹکڑے جمع ہو جاتے ہیں اللہ ان کے درمیان محبت و دوستی پیدا کرے گا اور پھر ان کا تہہ بہ تہہ جمے ہوئے ابر کی طرح ایک مضبوط جتھا بنا دے گا۔ اور ان کے لیے دروازوں کو کھول دے گا کہ وہ اپنے ابھرنے کے مقام سے شہر بسا کے دو باغوں کے اس سیلاب کی طرح بہ نکلیں گے۔جس سے نہ کوئی چٹان محفوظ رہی تھی اور نہ کوئی ٹیلہ اس کے سامنے ٹک سکا تھا اور نہ پہاڑ کی مضبوطی اور نہ زمین کی اونچائی اس کا دھارا موڑ سکتی تھی۔ اللہ سبحانہ، انہیں گھاٹیوں کے نشیبوں میں متفرق کر دے گا۔ پھر انہیں چشموں (کے بہاؤ) کی طرح زمین میں پھیلا دے گا، اور ان کے ذریعہ سے کچھ لوگوں کے حقوق کچھ لوگوں سے لے گا۔ اور ایک قوم کو دوسری قوم کے شہروں پر متمکن کر دے گا۔ خدا کی قسم ان کی سر بلندی و اقتدار کے بعد جو کچھ بھی ان کے ہاتھوں میں ہو گا۔ اس طرح پگھل جائے گا۔جس طرح اگ پر چربی۔

اے لوگو! اگر تم حق کی نُصرت و امداد سے پہلو نہ بچاتے اور باطل کو کمزور کرنے سے کمزوری نہ دکھاتے تو جو تمہارا اہم پایہ نہ تھا، وہ تم پر دانت نہ رکھتا اور جس نے تم پر قابو پالیا وہ تم پر قابو نہ پاتا۔لیکن تم تو بنی اسرائیل کی طرح صحرائے تیہ میں بھٹک گئے اور اپنی جان کی قسم میرے

بعد تمہاری سرگردانی و پریشانی کئی گنا بڑھ جائے گی۔ کیونکہ تم نے حق کو پس پشت ڈال دیا ہے اور قریبیوں سے قطع تعلق کرلیا اور دور والوں سے رشتہ جوڑ لیا ہے۔ یقین رکھو کہ اگر تم دعوت دینے والے کی پیروی کرتے تو وہ تمہیں رسول اللہ کے راستہ پر لے چلتا اور تم بے راہ روی کی زحمتوں سے بچ جاتے اور اپنی گردنوں سے بھاری بوجھ اتار پھینکتے

1. مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے ظاہری اسلام کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان پر تشدد نہ کیا جائے۔ مگر اس طرح انہیں چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ شر و مفاسد پھیلاتے ہیں

خطبہ 165:

حقوق و فرائض کی نگھداشت اور تمام معاملات میں اللہ سے خوف کھانے کی نصیحت

اللہ تعالیٰ نے ایسی ہدایت کرنے والی کتاب نازل فرمائی ہے کہ جس میں اچھائیوں اور برائیوں کو (کھول کر) بیان کیا ہے۔ تم بھلائی کی جانب سے رخ موڑ لو تا کہ سیدھی راہ پر چل سکو، فرائض کو پیشِ نظر رکھو اور انہیں اللہ کے لیے بجالاؤ، تا کہ یہ تمہیں جنت تک پہنچائیں۔ اللہ سبحانہ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔ جو انجانی نہیں ہیں۔ اور ان چیزوں کو حلال کیا ہے جن میں کوئی عیب و نقص نہیں پایا جاتا۔ اس نے مسلمانوں کی عزت و حرمت کو تمام حرمتوں پر فضیلت دی ہے اور مسلمانوں کے حقوق کو ان کے موقع و محل پر اخلاص و توحید کے دامن سے باندھ دیا ہے۔ چنانچہ مسلمان وہی ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں۔ مگر یہ

کہ کسی حق کی بناء پر ان پر ہاتھ ڈالا جائے اور ان کو ایذا پہنچانا جائز نہیں، مگر جہاں واجب ہو جائے، اس چیز کی طرف بڑھو کہ جو ہمہ گیر اور تم میں سے ہر ایک کے لیے مخصوص ہے اور وہ موت ہے۔ چونکہ (گزر جانے والے) لوگ تمہارے سامنے ہیں اور (موت کی) گھڑی تمہیں پیچھے سے اگے کی طرف ہنکائے لیے جارہی ہے، ہلکے پھلکے رہو تا کہ اگے بڑھ جانے والوں کو پاسکو۔ تمہارے اگلوں کو پچھلوں کا انتظار کرایا جارہا ہے۔ اللہ سے اس کے بندوں اور اس کے شہروں کے بارے میں ڈرتے رہو۔ اس لیے کہ تم سے (ہر چیز کے متعلق) سوال کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ زمینوں اور چوپاؤں کے متعلق بھی اللہ کی اطاعت کرو، اس سے سرتابی نہ کرو۔ جب بھلائی کو دیکھو تو اسے حاصل کرو اور جب بُرائی کو دیکھو تو اس سے منہ پھیر لو۔

خطبہ 166:

جب لوگوں نے قاتلینِ عثمان سے قصاص لینے کی فرمائش کی تو فرمایا

آپ کی بیعت ہو چکنے کے بعد صحابہ کی ایک جماعت نے اپ سے کہا کہ بہتر ہے کہ اپ ان لوگوں کو جنہوں نے عثمان پر فوج کشی کی تھی سزا دیں تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ۔ اے بھائیو! جو تم جانتے ہو میں اس سے بے خبر نہیں ہوں۔ لیکن میرے پاس (اس کی) قوت و طاقت کہاں ہے جبکہ فوج کشی کرنے والے اپنے انتہائی زوروں پر ہیں وہ (اس وقت) ہم پر مسلط ہیں ہم ان پر مسلط نہیں اور عالم یہ ہے کہ تمہارے عالم بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور صحرائی عرب بھی ان سے مل جل گئے ہیں۔ اور اس وقت بھی وہ تمہارے

درمیان اس حالت میں ہیں کہ جیسا چاہیں تمہیں گزند پہنچا سکتے ہیں۔کیا تم جو چاہتے ہو اس پر قابو پانے کی کوئی صورت تمہیں نظر آتی ہے؟ بلاشبہ یہ جہالت و نادانی کا مطالبہ ہے۔ان لوگوں کی پشت پر مدد کا ایک ذخیرہ ہے۔جب یہ قصہ چھڑنے لگا تو اس معاملہ میں لوگوں کے مختلف خیالات ہوں گے۔کچھ لوگوں کی رائے تو وہی ہوگی جو تمہاری ہے اور کچھ لوگوں کی رائے تمہاری رائے کے خلاف ہوگی اور کچھ لوگوں کی رائے نہ ادھر ہوگی۔نہ ادھر۔اتنا صبر کرو کہ لوگ سکون سے بیٹھ لیں اور دل اپنی جگہ پر ٹھہر جائیں اور اسانی سے حقوق حاصل کئے جاسکیں،تم میری طرف سے مطمئن رہو اور دیکھتے رہو کہ میرا فرمان تم تک کیا اتا ہے۔ کوئی ایسی حرکت نہ کرو، جو طاقت کو متزلزل اور قوت کو پامال کردے اور کمزوری و ذلت کا باعث بن جائے۔میں اس جنگ کو جہاں تک رک سکے گی،روکوں گا۔اور جب کوئی چارہ نہ پاؤں گا تو پھر اخری علاج داغنا تو ہے ہی۔

خطبہ 167:

جب اصحابِ جمل بصرہ کی جانب روانہ ہوئے تو فرمایا

جب جمل والوں نے بصرہ کا رخ کیا،تو اپ نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ نے اپنے رسوُل کو ہادی بنا کر بولنے والی کتاب اور برقرار رہنے والی شریعت کے ساتھ بھیجا جسے تباہ و برباد ہونا ہے وہی اس کی مخالفت سے تباہ ہوگا۔اور (حق سے) مشابہ ہوجانے والی بدعتیں ہی تباہ کا ی کرتی ہیں۔مگر وہ کہ جن میں (مبتلا ہونے) سے اللہ بچائے رکھے۔بلاشبہ حجت خدا کی (اطاعت میں) تمہارے لیے سامانِ حفاظت ہے۔لہذا تم اس کی ایسی اطاعت کرو کہ جو نہ

لائق سرزنش ہو، اور نہ بد دلی سے بجالائی گئی ہو۔ خدا کی قسم یا تو تمہیں (یہ اطاعت) کرنا ہو گی۔ یا اللہ اسلامی اقتدار تم سے منتقل کر دے گا اور پھر کبھی تمہاری طرف نہیں پلٹائے گا۔ یہاں تک کہ یہ اقتدار دوسروں کی طرف رخ موڑ لے گا۔ یہ لوگ جہاں تک میری خلافت سے نا رضا مندی کا تعلق ہے اپس میں متفق ہو چکے ہیں اور مجھے بھی جب تک تمہاری پراگندگی کا اندیشہ نہ ہوگا صبر کئے رہوں گا اگر وہ اپنی رائے کی کمزوری کے باوجود اس میں کامیاب ہو گئے تو مسلمان کا (رشتہ) نظم ونسق ٹوٹ جائے گا۔ یہ اس شخص پر جسے اللہ نے امارت وخلافت دی ہے حسد کرتے ہوئے۔ اس دنیا کے طلب گار بن گئے ہیں۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ تمام امور (شریعت) کو پلٹا کر (دور جاہلیت) کی طرف لے جائیں۔ (اگر تم ثابت قدم رہے تو) تمہارا ہم پر یہ حق ہوگا کہ ہم تمہارے امور کے تصفیہ کے لیے (کتاب) خدا اور سیرت پیغمبر پر عمل پیرا ہوں اور ان کے حق کو برپا اور ان کی سنت کو بلند کریں۔

خطبہ 168:

جب اہلِ بصرہ کی طرف سے ایک شخص تحقیقِ حال کے لئے آپ کے پاس آیا تو اس سے فرمایا

جب امیرالمومنین بصرہ کے قریب پہنچے تو وہاں کی ایک جماعت نے ایک شخص کو اس مقصد سے اپ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ ان کے لیے اہل جمل کے متعلق حضرت کے موقف کو دریافت کرے تاکہ ان کے دلوں سے شکوک مٹ جائیں چنانچہ حضرت نے اس کے سامنے جمل والوں کے ساتھ اپنے رویہ کی وضاحت فرمائی جس سے اسے معلوم ہو گیا۔ کہ حضرت

حق پر ہیں تو اپ نے اس سے فرمایا کہ (جب حق تم پر واضح ہو گیا ہے تو اب) بیعت کرو۔ اس نے کہا کہ میں ایک قوم کا قاصد ہوں اور جب تک ان کے پاس پلٹ کر نہ جاؤں کوئی نیا قدم نہیں اٹھا سکتا

تو حضرت نے فرمایا کہ (دیکھو) اگر وہی لوگو جو تمہارے پیچھے ہیں اس مقصد سے تمہیں کہیں پیشرو بنا کر بھیجیں کہ تم ان کے لیے ایسی جگہ تلاش کرو، جہاں بارش ہوئی ہو اور تم (تلاش کے بعد) ان کے پاس پلٹ کر جاؤ، اورانہیں خبر دو کہ سبزہ بھی ہے اور پانی بھی ہے اور وہ تمہاری مخالفت کرتے ہوئے خشک اور ویران جگہ کا رخ رکیں تو تم اس موقعہ پر کیا کرو گے۔ اس نے کہا کہ میں ان کا ساتھ چھوڑ دوں گا اور ان کی خلاف ورزی کرتے ہوئے گھاس اور پانی کی طرف چل دُوں گا، تو حضرت نے فرمایا کہ (جب ایسا ہی کرنا ہے) تو پھر (بیعت کے لیے ہاتھ بڑھاؤ۔ وہ شخص کہتا ہے کہ خدا کی قسم حجت کے قائم ہو جانے کے بعد میرے بس میں نہ تھا کہ میں بیعت سے انکار کر دیتا۔ چنانچہ میں نے بیعت کر لی۔ (یہ شخص کلیب جرمی کے نام سے موسوم ہے)۔

خطبہ 169:

میدانِ صفین میں جب دشمن سے دوبدو ہو کر لڑنے کا ارادہ کیا تو فرمایا

جب صفین میں دشمن سے دوبدو ہو کر لڑنے کا ارادہ کیا تو فرمایا۔ اے اللہ! اے اس بلند اسمان اور تھمی ہوئی فضا کے پروردگار جسے تو نے شب و روز کے سر چھپانے چاند اور سورج کے گردش

کرنے اور چلنے پھرنے والے ستاروں کی امدورفت کی جگہ بنایا ہے اور جس میں بسنے والا فرشتوں کا وہ گروہ بنایا ہے۔ جو تیری عبادت سے اکتاتا نہیں۔ اے اس زمین کے پروردگار جسے تو نے انسانوں کی قیام گاہ اور حشرات الارض اور چوپاؤں اور لاتعداد دیکھی اوران دیکھی مخلوق کے چلنے پھرنے کا مقام قرار دیا ہے۔ اے مضبوط پہاڑوں کے پروردگار جنہیں تو نے زمین کے لیے میخ اور مخلوقات کے لیے (زندگی کا) سہارا بنایا ہے۔ (اے اللہ) اگر تو نے ہمیں دشمنوں پر غلبہ دیا تو ظلم سے ہمارا دامن بچانا اور حق کے سیدھے راستے پر برقرار رکھنا اور اگر دشمنوں کو ہم پر غلبہ دیا تو ہمیں شہادت نصیب کرنا، اور فریب حیات سے بچائے رکھنا۔ کہاں ہیں عزت وابرو کے پاسبان؟ اور کہاں ہیں مصیبتوں کے نازل ہونے کے وقت ننگ ونام کی حفاظت کرنے والے باغیرت (اگر بھاگے تو) ننگ وعار تمہارے عقب میں ہے اور (اگر جمے رہے تو) جنت تمہارے سامنے ہے

خطبہ 170:

جب آپ پر حرص کا الزام رکھا گیا تو اس کی ردمیں فرمایا۔ اور اس کے ذیل میں قریش کے مظالم اور اصحابِ جمل کی غارتگریوں کا تذکرہ

تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جس سے ایک اسمان دوسرے اسمان کو اور ایک زمین دوسری زمین کو نہیں چھپاتی۔ اسی خطبہ کے ذیل میں فرمایا: مجھ 1 سے ایک کہنے والے نے کہا کہ اے ابنِ ابی طالب اپ تو اس خلافت پر للچائے ہوئے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ خدا کی قسم تم

اس پر کہیں زیادہ حریص اور (اس منصب کی اہلیت سے) دور ہو، اور میں اس کا اہل اور (پیغمبر سے) نزدیک تو ہوں ۔میں نے تو اپنا حق طلب کیا ہے۔اور تم میرے اور میرے حق کے درمیان حائل ہو جاتے ہو اور جب اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں تو تم میرا رخ موڑ دیتے ہو۔ چنانچہ جب بھری محفل میں مَیں نے اس دلیل سے اس (کے کان کے پردوں) کو کھٹکھٹایا تو چوکنا ہوا، اور اس طرح مبہُوت ہو کر رہ گیا کہ اسے کوئی جواب نہ سوجھتا تھا۔

خدایا! میں قریش اور ان کے مددگاروں کے خلاف تجھ سے مدد چاہتا ہوں۔کیونکہ انہوں نے قطع رحمی کی اور میرے مرتبہ کی بلندی کو پست سمجھا اور اس (خلافت) پر کہ جو میرے لیے مخصوص تھی ٹکرانے کے لیے ایکا کر لیا ہے۔پھر کہتے یہ ہیں کہ 2 حق تو یہی ہے کہ اپ اسے لیں اور یہ بھی حق ہے کہ اپ اس سے دستبردار ہو جائیں۔

اس خطبہ کا یہ جز اصحاب جمل کے متعلق ہے: وہ لوگ (مکہ سے) بصرہ کا رُخ کئے ہوئے اس طرح نکلے کہ رسُول اللہ کی حُرمت و ناموس کو یوں کھینچے پھرتے تھے۔جس طرح کسی کنیز کو فروخت کے لیے (شہر بشہر) پھرایا جاتا ہے۔ان دونوں نے اپنی بیویوں کو تو گھروں میں روک رکھا تھا اور رسوُل اللہ کی بیوی کو اپنے اور دوسروں کے سامنے کھلے بندوں لے ائے تھے۔ایک ایسے لشکر میں کہ جس کا ایک ایک فرد میری اطاعت تسلیم کئے ہوئے تھا اور برضا و رغبت میری بیعت کر چکا تھا یہ لوگ بصرہ میں میرے (مقررہ کردہ) عامل اور مسلمانوں کے

بیت المال کے خزینہ داروں اور وہاں کے دوسرے باشندوں تک پہنچ گئے اور کچھ لوگوں کو قید کے اندر مار مار کے اور کچھ لوگوں کو حیلہ و مکر سے شہید کیا۔ خدا کی قسم اگر وہ مسلمانوں میں سے صرف ایک نا کردہ گناہ مسلمان کو عمداً قتل کرتے تو بھی میرے لیے جائز ہوتا کہ میں اس تمام لشکر کو قتل کر دوں کیوں کہ وہ موجود تھے اور انہوں نے نہ تو اسے بُرا سمجھا اور نہ زبان اور ہاتھ سے اس کی روک تھام کی چہ جائیکہ انہوں نے مسلمانوں کے اتنے ادمی قتل کر دیئے۔ جتنی تعداد خود ان کے لشکر کی تھی جسے لے کر ان پر چڑھ دوڑے تھے۔

1. حضرت عمر نے اپنے اخر وقت میں امیر المومنین کے متعلق جس خیال کا اظہار کیا تھا اسی کو سعد ابن ابی وقاص نے شوریٰ کے موقعہ پر دہراتے ہوئے حضرت سے کہا کہ اے علی اپ اس منصب، خلافت کے بہت حریص ہیں جس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ جو اپنا حق طلب کرے اسے حریص نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ حریص وہ ہے جو اس حق تک پہنچنے سے مانع اور سدِ راہ ہو، اور نا اہلیت کے باوجود اسے حاصل کرنے کے درپے ہو۔

اس میں شک نہیں کہ امیر المومنین اپنے حق دار سمجھتے تھے اور اپنا حق طلب کرتے تھے لیکن اس حق طلبی سے حق ساقط نہیں ہو جاتا کہ اسے خلافت کے نہ دینے کے لیے وجہ جواز قرار دے لیا جائے اور اسے حرص سے تعبیر کیا جائے اور اگر یہ حرص ہے تو پھر کون ایسا تھا جو حرص کے پھندوں میں جکڑا ہوا نہ تھا۔ کیا انصار کے مقابلہ میں مہارجرین کی زور ازمائی ارکانِ

شوریٰ کی باہمی کش مکش اور طلحہ وزبیر کی ہنگامہ ارائی اسی حرص کا نتیجہ نہ تھی؟ اگر امیر المومنین کو منصب کا لالچ ہوتا تو جب ابن عباس اور ابوسفیان نے بیعت قبول کرنے کے لیے زور دیا تھا۔ تو اپ نتائج وعواقب سے انکھیں بند کر کے ان کے کہنے پر اٹھ کھڑے ہوتے اور جب دور ثالث کے بعد لوگ بیعت کے لیے ٹوٹ رہے تھے تو اپ بگڑے ہوئے حالات کا خیال کئے بغیر ان کی پیش کش کو فوراً قبول کر لیتے۔ مگر اپ نے کسی موقعہ پر بھی ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا جس سے یہ ظاہر ہو کہ اپ منصب کو منصب کی حیثیت سے چاہتے ہیں بلکہ خلافت کی طلب تھی تو صرف اس لیے کہ شریعت کے خدوخال بگڑنے نہ پائیں اور دین دوسروں کی خواہشوں کی اماجگاہ نہ بنے، نہ یہ کہ دنیا کی کامرانیوں سے بہرہ اندوز ہوں کہ جسے حرص کہا جا سکے۔

2. مقصد یہ ہے کہ اگر وہ یہ نہ کہتے کہ میرا خلافت سے الگ رہنا بھی حق ہے تو میرے لیے اس پر صبر کرنا اسان ہوتا اس خیال سے کہ کم از کم میرے حق کا اعتراف تو ہے۔ اگر چہ اسے ادا کرنے کے لیے تیار نہیں۔

خطبہ 171:

خلافت کا مستحق کون ھے

وہ اللہ کی وحی کے امانتدار اس کے رسولوں کی اخری فرد، اس کی رحمت کا مژدہ سُنانے والے اور اس کے عذاب سے ڈرانے والے تھے۔ اے لگو! تمام لوگوں میں اس خلافت کا اہل وہ

ہے جو اس (کے نظم ونسق کے برقرار رکھنے) کی سب سے زیادہ قوت و (صلاحیت) رکھتا ہو اور اس کے بارے میں اللہ کے احکام کو سب سے زائد جانتا ہو۔ اس صورت میں اگر کوئی فتنہ پرداز فتنہ کھڑا کرے تو (پہلے) اسے توبہ و بازگشت کے لیے کہا جائے گا اگر وہ انکار کرے تو اس سے جنگ و جدال کیا جائے گا۔ اپنی جان کی قسم 1! اگر خلافت کا انعقاد تمام افراد امت کے ایک جگہ اکٹھا ہونے سے ہو تو اس کی کوئی سبیل ہی نہیں بلکہ (اس کی صورت تو انہوں نے یہ رکھی تھی کہ اس کے کرتا دھرتا لوگ اپنے فیصلہ کا ان لوگوں کو بھی پابند بنائیں گے جو (بیعت کے وقت موجود نہ ہوں گے۔ پھر موجود کو یہ اختیار نہ ہوگا وہ (بیعت سے) انحراف کرے اور نہ غیر موجود کو یہ حق ہوگا کہ وہ کسی اور کو منتخب کرے دیکھو! میں دو شخصوں سے ضرور جنگ کروں گا، ایک وہ جو ایسی چیز کا دعویٰ کرے جو اس کی نہ ہو، اور دوسرا جو اپنے معاہدہ کا پابند نہ رہے۔ اس خطبہ کا ایک جزیہ ہے: اے اللہ کے بندو! میں تمہیں تقویٰ و پرہیز گاری کی ہدایت کرتا ہوں۔ کیوں کہ بندے جن چیزوں کی ایک دوسرے کو ہدایت کرتے ہیں ان میں تقویٰ سب سے بہتر اور اللہ کے نزدیک تمام چیزوں کے نتائج سے بہتر و برتر ہے۔ تمہارے اور دوسرے اہل قبلہ کے درمیان جنگ کا دروازہ کھل گیا ہے۔ اور اس (جنگ) کے جھنڈے کو وہی اٹھائے گا جو نظر رکھنے والا (مصیبتوں پر) صبر کرنے والا اور حق کے مقامات کو پہچاننے والا ہو۔ تمہیں جو حکم دیا جائے اس پر عمل کرو۔ اور جس چیز سے روکا جائے۔ اس سے باز رہو، اور کسی بات میں جلدی نہ کرو۔ جب تک اسے خوب سوچ سمجھ نہ لو، ہمیں ان امور میں کہ جن پر تم ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہو، غیر معمولی انقلابات کا اندیشہ

رہتا ہے۔ دیکھو! یہ دنیا جس کی تم تمنا کرتے ہو اور جس کی جانب خواہش ورغبت سے بڑھتے ہو۔ جو کبھی تم کو غصہ دلاتی ہے اور کبھی تمہیں خوش کر دیتی ہے۔ تمہارا (اصلی) گھر نہیں ہے اور نہ وہ منزل ہے جس کے لیے تم پیدا کئے گئے ہو اور نہ وہ جگہ ہے جس کی طرف تمہیں دعوت دی گئی ہے۔ دیکھو! یہ تمہارے لیے باقی رہنے والی نہیں اور نہ تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو) اگر اس نے تمہیں (اپنی ارائیشوں سے) فریب دیا ہے تو اپنی بُرائیوں سے خوف بھی دلایا ہے۔ لہذا تم اس کے ڈرانے سے متاثر ہو کر اس سے فریب نہ کھاؤ، اور اس کے خوفزدہ کرنے کی بناء پر اس کے طمع دلانے میں نا آؤ۔ اس گھر کی طرف بڑھو جس کی تمہیں دعوت دی گئی ہے اور اس دنیا سے اپنے دلوں کو موڑ لو تم میں سے کوئی شخص دنیا کی کسی چیز کے روک لیے جانے پر لونڈیوں کی طرح رونے نہ بیٹھ جائے۔ اطاعت خدا پر صبر کر کے اور جن چیزوں کی اس نے اپنی کتاب میں تم سے حفاظت چاہی۔ ان کی حفاظت کر کے اس سے نعمتوں کی تکمیل چاہو۔ دیکھو! اگر تُم نے دین کے اصول محفوظ رکھے تو پھر دنیا کی کسی چیز کو کھو دینا تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا اور دین کو ضائع و برباد کرنے کے بعد تمہیں دنیا کی کوئی ایسی چیز نفع نہ پہنچائے گی جسے تو نے محفوظ کر لیا ہو۔ خداوند عالم ہمارے اور تمہارے دلوں کو حق کی طرف متوجہ کرے اور ہمیں اور تمہیں صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

1. جب سقیفہ بنی ساعدہ میں انتخاب کے سلسلہ میں اجتماع ہوا تو وہاں کے فیصلہ کا ان لوگوں کو بھی پابند بنایا گیا جو اس موقع پر موجود نہ تھے اور یہ اصول قرار دے دیا گیا کہ جو انتخاب

کے موقع پر موجود ہوا سے نظر ثانی اور بیعت سے انحراف کا کوئی حق نہ ہوگا، اور جو موجود نہ ہو وہ طے شدہ فیصلہ کے اگے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوگا۔ لیکن جب امیر المومنین کے ہاتھ پر اہل مدینہ نے بیعت کی تو امیر شام نے اس بنیاد پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ چونکہ انتخاب کے موقع پر موجود نہ تھا لہذا اس پر اس فیصلہ کی پابندی عائد نہیں ہوتی جس پر امیر المومنین نے ان مسلمات اور مقررہ اصول و شرائط کے مطابق اس خطبہ میں جواب دیا کہ جو ان لوگوں میں طے پا کرنا قابل انکار بن چکے تھے اور وہ یہ کہ جو اہل مدینہ اور انصار و مہاجرین میرے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں تو معاویہ کو اس بناء پر کہ وہ اس موقع پر موجود نہ تھا۔ بیعت سے انحراف کا حق نہیں پہنچتا اور نہ طلحہ و زبیر بعیت کرنے کے عہد شکنی کے مجاز ہو سکتے ہیں۔

حضرت نے اس موقع پر پیغمبر کے کسی ارشاد کو کہ جو اپ کی خلافت پر نص قطعی کی حیثیت رکھتا ہو۔ استدلال میں پیش نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ انکار کی وجہ اصول انتخاب کے طریق کار کی بنا پر تھی۔ لہذا موقع و محل کے لحاظ سے انہی کے مسلمات کی رو سے جواب دینا ہی فریق مخالف کے لیے مسکت ہوسکتا تھا اور اگر نص رسول سے استدلال فرماتے تو اسے مختلف تاویلوں کی زد پر رکھ لیا جاتا اور بات سمٹنے کے بجائے بڑھتی ہی جاتی اور پھر رحلت پیغمبر کے فوراً بعد اپ دیکھ چکے تھے کہ باوجود قرب عہد کے تمام نصوص و ارشادات نظر انداز کر دیئے گئے، تو اب جبکہ ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے اس سے کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اسے تسلیم کرے گا، جبکہ قولِ رسول کے سامنے من مانی کرنے کی عادت پڑ چکی تھی۔

خطبہ 172:

طلحہ ابن عبید اللہ کے بارے میں فرمایا

طلحہ ابن عبید اللہ کے متعلق فرمایا۔ مجھے تو کبھی بھی حرب وضرب سے دھمکایا اور ڈرایا نہیں جا سکا ہے۔ میں اپنے پروردگار کے کئے ہوئے وعدہ نصرت پر مطمئن ہوں۔ خدا کی قسم وہ خون عثمان کا بدلہ لینے کے لیے کھنچی ہوئی تلوار کی طرح اس لیے اٹھ کھڑا ہوا ہے کہ اسے یہ ڈر ہے کہ کہیں اسی سے ان کے خون کا مطالبہ نہ ہونے لگے۔ کیوں کہ (لوگوں کا) ظن غالب اس کے متعلق یہی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ (قتل کرنے والی) جماعت میں اس سے بڑھ کر ان کے خون کا پیاسا ایک بھی نہ تھا۔ چنانچہ اس نے خون کا عوض لینے کے سلسلے میں جو فوجیں فراہم کی ہیں اس سے یہ چاہا ہے کہ لوگوں کو مغالطہ دے تا کہ حقیقت مشتبہ ہو جائے اور اس میں شک پڑ جائے خدا کی قسم! اس نے عثمان کے معاملہ میں ان تین باتوں میں سے ایک بات پر بھی عمل نہیں کیا۔ اگر ابن عفان 1 جیسا کہ اس کا خیال تھا ظالم تھے تو (اس صورت میں) اسے چاہئے تھا کہ ان کے قاتلوں کی مدد کرتا یا ان کے مددگاروں سے علیحدگی اختیار کر لیتا اور اگر وہ مظلوم تھے تو اس صورت میں اس کے لیے مناسب تھا کہ ان کے قتل سے روکنے والوں اور ان کی طرف سے عذر ومعذرت کرنے والوں میں ہوتا اور اگر ان دونوں باتوں میں اسے شبہہ تھا تو اس صورت میں اسے یہ چاہئے تھا کہ ان سے کنارہ کش ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاتا اور انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیتا (کہ وہ جانیں اور ان کا کام) لیکن اس نے ان باتوں میں سے ایک پر بھی عمل نہ کیا اور ایک ایسی بات کو لے کر سامنے آ گیا ہے کہ جس کی

صحت کی کوئی صورت ہی نہیں اور نہ اس کو کوئی عذر درست ہے۔

1. مطلب یہ ہے کہ اگر طلحہ حضرت عثمان کو ظالم سمجھتے تھے تو ان کے قتل ہونے کے بعد ان کے قاتلوں سے امادہ قصاص ہونے کے بجائے ان کی مدد کرنا چاہیئے تھی اور ان کے اس اقدام کو صحیح و درست قرار دینا چاہیئے تھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے ظالم ہونے کی صورت میں محاصرہ کرنے والوں کی ان کی مدد کرنا چاہیئے تھی۔ کیونکہ ان کی مدد و ہمت افزائی تو وہ کرتے ہی رہے تھے۔

خطبہ 173:

غفلت کرنے والوں کو تنبیہ1

اے غافلو! جن کی طرف سے غفلت نہیں برتی جا رہی اور اے چھوڑ دینے والو کہ جن کو نہیں چھوڑا جائے گا تعجب ہے کہ تمہیں اس حالت میں دیکھتا ہوں کہ تم اللہ سے دور ہٹتے جا رہے ہو اور دوسروں کی طرف سے شوق سے بڑھ رہے ہو۔ گویا تم وہ اونٹ ہو جن کا چرواہا انہیں ایک ہلاک کرنے والی چراگاہ اور تباہ کرنے والے گھاٹ پر لایا ہو۔ یہ ان چوپاؤں کی مانند ہیں جنہیں چھریوں سے ذبح کیا جا رہا ہو اور انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ جب ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا ہے تو ان سے مقصود کیا ہے۔ یہ تو اپنے دن کو اپنا پورا زمانہ کرتے ہیں اور پیٹ بھر کر کھا لینا ہی اپنا کام سمجھتے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر میں بتانا چاہوں تو تم سے ہر شخص کو بتا سکتا ہوں کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور اسے کہاں جانا ہے اور اس کے پورے حالات کیا ہیں۔ لیکن

مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم مجھ میں (کھوکر) پیغمبر سے کفر اختیار کرلو گے۔البتہ میں اپنے مخصوص دوستوں تک یہ چیزیں ضرور پہنچاؤں گا جن کے بھٹک جانے کا اندیشہ نہیں۔اس ذات کی قسم جس نے پیغمبر کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اور ساری مخلوقات میں سے ان کو منتخب فرمایا۔میں جو کہتا ہوں سچ کہتا ہوں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام چیزوں اور ہلاک ہونے والوں کی ہلاکت اور نجات پانے والوں کی نجات اور اس امر (خلافت) کے انجام کی خبر دی ہے اور ہر وہ چیز جو سر پر گزرے گی۔اسے میرے کانوں میں ڈالے اور مجھ تک پہنچائے بغیر نہیں چھوڑا۔اے لوگو! قسم بخدا میں تمہیں کسی اطاعت پر آمادہ نہیں کرتا۔مگر یہ کہ تم سے پہلے اس کی طرف بڑھتا ہوں اور کسی گناہ سے تمہیں نہیں روکتا مگر یہ کہ تم سے پہلے اس سے باز رہتا ہوں۔

ا۔سرچشمہ وحی والہام سے سیراب ہونے والے غیب کے پردوں میں مخفی اور مستقبل میں رونما ہونے والی چیزوں کو اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح محسوسات کو آنکھ سے دیکھا جاتا ہے اور یہ ارشاد قدرت قل لایعلم من فی السّمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ (تم کہہ دو کہ اللہ کے سوا زمین وآسمان کے بسنے والوں میں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا) کے منافی نہیں کیونکہ آیت میں ذاتی طور پر علم غیب کے جاننے کی نفی جو انبیاء واولیا کو القائے ربانی سے حاصل ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ مستقبل کے متعلق پیشن گوئیاں کرتے ہیں اور بہت سے احوال و واردات کو بے نقاب کرتے ہیں۔چنانچہ اس مطلب پر قرآن مجید کی متعدد آیتیں شاہد ہیں۔

جب رسول نے اس واقعہ کی خبر اپنی ایک بیوی کو دی تو وہ کہنے لگی کہ آپ کو کس نے خبر دی ہے رسول نے کہا کہ مجھے ایک جاننے والے اور واقف کار نے خبر دی ہے۔ اے رسول! یہ غیب کی خبریں ہیں جنہیں وحی کے ذریعہ تمہیں بتاتے ہیں۔

لہٰذا اپنے معتقدات کی سخن پروری کرتے ہوئے یہ کہنا کہ انبیاء و اولیا کو علم غیب کا حامل سمجھنا شرک فی الصفات ہے حقیقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ شرک تو اس وقت ہوتا کہ جب یہ کہا جاتا کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور بھی ذاتی حیثیت سے عالم الغیب ہے۔ جب ایسا نہیں بلکہ انبیا و آئمہ کا علم اللہ کا دیا ہوا ہے تو اس کو شرک سے کیا واسطہ اور اگر شرک کے یہی معنی ہیں تو پھر حضرت عیسیٰ کے اس دعویٰ کا کیا نام ہوگا جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔

میں تمہارے لیے مٹی سے ایک پرندہ کا ڈھانچہ بناؤں گا پھر اس میں پھونکوں گا تو وہ خدا کے حکم سے سچ مچ کا پرندہ بن جائے گا۔ اور میں مادرزاد اندھے اور مبروص کو اچھا کردوں گا او راس کے حکم سے مردوں کو زندہ کردوں گا جو کچھ تم کھاتے ہو اور گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو تم کو بتا دوں گا۔

کیا ان کو بحکم خدا خالق و حیات بخش مان لینے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی صفت خلق و احیاء میں ان کو شریک سمجھا گیا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر اللہ کے سوا کسی کو امور غیب پر مطلع کر دینے سے

یہ کہاں سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کے عالم الغیب ہونے میں اس کو شریک ٹھہرالیا گیا ہے کہ علم غیب کے جاننے کو شریک سے تعبیر کر کے اپنی مواحدانہ عظمت کا مظاہرہ کیا جائے۔

اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ بعض لوگوں کو خواب میں ایسی چیزیں نظر آجاتی ہیں یا اس کی تعبیر سے ظاہر ہوجاتی ہیں کہ جن کا ظہور مستقبل سے وابستہ ہوتا ہے حالانکہ خواب کی حالت میں نہ حواس کام دیتے ہیں اور نہ ذہن وادراک کی قوتیں ساتھ دیتی ہیں تو اگر بیداری میں بعض افراد پر کچھ حقائق منکشف ہوجائیں تو اس پر اچنبھا کیوں اور اس سے وجہ انکار کیا؟ جبکہ عقل کہتی ہے کہ جو چیز خواب میں واقع ہوسکتی ہے وہ بیداری میں بھی ممکن ہیں۔ چنانچہ ابن میثم نے تحریر کیا ہے۔ کہ خواب میں یہ افادہ و فیضان اس لیے ہوتا ہے کہ نفس تربیت بدن کی الجھنوں سے آزاد اور مادی علائق سے الگ ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سی ایسی پوشیدہ حقیقتوں کا مشاہدہ کرتا ہے جن کے دیکھنے سے حجاب عنصری مانع ہوتا ہے یونہی وہ نفوس کاملہ جو جنبۂ مادی سے بے اعتنا اور قلب وروح کی پوری توجہ سے افاضہ علمی کے مرکز سے رجوع ہوتے ہیں۔ ان پردہ حقائق و بواطن منکشف ہوجاتے ہیں۔ جنہیں ظاہری آنکھیں دیکھنے سے عاجز وقاصر ہوتی ہیں۔ لہٰذا اہل بیت کی روحانی عظمت کے پیش نظر اس میں قطعاً کوئی استبعاد نہیں کہ وہ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والی چیزوں سے آگاہ ہوسکیں۔ چنانچہ ابن خلدون نے تحریر کیا ہے کہ۔

جب کہ کرامات کا ظہور اوروں سے ہوسکتا ہے تو ان ہستیوں کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے کہ جو علم و دیانت کے لحاظ سے ممتاز اور نبوت کی نشانیوں کے آئینہ دار تھے اور اس بزرگ اصل (رسول) پر جو نظر توجہ باری تھی وہ اس کی پاکیزہ شاخوں کے کمالات پر شاہد ہے۔ چنانچہ امور غیب کے متعلق اہل بیت سے بہت سے واقعات نقل کئے جاتے ہیں جو کسی اور کی طرف منسوب نہیں کئے جاسکتے۔

اس صورت میں امیرالمومنین کے دعویٰ پر کوئی وجہ نہیں جبکہ آپ پروردہ آغوش رسالت و متعلم درس گاہ قدرت تھے۔ البتہ جن کا علم محسوسات کی حد سے آگے نہیں بڑھتا اور ان کے علم و ادراک کا وسیلہ صرف ظاہری حواس ہوتے ہیں وہ عرفان و حقیقت کی راہوں سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے اس قسم کے علم بالمغیبات سے انکار کر دیتے ہیں۔ اگر اس قسم کا دعویٰ انوکھا ہوتا اور صرف آپ ہی کے سننے میں آیا ہوتا تو ہوسکتا تھا کہ اسے تسلیم کرنے میں دماغ پس و پیش کرتے طبیعتیں ہچکچاتیں مگر قرآن میں جب حضرت عیسیٰ کا یہ تک دعویٰ موجود ہے کہ میں تمہیں خبر دے سکتا ہوں کہ تم کیا کھاتے پیتے ہو اور کیا گھروں میں جمع کر کے رکھتے ہو تو امیرالمومنین کے اس دعویٰ پر کیوں پس و پیش کیا جاتا ہے۔ جب کہ یہ مسلم ہے کہ امیرالمومنین پیغمبر کے تمام کمالات و خصوصیات کے وارث تھے۔ اور یہ نہی کہا جاسکتا کہ جن چیزوں کو حضرت عیسیٰ جان سکتے تھے۔ پیغمبر اکرم ان سے بے خبر تھے۔ تو پھر وارث علم پیغمبر اگر ایسا دعویٰ کرے تو اس سے انکار کیسا۔ جبکہ حضرت کی یہ علمی وسعت پیغمبر کے علم و کمال کی

ایک بہترین حجت ودلیل اوران کی صداقت کاایک زندہ معجزہ ہے۔

اس سلسلہ میں یہ امر حیرت انگیز ہے کہ وہ حالات پر مطلع ہونے کے باوجود اپنے کسی قول وعمل سے یہ ظاہر نہ ہونے دیتے تھے کہ وہ انہیں جانتے ہیں۔ چنانچہ سیّد ابن طاؤس علیہ الرحمہ اس دعویٰ کی غیر معمولی عظمت واہمیت پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ۔

اس دعویٰ کا حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ امیرالمومنین احوال ووقائع سے باخبر تھے پھر بھی قول وعمل کے لحاظ سے ایسی روش اختیار کئے ہوئے تھے کہ دیکھنے والا یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوسکتا تھا کہ آپ دوسروں کی پوشیدہ باتوں اور مخفی کاموں پر مطلع ہوں گے۔ کیونکہ عقلا کو یہ اعتراف ہے کہ جس کو یہ معلوم ہو کہ اس سے کونسا عمل ظہور پذیر ہونے والا ہے۔ یا اس کا ساتھی کیا قدم اٹھانے والا ہے یا لوگوں کے چھپے ہوئے بھید اس کی نظر میں ہوں تو اس علم کے اثرات اس کے چہرے کے خط وخال اور اس کے حرکات وسکنات سے ظاہر ہونے لگتے ہیں اور جو شخص جاننے بوجھنے نہیں جانتا تو اس کی شخصیت ایک معجزہ اور متضاد چیزوں کا مجموعہ ہوگی۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنے باطنی علم کے مقتضیات پر عمل کیوں نہ کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ احکام شریعت کی بنیاد ظاہری اسباب پر ہے۔ چنانچہ قاضی کو اگر

علم ہو جائے کہ فلاں فریق حق بجانب ہے اور فلاں باطل پر ہے تو وہ اپنے علم پر بنا کرتے ہوئے فریق اوّل کے حق میں فیصلہ نہیں کرے گا۔ بلکہ کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے جو شرعی اور متعارف طریقے ہیں انہی پر چلے گا۔ اور ان سے جو نتیجہ نکلے گا اسی کا پابند ہو گا۔ مثلاً قاضی کو اگر خواب مکاشفہ یا فراست سے یہ علم ہو جائے کہ زید نے عمرو کی دیوار گرائی ہے تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے اس علم کے مطابق فیصلہ کرے بلکہ وہ یہ دیکھے گا کہ بینہ وشہادت کی روسے اس پر جرم عائد ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر ان ظاہری طریق سے جرم ثابت نہ ہو گا تو اسے مجرم قرار نہ دیا جائے گا۔ اگرچہ اسے اپنے مقام پر اس کے مجرم ہونے کا یقین ہو اس کے علاوہ انبیاء و اولیا اپنے علم باطنی پر بنا کرتے ہوئے عملدرآمد کرتے تو یہ امر اختلال و انتشار امت کا باعث ہو جاتا مثلاً اگر کوئی نبی یا ولی اپنے علم باطنی کی وجہ سے کسی واجب القتل کو سزا دے تو دیکھنے والوں میں ایک اضطراب و ہیجان پیدا ہو جائے گا کہ اس نے ناحق ایک شخص کو قتل کر دیا ہے اسی لیے قدرت نے خاص موارد کے علاوہ علم باطنی پر بنا کر کے نتائج مرتب کرنے کی اجازت نہیں دی اور صرف ظواہر کا پابند بنایا ہے۔ چنانچہ پیغمبر بعض منافقین کے نفاق سے آگاہ ہونے کے باوجود ان سے وہی رویہ رکھتے تھے جو ایک مسلمان کے ساتھ رکھنا چاہیے۔

اب اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ کہا جائے کہ اگر وہ پوشیدہ چیزوں کو جانتے تھے تو اس کے مطابق عمل کیوں نہ کرتے تھے۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ علم باطنی کے مقتضیات

پر عمل پیرا ہونے کے لیے مامور ہی نہ تھے۔ البتہ پند و موعظمت اور انذار و بشارت کے لیے جہاں حالات و مقتضیات ہوتے تھے بعض امور کو ظاہر کر دیتے تھے تا کہ پیش آئندہ واقعات کی پیش بندی کی جا سکے، جیسا کہ امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ نے یحییٰ ابن زید کو مطلع کر دیا کہ وہ اگر نکلے تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ ابن خلدون نے تحریر کیا ہے۔ امام جعفر صادق سے صحیح طریقہ وارد ہوا ہے کہ وہ اپنے بعض عزیزوں کو پیش آنے والے حادثوں سے آگاہ کر دیتے تھے اور وہ اسی طرح ہو کر رہتے تھے جس طرح آپ فرما دیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے عم ابن یحییٰ ابن زید کو قتل ہو جانے سے متنبہ کیا۔ مگر وہ آپ کے حکم سے سرتابی کرتے ہوئے چل دیئے اور جوزجان میں قتل کر دیئے گئے۔

البتہ جہاں ذہنوں میں تشویش پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا تھا۔ وہاں اس کا اظہار تک نہ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس خطبہ میں حضرت نے اس اندیشہ کے پیش نظر کہ ان کو رسول کی منزل سے بھی بالاتر سمجھنے لگیں گے۔ زیادہ تفصیل سے کام نہیں لیا۔ لیکن اس کے باوجود جس طرح حضرت عیسیٰ کے بارے میں لوگ بھٹک گئے اور انہیں ابن اللہ کہنے لگے۔ یونہی حضرت کے متعلق بعض کج فہم کچھ کا کچھ کہنے لگے اور غلو کی حد تک پہنچ کر گمراہ ہو گئے۔

خطبہ 174:

پند و نصیحت، قران کی عظمت اور ظلم کے اقسام

خداوند عالم کے ارشادات سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کے موعظوں سے نصیحت حاصل کرو اور اس کی نصیحتوں کو مانو کیونکہ اس نے واضح دلیلوں سے تمہارے لیے کسی عذر کی گنجائش نہیں رکھی اور تم پر (پوری طرح) حجت کو تمام کر دیا ہے اور اپنے پسندیدہ و ناپسندیدہ اعمال تم سے بیان کر دیئے ہیں تا کہ اچھے اعمال بجالاؤ اور برے کاموں سے بچو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت ناگواریوں میں گھری ہوئی ہے اور دوزخ خواہشوں میں گھرا ہوا ہے۔ یاد رکھو! کہ اللہ کی ہر اطاعت ناگوار صورت میں اور اس کی ہر معصیت عین خواہش بن کر سامنے آتی ہے۔ خدا اس شخص پر رحمت کرے جس نے ہوس کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ دیا۔ کیونکہ نفس خواہش و آرزوئے گناہ کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اللہ کے بندو! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ مومن (زندگی کے) صبح و شام میں اپنے نفس سے بدگمان رہتا ہے اور اس پر کوتاہیوں کا الزام لگاتا ہے اور اس سے (عبادتوں) میں اضافہ کا خواہشمند رہتا ہے۔ تم ان لوگوں کی طرح بنو کہ جو تم سے پہلے آگے بڑھ چکے ہیں اور تمہارے قبل اس راہ سے گذر چکے ہیں انہوں نے دنیا سے یوں اپنا رخت سفر باندھا جس طرح مسافر اپنا ڈیرا اٹھا لیتا ہے اور دنیا کو اس طرح طے کیا جس طرح (سفر کی) منزلوں کو۔ یاد رکھو کہ یہ قرآن ایسا نصیحت کرنے والا ہے جو فریب نہیں دیتا اور ایسا بیان کرنے والا ہے جو جھوٹ نہیں بولتا۔ جو بھی اس قرآن کا ہم نشین ہوا وہ ہدایت کو بڑھا کر اور گمراہی و ضلالت کو گھٹا کر اس سے الگ ہوا جان لو کہ کسی کو

قرآن سے (کچھ سیکھنے) سے پہلے اس سے بے نیاز ہوسکتا ہے اس سے اپنی بیماریوں کی شفاء چاہو اور اپنی مصیبتوں پر اس سے مدد مانگو۔ اس میں کفر و نفاق اور ہلاکت و گمراہی جیسی بڑی بڑی مرضوں کی شفاء پائی جاتی ہے۔ اس کے وسیلہ سے اللہ سے مدد مانگو اور اس کی دوستی کو لیے ہوئے اس کا رخ کرو۔ اور اسے لوگوں سے مانگنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔ یقینا بندوں کے لیے اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا اس جیسا کوئی ذریعہ نہیں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن ایسا شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت مقبول اور ایسا کلام کرنے والا ہے (جس کی ہر بات) تصدیق شدہ ہے۔ قیامت کے دن جس کی یہ شفاعت کرے گا، وہ اس کے حق میں مانی جائے گی اور اس روز جس کے عیوب بتائے گا تو اس کے بارے میں بھی اس کے قول کی تصدیق کی جائے گی۔ قیامت کے دن ایک ندا دینے والا پکار کر کہے گا کہ دیکھو قرآن کی کھیتی بونے والوں کے علاوہ ہر بونے والا اپنی کھیتی اور اپنے اعمال کے نتیجہ میں مبتلا ہے۔ لہٰذا تم قرآن کی کھیتی بونے والے اور اس کے پیروکار بنو، اور اپنے پروردگار تک پہنچنے کے لیے اسے دلیل راہ بناؤ اور اپنے نفسوں کے لیے اس سے پند و نصیحت چاہو۔ اور اس کے مقابلہ میں اپنی خواہشوں کو غلط و فریب خوردہ سمجھو۔ عمل کرو، عمل کرو۔ اور عاقبت و انجام کو دیکھو، استوار و برقرار رہو، پھر صبر کرو صبر کرو تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرو تمہارے لیے ایک منزل منتہا ہے۔ اپنے کو وہاں تک پہنچاؤ اور تمہارے لیے ایک نشان ہے اس سے ہدایت حاصل کرو۔ اسلام کی ایک حد ہے تم اس کی حد و انتہا تک پہنچو۔ اللہ نے جن حقوق کی ادائیگی کو تم پر فرض کیا ہے اور جن فرائض کو تم سے بیان کیا ہے انہیں ادا کر کے اسے عہدہ برآ ہو جاؤ میں

تمہارے اعمال کا گواہ اور قیامت کے دن تمہاری طرف سے حجت پیش کرنے والا ہوں۔ دیکھو! جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اور جو فیصلہ خداوندی تھا وہ سامنے آ گیا۔ میں الٰہی وعدہ و برہان کی رو سے کلام کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بے شک وہ لوگ جنہوں نے یہ کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور پھر وہ اس (عقیدہ) پر جمے رہے۔ ان پر فرشتے اترتے ہیں اور (یہ کہتے ہیں) کہ تم خوف نہ کھاؤ اور غمگین نہ ہو۔ تمہیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اب تمہارا قول تو یہ ہے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے تو اب اس کی کتاب اور اس کی شریعت کی راہ اور اس کی عبادت کے نیک طریقے پر جمے رہو اور پھر اس سے نکل نہ بھاگو، اور نہ اس میں بدعتیں پیدا کرو اور نہ اس کے خلاف چلو۔ اس لیے کہ اس راہ سے نکل کر بھاگنے والے قیامت کے دن اللہ (کی رحمت) سے جدا ہونے والے ہیں۔ پھر یہ کہ تم اپنے اخلاق و اطوار کو پلٹنے اور انہیں ادلنے بدلنے سے پرہیز کرو۔ دورخی اور متلون مزاجی سے بچتے رہو، اور ایک زبان رکھو۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی زبان کو قابو میں رکھے۔ اس لیے کہ یہ اپنے مالک سے منہ زوری کرنے والی ہے۔ خدا کی قسم! میں نے کسی پرہیزگار کو نہیں دیکھا کہ تقویٰ اس کے لیے مفید ثابت ہوا ہو جب تک کہ اس نے اپنی زبان کی حفاظت نہ کی ہو۔ بے شک مومن کی زبان اس دل کے پیچھے ہے اور منافق کا دل اس کی زبان کے پیچھے ہے کیونکہ مومن جب کوئی بات کہنا چاہتا ہے تو پہلے اسے دل میں سوچ لیتا ہے اگر وہ اچھی بات ہوتی ہے تو اسے ظاہر کرتا ہے اور اگر بری ہوتی ہے تو اسے پوشیدہ ہی رہنے دیتا ہے اور منافق کی زبان پر جو آتا ہے کہہ گزرتا ہے اسے یہ کچھ خبر نہیں ہوتی کہ کون سی بات اس کے حق

میں مفید ہے اور کون سی مضر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی بندے کا ایمان اس وقت تک مستحکم نہیں ہوسکتا جب تک اس کا دل مستحکم نہ ہو اور دل اس وقت تک مستحکم نہیں ہوتا جب تک زبان مستحکم نہ ہو۔ لہٰذا تم میں سے جس سے یہ بن پڑے کہ وہ اللہ کے حضور میں اس طرح پہنچے کہ اس کا ہاتھ مسلمانوں کے خون سے اور ان کے مال سے پاک وصاف اور اس کی زبان ان کی آبروریزی سے محفوظ رہے تو اسے ایسا ہی کرنا چاہیے۔ خدا کے بندو! یاد رکھو کہ مومن اس سال بھی اس چیز کو حلال سمجھتا ہے جس کو پار سال حلال سمجھ چکا ہے اور اس سال بھی اسی چیز کو حرام کہتا ہے جسے گذشتہ سال حرام کہہ چکا ہو اور یاد رکھو کہ لوگوں کی پیدا کی ہوئی بدعتیں ان چیزوں کو جو خدا کی طرف سے حرام ہیں حلال نہیں کرسکتیں۔ بلکہ حلال وہ ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے حرام کیا ہے، تم تمام چیزوں کو تجربہ وآزمائش سے پرکھ چکے ہو اور پہلے لوگوں سے تمہیں پند ونصیحت بھی کی جاچکی ہے اور حق و باطل کی مثالیں بھی تمہارے سامنے پیش کی جاچکی ہیں اور واضح حقیقتوں کی طرف سے تمہیں دعوت دی جاچکی ہے۔ اب اس آواز کے سننے سے قاصر وہی ہوسکتا ہے۔ جو واقعی بہرا ہو اور اس کے دیکھنے سے معذور وہی سمجھا جاسکتا ہے جو اندھا ہو اور جسے اللہ کی آزمائشوں اور تجربوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسے زیاں کاریاں ہی درپیش ہوں گی۔ یہاں تک کہ وہ بری باتوں کو اچھا اور اچھی باتوں کو برا سمجھے گا۔

چونکہ لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک شریعت کے پیروکار اور دوسرے بدعت ساز کہ جن کے پاس نہ سنت پیغمبر کی کوئی سند ہوتی ہے اور نہ دلیل و برہان کی کوئی روشنی بلاشبہ اللہ سبحانہ، نے

کسی کو ایسی نصیحت نہیں کی جو اس قرآن کے مانند ہو کیوں کہ یہ اللہ کی مضبوط رسی اور امانتدار وسیلہ ہے۔ اسی میں دل کی بہار اور علم کے سرچشمے ہیں اور اسی سے (آئینہ) قلب پر جلا ہوتی ہے۔ باوجودیکہ یاد رکھنے والے گزر گئے اور بھول جانے والے باقی رہ گئے ہیں۔ اب تمہارا کام یہ ہے کہ بھلائی کو دیکھو تو اسے تقویت پہنچاؤ اور برائی کو دیکھو تو اس سے (دامن بچا کر) چل دو، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اے فرزند آدم! اچھے کام کر اور برائیوں کو چھوڑ دے۔ اگر تو نے ایسا کیا تو تو نیک چلن اور راست رو ہے۔ دیکھو! ظلم تین طرح کا ہوتا ہے ایک ظلم وہ جو بخشا نہیں جائے گا۔ اور دوسرا ظلم وہ جس کا (مواخذہ) چھوڑا نہیں جائے گا، تیسرا وہ جو بخش دیا جائے گا۔ اور اس کی باز پرس نہیں ہو گی۔ لیکن وہ ظلم جو بخشا نہیں جائے گا وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ، کا ارشاد ہے کہ خدا اس (گناہ) کو نہیں بخشا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ ایک ظلم جو بخش دیا جائے گا وہ جو بندہ چھوٹے چھوٹے گناہوں کا مرتکب ہو کر اپنے نفس پر کرتا ہے۔ اور وہ ظلم کہ جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرنا ہے جس کا آخرت میں سخت بدلہ لیا جائے گا۔ وہ کوئی چھریوں سے کچو کے دینا اور کوڑوں سے مارنا نہیں ہے بلکہ ایک ایسا سخت عذاب ہے جس کے مقابلے میں یہ چیزیں بہت ہی کم ہیں۔ دین خدا میں رنگ بدلنے سے بچو، کیونکہ تمہارا حق پر ایکا کر لینا جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ باطل کے راستوں پر جا کر بٹ جانے سے جو تمہارا محبوب مشغلہ ہے، بہتر ہے۔ بے شک اللہ سبحانہ، نے اگلوں اور پچھلوں میں سے کسی کو متفرق اور پراگندہ ہو جانے سے کوئی

بھلائی نہیں دی۔ اے لوگو! لائق مبارک باد وہ شخص ہے جسے اپنے عیوب دوسروں کی عیب گیری سے باز رکھیں اور قابل مبارکباد وہ شخص ہے جو اپنے گھر (کے گوشہ) میں بیٹھ جائے اور جو کھانا میسر آ سکے اور اپنے اللہ کی عبادت میں لگا رہے اور اپنے گناہوں پر آنسو بہائے کہ اس طرح وہ بس اپنی ذات کی فکر میں رہے اور دوسرے لوگ اس سے آرام میں رہیں۔

خطبہ 175:

حکمین کے بارے میں فرمایا

حکمین کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا: تمہاری جماعت ہی نے دو شخصوں کے چن لینے کی رائے طے کی تھی۔ چنانچہ ہم نے ان دونوں سے یہ عہد لے لیا تھا کہ وہ قرآن کے مطابق عمل کریں اور ان کی زبانیں اس سے ہمنوا اور ان کے دل اس کے پیرو رہیں مگر وہ قرآن سے بھٹک گئے اور حق کو چھوڑ بیٹھے حالانکہ وہ ان کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ ظلم ان کی عین خواہش اور کجروی ان کی روش تھی حالانکہ ہم نے پہلے ہی ان سے یہ ٹھہرا لیا تھا کہ وہ عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے اور حق پر عمل پیرا ہونے میں بدنیتی اور ناانصافی کو دخل نہ دیں گے اب جب انہوں نے راہ حق سے انحراف کیا اور طے شدہ قرارداد کے برعکس حکم لگایا تو ہمارے ہاتھوں میں (ان کا فیصلہ ٹھکرا دینے کے لیے) ایک مضبوط دلیل (اور معقول وجہ) موجود ہے۔

خطبہ 176:

خداوند عالم کی توصیف، دنیا کی بے ثباتی اور زوالِ نعمت کے اسباب

خداوند عالم کو ایک حالت دوسری حالت سے سدّ راہ نہیں ہوتی نہ زمانہ اس میں تبدیلی پیدا کرتا ہے، نہ کوئی جگہ اسے گھیرتی ہے اور نہ زبان اس کا وصف کرسکتی ہے اس سے پانی کے قطروں اور آسمان کے ستاروں اور ہوا کے جھکڑوں کا شمار چکنے پتھر پر چیونٹی کے چلنے کی آواز اور اندھیری رات میں چھوٹی چیونٹیوں کے قیام کرنے کی جگہ کوئی پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ پتوں کے گرنے کی جگہوں اور آنکھ کے چوری چھپے اشاروں کو جانتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کے اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں نہ اس کا کوئی ہمسر ہے نہ اس کی ہستی میں کوئی شبہ نہ اس کے دین سے سرتابی ہوسکتی ہے اور نہ اس کی آفرینش سے انکار، اس شخص کی سی گواہی جس کی نیت سچی، باطن پاکیزہ، یقین (شبہوں سے) پاک اور (اس کے نیک اعمال) کا پلہ بھاری ہو اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے عبد اور رسول ہیں اور مخلوقات میں منتخب بیان شریعت کے لیے برگزیدہ گراں بہا بزرگیوں سے مخصوص، اور عمدہ پیغاموں (کے پہنچانے) کے لیے منتخب ہیں۔ آپ کے ذریعے سے ہدایت کے نشانات روشن کئے گئے اور گمراہی کی تیرگیوں کو پھاڑا گیا۔ اے لوگو! جو شخص دنیا کی آرزوئیں کرتا ہے۔ اور اس کی جانب کھنچتا ہے وہ اسے انجام کار، فریب دیتی ہے اور جو اس کا خواہشمند ہوتا ہے اس سے بخل نہیں کرتی اور جو اس پر چھا جاتا ہے وہ اس پر قابو پالے گی۔ خدا کی قسم! جن لوگوں کے پاس زندگی کی تروتازہ وشاداب

نعمتیں تھیں اور پھر ان کے ہاتھوں سے نکل گئیں یہ ان کے گناہوں کے مرتکب ہونے کی پاداش ہے۔کیونکہ اللہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا اگر لوگ اس وقت کہ جب ان پر مصیبتیں ٹوٹ رہی ہوں اور نعمتیں ان سے زائل ہو رہی ہوں۔صدق نیت و رجوع قلب سے اپنے اللہ کی طرف متوجہ ہوں تو وہ برگشتہ ہو جانے والی نعمتوں کو پھر ان کی طرف پلٹا دے گا اور ہر خرابی کی اصلاح کر دے گا۔مجھے تم سے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں تم جہالت و نادانی میں نہ پڑ جاؤ۔کچھ واقعات ایسے ہو گزرے ہیں کہ جن میں تم نے نامناسب جذبات سے کام لیا۔میرے نزدیک تم ان میں سراہنے کے قابل نہیں ہو۔اگر تمہیں پہلی روش پر پھر لگا دیا جائے تو تم یقیناً نیک بخت و سعادت مند بن جاؤ گے۔میرا کام تو صرف کوشش کرنا ہے۔اگر میں کچھ کہنا چاہوں تو البتہ یہی کہوں گا کہ خدا (تمہاری) گزشتہ لغزشوں سے درگزر کرے۔

خطبہ 176:

خداوند عالم کی توصیف، دنیا کی بے ثباتی اور زوالِ نعمت کے اسباب

خداوند عالم کو ایک حالت دوسری حالت سے سدّ راہ نہیں ہوتی نہ زمانہ اس میں تبدیلی پیدا کرتا ہے، نہ کوئی جگہ اسے گھیرتی ہے اور نہ زبان اس کا وصف کر سکتی ہے اس سے پانی کے قطروں اور آسمان کے ستاروں اور ہوا کے جھکڑوں کا شمار چکنے پتھر پر چیونٹی کے چلنے کی آواز اور اندھیری رات میں چھوٹی چیونٹیوں کے قیام کرنے کی جگہ کوئی پوشیدہ نہیں ہے۔وہ پتوں کے گرنے کی جگہوں اور آنکھ کے چوری چھپے اشاروں کو جانتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کے

اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں نہ اس کا کوئی ہمسر ہے نہ اس کی ہستی میں کوئی شبہ نہ اس کے دین سے سرتابی ہوسکتی ہے اور نہ اس کی آفرینش سے انکار، اس شخص کی سی گواہی جس کی نیت سچی، باطن پاکیزہ، یقین (شبہوں سے) پاک اور (اس کے نیک اعمال) کا پلہ بھاری ہو اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے عبد اور رسول ہیں اور مخلوقات میں منتخب بیان شریعت کے لیے برگزیدہ گراں بہا بزرگیوں سے مخصوص، اور عمدہ پیغاموں (کے پہنچانے) کے لیے منتخب ہیں۔ آپ کے ذریعے سے ہدایت کے نشانات روشن کئے گئے اور گمراہی کی تیرگیوں کو چھانٹا گیا۔ اے لوگو! جو شخص دنیا کی آرزوئیں کرتا ہے۔ اور اس کی جانب کھنچتا ہے وہ اسے انجام کار، فریب دیتی ہے اور جو اس کا خواہشمند ہوتا ہے اس سے بخل نہیں کرتی اور جو اس پر چھا جاتا ہے وہ اس پر قابو پالے گی۔ خدا کی قسم! جن لوگوں کے پاس زندگی کی تروتازہ وشاداب نعمتیں تھیں اور پھر ان کے ہاتھوں سے نکل گئیں یہ ان کے گناہوں کے مرتکب ہونے کی پاداش ہے۔ کیونکہ اللہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا اگر لوگ اس وقت کہ جب ان پر مصیبتیں ٹوٹ رہی ہوں اور نعمتیں ان سے زائل ہو رہی ہوں۔ صدق نیت ورجوع قلب سے اپنے اللہ کی طرف متوجہ ہوں تو وہ برگشتہ ہو جانے والی نعمتوں کو پھر ان کی طرف پلٹا دے گا اور ہر خرابی کی اصلاح کر دے گا۔ مجھے تم سے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں تم جہالت و نادانی میں نہ پڑ جاؤ۔ کچھ واقعات ایسے ہو گزرے ہیں کہ جن میں تم نے نامناسب جذبات سے کام لیا۔ میرے نزدیک تم ان میں سراہنے کے قابل نہیں ہو۔ اگر تمہیں پہلی روش پر پھر لگا دیا جائے تو تم یقیناً نیک بخت وسعادت مند بن جاؤ گے۔ میرا کام تو صرف کوشش کرنا ہے۔ اگر

میں کچھ کہنا چاہوں تو البتہ یہی کہوں گا کہ خدا (تمہاری) گزشتہ لغزشوں سے درگزر کرے۔

خطبہ 177:

جب ذعلب یمانی نے یہ سوال کیا کہ آپ نے خدا کو دیکھا ھے تو اس کے جواب میں فرمایا

ذعلب یمنی نے آپ سے سوال کیا کہ یا امیر المومنین کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کیا میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں؟ جسے میں نے دیکھا تک نہیں۔ اس نے کہا کہ آپ کیونکر دیکھتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

آنکھیں اسے کھلم کھلا نہیں دیکھتیں بلکہ دل ایمانی حقیقتوں سے اسے پہچانتے ہیں۔ وہ ہر چیز سے قریب ہے۔ لیکن جسمانی اتصال کے طور پر نہیں۔ وہ ہر شے سے دور ہے۔ مگر الگ نہیں وہ غور و فکر کئے بغیر کلام کرنے والا اور بغیر اعضاء (کی مدد) کے بنانے والا ہے۔ وہ لطیف ہے لیکن پوشیدگی سے اسے متصف نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بزرگ و برتر ہے مگر تند خوئی اور بد خلقی کی صفت اس میں نہیں۔ وہ دیکھنے والا ہے مگر حواس سے اسے موصوف نہیں کیا جا سکتا۔ وہ رحم کرنے والا ہے مگر اس صفت کو نرم دلی سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ چہرے اس کی عظمت کے آگے ذلیل و خوار اور دل اس کے خوف سے لرزاں و ہراساں ہیں۔

خطبہ178:

اپنے اصحاب کی مذمت میں فرمایا

اپنے اصحاب کی مذمت میں فرمایا: میں اللہ کی حمد وثناء کرتا ہوں ہر اس امر پر جس کا اس نے فیصلہ کیا اور ہر اس کام پر جو اس کی تقدیر نے طے کیا ہو اور اس آزمائش پر جو تمہارے ہاتھوں اس نے میری کی ہے۔اے لوگو! کہ جنہیں کوئی حکم دیتا ہوں تو نافرمانی کرتے ہیں اور پکارتا ہوں تو میری آواز پر لبیک نہیں کہتے۔اگر تمہیں (جنگ سے) کچھ مہلت ملتی ہے تو ڈینگیں مارنے لگتے ہو اور اگر جنگ چھڑ جاتی ہے تو بزدلی دکھاتے ہو۔اور جب لوگ امام پر ایکا کر لیتے ہیں تو تم طعن وتشنیع کرنے لگتے ہو اگر تمہیں (جکڑ کر باندھ کر) جنگ کی طرف لایا جاتا ہے۔تو الٹے پیروں لوٹ جاتے ہو تمہارے دشمنوں کا برا ہو۔تم اب نصرت کے لیے آمادہ ہونے اور اپنے حق کے لیے جہاد کرنے میں کس چیز کے منتظر ہو۔موت کا دن آئے گا اور البتہ آ کر رہے گا تو وہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا۔درآنحالانکہ میں تمہاری ہم نشینی سے بیزار اور (تمہاری کثرت کے باوجود) اکیلا ہوں۔اب تمہیں اللہ ہی اجر دے کیا کوئی دین تمہیں ایک مرکز پر جمع نہیں کرتا اور غیرت تمہیں (دشمن کی روک تھام پر) آمادہ نہیں کرتی۔کیا یہ عجیب بات نہیں کہ معاویہ چند تندمزاج اوباشوں کو دعوت دیتا ہے اور وہ بغیر کسی امداد واعانت اور بخشش وعطا کے اس کی پیروی کرتے ہیں اور میں تمہیں امداد کے علاوہ تمہارے معینہ عطیوں کے ساتھ دعوت دیتا ہوں مگر تم مجھ سے پراگندہ ومنتشر ہو جاتے ہو، اور مخالفتیں کرتے ہو حالانکہ تم اسلام کے رہے سہے افراد اور مسلمانوں کا بقیہ ہو۔تم

میرے کسی فرمان پر راضی ہوتے اور نہ اس پر متحد ہوتے ہو۔ چاہے وہ تمہارے جذبات کے موافق ہو یا مخالف میں جن چیزوں کا سامنا کرنے والا ہوں۔ ان میں سب سے زیادہ محبوب مجھے موت ہے میں نے تمہیں قرآن کی تعلیم دی اور دلیل و برہان سے تمہارے درمیان فیصلے کئے اور ان چیزوں سے تمہیں روشناس کیا جنہیں تم نہیں جانتے تھے اور ان چیزوں کو تمہارے لیے خوشگوار بنایا جنہیں تم تھوک دیتے تھے۔ کاش کہ اندھے کو کچھ نظر آئے اور سونے والا (خواب غفلت سے) بیدار ہو۔ وہ قوم اللہ (کے احکام) سے کتنی جاہل ہے کہ جس کا پیشرو معاویہ اور معلم نابغہ 1 کا بیٹا ہے۔

ا۔ نابغہ عمرو ابن عاص کی والدہ لیلیٰ غزیہ کا لقب ہے اسے بجائے باپ کے ماں کی طرف نسبت دینے کی وجہ اس کی عمومی شہرت ہے، چنانچہ جب اروی بنت حارث معاویہ کے ہاں گئی تو دوران گفتگو میں عمرو ابن عاص کے ٹوکنے پر آپ نے اس سے کہا۔ اے نابغہ کے بیٹے تم بھی بولنے کی جرات کرتے ہو حالانکہ تمہاری ماں شہرہ آفاق اور مکہ میں گانے بجانے کا پیشہ کرتی تھی اور اجرت لیتی تھی چنانچہ تمہارے متعلق پانچ آدمیوں نے دعویٰ کیا اور جب تمہاری ماں سے دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ ہاں یہ پانچوں آدمی میرے پاس آئے تھے لہٰذا جس سے یہ مشابہ ہو اس کا اسے بیٹا قرار دے لو تو تم عاص ابن وائل سے زیادہ مشابہ نظر آئے جس کی وجہ سے تم اس کے بیٹے کہلانے لگے۔ ۲۔ وہ پانچ آدمی یہ ہیں: عاص ابن وائل

1۔ابولہب 2۔امیہ ابن خلف۔ 3.ہشام ابن مغیرہ۔ 4 .ابوسفیان ابن حرب۔

خطبہ179:

اس جماعت کے متعلق فرمایا کہ جو خوارج سے مل جانے کا تہیا کئے بیٹھی تھیں

حضرت نے اپنے اصحاب میں سے ایک شخص 1 کو سپاہ کوفہ کی ایک جماعت کی خبر لانے کے لیے بھیجا جو خارجیوں سے منضم ہونے کا تہیہ کئے بیٹھی تھی،لیکن حضرت سے خائف تھی۔چنانچہ جب وہ دشمن پلٹ کر آیا تو آپ نے دریافت کیا کہ کیا وہ مطمئن ہو کر ٹھہر گئے ہیں یا کمزوری و بزدلی دکھاتے ہوئے چل دیئے ہیں۔اس نے کہا کہ یا امیرالمومنین وہ تو چلے گئے تو آپ نے ارشاد فرمایا،انہیں قوم ثمود کی طرح خدا کی رحمت سے دوری ہو۔دیکھنا جب نیزوں کے رخ ان کی طرف سیدھے ہوں گے اور تلواروں کے وار ان کی کھوپڑیوں میں پڑیں گے تو اپنے کئے پر پچھتائیں گے۔آج تو شیطان نے انہیں تتر بتر کر دیا ہے اور کل ان سے اظہار بیزاری کرتا ہوا ان سے الگ ہو جائے گا۔ان کا ہدایت سے نکل جانا گمراہی وضلالت میں جا پڑنا حق سے منہ پھیر لینا اور ضلالتوں میں منہ زور بال دکھانا ہی ان کے (مستحق عذاب) ہونے کے لیے کافی ہے۔

ا۔قبیلہ بنی ناحیہ کا ایک شخص خریت ابن راشد جنگ صفین میں امیرالمومنین کے ساتھ شریک

تھا مگر تحکیم کے بعد بغاوت پر اتر آیا اور تیس آدمیوں کے ہمراہ حضرت کے سامنے آ کر کہنے لگا۔ واللہ لا اطیع امرک ولا اصلی خلفک وانی غدا المفارق لک خدا کی قسم! نہ میں آپ کا کہنا مانوں گا۔ نہ آپ کے پیچھے نماز پڑھوں گا اور کل آپ سے الگ ہو جاؤں گا۔ جس پر حضرت نے فرمایا کہ تمہیں پہلے اس تحکیم کے وجوہ پر غور کرنا چاہیے تھا اور اس سلسلہ میں مجھ سے بات چیت کرنا چاہیے اگر تمہارا اطمینان نہ ہو تو پھر جو چاہو کرو، اس نے کہا کہ میں کل آؤں گا اور اس کے متعلق گفتگو کروں گا۔ حضرت نے فرمایا: کہ دیکھو یہاں سے جا کر دوسروں کے بہکانے میں نہ آ جانا اور کوئی دوسرا راستہ اختیار نہ کرنا۔ اگر تم سمجھنا چاہو گے۔ تو میں تمہیں اس ٹیڑھی راہ سے ہٹا کر شاہراہ ہدایت پر لگا دوں گا۔ اس گفتگو کے بعد وہ واپس ہو گیا۔ مگر اس کے تیور اس امر کے غماز تھے کے بغاوت پر تلا بیٹھا ہے اور کسی طرح سمجھانے سے نہیں سمجھے گا۔ چنانچہ یہی ہوا کہ وہ معاملہ فہمی کی بجائے اپنی بات پر اڑ گیا اور اپنی منزل پر پہنچ کر اپنے قبیلے والوں سے کہا کہ جب ہم نے امیر المومنین سے الگ ہونے کا تہیہ کر لیا ہے، تو ان کے پاس جانے کی کوئی ضرورت نہیں اور ہمیں جو قدم اٹھانا ہے اٹھا لینا چاہیے۔ اس موقع پر عبداللہ بن قعین ازدی بھی ان کی ٹوہ لگانے کے لیے ان کے ہاں پہنچ گئے۔ جب انہوں نے یہ رنگ دیکھا تو مدرک ابن ریان ناجی سے کہا کہ تم اسے سمجھاؤ اور اس کی بغاوت کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ اپنے پورے قبیلے کے لیے تباہی کا باعث بن جائے جس پر مدرک نے اطمینان دلایا کہ اسے کوئی غلط قدم نہیں اٹھانے دیا جائے گا۔ چنانچہ عبداللہ مطمئن ہو کر واپس پلٹ آئے اور دوسرے دن امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام

کیفیت سے آپ کو مطلع کیا۔جس پر حضرت نے فرمایا کہ تم جا کر دیکھو کہ کیا بات ہے اور اس تاخیر کا کیا سبب ہے۔جب عبداللہ وہاں پہنچے تو وہ سب جا چکے تھے پلٹ کر امیرالمومنین کے پاس آئے تو حضرت نے اس موقع پر یہ کلام فرمایا۔

خریت ابن راشد اور اس کی جماعت کا جو حشر ہوا وہ خطبہ #44 کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے۔

خطبہ 180:

پہلی امتوں کی حالت اور شہداءِ صفین پر اظہارِ تاسف

نوف بکالی سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت نے یہ خطبہ ہمارے سامنے کوفہ میں اس پتھر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا جسے جعدہ ابن ہبیرہ مخزومی نے نصب کیا تھا۔اس وقت آپ کے جسم مبارک پر ایک اونی جُبّہ تھا۔اور آپ کی تلوار کا پرتلہ لیف خرما کا تھا اور پیروں میں جوتے بھی کھجور کی پتیوں کے تھے۔اور (سجدوں کی وجہ سے) پیشانی یوں معلوم ہوتی تھی جیسے اونٹ کے گھٹنے پر کا گھٹا۔

تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جس کی طرف تمام مخلوق کی بازگشت اور ہر چیز کی انتہا ہے ہم اس کے عظیم احسان روشن و واضح برہان اور لطف و کرم کی افزائش پر اس کی حمد و ثناء کرتے ہیں۔ایسی حمد کہ جس سے اس کا حق پورا ہو اور شکر ادا ہو اور اس کے ثواب کے قریب لے

جانے والی اوراس کی بخششوں کو بڑھانے والی ہوہم اس سے اس طرح مدد مانگتے ہیں جس طرح اس کے فضل کا امیدواراس کے نفع کا آرزومند (دفع بلیات کا) اطمینان رکھنے والا اور بخشش وعطا کا معترف اورقول وعمل سے اس کا مطیع وفرمانبرداراس سے مدد چاہتا ہواور ہم اس شخص کی طرح اس پر ایمان رکھتے ہیں جو یقین کے ساتھ اس سے آس لگائے ہواورایمان (کامل) کے ساتھ اس کی طرف رجوع ہواور اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ اس کے سامنے عاجزی وفروتنی کرتا ہواوراسے ایک جانتے ہوئے اس سے اخلاص برتتا ہو، اور سپاس گذاری کے ساتھ اسے بزرگ جانتا ہو اور رغبت وکوشش سے اس کے دامن میں پناہ ڈھونڈتا ہواس کا کوئی باپ نہیں کہ وہ عزت وبزرگی میں اس کا شریک ہو نہ اس کے کوئی اولاد ہے کہ اسے چھوڑ کر وہ دنیا سے رخصت ہوجائے اور وہ اس کی وارث ہوجائے نہ اس کے پہلے وقت اورزمانہ تھا، نہ اس پر یکے بعد دیگرے کمی اورزیادتی طاری ہوتی ہے بلکہ جواس نے مضبوط نظام (کائنات) اوراٹل احکام کی علامتیں ہمیں دکھائی ہیں۔ان کی وجہ سے وہ عقلوں کے لیے ظاہر ہوا ہے

چنانچہ اس آفرنیش پر گواہی دینے والوں میں آسمانوں کی خلقت ہے کہ جو بغیر ستونوں کے ثابت وبرقراراوربغیر سہارے کے قائم ہیں خداوند عالم نے انہیں پکارا تو یہ بغیر کسی سستی اور توقف کے اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہوئے لبیک کہہ اٹھے اگر وہ اس کی ربوبیت کا اقرار نہ کرتے اوراس کے سامنے سر اطاعت نہ جھکاتے تو وہ انہیں اپنے عرش کا مقام اوراپنے فرشتوں کا مسکن اور پاکیزہ کلموں اور مخلوق کے نیک عملوں کے بلند ہونے کی جگہ نہ بناتا۔اللہ

نے ان ستاروں کو ایسی روشن نشانیاں قرار دیا ہے کہ جن سے حیران وسرگرداں اطراف زمین کی راہوں میں آنے جانے کے لیے راہنمائی حاصل کرتے ہیں۔اندھیری رات کی اندھیاریوں کے سیاہ پردے ان کے نور کی ضو پاشیوں کو نہیں روکتے اور نہ شب ہائے تاریک کی تیرگی کے پردے یہ طاقت رکھتے ہیں کہ وہ آسمانوں میں پھیلی ہوئی چاند کے نور کی جگمگاہٹ کو پلٹا دیں۔

پاک ہے وہ ذات جس پر پست زمین کے قطعوں اور باہم ملے ہوئے سیاہ پہاڑوں کی چوٹیوں میں اندھیری رات کی اندھیاریاں اور پرسکون شب کی ظلمتیں پوشیدہ نہیں ہیں اور نہ افق آسمان میں رعد کی گرج اس سے مخفی ہے اور نہ وہ چیزیں کہ جن بربادیوں کی بجلیاں کوند کرنا پیدا ہو جاتی ہیں اور نہ وہ پتے جو (ٹوٹ کر) گرتے ہیں کہ جنہیں (بارش کے) نشتروں کی تند ہوائیں اور موسلا دھار بارشیں ان کے گرنے کی جگہ سے ہٹا دیتی ہیں۔وہ جانتا ہے کہ بارش کے قطرے کہاں گریں گے اور کہاں ٹھہریں گے۔اور چھوٹی چیونٹیاں کہاں رینگیں گی اور کہاں (اپنے) کو کھینچ کر لے جائیں گی اور مچھروں کو کون سی روزی کفایت کرے گی اور مادہ اپنے پیٹ میں کیا لیے ہوئے ہے۔

تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جو عرش وکرسی زمین وآسمان اور جن وانس سے پہلے موجود تھا۔نہ (انسانی) وہموں سے اسے جانا جا سکتا ہے اور نہ عقل وفہم سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔اسے کوئی سوال کرنے والا (دوسرے سائلوں سے) غافل نہیں بناتا اور نہ بخشش وعطا سے اس کے ہاں کچھ کمی آتی ہے وہ آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا اور نہ کسی جگہ میں اس کی حد بندی

ہوسکتی ہے۔نہ ساتھیوں کے ساتھ اسے متصف کیا جاسکتا ہے اور نہ اعضاء وجوارح کی حرکت سے وہ پیدا کرتا ہے اور نہ حواس سے وہ جانا پہچانا جاسکتا ہے۔اور نہ انسانوں پر اس کا قیاس ہوسکتا ہے وہ خدا کہ جس نے بغیر اعضاء وجوارح اور بغیر گویائی اور بغیر حلق کے کوؤں کو ہلائے موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کیں اور انہیں اپنی عظیم نشانیاں دکھلائیں اے اللہ کی توصیف میں رنج وتعب اٹھانے والے اگر تو (اس سے عہدہ برآ ہونے میں) سچا ہے تو پہلے جبرئیل و میکائیل اور مقرب فرشتوں کے لاؤلشکر کا وصف بیان کر کہ جو پاکیزگی وطہارت میں اس عالم میں سر جھکائے پڑے ہیں کہ ان کی عقلیں ششدر وحیران ہیں کہ وہ اس بہترین خالق کی توصیف کرسکیں۔صفتوں کے ذریعے وہ چیزیں جانی پہچانی جاتی ہیں جو شکل وصورت اور اعضاء وجوارح رکھتی ہوں اور وہ کہ جو اپنی حد انتہا کو پہنچ کر موت کے ہاتھوں ختم ہوجائیں۔اس اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں کہ جس نے اپنے نور سے تمام تاریکیوں کو روشن و منور کیا اور ظلمت (عدم) سے ہر نور کو تیرہ تار بنا دیا ہے۔

اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں جس نے تم کو لباس سے ڈھانپا اور ہر طرح کا سامان معیشت تمہارے لیے مہیا کیا۔اگر کوئی دنیاوی بقاء کی (بلندیوں پر) چڑھنے کا زینہ یا موت کو دور کرنے کا راستہ پاسکتا ہوتا تو وہ سلیمان ابن داؤد (علیہما السلام) ہوتے کہ جن کے لیے نبوت وانتہائے تقرب کے ساتھ جن وانس کی سلطنت قبضہ میں دے دی گئی تھی۔لیکن جب وہ اپنا آب ودانہ پورا اور اپنی مدت (حیات) ختم کر چکے تو فنا کی کمانوں نے انہیں موت کے تیروں کی زد پر رکھ لیا گھر ان سے خالی ہوگئے اور بستیاں اجڑ

گئیں اور دوسرے لوگ ان کے وارث ہو گئے۔تمہارے لیے گذشتہ دوروں (کے ہر دور)میں عبرتیں (ہی عبرتیں) ہیں (ذراسوچو کہ) کہاں 1 ہیں عمالقہ اوران کے بیٹے، اور کہاں ہیں فرعون اوران کی اولادیں، کہاں ہیں اصحاب الرّس کے شہروں کے باشندے جنہوں نے نبیوں کو قتل کیا اور پیغمبروں کے روشن طریقوں کو مٹایا اور ظالموں کے طور طریقوں کو زندہ کیا، کہاں ہیں وہ لوگ جو لشکروں کو لے کر بڑھے ہزاروں کو شکست دی اور فوجوں کو فراہم کرے شہروں کو آباد کیا۔اسی خطبہ کے ذیل میں فرمایا ہے: وہ حکمت کی سپر پہنے ہوگا اور اس کو اس کے تمام شرائط وآداب کے ساتھ حاصل کیا ہوگا (جو یہ ہیں کہ) ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو اس کی اچھی طرح شناخت ہو، اوردل (علائق دنیا سے) خالی ہو۔چنانچہ وہ اس کے نزدیک اسی کی گمشدہ چیز اوراسی کی حاجت وآرزو ہے کہ جس کا وہ طلب گار وخواستگار ہے وہ اس وقت (نظروں سے اوجھل ہوکر) غریب ومسافر ہوگا کہ جب اسلام عالم غربت میں اور مثل اس اونٹ کے ہوگا جو تھکن سے اپنی دم زمین پر مارتا ہو اور گردن کا اگلا حصہ زمین پر ڈالے ہوئے ہو۔وہ اللہ کی باقی ماندہ حجتوں کا بقیہ اور انبیاء کے جانشینوں میں سے ایک وارث و جانشین ہے۔اس کے بعد حضرت نے فرمایا:

اے لوگو! میں نے تمہیں اس طرح نصیحتیں کی ہیں جس طرح کی انبیاء اپنی امتوں کو کرتے چلے آئے ہیں اور ان چیزوں کو تم تک پہنچایا ہے جو اوصیاء بعد والوں تک پہنچایا کئے ہیں۔میں نے تمہیں اپنے تازیانہ سے ادب سکھانا چاہا مگر تم سیدھے نہ ہوئے اور زجر و توبیخ سے تمہیں ہنکایا لیکن تم یک جانہ ہوئے۔اللہ تمہیں سمجھے کیا میرے علاوہ کسی اور امام کے

امید وار ہو جو تمہیں سیدھی راہ پر چلائے اور صحیح راستہ دکھائے۔دیکھو! دنیا کی طرف رخ کرنے والی چیزوں نے جو رخ کیئے ہوئے تھیں۔ پیٹھ پھرالی اور جو پیٹھ پھرائے ہوئے تھیں انہوں نے رخ کرلیا۔اللہ کے نیک بندوں نے (دنیا سے) کوچ کرنے کا تہیہ کرلیا۔اور فنا ہونے والی تھوڑی سی دنیا ہاتھ سے دے کر ہمیشہ رہنے والی بہت سی آخرت مول لے لی۔بھلا ہمارے بھائی بندوں کو کہ جن کے خون صفین میں بہائے گئے اس سے کیا نقصان پہنچا، کہ وہ آج زندہ موجود نہیں ہیں (یہی نہ کہ اگر وہ ہوتے) تو تلخ گھونٹوں کو گوارہ کرتے اور گدلا پانی پیتے۔خدا کی قسم! وہ خدا کے حضور میں پہنچ گئے اس نے ان کو پورا پورا اجر دیا اور خوف وہراس کے بعد انہیں امن وچین والے گھر میں اتارا۔کہاں ہیں؟ وہ میرے بھائی کہ جو سیدھی راہ پر چلتے رہے۔اور حق پر گزر گئے کہاں ہیں؟ عمار اور کہاں ہیں؟ ابن تیہان اور کہاں ہیں؟ ذوالشہادتین اور کہاں ہیں ان کے ایسے دوسرے بھائی کہ جو مرنے پر عہد و پیمان باندھے ہوئے تھے اور جن کے سروں کو فاسقوں کے پاس روانہ کیا گیا۔نوف کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت نے اپنا ہاتھ ریش مبارک پر پھیرا اور دیر تک رویا کیئے اور پھر فرمایا آہ! میرے وہ بھائی کہ جنہوں نے قرآن کو پڑھا تو اسے مضبوط کیا اپنے فرائض میں غور وفکر کیا تو انہیں ادا کیا،سنت کو زندہ کیا اور بدعت کو موت کے گھاٹ اتارا جہاد کے لیے انہیں بلایا گیا تو انہوں نے لبیک کہی اور اپنے پیشوا پر یقین کامل کے ساتھ بھروسا کیا۔تو اس کی پیروی بھی کی (اس کے بعد حضرت نے بلند آواز سے پکارا کر کہا) جہاد جہاد۔اے بندگان خدا! دیکھو! میں آج ہی لشکر کو ترتیب دے رہا ہوں جو اللہ کی طرف بڑھنے والا ہے

نکل کھڑا ہو۔

نوف کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت نے دس ہزار کی سپاہ پر حسین (علیہ السلام) کو اور دس ہزار کی فوج پر قیس ابن سعد (رحمۃ اللہ) کو اور دس ہزار کے لشکر پر ابو ایوب انصاری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو امیر بنایا اور دوسرے لوگوں کو مختلف تعداد کی فوجوں پر سالار مقرر کیا اور آپ صفین کی طرف پلٹ کر جانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن ایک ہفتہ بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ ملعون ابن ملجم (لعنۃ اللہ) نے آپ کے (سر اقدس پر) ضرب لگائی جس سے تمام لشکر پلٹ گئے اور ہماری حالت ان بھیڑ بکریوں کے مانند ہو گئی۔ جو اپنے چرواہے کو کھو چکی ہوں اور بھیڑیئے ہر طرف سے انہیں اچک کر لے جا رہے ہوں۔

ا۔ تاریخ کے صفحات اس کے شاہد ہیں کہ اکثر و بیشتر قوموں کی ہلاکت و تباہی ان کے ظلم و جور اور علانیہ فسق و فجور کی وجہ سے ظہور میں آئی۔ چنانچہ وہ قومیں جنہوں نے ربع مسکون کے ہر گوشہ پر اپنے اقتدار کے سکے جمائے اور شرق و غرب عالم پر اپنے پرچم لہرائے جب ان کی بداعمالیوں اور بدکرداریوں سے پردہ ہٹا تو پاداش عملکے قانون نے اس طرح ان کا استیصال کیا کہ صفحہا عالم سے حرف غلط کی طرح محو ہو گئے۔ عاد و ثمود کی سلطنتوں کا خاتمہ ہو گیا فرعون و نمرود کی شہنشاہیاں مٹ گئیں۔ طسم و جدیس کی سر بفلک عمارتیں سنسان کھنڈر بن گئیں۔ اصحاب الرس کی بستیاں اجڑ کر ویران ہو گئیں اور جہاں زندگی کے قہقہے تھے۔ وہاں موت کی اداسیاں اور جہاں جمگھٹے تھے وہاں بھیانک سناٹے چھا گئے یہ قوموں

کا عروج وزوال چشم بینا کے لیے ہزاروں عبرت کے سامان رکھتا ہے اوران واقعات کے پیش کرنے سے مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ انسان ان کے احوال ووارداتا سے عبرت اندوز ہواور غرور وطغیان کی سرمستیوں میں کھوکراپنے انجام کوبھول نہ جائے چنانچہ امیرالمومنین نے اسی موعظت وعبرت کے لیے عمالقہ،فراعنہ اوراصحاب الرس کی تباہیوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔کہ جوعظمت وارتقاع کی چوٹیوں سے ہلاکت وبربادی کے قعرمذلت میں اسی طرح گرے کہ ان کا نام ونشان بھی نہ رہا۔

یہ عمالقہ کون تھے؟اس کے لیے ابن قتیبہ نے تحریر کیا ہے:۔

ارم ابن سام ابن نوح کی اولاد میں سے طسم اور جدیس تھے کہ جولاود ابن سام ابن نوح کے بیٹے تھے یہ یمامہ میں فروکش ہوئے اوران کا ایک بھائی عملیقا بن لاود ابن ارم ابن سام ابن نوح تھا کہ جس کی اولاد میں سے کچھ افراد مکہ میں اور کچھ شام میں مقیم تھے اورانہی قبائل عرب میں سے عمالقہ تھے کہ جومتعدد گروہوں کی صورت میں مختلف شہروں میں پھیل گئے اور انہی میں سے فراعنہ مصراورشام کے فرمانروا تھے۔
مورخ طبری نے لکھا ہے۔اوراس کا ایک بیٹا عملیق تھااورمکہ اوراس کے اطراف میں اس کی رہائش تھی اوراس کی اولاد میں سے کچھ لوگ شام چلے گئے۔اوراسی کی اولاد میں سے عمالقہ تھے اورانہی عمالقہ میں سے فراعنہ مصر تھے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ عمالقہ عرب کے قبائل بائدہ تھے جنہوں نے شام وحجاز پر اپنی حکومتیں قائم کر رکھی تھیں چنانچہ ابتداء میں اس خاندان کے مورث اعلیٰ عملیق کو اقتدار حاصل تھا۔ مگر اس کے بعد طسم کی طرف منتقل ہو گیا اور طسم کے بعد جب عملوق ابن طسم برسر اقتدار آیا تو اس نے ظلم و جور اور فسق و فجور کی حد کر دی، یہاں تک کہ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ قبیلہ جدیس کی جو عورت بیاہی جائے وہ شوہر کے ہاں جانے سے پہلے اس کے شبستان عشرت میں ایک رات گذار کر جائے چنانچہ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا اور جب کسی خاندان کی ایک عورت عفیرہ بنت عفار کے ساتھ یہی شرمناک برتاؤ ہوا تو اس نے شوہر کے ہاں جانے سے انکار کر دیا اور اپنے قبیلہ کو اشعار کے ذریعہ عبرت دلائی جس پر پورا قبیلہ اپنی عزت و ناموس کی بربادیوں پر تلملا اٹھا اور انتقام لینے کے درپے ہو گیا۔ چنانچہ عفیرہ کے بھائی اسود ابن عفار نے عملوق کو اس کے عملہ کے ساتھ دعوت کے بہانے سے اپنے ہاں بلوا لیا اور ان کے پہنچتے ہی بنی جدیس نے تلواریں نیاموں سے نکال لیں اور ان پر اس طرح اچانک ٹوٹ پڑے کہ ریاح ابن مر کے علاوہ کوئی اپنا بچاؤ نہ کر سکا۔ یہ بھاگ کر شاہ یمن کے دربار میں جا پہنچا اور اسے بنی جدیس پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ وہ ایک لشکر جرار لے کر ان پر چڑھ دوڑا، اور انہیں شکست دے کر ہلاک و منتشر کر دیا اور اقتدار ان کے ہاتھوں سے چھین لیا۔ یہی عمالقہ وہی ہیں جنہوں نے 2000 ق م مصر پر حملہ کیا تھا اور جنہیں ہیکسوس (چرواہے بادشاہ) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مسعودی نے ان کے مصر میں داخل ہونے کے سلسلہ میں لکھا ہے۔ جب اہل مصر نے عورتوں کے ہاتھ میں اقتدار دے دیا تو دوسرے بادشاہوں کے دل

میں اسے فتح کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ شاہان عمالقہ میں سے ایک بادشاہ جسے ولید ابن دومع کہا جاتا ہے۔ مصر پر چڑھائی کی اور بہت سی لڑائیاں لڑیں۔ آخر اہل مصر نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور اس کی حکومت تسلیم کر لی۔ جب یہ مر گیا تو ریان ابن ولید عملاتی تخت فرمانروائی پر بیٹھا اور یہی حضرت یوسف کے زمانہ کا فرعون تھا۔ اس کے بعد دارم ابن ریان اور پھر کامس ابن معدان عملاتی فرمانروا ہوا۔

یہ انتہائی سرکش وظالم حکمران تھے جس کی پاداش میں قدرت نے ان کو نیست ونابود کرنے کے سامان پیدا کر دیئے چنانچہ مسعودی تحریر کرتے ہیں۔ عمالقہ نے زمین پر شر وفساد پھیلا رکھا تھا جس کے نتیجہ میں قدرت نے ان پر دوسرے فرمانرواؤں کو مسلط کر دیا جنہوں نے انہیں فعادو برباد کر دیا۔

ان عمالقہ کے بعد ولید ابن مصعب حکمران ہوا یہ بعض مورخین کے نزدیک شام کے قبیلہ لخم سے تھا اور بعض نے اسے قبطی لکھا ہے اور یہی حضرت موسیٰ کے عہد کا فرعون تھا۔ اس کے کبرو انانیت وغرور اور نخوت کی یہ حالت تھی کہ دعویٰ کر کے دنیا کی ساری قوتوں کو اپنے تصرف و اختیار میں سمجھنے لگا تھا اور اس زعم میں مبتلا تھا کہ کوئی طاقت اس سے سلطنت وحکومت کو چھین نہیں سکتی۔ چنانچہ قرآن مجید میں نے اس کے دعوے کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔ اس نے کہا کہ اے قوم! کیا یہ ملک مصر میرا نہیں ہے اور یہ میرے محل کے نیچے بہتی ہوئی نہریں میری نہیں ہیں کیا تمہیں یہ نظر نہیں آتا۔

مگر جب اس کی سلطنت مٹنے پر آئی تو لمحوں میں مٹ گئی نہ اس کی جاہ وحشمت سدّراہ ہوئی اور نہ مملکت کی وسعت روک تھام کرسکی۔ بلکہ جن نہروں کی ملکیت پر اسے گھمنڈ تھا انہی کی تلملاتی لہروں نے اسے اپنی لپیٹ میں لے کر اس کی روح کو دارالبور میں اور جسم کو کائنات کی عبرت وبصیرت کے لیے کنارے پر پھینک دیا:۔

اسی طرح اصحاب الرس ایک نبی کی دعوت وتبلیغ کے ٹھکرانے اور سرکشی ونافرمانی کرنے کے نتیجہ میں ہلاک وبرباد ہوگئے۔ چنانچہ قدرت کا ارشاد ہے۔اور اسی طرح عاد وثمود اور اصحاب الرس اور ان کے درمیانی زمانہ کی بہت سی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ہم نے سب کے لیے مثالیں بیان کی تھیں اور آخر ہم نے ان سب کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ دیا۔

"رس" آذربائیجان کے علاقہ میں ایک نہر کا نام تھا جس کے کنارے پر بارہ بستیاں آباد تھیں جن کے رہنے والوں کو اصحاب الرس کہا جاتا ہے۔ان بستیوں کے ۲ نام اُبانیٰ 1، آذریٰ 2، دیٰ 3، بہمنیٰ 4، اسفند آریٰ 5، فروردینیٰ 6، اردیٰ 7، بہشتیٰ 8، خردادیٰ 9، مردادیٰ 10، تیریٰ 11، مہریٰ 12، اورشہر پورء 13 تھے۔ان میں اسفندار کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور اس میں صنوبر کا ایک درخت تھا جسے یافث ابن نوح نے لگایا تھا۔اور اسے شاہ درخت کہا جاتا تھا۔اسی درخت کے بیجوں سے دوسری بستیوں میں بھی ایک ایک درخت لگایا گیا تھا یہ لوگ ہر مہینے ایک بستی میں جمع ہوتے اور اس درخت کی پرستش کرتے اور سال میں ایک مرتبہ

نوروز کے موقع پر اسفندار میں ان کا اجتماع ہوتا تھا اور اس اصل درخت کی خاص اہتمام سے پوجا کرتے۔قربانیاں چڑھاتے اور منتیں مانتے تھے۔قدرت نے انہیں اس درخت کی عبادت سے روکنے کے لیے یہود ابن یعقوب کی نسل سے ایک پیغمبر ان کی طرف بھیجا جنہوں نے انہیں اس مشرکانہ عبادت سے روکنا چاہا۔مگر انہوں نے ان کا کہنا نہ مانا اور انکار سرکشی پر اتر آئے اور ان کی ہلاکت کے درپے ہو گئے۔چنانچہ ان لوگوں نے چشمہ کے اندر ایک کنواں کھود کر اس میں انہیں پھینک دیا اور اس کی منہ ایک پتھر سے بند کر دیا۔جس سے وہ تڑپ تڑپ کر جاں بحق ہو گئے۔اس ظلم وسفا کی کے نتیجہ میں قہر الٰہی نے کروٹ لی اور ان پر لو کے ایسے جھونکے چنے کہ ان کے بدن جھلس کر رہ گئے اور زمین سے گندھک کا لاوا پھوٹ نکلا جس سے ان کے جسم کی ہڈیاں تک پگھل گئیں اور ساری کی ساری بستیاں الٹ گئیں۔

۲۔یہی نام فارسی مہینوں کے ہیں جو انہی بستیوں کے نام پر رکھے گئے تھے۔کیونکہ ہر مہینہ ان لوگوں کا ایک بستی میں اجتماع ہوتا تھا جس کی وجہ سے اس مہینہ کا بھی وہی نام ہو گیا جو اس بستی کا نام تھا

خطبہ 181:

خداوندِ عالم کی تنزیہ و تقدیس اور عذابِ آخرت سے تخویف

تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جو بن دیکھے جانا پہچانا ہوا اور بے رنج و تعب اٹھائے (ہر چیز کا) پیدا کرنے والا ہے۔اس نے اپنی قدرت سے مخلوقات کو پیدا کیا اور اپنی عزت و

جلالت کے پیش نظر فرمانرواؤں سے اطاعت و بندگی اور اپنے جود و عطا کی بدولت باعظمت لوگوں پر سرداری کی۔ وہ اللہ جس نے دنیا میں اپنی مخلوقات کو آباد کیا اور اپنے رسولوں کو جن و انس کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان کے سامنے دنیا کو بے نقاب کریں اور اس کی مضرتوں سے انہیں ڈرائیں دھمکائیں اس کی (بیوفائی کی) مثالیں بیان کریں اور اس کی صحت و بیماری کے تغیرات سے ایک دم انہیں پوری پوری عبرت دلانے کا سامان کر دیں اور اس کے عیوب اور حلال وحرام کے (ذرائع اکتساب) اور فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے لیے جو بہشت و دوزخ اور عزت و دولت کے سامان اللہ نے مہیا کئے ہیں دکھلائیں میں اس ذات کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو کر اس کی ایسی حمد و ثنا کرتا ہوں جیسی حمد اس نے اپنی مخلوقات سے چاہی ہے۔ اس کے ہر شے کا اندازہ اور ہر اندازے کی ایک مدت اور ہر مدت کے لیے ایک نوشتہ قرار دیا ہے۔

اسی خطبہ کا ایک جزیہ ھے :

قرآن (اچھائیوں کا) حکم دینے والا، برائیوں سے روکنے والا (بظاہر) خاموش اور (بباطن) گویا اور مخلوقات پر اللہ کی حجت ہے کہ جس پر (عمل کرنے والا) اس نے بندوں سے عہد لیا ہے اور ان کے نفسوں کو اس کا پابند بنایا ہے۔ اس کے نور کو کامل اور اس کے ذریعہ سے دین کو مکمل کیا ہے

اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس حالت میں دنیا سے اٹھایا کہ وہ لوگوں کو ایسے احکام قرآن کی تبلیغ کر کے فارغ ہو چکے تھے کہ جو ہدایت و رستگاری کا سبب ہیں۔ لہٰذا اللہ سبحانہ،

کو ایسی بزرگی و عظمت کے ساتھ یاد کرو جیسی اپنی بزرگی خود اس نے بیان کی ہے کیونکہ اس نے اپنے دین کی کوئی بات تم سے نہیں چھپائی اور کسی شے کو خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند بغیر کسی علامت اور محکم نشان کے نہیں چھوڑا جو ناپسند امور سے روکے اور پسندیدہ باتوں کی طرف دعوت دے (ان احکام کے متعلق) اس کی خوشنودی و ناراضگی کا معیار زمانہ آئندہ میں بھی ایک رہے گا۔ یاد رکھو! کہ وہ تم سے کسی ایسی چیز پر رضامند نہ ہوگا۔ کہ جس پر تمہارے اگلوں سے ناراض ہو چکا ہو اور نہ کسی ایسی چیز پر غضب ناک ہوگا کہ جس پر پہلے لوگوں سے خوش رہ چکا ہو۔ تمہیں تو بس یہی چاہیے کے تم واضح نشانوں پر چلتے رہو اور تم سے پہلے لوگوں نے جو کہا ہے اسے دہراتے رہو۔ وہ تمہاری ضروریات دنیا کا ذمہ لے چکا ہے اور تمہیں صرف شکرگزار رہنے کی ترغیب دی ہے اور تم پر واجب کیا ہے کہ اپنی زبان سے اس کا ذکر کرتے رہو۔ اور تمہیں تقویٰ و پرہیز گاری کی ہدایت کی ہے اور اسے اپنی رضاء و خوشنودی کی حد آخر اور مخلوق سے اپنا مدعا قرار دیا ہے اس اللہ سے ڈرو کہ تم جس کی نظروں کے سامنے ہو اور جس کے ہاتھ میں تمہاری پیشانیوں کے بال اور جس کے قبضہ قدرت میں تمہارا اٹھنا بیٹھنا اور چلنا پھرنا ہے۔ اگر تم کوئی بات مخفی رکھو گے تو وہ اس کو جان لے گا اور ظاہر کرو گے تو اسے لکھ لے گا (کیوں کہ) اس نے تم پر نگہبانی کرنے والے مکرم فرشتے مقرر کر رکھے ہیں۔ وہ کسی حق کو نظر انداز اور کسی غلط چیز کو درج نہیں کرتے۔

یاد رکھو! کہ جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے فتنوں سے (بچ کر) نکلنے کی راہ نکال دے گا اور اندھیاریوں سے اجالے میں لے آئے گا اور اس کے حسب دلخواہ نعمتوں میں اسے ہمیشہ

رکھے گا اور اسے اپنے پاس ایسے گھر میں کہ جسے اس نے اپنے لیے منتخب کیا ہے عزت و بزرگی کی منزل میں لا اتارے گا۔ اس گھر کا سایہ عرش، اس کی روشنی جمال قدرت (کی چھوٹ) اس میں ملاقاتی ملائکہ اور رفیق و ہمنشین انبیاء و مرسلین ہیں۔ اپنی بازگشت کی طرف بڑھو اور زاد عمل فراہم کرنے میں موت پر سبقت کرو۔ اس لیے کہ وہ وقت قریب ہے کہ لوگوں کی امیدیں ٹوٹ جائیں، موت ان پر چھا جائے اور توبہ کا دروازہ ان کے لیے بند ہو جائے ابھی تو تم اس دور میں ہو کہ جس کی طرف پلٹنے کی تم سے قبل گزر جانے والے لوگ تمنا کرتے ہیں۔ تم اس دار دنیا میں کہ جو تمہارے رہنے کا گھر نہیں ہے، مسافر راہ نورد ہو۔ اس سے تمہیں کوچ کرنے کی خبر دی جا چکی ہے اور اس میں رہتے ہوئے تمہیں زاد کے مہیا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یاد رکھو! کہ اس نرم و نازک کھال میں آتش جہنم کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں (تو پھر) اپنی جانوں پر رحم کھاؤ کیونکہ تم نے ان کو دنیا کی مصیبتوں میں آزما کر دیکھ لیا ہے کیا تم نے اپنے میں کسی ایک کو دیکھا ہے کہ وہ (جسم میں) کانٹا لگنے سے یا ایسی ٹھوکر کھانے سے کہ جو اسے لہولہان کر دے یا ایسی گرم ریت (کی تپش) سے کہ جو اسے جلا دے کس طرح بے چین ہو کر چیختا ہے۔

(ذرا سوچو تو) کہ اس وقت کیا حالت ہوگی کہ جب جہنم کے دو آتشین تودوں کے درمیان (دہکتے ہوئے) پتھروں کا پہلو نشین اور ساتھی ہوگا۔ کیا تمہیں خبر ہے۔ کہ جب مالک

(پاسبان جہنم) آگ پر غضب ناک ہوگا تو وہ اس کے غصہ سے (بھڑک کر آپس میں ٹکرانے لگے گی) اور اس کے اجزا ایک دوسرے کو توڑنے پھوڑنے لگیں گے اور جب اسے جھڑکے گا تو اس کی جھڑکیوں سے (تلملا کر) دوزخ کے دروازوں میں اچھلنے لگے گی۔ اے پیر کہن سال کہ جس پر بڑھاپا چھایا ہوا ہے۔ اس وقت تیری کیا حالت ہوگی کہ جب آتشین طوق گردن کی ہڈیوں میں پیوست ہو جائیں گے؟ اور (ہاتھوں میں) ہتھکڑیاں گڑ جائیں گی؟ یہاں تک کہ وہ کلائیوں کا گوشت کھالیں گی۔

اے خدا کے بندوں! اب جبکہ تم بیماریوں میں مبتلا ہونے اور تنگی و ضیق میں پڑنے سے پہلے صحت و فراخی کے عالم میں صحیح و سالم ہو اللہ کا خوف کھالو اور اپنی گردنوں کو قبل اس کے کہ وہ اس طرح گروی ہو جائیں کے انہیں چھڑایا نہ جاسکے۔ چھڑانے کی کوشش کرو۔ اپنی آنکھوں کو بیدار اور شکموں کو لاغر بناؤ (میدان میں) اپنے قدموں کو کام میں لاؤ۔ اور اپنے مال کو (اس کی راہ میں) خرچ کرو۔ اپنے جسموں کو اپنے نفسوں پر نثار کردو اور ان سے بخل نہ برتو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔ اور (پھر) فرمایا: کہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے، تو خدا اس کے اجر کو دوگنا کردے گا۔ اور اس کے لیے عمدہ جزا ہے۔ خدا نے کسی کمزوری کی بنا پر تم سے مدد نہیں مانگی اور نہ بے مائیگی کی وجہ سے تم سے قرض کا سوال کیا ہے۔ اس نے تم سے مدد چاہی ہے باوجودیکہ اس کے پاس سارے آسمان وزمین کے لشکر ہیں۔ اور وہ غلبہ اور حکمت والا ہے۔ اور تم سے قرض مانگا ہے حالانکہ آسمان وزمین کے خزانے اس کے قبضہ میں ہیں اور وہ

بے نیاز و لائق حمد وثنا ہے۔اس نے تو یہ چاہا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اعمال کے لحاظ سے کون بہتر ہے

تم اپنے اعمال کو لے کر بڑھو تا کہ اللہ کے ہمسایوں کے ساتھ اس کے گھر (جنت) میں رہو۔وہ ایسے ہمسائے ہیں کہ اللہ نے جنہیں پیغمبروں کا رفیق بنایا ہے اور فرشتوں کو ان کی ملاقات کا حکم دیا ہے اور ان کے کانوں کو ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھا ہے۔کہ آگ کی (اذیتوں) کی بھنک ان میں نہ پڑے اور ان کے جسموں کو بچائے رکھا ہے۔تا کہ وہ رنج اور تھکان سے دو چار نہ ہوں۔یہ خدا کا فضل ہے کہ وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور خدا تو بڑے فضل وکرم والا ہے۔میں وہی کہہ رہا ہوں جو تم سن رہے ہو میرے اور تمہارے نفسوں کے لیے اللہ ہی مددگار ہے اور وہی میرے لیے کافی ہے اور اچھا سازگار ہے۔

خطبہ 182:

جب برج ابن مسہر طائی نے "لا حکم الا اللہ" کا نعرہ لگایا تو فرمایا

برج ابن مسہر طائی نے کہ جو خوارج میں سے تھا (مشہور نعرہ) لاحکم الا اللہ (حکم کا اختیار صرف اللہ کو ہے) اس طرح بلند کیا کہ حضرت سن لیں۔چنانچہ آپ نے سن کر ارشاد فرمایا خاموش! خدا تیرا برا کرے۔اے ٹوٹے ہوئے دانتوں والے! خدا کی قسم جب حق ظاہر ہوا تو اس وقت تیری شخصیت ذلیل اور تیری آواز دبی ہوئی تھی اور جب باطل زور سے چیختا ہے تو بھی بکری کے سینگ کی طرح ابھر آیا ہے۔

خطبہ 183:

ٹڈی کی عجیب و غریب خلقت

ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لیے ہے جسے حواس نہیں پا سکتے، نہ جگہیں اسے گھیر سکتی ہیں، نہ پردے اسے چھپا سکتے ہیں وہ مخلوقات کے نیست کے بعد ہست ہونے سے اپنے ہمیشہ سے ہونے کا اوران کے باہم مشابہ ہونے سے اپنے بے مثل و بے نظیر ہونے کا پتہ دیتا ہے۔وہ اپنے وعدہ میں سچّا اور بندوں پر ظلم کرنے سے بالاتر ہے وہ مخلوق کے بارے میں عدل سے چلتا ہے اور اپنے حکم میں انصاف برتتا ہے۔وہ چیزوں کے وجود پذیر ہونے سے اپنی قدامت پر ان کے عجز و کمزوری کے نشانوں سے اپنی قدرت پر ان کے فنا ہوجانے کی اضطراری کیفیتوں سے اپنی ہمیشگی (عقل سے) گواہی حاصل کرتا ہے،وہ گنتی اور شمار میں آئے بغیر ایک (یگانہ) ہے۔وہ کسی (متعینہ) مدّت کے بغیر ہمیشہ رہے گا۔اور ستونوں (اعضاء) کے سہارے کے بغیر قائم و برقرار ہے حواس و مشاعر کے بغیر ذہن اسے قبول کرتے ہیں اور اس تک پہنچے بغیر نظر آنے والی چیزیں اس کی ہستی کی گواہی دیتی ہیں۔عقلیں اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کرسکتیں بلکہ وہ عقلوں کے وسیلہ سے عقلوں کے لیے آشکار ہوا ہے اور عقلوں ہی کے ذریعہ سے عقل و فہم میں آنے سے انکاری ہے اوران کے معاملہ میں خود انہی کو حکم ٹھہرایا ہے۔وہ اس معنی سے بڑا نہیں کہ اس کے حدود و اطراف پھیلے ہوئے ہیں۔کہ جو مجسّم صورت میں بڑا کر کے دکھاتے ہیں اور نہ اس اعتبار سے عظیم ہے کہ وہ جسامت میں انتہائی حدوں تک پھیلا ہوا ہے۔بلکہ وہ شان و منزلت کے اعتبار سے بڑ

اہے اور دبدبہ واقتدار کے لحاظ سے عظیم ہے

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے عبد اور برگزیدہ رسول، پسندیدہ امین ہیں۔ خدا ان پر ان کے اہلبیت پر رحمت فراواں نازل کرے اللہ نے انہیں ناقابل انکار دلیلوں، واضح کامرانیوں اور راہ (شریعت) کی رہنمائیوں کے ساتھ بھیجا۔ چنانچہ آپ نے (حق کو باطل سے) چھانٹ کر اس کا پیغام پہنچایا، راہ حق دکھا کر اس پر لوگوں کو لگایا۔ ہدایت کے نشان اور روشنی کے مینار قائم کئے۔ اسلام کی رسیوں کو اور ایمان کے بندھنوں کو مستحکم کیا۔

اس خطبہ کا ایک جزیہ ہے کہ جس میں مختلف قسم کے جانوروں کی عجیب وغریب آفرینش کا ذکر فرمایا ہے۔ اگر لوگ اس کی عظیم الشان قدرتوں اور بلند پایا نعمتوں میں غور وفکر کریں تو سیدھی راہ کی طرف پلٹ آئیں اور دوزخ کے عذاب سے خوف کھانے لگیں۔ لیکن دل بیمار اور بصیرتیں کھوئی ہیں۔ کیا یہ لوگ ان چھوٹے چھوٹے جانوروں کو کہ جنہیں اس نے پیدا کیا ہے۔ نہیں دیکھتے کہ کیونکر ان کی آفرینش کو استحکام بخشا ہے اور ان کے جوڑ بند کو باہم استواری کے ساتھ ملایا ہے۔ اور ان کے لئے کان اور آنکھ (کے سوراخ) کھولے ہیں اور ہڈی اور کھال کو (پوری مناسبت سے) درست کیا ہے، ذرا اس چیونٹی کی طرف اس کی جسامت کے اختصار اور شکل وصورت کی باریکی کے عالم میں نظر کرو اتنی چھوٹی کہ گوشۂ چشم سے بمشکل دیکھی جاسکے اور نہ فکروں میں سماتی ہے۔ دیکھو تو کیونکر زمین پر رینگتی پھرتی ہے اور اپنے رزق کی طرف لپکتی ہے اور دانے کو اپنے بل کی طرف لئے جاتی ہے اور اسے اپنے قیام گاہ میں مہیا رکھتی ہے اور گرمیوں میں جاڑے کے موسم کے لئے اور قوت وتوانائی کے

زمانے میں عجز و درماندگی کے دنوں کے لئے ذخیرہ اکٹھا کر لیتی ہے اس کی روزی کا ذمہ لیا جا چکا ہے اور اس کے مناسب حال رزق اسے پہنچتا رہتا ہے۔ خدائے کریم اس سے تغافل نہیں برتتا اور صاحب عطا و جزا اسے محروم نہیں رکھتا۔ اگر چہ وہ خشک پتھر اور جمے ہوئے سنگ خارا کے اندر کیوں نہ ہو اگر تم اس کی غذا کی نالیوں اور اس کے بلند و پست حصوں میں اور اس کے خول میں پیٹ کی طرف جھکے ہوئے پسلیوں کے کناروں اور اس کے سر میں (چھوٹی چھوٹی آنکھوں اور کانوں کی ساخت میں) غور و فکر کرو گے تو اس کی آفرینش پر تمہیں تعجب ہوگا اور اس کا وصف کرنے میں تمہیں تعجب اٹھانا پڑے گا۔ بلند و برتر ہے وہ کہ جس نے اس کو اس کے پیروں پر کھڑا کیا ہے اور ستونوں (اعضاء) پر اس کی بنیاد رکھی ہے۔ اس کے بنانے میں کوئی بنانے والا شریک نہیں ہوا ہے اور نہ اس کے پیدا کرنے میں کسی قادر و توانا نے اس کا ہاتھ بٹایا ہے۔ اگر سوچ بچار کی راہوں کو طے کرتے ہوئے اس کی آخری حد تک پہنچ جاؤ تو عقل کی رہنمائی تمہیں بس اس نتیجے پر پہنچائے گی کہ جو چیونٹی 1 کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہی کھجور کے درخت کا پیدا کرنے والا ہے، کیونکہ ہر چیز 2 کی تفصیل لطافت و باریکی لئے ہوئی ہے اور ہر ذی حیات کے مختلف اعضاء میں باریک سا ہی فرق ہے اس کی مخلوقات میں بڑی اور چھوٹی، بھاری اور ہلکی، طاقتور اور کمزور چیزیں یکساں ہیں اور یونہی آسمان، فضا، ہوا اور پانی برابر ہیں، لہٰذا تم سورج، چاند، سبزے، درخت، پانی اور پتھر کی طرف دیکھو اور اس رات دن کے یکے بعد دیگرے آنے جانے اور ان دریاؤں کے جاری ہونے اور ان پہاڑوں کی بہتات اور ان چوٹیوں پر نگاہ دوڑاؤ اور ان نعمتوں اور قسم قسم کی

زبانوں کے اختلاف پر نظر کرو۔اس کے بعد افسوس ہے۔ان پر کہ جو قضا وقدر کی مالک ذات اور نظم وانضباط کے قائم کرنے والی ہستی سے انکار کریں انہوں نے تو یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ گھاس پھوس کی طرح خودبخود اگ آئے ہیں، نہ ان کا کوئی بولنے والا ہے۔انہوں نے اپنے اس دعوے کی بنیاد کسی دلیل پر نہیں رکھی اور نہ سنی سنائی باتوں کی تحقیق کی ہے (ذرا سوچو تو کہ) کیا کوئی عمارت بغیر بنانے والے کے ہوا کرتی ہے؟اور کوئی جرم بغیر مجرم کے ہوتا ہے!اگر چاہو تو (چیونٹی کی طرح) ٹڈی3 کے متعلق بھی کچھ کہو کہ اس کے لئے لال بھبوکا دو آنکھیں پیدا کیں اور اس کی آنکھوں کے چاند نے دونوں حلقوں کے چراغ روشن کئے اور اس کے لیے بہت ہی چھوٹے چھوٹے کان بنائے اور مناسب ومتعدل منہ کا شگاف بنایا اور اس کے حس کو قوی اور تیز قرار دیا اور ایسے دو دانت بنائے کہ جن سے وہ (پتیوں کو) کاٹتی ہے اور درانتی کی طرح کے دو پیر دیئے کہ جن سے وہ (گھاس پات کو) پکڑتی ہے، کاشتکار اپنی زراعت کے بارے میں اس سے ہراساں رہتے ہیں۔اگر وہ اپنے جتھوں کو سمیٹ لیں، جب بھی اس ٹڈی دل کا ہنکانا ان کے بس میں نہیں ہوتا۔یہاں تک کہ وہ جست وخیز کرتا ہوا ان کی کھیتیوں پر ٹوٹ پڑتا ہے اور ان سے اپنی خواہشوں کو پورا کر لیتا ہے۔حالانکہ اس کا جسم ایک باریک انگلی کے بھی برابر نہیں ہوتا۔پاک ہے وہ ذات کہ جس کے سامنے آسمان وزمین میں جو کوئی بھی ہے خوشی یا مجبوری سے بہرصورت سجدہ میں گرا ہوا ہے اور اس کے لیے رخسار اور چہرے کو خاک پر مل رہا ہے اور عجز وانکسار سے اس کے آگے سرنگوں ہے۔اور خوف ودہشت سے اپنی باگ ڈور اسے سونپے ہوئے ہے۔پرندے اس کے حکم

(کی زنجیروں) میں جکڑے ہوئے ہے وہ ان کے پروں اور سانسوں کی گنتی تک کو جانتا ہے اور (ان میں سے کچھ کے) پیرتری پر اور (کچھ کے) خشکی پر جما دیئے ہیں اور ان کی روزیاں متعین کر دی ہیں اور ان کے انواع و اقسام پر احاطہ رکھتا ہے کہ یہ کوا ہے۔اور یہ عقاب، یہ کبوتر ہے اور یہ شتر مرغ،اس نے ہر پرندے کو اس کے نام پر دعوت (وجود) دی۔اور ان کی روزی کا ذمّہ لیا اور یہ بھاری بوجھل بادل پیدا کئے کہ جن سے موسلا دھار بارشیں برسائیں اور حصہ رسدی کے مختلف (سرزمینوں پر) انہیں بانٹ دیا اور زمین کو اس کے خشک ہو جانے کے بعد تر بتر کر دیا اور بنجر ہو جانے کے بعد اس سے (لہلہاتا ہوا) سبزا اگا یا۔

ا۔چیونٹی بظاہر ایک حقیر سی مخلوق ہے اور جسامت کے اعتبار سے نہایت چھوٹی مگر قدرت نے شعور و احساس کی اتنی قوتیں اس میں ودیعت کی ہیں کہ عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔اس کے حسیات خصوصاً قوت شامہ بہت تیز ہوتی ہے۔جہاں کہیں خوراک ہو یہ اپنے حاسہ کی مدد سے فوراً وہاں پہنچ جاتی ہے اور اپنے جسم سے بیس گنا زائد وزن اٹھا لیتی ہے اور جس چیز کو اکیلے نہیں اٹھا سکتی۔اسے اٹھانے کے لیے دوسری چیونٹیوں کو اطلاع کر دیتی ہے اور وہ سب مل کر اسے اٹھا کے جاتی ہیں۔اگر دیوار یا بلندی پر چڑھنے سے بوجھ گر پڑتا ہے تو جتنی مرتبہ گرے اسے اٹھانے کے لیے پلٹتی ہے۔دھوپ ہو یا سایہ، گرمی ہو یا سردی نہ ہمت ہارتی ہے اور نہ محنت سے جی چراتی ہیں۔ہمہ وقت وہ تلاش میں لگی رہتی ہیں۔یوں تو گرمی و سردی میں یکساں سعی و کاوش کا مظاہرہ کرتی ہیں مگر گرمیوں میں زیادہ سرگرم عمل رہتی ہیں تاکہ سردی

اور برسات کے لیے اپنے بلوں میں اتنا ذخیرہ فراہم کرلیں جس سے ان کی گذر بسر ہو سکے۔ان بلوں میں ٹیڑھے میڑھے راستے بناتی ہیں تاکہ بارش کے پانی سے تحفظ ہو سکے۔اس کی غذا کی جمع آوری کے ساتھ اس کے بچاؤ کی بھی تمام تدابیر عمل میں لاتی ہیں۔ چنانچہ جب اس کے خراب یا متعفن ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے تو اسے بلوں سے باہر نکال کر ہوا میں پھیلا دیتی ہیں اور سوکھ جانے کے بعد اسے پھر بلوں میں منتقل کر دیتی ہیں یہ نقل وحمل عموماً چاندنی راتوں میں کرتی ہیں تاکہ دن کے وقت گزرنے والے کی وجہ سے پامال نہ ہو اور اتنی روشنی بھی رہے کے کام جاری رکھا جا سکے اور اگر زمین کی تری ورطوبت کی وجہ سے دانوں سے کونپلیں پھوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔تو ہر دانے کے دو ٹکڑے کر دیتی ہیں اور دھنئے کی یہ خاصیت ہے کہ اگر اس کے دو ٹکڑے ہو جائیں تو بھی اگ آتا ہے اس لیے اس کے چار ٹکڑے کر دیتی ہیں اس کے ساتھ یہ اہتمام بھی کرتی ہیں کہ دانوں کی سطح پر بھوسے کے تنکے بچھا دیتی ہیں تاکہ زمین کے اندر کی نمی سے محفوظ رہیں۔ چیونٹیوں کے نظم وضبط سے رہنے مل جل کر کام کرنے اور ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانے کا بھرپور جذبہ ہوتا ہے۔ان میں کچھ کارکن ہوتی ہیں جو خوراک فراہم کرتی ہیں اور کچھ حفاظتی فریضہ انجام دیتی ہیں اور ایک ملکہ ہوتی ہے جو نگران کار ہوتی ہے۔غرض یہ تمام کام تقسیم عمل اور نظم وضبط کے تحت انجام پاتے ہیں:۔

2.مطلب یہ ہے کہ اگر کائنات کی چھوٹی سی چھوٹی چیز کا جائزہ لیا جائے تو وہ اپنے اندر ان

تمام چیزوں کو سمیٹے ہوئے ہوگی جو بڑی سے بڑی چیز کے اندر پائی جاتی ہیں اور ہر ایک میں قدرت کی صنعت طرازی و کارسازی کی جھلک یکساں اور ہر ایک کی نسبت اس کی قوت و توانائی کی طرف برابر ہوگی۔ خواہ وہ چیونٹی کی طرح چھوٹی ہو، یا درخت خرما کی طرح بڑی، ایسا نہیں کہ چھوٹی چیز کو بنانا سہل اور بڑی چیز کو پیدا کرنا اس کے لیے مشکل ہو۔ کیونکہ صورت و رنگ، حجم اور مقدار کا اختلاف صرف اس کی حکمت و تدبیر کی کارفرمائی کی بنا پر ہے مگر اصل خلقت کے اعتبار سے ان میں کوئی تفاوت نہیں۔ لہٰذا خلقت و آفرینش کی یہ یک رنگی اس کے صانع کی وحدت و یکتائی کی دلیل ہے۔

3. ٹڈی ایک مختصر جسامت کا جانور ہے۔ بچپنے میں اس کے پیر چھوٹے اور ٹانگیں لمبی، سر بڑا اور دُم چھوٹی ہوتی ہے جب بچپنے کا دور گذر جاتا ہے تو پر بڑے اور جسم کی لمبائی زیادہ ہوجاتی ہے۔ خوراک کی تلاش میں جتھا بنا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پرواز کرتا رہتا ہے۔ اس پرواز سے اس کے جسم اور اعصاب پر خوشگوار اثر پڑتا ہے اور جسم قوی اور اعصاب مضبوط ہوجاتے ہیں۔ لیکن یہ دور اس کے لیے انتہائی پریشان کن ہوتا ہے کیونکہ بھوک کی شدّت اسے کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتی۔ چنانچہ جب ٹڈی دل مل کر پرواز کرتا ہے تو جہاں کہیں سبزہ نظر آتا ہے بے تحاشا ٹوٹ پڑتا ہے اور مادہ اپنی دُم سے زمین میں سوراخ کر کے انڈے چھوڑ جاتی ہے جن سے بچے نکلتے ہیں اور جب ان کے جسم و جان میں توانائی آتی ہے تو اڑنے لگتے ہیں۔ ان کا پھیلاؤ کبھی کبھی دو ہزار مربع میل تک پہنچ جاتا ہے اور ایک دن

میں بارہ سو میل کی مسافت طے کر لیتے ہیں اور جدھر سے ہو کر گزرتے ہیں کھڑی کھیتیوں اور سبزہ زاروں کو اس طرح چاٹ جاتے ہیں کہ روئیدگی کا نام و نشان تک نہیں رہتا۔ یہ پرواز گرم خشک موسم میں ہوتی ہے اور جب تک موسم سازگار رہتا ہے پرواز جاری رہتی ہے جب سخت سردی یا تیز آندھی انہیں منتشر کر دیتی ہے تو جماعتی زندگی کی کشمکش سے آزاد ہو کر تنہا رہ جاتے ہیں۔ یہ تنہائی کی زندگی ان کے لیے بڑی مطمئن زندگی ہوتی ہے۔ انہیں بھوک ستاتی ہے اور نہ پرواز کی تعب و مشقت نڈھال کرتی ہے۔

خطبہ 184:

مسائلِ الٰہیات کے بنیادی اصول کا تذکرہ

یہ خطبہ توحید کے متعلق ہے اور علم و معرفت کی اتنی بنیادی باتوں پر مشتمل ہے کہ جن پر کوئی دوسرا خطبہ حاوی نہیں ہے۔ جس نے اسے مختلف کیفیتوں سے متصّف کیا اس نے یکتا نہیں سمجھا، جس نے اس کا مثل ٹھہرایا اس نے اس کی حقیقت کو نہیں پایا، جس نے اسے کسی چیز سے تشبیہ دی اس نے اس کا قصد نہیں کیا، جس نے اسے قابلِ اشارہ سمجھا اور اپنے تصوّر کا پابند بنایا۔ اس نے اس کا رخ نہیں کیا، جو اپنی ذات سے پہچانا جائے وہ مخلوق ہوگا اور جو دوسرے کے سہارے پر قائم ہو، وہ علت کا محتاج ہوگا۔ وہ غافل ہے بغیر آلات کو حرکت میں لائے۔ وہ ہر چیز کا اندازہ مقرّر کرنے والا ہے۔ بغیر فکر کی جولانی کے وہ تونگر و غنی ہے۔ بغیر دوسروں سے استفادہ کئے نہ زمانہ اس کا ہم نشین اور نہ آلات اس کے معاون و معین ہیں۔

اس کی ہستی زمانہ سے پیشتر اس کا وجود عدم سے سابق اور اس کی ہمیشگی نقطۂ آغاز سے بھی پہلے سے ہے اس نے جو احساس وشعور کی قوتوں کو ایجاد کیا اسی سے معلوم ہوا کہ وہ خود حواس و آلات شعور نہیں رکھتا اور چیزوں میں ضدیت قرار دینے سے معلوم ہوا کہ اس کی ضد نہیں ہو سکتی اور چیزوں کو جو اس نے ایک دوسرے کے ساتھ رکھا ہے اسی سے معلوم ہوا کہ اس کا کوئی ساتھی نہیں، اس نے نور کو ظلمت کی روشنی کو اندھیرے کی، خشکی کو تری کی اور گرمی کو سردی کی ضد قرار دیا ہے۔ وہ ایک دوسرے کی دشمن چیزوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے والا، متضاد چیزوں کو باہم قریب لانے والا اور باہم پیوستہ چیزوں کو الگ الگ کرنے والا ہے۔ وہ کسی حد میں محدود نہیں اور نہ گننے سے شمار میں آتا ہے جسمانی قویٰ تو جسمانی ہی چیزوں کو گھیرا کرتے ہیں اور اپنے ہی ایسوں کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں انہیں لفظ منذ 1 نے قدیم ہونے سے روک دیا ہے۔ اور لفظ قدیم نے ہمیشگی سے منع کر دیا ہے۔ لفظ لولا نے کمال سے ہٹا دیا ہے۔ انہی اعضاء و جوارح اور حواس و مشاعر کے ذریعہ ان کا موجد عقلوں کے سامنے جلوہ گر ہوا ہے اور ان ہی کے تقاضوں کے سبب سے آنکھوں کے مشاہدہ سے بری ہو گیا ہے۔ حرکت وسکون اس پر طاری نہیں ہو سکتے۔ بھلا جو چیز اس کی مخلوقات پر طاری کی ہو، وہ اس پر کیونکر طاری ہوسکتی ہے۔ اور جو چیز پہلے پہل اسی نے پیدا کی ہے وہ اس کی طرف عائد کیونکر ہوسکتی ہے اور جس چیز کو اس نے پیدا کیا ہو وہ اس میں کیونکر پیدا ہوسکتی ہے اگر ایسا ہوتو اس کی ذات تغیر پذیر قرار پائے گی اور اس کی حقیقت ہمیشگی ودوام سے علیحدہ ہو جائے گی۔ اگر اس کے لیے سامنے کی جہت ہوتی تو پیچھے کی سمت بھی ہوتی اور اگر اس میں کمی آتی تو

وہ اس کی تکمیل کا محتاج ہوتا اور اس صورت میں وہ خود کسی خالق کے وجود کی دلیل بن جاتا حالانکہ وہ اس امر مسلمہ کی رو سے کہ اس میں مخلوق کی صفتوں کا ہونا ممنوع اس سے بری ہے کہ اس میں وہ چیز اثر انداز ہو جو ممکنات میں اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ ادلتا بدلتا نہیں نہ زوال پذیر ہوتا ہے۔ نہ غروب ہونا اس کے لیے روا ہے اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ ورنہ محدود ہو کر رہ جائے گا، وہ آل اولاد رکھنے سے بالاتر اور عورتوں کو چھونے سے پاک ہے۔ تصوّرات اسے پا نہیں سکتے کہ اس کا اندازہ ٹھہرا لیں اور عقلیں اس کا تصوّر نہیں کر سکتی کہ اس کی کوئی صورت مقرّر کر لیں۔ حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے کہ اسے محسوس کر لیں اور ہاتھ اس سے مس نہیں ہو سکتے کہ اسے چھو لیں، وہ کسی حال میں بدلتا نہیں اور نہ مختلف حالتوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے نہ شب و روز اسے کہنہ کرتے ہیں، نہ روشنی و تاریکی اسے متغیر کرتی ہے اسے اجزاء و جوارح صفات میں سے کسی صفت اور ذات کے علاوہ کسی بھی چیز اور حصوں سے متصف نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے کسی حد اور اختتام اور زوال پذیری اور انتہا کو کہا نہیں جا سکتا اور نہ یہ چیزیں اس پر حاوی ہیں کہ خواہ اسے بلند کریں اور خواہ پست، یا چیزیں اسے اٹھائے ہوئے ہیں کہ چاہے اسے اِدھر اُدھر موڑیں اور چاہے اسے سیدھا رکھیں۔ نہ وہ چیزوں کے اندر ہے نہ ان سے باہر، وہ خبر دیتا ہے۔ بغیر زبان اور تالو جبڑے کی حرکت کے وہ سنتا ہے، بغیر کانوں کے سوراخوں والے آلات سماعت کے وہ بات کرتا ہے، بغیر تلفظ کے وہ ہر چیز کو یاد رکھتا ہے بغیر یاد کرنے کی زحمت کے، وہ ارادہ کرتا ہے، بغیر قلب اور ضمیر کے وہ دوست رکھتا ہے اور خوشنود ہوتا ہے بغیر رقت طبع کے، وہ دشمن پر

غضبناک ہوتا ہے بغیر غم وغصہ کی تکلیف کے، جسے پیدا کرنا چاہتا ہے اسے "ہوجا" کہتا ہے۔ جس سے وہ ہوجاتی ہے بغیر کسی ایسی آواز کے جو کان (کے پردوں) سے ٹکرائے اور بغیر ایسی صدا کے جو سنی جا سکے۔ بلکہ اللہ سبحانہُ کا کلام بس اس کا ایجاد کردہ فعل ہے اور اس طرح کا کلام پہلے موجود نہیں ہوسکتا اور اگر وہ قدیم ہوتا تو دوسرا خدا ہوتا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ عدم کے بعد وجود میں آیا ہے کہ اس پر حادث صفتیں منطبق ہونے لگیں اور اس میں اور مخلوقات میں کوئی فرق نہ رہے اور نہ اسے اس پر کوئی فوقیت و برتری رہے کہ جس کے نتیجہ میں خالق و مخلوق ایک سطح پر آجائیں اور صانع و مصنوع برابر ہوجائیں۔

اس نے مخلوقات کو بغیر کسی ایسے نمونہ کے پیدا کیا کہ جو اس سے پہلے کسی دوسرے نے قائم کیا ہو اور اس کے بنانے میں اس نے مخلوقات میں سے کسی ایک کی بھی مدد نہیں چاہی۔ وہ زمین کو وجود میں لایا اور بغیر اس کام میں الجھے ہوئے اسے برابر رو کے تھامے رہا اور بغیر کسی چیز پر لٹکائے ہوئے اسے برقرار کر دیا، اور بغیر ستونوں کے اس نے قائم اور بغیر کھمبوں کے اسے بلند کیا۔ کجی اور جھکاؤ سے اسے محفوظ کر دیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہوکر گرنے اور پھٹنے سے اسے بچائے رہا۔ اس کے پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑا اور چٹانوں کو مضبوطی سے نصب کیا، اس نے جو بنایا اس کے چشموں کو جاری اور پانی کی گزرگاہوں کو شگافتہ کیا اس میں کوئی سستی نہ آئی اور جسے مضبوط کیا اس میں کمزوری نہیں پیدا ہوئی۔ وہ اپنی عظمت و شاہی کے ساتھ زمین پر غالب، علم و دانائی کی بدولت اس کے اندرونی رازوں سے واقف اور اپنے جلال و عزت کے سبب سے اس کی ہر چیز پر چھایا ہوا ہے وہ جس چیز کا اس سے خواہاں ہوتا ہے وہ اس کی

دسترس سے باہر نہیں نکل سکتی اور نہ ہی اس سے روگردانی کر کے اس پر غالب آسکتی ہے اور نہ کوئی تیز رو اس کے قبضہ سے نکل سکتا ہے کہ اس سے بڑھ جائے اور نہ وہ کسی مال دار کا محتاج ہے کہ وہ اسے روزی دے۔ تمام چیزیں اس کے سامنے عاجز اور اس کی بزرگی و عظمت کے آگے ذلیل و خوار ہیں اس کی سلطنت (کی وسعتوں) سے نکل کر کسی اور طرف بھاگ جانے کی ہمت نہیں رکھتیں کہ اس کے جود و عطا سے (بے نیاز) اور اس کی گرفت سے اپنے آپ کو محفوظ سمجھ لیں نہ اس کا کوئی ہمسر ہے جو اس کے برابر اتر سکے نہ اس کا مثل و نظیر ہے جو اس کی برابری کر سکے

وہی ان چیزوں کو وجود کے بعد فنا کرنے والا ہے یہاں تک کہ موجود چیزیں ان چیزوں کی طرح ہو جائیں کہ جو کبھی تھیں ہی نہیں اور یہ دنیا کو پیدا کرنے کے بعد نیست و نابود کرنا اس کے شروع شروع وجود میں لانے سے زیادہ تعجب خیز (دشوار) نہیں اور کیوں کر ایسا ہو سکتا ہے جب تمام حیوان وہ پرندے ہوں یا چوپائے۔ رات کو گھروں کی طرف پلٹ کر آنے والے ہوں۔ یا چراگاہوں میں چرنے والے جس نوع کے بھی ہوں اور جس قسم کے ہوں وہ اور تمام آدمی کودن و غبی صنف سے ہوں یا زیرک و ہوشیار سب مل کر اگر ایک مچھر کو پیدا کرنا چاہیں تو وہ اس کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہونگے اور نہ یہ جان سکیں گے اس کے پیدا کرنے کی کیا صورت اور اس جاننے کے سلسلہ میں ان کی عقلیں حیران و سرگرداں اور قوتیں عاجز و درماندہ ہو جائیں گی اور یہ جانتے ہوئے کہ وہ شکست خوردہ ہیں اور یہ اقرار کرتے ہوئے کہ وہ اس کی ایجاد سے درماندہ ہیں اور یہ اعتراف کرتے ہوئے کہ وہ اس کے فنا کرنے سے بھی

عاجز ہیں۔خستہ و نامراد ہو کر پلٹ آئیں گے

بلا شبہ اللہ سبحانہ، دنیا کے مٹ جانے کے بعد ایک اکیلا ہوگا کوئی چیز اس کے ساتھ نہ ہوگی۔جس طرح کہ دنیا کی ایجاد و آفرینش سے پہلے تھا۔یونہی اس کے فنا ہو جانے کے بعد بغیر وقت و مکان اور ہنگام و زمان کے ہوگا اس وقت مدتیں اور اوقات سال اور گھڑیاں سب نابود ہونگی سوائے اس خدائے واحد و قہار کے جس کی طرف تمام چیزوں کی بازگشت ہے۔کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ان کی آفرینش کی ابتداء ان کے اختیار و قدرت سے باہر تھی اور ان کا فنا ہونا بھی ان کی روک ٹوک کے بغیر ہوگا۔اگر ان کو انکار پر قدرت ہوتی تو ان کی زندگی بقا سے ہمکنار ہوتی

جب اس نے کسی چیز کو بنایا تو اس کے بنانے میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی اور نہ جس چیز کو اس نے خلق و ایجاد کیا اس کی آفرینش نے اسے خستہ و درماندہ کیا۔اس نے اپنی سلطنت (کی بنیادوں) کو استوار کرنے اور (مملکت کے) زوال اور (عزت کے) انحطاط کے خطرات (سے بچنے) اور کسی جمع جتھے والے حریف کے خلاف مدد حاصل کرنے اور کسی حملہ آور غنیم سے محفوظ رہنے اور ملک و سلطنت کا دائرہ بڑھانے کے لیے ان چیزوں کو پیدا نہیں کیا اور نہ اس نے (تنہائی کی) وحشت سے (گھبرا کر) یہ چاہا ہو کہ ان چیزوں سے جی لگائے، پھر وہ ان چیزوں کو بنانے کے بعد فنا کر دے گا اس لیے نہیں کہ ان میں رد و بدل کرنے اور ان کی دیکھ بھال رکھنے سے اسے دل تنگی لاحق ہوئی ہو اور نہ اس آسودگی و راحت کے خیال سے کہ جو (انہیں) مٹا کر اسے حاصل ہونے کی توقع ہو اور نہ اس وجہ سے کہ ان

میں سے کسی چیز کا اس پر بوجھ ہوا سے ان چیزوں کی طول طویل بقا آزردہ و دل تنگ نہیں بناتی کہ یہ انہیں جلدی سے فنا کر دینے کی اسے دعوت دے بلکہ اللہ سبحانہ، نے اپنے لطف و کرم سے ان کا بندوبست کیا ہے اور اپنے فرمان سے ان کی روک تھام کر رکھی ہے، اور اپنی قدرت سے ان کو مضبوط بنایا ہے۔ پھر وہ ان چیزوں کو فنا کے بعد پلٹائے گا۔ نہ اس لیے کہ ان میں سے کسی چیز کی احتیاج ہے۔ اور ان کی مدد کا خواہاں ہے اور نہ تنہائی کی الجھن سے منتقل ہو کر دل بستگی کی حالت پیدا کرنے کے لیے اور جہالت و بے بصیرتی کی حالت سے واقفیت و تجربات کی دنیا میں آنے کے لیے اور فقر و احتیاج سے دولت و فراوانی اور ذلت و پستی سے عزت و توانائی کی طرف منتقل ہونے کے لیے ان کو دوبارہ پیدا کرتا ہے۔

1۔ مطلب یہ ہے کہ لفظ منذ، قد، اور لولا جن معانی کے لیے وضع ہیں قدیم و ازلی و کامل ہونے کے منافی ہیں۔ لہٰذا ان کا اشیاء سے متعلق ہونا ان کے حادث و ناقص ہونے کی دلیل ہوگا۔ وہ اس طرح کہ منذ ابتدائے زمانہ کی تعین کے لیے وضع ہے جیسے قد وجد منذ کذا (یہ چیز فلاں وقت سے پائی جاتی ہے) اس سے وقت کی تعین وحد بندی ہوگئی اور جس کے لیے تحدید وقت ہو سکے وہ قدیم نہیں ہو سکتی اور لفظ قد ماضی قریب کے معنی دیتا ہے اور یہ معنی اسی میں ہو سکتے ہیں جو زمانہ میں محدود ہو اور لولا کی وضع امتناع الشئی لوجود غیرہ کے لیے ہے جیسے ما احسنہ واکملہ لولا فیہ کذا یہ چیز کتنی حسین و کامل ہوتی اگر اس میں یہ بات نہ ہوتی لہٰذا جس سے یہ متعلق ہوگا وہ حسن و کمال میں دوسرے کا محتاج اور اپنی ذات میں ناقص ہوگا۔

خطبہ185:

فتنوں کے ابھرنے اور رزقِ حلال کے ناپید ہو جانے کے بارے میں

یہ حوادث وفتن کے ذکر سے مخصوص ہے:۔ ہاں! میرے ماں باپ ان گنتی کے چند افراد پر قربان ہوں، جن کے نام آسمانوں میں جانے پہچانے ہوئے اور زمین میں انجانے ہیں۔ لہٰذا اس صورت حال کے متوقع رہو کہ تمہیں مسلسل ناکامیاں ہوتی رہیں اور تمہارے تعلقات درہم برہم ہوں اور تم میں چھوٹے برسر کار نظر آئیں یہ وہ ہنگام ہوگا کہ جب مومن کے لیے بطریق حلال ایک درہم حاصل کرنے سے تلوار کا وار کھانا آسان ہوگا۔ وہ 1 وہ وقت ہوگا جب لینے والے (فقیر بےنوا) کا اجر وثواب دینے والے اغنیاء سے بڑھا ہوا ہوگا، یہ وہ زمانہ ہوگا کہ جب تم مست وسرشار ہوگے۔ شراب سے نہیں بلکہ عیش وآرام سے اور بغیر کسی مجبوری کے (بات بات پر) قسمیں کھاؤ گے اور بغیر کسی لاچاری کے جھوٹ بولو گے۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ مصیبتیں تمہیں اس طرح کاٹیں گی جس طرح اونٹ کی کوہان کو پالان (آہ) ان سختیوں کی مدت کتنی دراز اور اس سے (چھٹکارا پانے کی) امیدیں کتنی دور ہیں۔ اے لوگو! ان سواروں کی باگیں اتار پھینکو کہ جن کی پشت نے تمہارے ہاتھوں نے گناہوں کے بوجھ اٹھائے ہیں۔ اپنے حاکم سے کٹ کر علیحدہ نہ ہو جاؤ، ورنہ بداعمالیوں کے انجام میں اپنے ہی نفسوں کو برا بھلا کہو گے اور جو آتش فتنہ تمہارے آگے شعلہ ور ہے اس میں اندھا دھند کود پڑو۔ اس کی راہ سے مڑ کر چلو اور درمیانی راہ کو اس کے لیے خالی کردو۔ کیونکہ میری جان

کی قسم! یہ وہ آگ ہے کہ مومن اس کی لپٹوں میں تباہ و برباد، کافر اس میں سالم ومحفوظ رہے گا۔تمہارے درمیان میری مثال ایسی ہے۔جیسے اندھیرے میں چراغ کہ جواس میں داخل ہووہ اس سے روشنی حاصل کرے۔اے لوگو! سنواور یادرکھواور دل کے کانوں کو(کھول کر)سامنے لاؤ،تاکہ سمجھ سکو:۔

1۔اس دور میں دینے والا مالدار سے لینے والے فقیر ونادار# ثواب اس لیے زیادہ ہوگا کہ مالدار کے اکتساب رزق کے ذرائع ناجائز وحرام ہوں گے اور وہ جوکچھ دے گا۔اس میں نمود وریا اورشہرت ونمائش مقصود ہوگی جس وجہ سے وہ کسی اجر وثواب کا مستحق نہ ہوگا اور غریب لے گاتو اپنی عزت وبیچارگی سے مجبور ہوکر اوراسے صحیح مصرف میں صرف کرنے سے اجروثواب کا مستحق ہوگا۔

شارح معتزلی نے اس کے ایک معنی اوربھی تحریر کئے ہیں اور وہ یہ کہ اگر وہ مال دولت مند کے پاس رہتا اور یہ فقیر اسے نہ لیتا تو وہ حسب معمول اسے بھی حرام کاریوں اور عیش پرستیوں میں صرف کرتا اور چونکہ اس کا لے لینا بظاہر اس کے مصرف کا ناجائز میں صرف کرنے سے سدّراہ ہوا ہے۔لہٰذااس برے مصرف کی روک تھام کی وجہ سے وہ اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔

خطبہ186:

خداوند عالم کے احسانات، مرنے والوں کی حالت

اے لوگو! میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور اس کی ان نعمتوں پر جو اس نے تمہیں دیں۔ان انعامات پر جو تمہیں کثرت سے بخشے اور ان احسانات پر جو تم پر ہمیشہ کئے ہیں، بکثرت حمد و ستائش کی نصیحت کرتا ہوں، کتنا ہی اس نے تمہیں اپنی نعمتوں کے لیے مخصوص کیا اور اپنی رحمت سے تمہاری دستگیری کی۔تم نے علانیہ برائیاں کیں، لیکن اس نے تمہاری پردہ پوشی کی۔تم نے ایسی حرکتیں کیں جو قابل گرفت تھیں۔مگر اس نے تمہیں ڈھیل دی۔میں تمہیں سمجھاتا ہوں کہ موت کو یاد رکھو اور اس سے اپنی غفلت کو کم کرو، اور آخر کیونکر تم اس سے غفلت میں پڑے ہوئے ہو، جو تم سے غافل نہیں، اور کیونکر اس (فرشتہ موت) سے کوئی آس لگاتے ہو، جو تمہیں ذرا مہلت نہ دے گا۔تمہیں پند و عبرت دینے کے لیے وہی مرنے والے کافی ہیں۔کہ جنہیں تم دیکھتے رہے ہو، انہیں (کندھوں پر) لاد کر قبروں کی طرف لے جایا گیا۔دراں حالانکہ وہ خود سوار نہیں ہو سکتے اور انہیں قبروں میں اتار دیا گیا۔جب کہ وہ خود اترنے پر قادر نہ تھے (یوں مٹ مٹا گئے) کہ گویا یہ کبھی دنیا میں بسے ہوئے تھے ہی نہیں اور گویا یہی آخرت (کا گھر) ان کا ہمیشہ سے گھر تھا۔جسے وطن بنایا تھا۔اسے سنسان چھوڑ گئے اور جس سے وحشت کھایا کرتے تھے وہاں اب جا کر سکونت اختیار کرنا پڑی۔ہمیشہ اس کا انتظام کیا جسے چھوڑنا تھا اور وہاں کی کوئی فکر نہیں کی جہاں جانا تھا۔(اب) نہ تو برائیوں سے (توبہ کرکے) پلٹنا ان کے بس میں ہے اور نہ نیکیوں کو بڑھانا

ان کے اختیار میں ہے انہوں نے دنیا سے دل لگایا تو اس نے انہیں فریب دیا اور اس پر بھروسا کیا تو اس نے انہیں پچھاڑ دیا، خدا تم پر رحم کرے ان گھروں کی طرف توجہ میں جلدی کرو، جن کے آباد کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور جن کا تمہیں شوق دلایا گیا ہے۔ اور جن کی جانب تمہیں بلایا گیا ہے۔ اس کی اطاعت پر صبر اور گناہوں سے کنارہ کشی کر کے اس کی نعمتوں کو جو تم پر ہیں، پایۂ تکمیل تک پہنچاؤ۔ کیونکہ آنے والا" کل" آج کے دن سے قریب ہے دن کے اندر گھڑیاں کتنی تیز قدم اور مہینوں کے اندر دن کتنے تیز رو اور سالوں کے اندر مہینے کتنے تیز گام اور عمر کے اندر سال کتنے تیز رفتار ہیں۔

خطبہ 187:

دعویٰ سلونی قبل ان تفقدونی اور بنی امیہ کے بارے میں پیشن گوئی

ایک ایمان تو وہ ہوتا ہے جو دلوں میں جما ہوتا ہے اور برقرار ہوتا ہے، اور ایک وہ کہ دلوں اور سینے (کی تہوں) میں ایک مقرر مدّت تک عاریۃً ہوتا ہے لہٰذا اگر کسی ایک میں تمہیں کوئی برائی نظر آئے کہ جس سے تمہیں اظہار بیزاری کرنا پڑے تو اسے اس وقت تک موقوف رکھو کہ اس شخص کو موت آجائے کہ اس موقعہ پر اظہار بیزاری اپنی حد پر واقع ہوگی۔ ہجرت کا اصول پہلے ہی کی طرح اب بھی برقرار ہے۔ اہل زمین میں کوئی گروہ چپکے سے خدا کا راستہ اختیار کر لے یا علانیہ۔ بہر حال اللہ کو اس کی کوئی احتیاج نہیں ہے۔ زمین میں حجّت خدا کی معرفت کے بغیر کسی ایک کو بھی صحیح معنی میں مہاجر نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں جو اسے پہچانے اور اس

کا اقرار کرے وہی مہاجر ہے اور جس تک حجّت (الٰہیہ) کی خبر پہنچے، کہ اس کے کان سن لیں، اور دل محفوظ کر لیں تو اسے مستضعفین میں (جو ہجرت سے مستثنیٰ ہیں) داخل نہیں سمجھا جا سکتا، بلا شبہ ہمارا معاملہ ایک امر مشکل و دشوار ہے جس کا متحمل وہی بندہ مومن ہو گا جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے لیے پرکھ لیا ہو، اور ہمارے قول و حدیث کو صرف امانت دار کے سینے اور ٹھوس عقلیں ہی محفوظ رکھ سکتی ہیں اے لوگو! مجھ کو کھو دینے سے پہلے مجھ سے پوچھ لو کہ میں زمین کی راہوں سے زیادہ آسمان کے راستوں سے واقف ہوں قبل اس کے کہ وہ فتنہ اپنے پیروں کو اٹھائے جو مہار کو بھی اپنے پیروں کے نیچے روندر ہا ہو، اور جس نے لوگوں کی عقلیں زائل کر دی ہوں۔

1. امیر المومنین کے اس ارشاد کی بعض نے یہ توضیح کی ہے کہ زمین کی راہوں سے مراد امور دنیا اور آسمان کے راستوں سے مراد احکام شرعیہ ہیں اور حضرت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ امور دنیا داری سے زائد احکام شرعیہ و فتاوٰی فقیہہ کے واقف ہیں۔ چنانچہ ابن میثم تحریر کرتے ہیں: امام دبری سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت کا اس سے مقصد یہ ہے کہ ان کے دینی معلومات کا دائرہ دنیاوی معلومات سے وسیع تر ہے

لیکن سیاق وسباق کلام کو دیکھتے ہوئے یہ معنی صحیح قرار نہیں دیئے جا سکتے کیونکہ یہ جملہ۔ سلونی قبل ان تفقدونی۔ کی علت کے طور پر وارد ہوا ہے اور اس کے بعد فتنہ انگیزی کی پیشن گوئی

ہے اور ان دونوں جملوں کے درمیان یہ قول کہ میں امور دنیا سے زیادہ احکام شرعیہ سے واقف ہوں کلام کو بے ربط بنا دیتا ہے۔ کیوں کہ حضرت کا دعویٰ جو چاہو پوچھ لو احکام شرعیہ تک محدود نہیں ہے کہ یہ جملہ اس کی علت قرار پا سکے اور پھر اس کے بعد فتنہ کے اٹھ کھڑے ہونے کی جو پیشن گوئی کی ہے اسے مسائل شرعیہ سے کوئی واسطہ نہیں ہے کہ اسے امور دنیا سے علوم دینیہ کے زیادہ جاننے کے ثبوت میں پیش کیا جائے لہٰذا الفاظ کے واضح مفہوم کو نظر انداز کر کے ایسی تاویل کرنا کہ جس کا مورد و محل متحمل نہ ہو سکے کسی صحیح جذبہ کی ترجمانی نہیں کرتا جبکہ سیاق و سباق کے اعتبار سے وہی معنی درست بیٹھتے ہیں کہ جنہیں ظاہر الفاظ ادا کر رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت فتنہ بنی امیہ سے آگاہ کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ تم جو چاہو مجھ سے پوچھ لو، کیونکہ میں مقدرات الٰہیہ کے مجاری و مسالک کو زمین کی راہوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ لہٰذا اگر تم ان امور کے متعلق بھی دریافت کرنا چاہو گے جو لوح محفوظ میں ثبت تقدیر الٰہی سے وابستہ ہیں تو میں تمہیں بتا سکتا ہوں اور میرے بعد ایک سخت فتنہ اٹھنے والا ہے جس میں تمہیں شک و شبہ نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ میری نظریں زمین پر ابھرنے والے نقوش سے زیادہ ان فلکی خطوط سے آشنا ہیں کہ جن سے حوادث و فتن کا ظہور وابستہ ہے اور اس فتنہ کا ظہور اتنا ہی یقینی ہے جتنا آنکھوں دیکھی چیز کا ہوتا ہے۔ لہٰذا تم اس کی تفصیل اور اس سے بچاؤ کی صورت مجھ سے دریافت کر لو تاکہ وقت آنے پر اپنی حفاظت کا سامان کر سکو۔ اس معنی کی تائید حضرت کے ان متواتر ارشادات سے بھی ہوتی ہے۔ کہ جو آپ نے غیب کے سلسلہ میں فرمائے اور مستقبل نے ان کی تصدیق کی۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے حضرت کے اس دعویٰ

پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ حضرت کے اس قول کی تصدیق آپ کے ان ارشادات سے بھی ہوتی ہے جو ایک مرتبہ نہیں سو مرتبہ نہیں بلکہ مسلسل و متواتر امور غیبیہ کے سلسلے میں آپ کی زبان سے نکلے جس سے اس امر میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ آپ جو فرماتے تھے وہ علم ویقین کی بنیاد پر فرماتے تھے۔ اتفاقی صورت سے ایسا نہ ہوتا تھا۔

امیر المومنین کے اس کلام کے متعلق لکھا جا چکا ہے کہ کسی اور کو اس طرح کا دعویٰ کرنے کی جرات نہ ہوسکی اور جنہوں نے اس طرح کا دعویٰ کیا انہیں ذلت و رسوائی ہی اٹھانا پڑی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں چند واقعات درج کیے جاتے ہیں۔

(1) مقاتل ابن سلیمان ایک موقع پر دعویٰ کیا کہ سلونی عمادون العرش ادھر کی جو بات چاہو پوچھ لو۔ اس پر ایک شخص نے دریافت کیا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام من ے حج کیا تھا تو انہوں نے سر کس سے منڈوایا تھا۔ مقاتل نے کہا اللہ نے تمہارے دل میں یہ سوال اس لیے ڈالا کہ مجھے اس نخوت وغرور پر رسوا و ذلیل کرے۔ بھلا مجھے اس کا کہاں علم ہوسکتا ہے۔

(2) ایک مرتبہ اسی مقاتل ابن سلیمان نے اپنی علمیت کا ثبوت دینے کے لیے کہا کہ مجھ سے عرش کے نیچے اور زمین کے اوپر کی جو چیز پوچھنا چاہو پوچھ لو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں عرش اور تحت الثریٰ کی بات دریافت نہیں کرتا۔ بلکہ صرف زمین کے اوپر ہی کی ایک چیز پوچھتا ہوں جس کا تذکرہ قرآن میں بھی ہے اور وہ یہ کہ اصحاب کہف کے کتے کا کیا رنگ

تھا مقاتل نے سنا تو شرمندگی سے سر جھکا لیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

(3) ابراہیم ابن ہشام نے حج کے موقع پر کہا سلونی سلونی فانا ابن الوحید لا تسئلو اعلم منی مجھ سے پوچھو میں یکتائے روزگار اور علم زمانہ ہوں، جس پر ایک عراقی نے پوچھا کیا قربانی واجب ہے؟ مگر اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

(4) شافعی نے مکہ میں کہا کہ سلونی ما شئتم احد ثکم من کتاب اللہ وسنتہ نبیہ جو چاہو مجھ سے پوچھ لو میں کتاب وسنت سے اس کا جواب دوں گا۔ اس پر ایک شخص نے دریافت کیا کہ اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے کہ جس نے حالت احرام میں زنبور کو مار دیا ہو۔ مگر وہ کتاب وسنت سے کوئی جواب نہ دے سکے۔

(5) مقاتل ابن سلیمان کے ایسا ہی دعویٰ کرنے پر ایک شخص نے پوچھا کہ چیونٹی کی انتڑیاں اس کے جسم کے اگلے حصے میں ہوتی ہیں یا پچھلے حصہ میں! مگر وہ کچھ جواب نہ دے سکا۔

(6) جب قتادہ کوفہ میں وارد ہوا۔ اور لوگوں کا اس کے گرد اجتماع ہوا تو اس نے کہا کہ جو پوچھنا چاہو پوچھ لو۔ اس پر امام ابوحنیفہ نے ایک شخص سے کہا کہ اس سے پوچھو کہ حضرت سلیمان کے واقعہ میں جس چیونٹی کا ذکر ہے وہ نر تھی کہ مادہ تھی اس سے دریافت کیا گیا مگر وہ جواب سے عاجز رہا۔ جب حضرت ابوحنیفہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ مادہ تھی۔ لوگوں نے کہا کہ اس کی دلیل کیا ہے۔ کہا کہ اللہ سبحانہ، کا ارشاد قالت نملتہ اس کے مادہ ہونے کی دلیل ہے۔ اگر نر ہوتا تو قالت کی بجائے قال ہوتا۔ لیکن یہ جواب درست نہیں ہے، کیونکہ نملتہ کا اطلاق مذکر وموئنث پر یکساں ہوتا ہے اور فعل کی تانیث نملہ کی تانیث کی

وجہ سے ہے۔ نہ اس کے مادہ ہونے کی بنا پر۔

(7) ابن جوزی نے ایک دن منبر پر یہی دعویٰ کیا تو ایک خاتون نے دریافت کیا کہ اس روایت کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے کہ امیرالمومنین سلمان کی خبر مرگ سن کر ایک ہی رات میں مدائن پہنچ گئے اور ان کی تجہیز وتکفین کی۔ فرمایا کہ ہاں درست ہے پھر اس نے پوچھا کہ اس روایت کے متعلق کیا کہتے ہو، کہ خلیفہ ثالث تین دن تک دفن نہ ہو سکے، حالانکہ امیرالمومنین مدینہ میں ہی تشریف فرما تھے، کہا کہ ہاں یہ بھی درست ہے۔ اس نے پھر کہا کہ امیرالمومنین کا کون سا اقدام درست اور کون سا غلط تھا۔ یہ سن کر وہ کچھ چکرا سے گئے، مگر پھر سنبھل کر بولے اے خاتون تو شوہر کے اذن سے آئی ہے تو اس پر لعنت ہو، ورنہ تجھ پر کہ تو بے جھجک یہاں چلی آئی ہے۔ اس نے کہا کہ اے جوزی کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ ام المومنین کا نکلنا کس ذیل میں آتا ہے اس کے بعد جوزی کے لیے جواب کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

(8) ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ الناصر الدین اللہ کے عہد میں ایک واعظ طلاقت لسانی بڑی شہرت رکھتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے دوران بیان میں صفاتُ باری کا مسئلہ چھیڑ دیا جس پر بغداد کے ایک شخص احمد ابن عبدالعزیز نے کچھ اعتراضات کئے جن کا کوئی معقول جواب تو وہ دے نہ سکا، البتہ اپنی عظمت وجلالت کا سکّہ بٹھانے کے لیے پرشکوہ لفظوں اور مسجع عبارتوں سے کھیلنا شروع کر دیا جس سے عوام جھومنے لگے اور ہر طرف سے تحسین وآفرین کی آوازیں آنے لگیں۔ واعظ بھی غرور علمی کے نشہ باطل میں بہک گیا اور مجمع سے کہنے لگا کہ جو پوچھنا چاہو پوچھ لو جس پر احمد نے کہا کہ اے شخص یہ دعویٰ تو حضرت علی ابن ابی طالب کا ہے

اور اس کلام کا ایک تتمہ یہ بھی ہے کہ میرے بعد یہ دعویٰ وہی کرے گا جو جھوٹا ہوگا۔ واعظ نے اپنے علم کی نمائش کرتے ہوئے بڑی تمکنت سے کہا کہ تم کس علی ابن ابی طالب کا ذکر کرتے ہو، کیا علی ابن ابی طالب ابن مبارک نیشا پوری کا یا علی ابن ابی طالب ابن اسحاق مروزی کا یا علی ابن ابی طالب بن عثمان قیروانی کا یا علی ابن ابی طالب ابن سلیمان رازی کا۔ اسی طرح کتنے اشخاص گنوا دیئے جن کا نام علی ابن ابی طالب تھا یہ سن کر احمد نے کہا:

واہ سبحان اللہ! اس وسعت علمی کا کیا ٹھکانا، مگر میری مراد وہ ہیں جو سیدۃ النساء العالمین کے شوہر تھے اور جب پیغمبر نے صحابہ میں ایک کو دوسرے کا بھائی بنایا تھا تو انہیں اپنی اخوت کے لیے منتخب کیا تھا۔ اس نے کچھ جواب دینا چاہا کہ منبر کی داہنی طرف سے ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے شیخ محمد ابن عبداللہ نام کے تو سینکڑوں ملیں گے۔ مگر ان میں ایک بھی ایسا نہ ملے گا۔ جس کے حق میں قدرت نے کہا ہو کہ۔

ماضل صاحبکم وما غوی وما ینطق وعن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ

تمہارے ساتھی (پیغمبر) نہ بھٹکے نہ گمراہ ہوئے اور وہ خواہش سے مغلوب ہو کر کچھ نہیں بولتے یہ تو وحی ہے جو ان پر اترتی ہے۔

اسی طرح علی ابن ابی طالب، نام کے بہت سے افراد مل جائیں گے۔ مگر ان میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں زبان وحی ترجمان نے کہا ہو کہ انت منی بمنزلۃ ھارون وموسیٰ

الا انہ لا نبی بعدی (تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون موسیٰ سے رکھتے تھے، مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔اب واعظ نے ادھراُدھر رخ کرنا چاہا تو بائیں طرف سے ایک شخص اٹھا کہ ہاں ہاں اگر تم علی ابن ابی طالب کو نہ پہچانو تو اس تجاہُل عارفانہ سے ان کی قدرو منزلت گھٹ نہیں سکتی۔

شپ پرہ گر وصل آفتاب نخواہد رونق بازار آفتاب نکاہد

اس بحثا بحثی کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ آپس میں الجھ پڑے اور واعظ منہ چھپا کر بھاگ کھڑا ہوا

خطبہ188:

اللہ اور رسول ﷺ اور اھلبیت علیہ السلام کی معرفت رکھنے والے کی موت شھادت ھے

میں اس کے انعامات کے شکریہ میں اس کی حمد کرتا ہوں اور اس کے حقوق سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اسی سے مدد چاہتا ہوں۔وہ بڑے لاؤلشکر اور بڑی شان والا ہے۔اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔جنہوں نے اس کی اطاعت کی طرف لوگوں کو بلایا اور دین کی راہ میں جہاد کر کے اس کے دشمنوں پر غلبہ پایا۔ان کے جھٹلانے پر لوگوں کا ایکا کر لینا اور ان کے نور کو بجھانے کے لیے کوشش وتلاش میں لگے رہنا ان کو اس (تبلیغ و جہاد کی) راہ سے ہٹا نہ سکا۔اب تم کو لازم ہے کہ خوف الٰہی سے لپٹے

رہو۔اس لیے کہ اس ریسمان کے بندھن مضبوط اور اس کی پناہ کی چوٹی ہر طرح محفوظ ہے او رموت اور اس کی سختیوں (کے چھا جانے) سے پہلے فرائض و اعمال اپنے پورے کردو، اور اس کے وارد ہونے سے قبل تہیہ کرلو، کیونکہ آخری منزل قیامت ہے اور یہ عقلمند کے لیے نصیحت دینے اور نادان کے لیے عبرت بننے کے لیے کافی ہے اور اس کی آخری منزل کے پہلے تم جانتے ہی ہو کہ کیا کیا ہے۔قبروں کی تنگنائی برزخ کی ہولنا کی خوف کی دہشتیں (فشار قبر سے) پسلیوں کا اِدھر سے اُدھر ہو جانا، کانوں کا بہرا پن، لحد کی تاریکی، عذاب کی دھمکیاں، قبر کے شگاف کا بند کیا جانا اور اس پر پتھر کی سلوں کا چن دیا جانا۔

اے اللہ کے بندوں! اللہ سے ڈرو! ڈرو کیونکہ دنیا تمہارے لیے ایک ہی ڈھرّے پر چل رہی ہے اور تم اور قیامت ایک ہی رسّی میں بندھے ہوئے ہو، گویا کہ وہ اپنی علامتوں کو آشکار کر کے آ چکی ہے اور اپنے جھنڈوں کو لے کر قریب پہنچ چکی ہے اور تمہیں اپنے راستے پر کھڑا کر دیا ہے گویا وہ اپنی مصیبتوں کو لے کر تمہارے سر پر کھڑی ہوئی ہے۔اور اپنا سینہ ٹیک دیا ہے اور دنیا اپنے بسنے والوں سے کنارہ کشی کر چکی ہے اور انہیں اپنی آغوش سے الگ کر دیا ہے گویا کہ وہ ایک دن تھا جو بیت گیا اور ایک مہینہ تھا جو گزر گیا۔اس کی نئی چیزیں پرانی او رموٹے تازے (جسم) دبلے پتلے ہو گئے۔ایک ایسی جگہ میں (پہنچ کر) جو تنگ و (تار) ہے اور ایسی چیزوں میں (پھنس کر) جو پیچیدہ و عظیم ہیں اور ایسی آگ میں (پڑ کر) جس کی ایذائیں شدید، چیخیں بلند شعلے اٹھتے ہوئے بھڑکنے کی آوازیں غضبناک لپٹیں تیز۔بھڑکنا تیز۔خطرات دہشناک، گہراؤ نگاہ سے دور، اطراف تیرہ و تار (آتشیں) دیگیں

کھولتی ہوئی اور تمام کیفیتیں سخت و نا گوار ہیں اور جو لوگ اللہ کا خوف کھاتے تھے۔انہیں جوق در جوق جنت کی طرف بڑھایا جائے گا، وہ عذاب سے محفوظ، عتاب وسرزنش سے علیحدہ اور آگ سے بری ہوں گے، گھر ان کا پرسکون اور وہ اپنی منزل وجائے قرار سے خوش ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دنیا میں اعمال پاک و پاکیزہ تھے۔اور آنکھیں اشکبار رہتی تھیں دنیا میں ان کی راتیں خضوع وخشوع اور توبہ واستغفار میں (بیداری کی وجہ سے) دن اور دن لوگوں سے متوحش وعلیحدہ رہنے کے باعث ان کے لیے رات تھے، تو اللہ نے جنت کو ان کی جائے بازگشت اور وہاں کی نعمتوں کو ان کی جزاء قرار دیا ہے اور وہ اس کے سزاوار اور اہل و حقدار تھے۔اس ہمیشہ رہنے والی سلطنت اور برقرار رہنے والی نعمتوں میں۔لہٰذا اے خدا کے بندو! ان چیزوں کی پابندی کرو جن کی پابندی کرنے سے تم کامیاب ہونے والا کامیاب اور انہیں ضائع و برباد کرنے سے غلط کار نقصان رسیدہ ہوگا۔موت آنے سے پہلے اعمال کا ذخیرہ مہیا کرلو اس لیے کہ جن اعمال کو تم آگے بھیج چکے ہوگے انہی کے ہاتھوں میں تم گروی ہوگے اور جو کارگزاریاں انجام دے چکے ہوگے انہی کا بدلہ پاؤ گے اور سمجھتے رہنا چاہیئے کہ گویا موت تم پر وارد ہوچکی ہے۔

جس کے بعد نہ تو تمہارے لیے پلٹنا ہے۔اور نہ گناہوں اور لغزشوں سے دستبرداری کا موقع ہے۔خداوند عالم ہمیں اور تمہیں اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کی توفیق دے اور اپنی رحمت کی فراوانیوں سے ہمیں اور تمہیں دامن عفو میں جگہ دے۔زمین سے چمٹے رہو۔بلا وسختی کو برداشت کرتے رہو، اپنی زبان کی خواہشوں سے مغلوب ہوکر اپنے ہاتھوں اور تلواروں کو

حرکت نہ دو اور جن چیزوں میں اللہ نے جلدی نہیں کی ان میں جلدی نہ مچاؤ۔ بلاشبہ تم میں سے جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور ان کے اہلبیت کے حق کو پہچانتے ہوئے بستر پر بھی دم توڑے وہ شہید مرتا ہے اور اس کا ذمہ اللہ کے ذمہ ہے۔ اور جس عمل خیر کی نیت اس نے کی ہے اس کے ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے اور اس کی یہ نیت تلوار سونتنے کے قائم مقام ہے۔ بیشک ہر چیز کی ایک مدت اور معیاد ہوا کرتی ہے۔

خطبہ 189:

دنیا اور اہلِ دنیا کی حالت کا بیان

تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جس کی حمد ہمہ گیر ہے۔ جس کا لشکر غالب اور عظمت وشان بلند ہے۔ میں اس کی پے درپے نعمتوں اور بلند پایہ عظمتوں پر اس کی حمد و ثناء کرتا ہوں۔ اس کے حکم کا درجہ بلند ہے۔ چنانچہ اس نے گنہگاروں سے درگزر کیا اور اس کا ہر فیصلہ عدل وانصاف پر مبنی ہے وہ گزری ہوئی اور گزرنے والی باتوں کو جانتا ہے اور بغیر کسی کے نقش قدم پہ چلے اور بغیر کسی کے سکھائے پڑھائے اور کسی بافہم صنعت گر کے نمونہ ومثال کی پیروی کئے بغیر اور بغیر لغزشوں سے دوچار ہوئے اور بغیر (مشیروں) کی جماعت کی موجودگی کے وہ اپنے علم و دانش سے مخلوقات کو ایجاد واختراع کرنے والا ہے

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں جنہیں اس وقت بھیجا جبکہ لوگ گمراہیوں میں چکر کاٹ رہے تھے اور حیرانیوں میں غلطاں و پیچاں تھے۔ ہلاکت وتباہی کی مہاریں انہیں کھینچ رہی تھیں۔ اور زنگ وکدورت کے تالے ان کے دلوں پر لگے ہوئے

تھے۔ اے خدا کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیّت کرتا ہوں۔ کہ یہ اللہ کا تم پر حق ہے اور تمہارے حق کو اللہ پر ثابت کرنے والا ہے اور یہ تقویٰ کے لیے اللہ سے اعانت چاہو اور (تقرب الٰہی کے لیے اس سے مدد مانگو) اس لیے کہ تقویٰ آج (دنیا میں) پناہ و سپر ہے اور کل جنت کی راہ ہے۔ اس کا راستہ آشکار اور اس کا راہ پیما نفع میں رہنے والا ہے۔ جس کے سپرد یہ ودیعت ہے وہ اس کا نگہبان ہے یہ تقویٰ اپنے آپ کو گزر جانے والی اور پیچھے رہ جانے والی امتوں کے سامنے ہمیشہ پیش کرتا رہا ہے کیونکہ وہ سب اس کے حاجتمند ہونگے۔ کل جب خداوند عالم اپنی مخلوق کو دوبارہ پلٹائے گا اور جو دے رکھا ہے وہ واپس لے گا اور اپنی بخشی ہوئی نعمتوں کے بارے میں سوال کرے گا تو اسے قبول کرنے والے بہت ہی تھوڑے نکلیں گے۔ وہ گنتی کے اعتبار سے کم اور اس توصیف کے مصداق ہیں جو اللہ نے فرمائی ہے کہ "میرے بندوں میں شکرگزار بندے کم ہیں" لہٰذا تقویٰ کی (آواز پر) اپنے کان لگاؤ، سعی و کوشش سے برابر اس کی پابندی کرو اور اس کی گزری ہوئی کوتاہیوں کا عوض قرار دو، اور ہر مخالفت کرنے والے کے بدلہ میں اسے اپنا ہمنوا بناؤ اسے خواب غفلت سے اپنے چونکنے کا ذریعہ بناؤ۔ اور اسی میں اپنے دن کاٹ دو، اور اسے اپنے دلوں کا شکار بناؤ اور گناہوں کو اس کے ذریعہ سے دھوڈالو اور اس سے اپنی بیماریوں کا علاج کرو اور موت سے پہلے اس کا توشہ حاصل کرو۔ اور جنہوں نے اسے ضائع و برباد کر دیا ہے۔ ان سے عبرت حاصل کرو۔ یہ نہ ہو کہ دوسرے تقویٰ پر عمل کرنے والے تم سے عبرت اندوز ہوں۔ دیکھو! اس کی حفاظت کرو، اور اس کے ذریعہ سے اپنے لیے سروسامان حفاظت فراہم کرو۔ دنیا کی

آلودگیوں سے اپنا دامن پاک و صاف رکھو، اور آخرت کی طرف والہانہ انداز سے بڑھو۔ جسے تقویٰ نے بلندی بخشی ہو اسے پست نہ سمجھو اور جسے دنیا نے اوج و رفعت پر پہنچایا ہو، اسے بلند مرتبہ نہ خیال کرو۔ اس کے چمکنے والے بادل پر نظر نہ کرو۔ اس کی باتیں کرنے والوں کی باتوں پر کان نہ دھرو، اور نہ اس کی دعوت دینے والے کی (آواز پر) لبیک کہو، اور نہ اس کی عمدہ و نفیس چیزوں پر مر مٹو۔ کیونکہ اس کی چمکتی ہوئی بجلیاں نمائش، اور اس کی باتیں جھوٹی ہیں اس کا اثاثہ تباہ اور اس کا عمدہ متاع غارت ہونے والا ہے۔ دیکھو! یہ دنیا جھلک دکھا کر منہ موڑ لینے والی چنڈال اور منہ زور اڑیل اور جھوٹی، بڑی خائن اور ہٹ دھرم، ناشکری ہے اور سیدھی راہ سے مڑنے، رخ پھیرنے والی اور کجرو، پیچ و تاب کھانے والی ہے، اس کا وتیرہ (ایک سے دوسرے کی طرف) پلٹ جانا ہے۔ اور اس کا ہر قدم زلزلہ انگیز ہے۔ اس کی عزت (سراسر) ذلت۔ اس کی سنجیدگی عین ہرزہ سرائی اور اس کی بلندی سراسر پستی ہے یہ غارتگری و تباہ کاری، ہلاکت و تاراجی کا گھر ہے اس کے رہنے والے پا در رکاب چل چلاؤ کے منتظر، وصل و ہجر کی کش مکش میں گرفتار اس کے راستے پاشان و پریشان اس سے گریز کی راہیں دشوار اور اس کے منصوبے ناکام ہیں چنانچہ اس کی محفوظ گھاٹیوں نے ان کو (بے یار و مددگار) چھوڑ دیا، ان کے گھروں نے انہیں دور پھینک دیا اور ان کی ساری دانشمندیوں نے انہیں درماندہ کر دیا اب جو ہیں (ان کی حالت یہ ہے) کہ کچھ کی کونچیں کٹی ہوئی ہیں اور کچھ گوشت کے لوتھڑے ہیں جن کی کھال اتری ہوئی ہے اور کچھ کٹے ہوئے جسم اور بہے ہوئے خون ہیں اور کچھ (غم و اندوہ سے) اپنے ہاتھ کاٹنے والے اور کچھ کف اُفسوس

ملنے والے اور کچھ (فکرو تردد) میں رخسار کہنیوں پر رکھے ہوئے ہیں، اور کچھ اپنی سمجھ کو کو سنے والے اور کچھ اپنے ارادوں سے روگردانی کرنے والے ہیں۔(لیکن اب کہاں)جب کہ چارہ سازی کا موقعہ ہاتھ سے نکل چکا اور ناگہانی مصیبت سامنے آ گئی اب نکل بھاگنے کا وقت کہاں، یہ تو ایک ان ہونی بات ہے جو چیز ہاتھ سے نکل گئی سو نکل گئی اور جو وقت جا چکا سو جا چکا اور دنیا اپنی من مانی کرتے ہوئے گزر گئی" ان پر نہ آسمان رویا نہ زمین اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی"۔

خطبہ 190:

ابلیس کی مذمت، اور آدم علیہ السلام کے سامنے سر بسجود نہ ہونا

اس خطبہ کا نام خطبہ قاصعہ ہے: جس میں ابلیس کی مذمّت ہے۔اس کے تکبر و غرور اور آدم (علیہ السلام) کے آگے سر بسجود نہ ہونے پر اور یہ کہ وہ پہلا فرد ہے جس نے عصبیّت کا مظاہرہ کیا اور غرور و نخوت کی راہ اختیار کر لی اور لوگوں کو اس کے طور طریقوں پر چلنے سے تنبیہ کی گئی ہے۔

ہر تعریف اس اللہ کے لیے ہے جو عزت و کبریائی کی ردا اوڑھے ہوئے ہے اور جس نے ان دونوں صفتوں کو بلا شرکت غیرے اپنی ذات کے لیے مخصوص کیا ہے اور دوسروں کے لیے ممنوع و ناجائز قرار دیتے ہوئے صرف اپنے لیے انہیں منتخب کیا ہے، اور اس کے بندوں میں سے جو ان صفتوں میں سے اسے ٹکرے اس پر لعنت کی ہے اور اسی کی رو سے اس نے اپنے مقرب فرشتوں کا امتحان لیا تا کہ ان میں سے فروتنی کرنے والوں کو گھمنڈ کرنے والوں سے چھانٹ کر الگ کر دے۔ چنانچہ اللہ سبحانہ، نے باوجود یہ کہ وہ دل کے بھیدوں اور پردہ

غیب میں چھپی ہوئی چیزوں سے آگاہ ہے۔فرمایا کہ میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔جب میں اس کو تیار کرلوں اور اپنی خاص روح پھونک دوں تو تم اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا۔سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس کو اسے سجدہ کرنے میں خار آئی اور اپنے مادہ تخلیق کی بنا پر آدم کے مقابلے میں گھمنڈ کیا اور اپنی اصل کے لحاظ سے ان کے سامنے اکڑ گیا۔چنانچہ یہ دشمن خدا عصبیّت برتنے والوں کا سرغنہ اور سرکشوں کا پیشرو ہے کہ جس نے تعصب کی بنیاد رکھی اللہ سے اس کی روائے عظمت و کبریائی چھیننے کا تصوّر کیا۔تکبر و سرکشی کا جامہ پہن لیا اور عجز و فروتنی کی نقاب اتار ڈالی۔پھر تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے اسے بڑے بننے کی وجہ سے کس طرح چھوٹا بنا دیا،اور بلندی کے زعم کی وجہ سے کس طرح پستی دی۔دنیا اور آخرت میں اس کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ مہیا کی اور اگر اللہ چاہتا تو آدم کو ایک ایسے نور سے پیدا کرتا جس کی روشنی آنکھوں کو چندھیا دے اور اس کی خوشنمائی عقلوں پر چھا جائے اور ایسی خوشبو سے کہ جس کی مہک سانسوں کو جکڑ لے اور اگر ایسا کرتا تو ان کے آگے گردنیں خم ہو جاتیں اور فرشتوں کو ان کے بارے میں آزمائش ہلکی ہو جاتی

لیکن اللہ سبحانہ،،اپنی مخلوقات کو ایسی چیزوں سے آزماتا ہے جن کی اصل و حقیقت سے وہ نا واقف ہوتے ہیں تا کہ اس آزمائش کے ذریعے (اچھے اور برے افراد میں)امتیاز نہ کردے۔ان سے نخوت و برتری کو الگ اور غرور و خود پسندی کو دور کرے۔تمہیں چاہیئے کہ اللہ نے شیطان کے ساتھ جو کیا اس سے عبرت حاصل کرو،کہ طویل طویل عبادتوں اور بھر پور کوششوں پر اس کے ایک گھڑی کے گھمنڈ نے پانی پھیر دیا۔حالانکہ اس نے چھ ہزار برس

تک جو پتہ نہیں دنیا کے سال تھے یا آخرت کے اس کی عبادت کی تھی، تو ابلیس کے بعد کون رہ جاتا ہے جو اس جیسی معصیّت کر کے اللہ کے عذاب سے محفوظ رہ سکتا ہو؟ ہرگز نہیں، یہ تو جنت سے نکال باہر کیا ہو اسی پر کسی بشر کو جنت میں جگہ دے۔ اس کا حکم تو اہل آسمان اور اہل زمین میں یکساں ہے۔ اللہ اور مخلوقات میں سے کسی فرد خاص کے درمیان دوستی نہیں کہ اس کو ایسے امر ممنوع کی اجازت ہو کہ جسے تمام جہاں والوں کے لیے اس نے حرام کیا ہو۔

خدا کے بندو! اللہ کے دشمن سے ڈرو کہ کہیں وہ تمہیں اپنا روگ نہ لگا دے، اپنی پکار سے تمہیں بہکا نہ دے، اور اپنے سوار و پیادے لے کر تم پر نہ چڑھ دوڑے اس لیے میری جان کی قسم! اس نے شر انگیزی کے تیر کو چلہ کمان میں جوڑ رکھا ہے اور قریب کی جگہ سے تمہیں اپنے نشانہ کی زد پر رکھ کر کمان کو زور سے کھینچ لیا ہے۔ جیسا کہ اللہ نے اس کی زبانی فرمایا ہے کہ اے میرے پروردگار! چونکہ تو نے مجھے بہکا دیا ہے، اب میں بھی ان کے سامنے زمین پر گناہوں کو سج کر پیش کروں گا اور ان سب کو گمراہ کروں گا، حالانکہ یہ اس نے بالکل اٹکل پچّو کہا تھا۔ اور غلط گمان کی بناء پر (اندھیرے میں) تیر چلایا تھا لیکن فرزندان رعونت برادران عصبیّت اور شہسواران غرور و جاہلیت نے اس کی بات کو سچ کر دکھایا، یہاں تک کہ جب تم میں سے سرکش اور منہ زور لوگ اس کے فرمانبردار ہو گئے، اور تمہارے بارے میں اس کی ہوس و طمع قوی ہو گئی اور صورت حال پردہ خفا سے نکل کر کھلم کھلا سامنے آ گئی تو اس کا پورا پورا تسلّط تم پر ہو گیا اور وہ اپنے لشکر و سپاہ کو لے کر تمہاری طرف بڑھ آیا اور انہوں نے تمہیں ذلت کے غاروں میں دھکیل دیا اور قتل و خون کے بھنوروں میں لا گرایا اور گھاؤ پر گھاؤ لگا کر تمہیں کچل دیا۔ تمہاری آنکھوں

میں نیزے گڑ کر، تمہارے گلے کاٹ کر، تمہارے نتھنوں کو پارہ پارہ کر کے تمہارے ایک ایک جوڑ بند کو توڑ کر اور تمہاری ناک میں غلبہ و تسلّط کی نکیلیں ڈال کر تمہیں اس آگ کی طرف کھینچے لیے جاتا ہے جو تمہارے لیے تیار کی گئی ہے اسی طرح ان دشمنوں سے جن سے کھلم کھلا تمہاری مخالفت ہے اور جن کے مقابلے کے لیے تم فوجیں جمع کرتے ہو، زیادہ بڑھ چڑھ کر وہ تمہارے دین کو مجروح کرنے والا اور دنیا میں تمہارے لیے (فتنہ و فساد) کے شعلے بھڑکانے والا ہے لہٰذا تم پر لازم ہے کہ اپنے جوش و غضب کا پورا مرکز اسے قرار دو، اور پوری کوشش اس کے خلاف صرف کرو۔ کیونکہ اس نے شروع ہی میں تمہاری اصل (آدم) پر فخر کیا تمہارے حسب (قدر و منزلت) پر حرف رکھا، تمہارے نسب (اصل وطینت) پر طعن کیا، اور اپنے سواروں کو لے کر تم پر یورش کی اور اپنے پیادوں کو لے کر تمہارے راستہ کا قصد کیا ہے۔ وہ ہر جگہ سے تمہیں شکار کرتے ہیں اور تمہاری انگلی کی ایک ایک پور پر چوٹیں لگاتے ہیں۔ نہ کسی حیلہ و تدبیر سے تم اپنا بچاؤ اور نہ پورا تہیا کر کے اس کی روک تھام کر سکتے ہو، درآنحالیکہ تم رسوائی کے بھنور تنگی و ضیق کے دائرہ، موت کے میدان اور مصیبت و بلا کی جولانگاہ میں ہو، تمہیں لازم ہے کہ اپنے دلوں میں چھپی ہوئی عصبیّت کی آگ اور جاہلیت کے کینوں کو فرو کرو۔ کیوں کہ مسلمان میں یہ غرور خود پسندی شیطان کی وسوسہ اندازی، نخوت پسندی، فتنہ انگیزی اور افسوں کاری کا نتیجہ ہوتی ہے عجز و فروتنی کو سر کا تاج بنانے۔ کبر و خود بینی کو پیروں تلے روندنے اور تکبر و رعونت کا طوق گردن سے اتارنے کا عزم بالجزم کر لو۔ اپنے دشمن شیطان اور اس کی سپاہ کے درمیان تواضع فروتنی کا مورچہ قائم کرو۔ کیونکہ ہر جماعت میں اس کے

لشکر، یارو مددگار اور سوار و پیادے موجود ہیں۔

تم اس کی طرح نہ بنو کہ جس نے اپنے ماں جائے بھائی کے مقابلے میں غرور کیا۔ بغیر کسی فضیلت و بلندی کے کہ جو اللہ نے اس میں قرار دی ہو، سوا اس کے کہ حاسدانہ عداوت سے اس میں اپنی بڑائی کا احساس پیدا ہوا، اور خود پسندی نے اس کے دل میں غیظ و غضب کی آگ بھڑکا دی اور شیطان نے اس کے ناک میں کبر و غرور کی ہوا پھونک دی کہ جس کی وجہ سے اللہ نے ندامت و پشیمانی کو اس کے پیچھے لگا دیا اور قیامت تک کے قاتلوں کے گناہ اس کے ذمہ ڈال دیئے، دیکھو! تم نے اللہ سے کھلم کھلا اتر کر اور مومنین سے آمادہ پیکار ہو کر ظلم و تعدی کی انتہا کر دی۔ اور زمین میں فساد مچا دیا۔ تم زمانہ جاہلیت والی خود بینی کی بنا پر فخر و غرور کرنے سے اللہ کا خوف کھاؤ۔ کیونکہ یہ دشمنی و عناد کا سر چشمہ اور شیطان کی فسوں کاری کا مرکز ہے جس سے اس نے گزشتہ امتوں اور پہلی قوموں ۴ کو ورغلایا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے دھکیلنے اور آگے سے کھینچنے پر بے چون و چرا جہالت کی اندھیاریوں اور ضلالت کے گڑھوں میں تیزی سے جا پڑیں۔ ایسی صورت ہے جس میں ایسے لوگوں کے تمام دل ملتے جلتے ہوئے ہیں اور صدیوں کا حال ایک ہی سا رہا ہے اور ایسا غرور جس کے چھپانے سے سینوں کی وسعتیں تنگ ہوتی ہیں۔ دیکھو! اپنے ان سرداروں اور بڑوں کا اتباع کرنے سے ڈرو کہ جو اپنی جاہ و حشمت پر اکڑتے اور اپنے نسب کی بلندیوں پر غرہ کرتے ہوں اور بدنما چیزوں کو اللہ کے سر ڈال دیتے ہوں اور اس کی قضا و قدر سے ٹکر لینے اور اس کی نعمتوں پر غلبہ پانے کے لیے اس کے احسانات سے یکسر انکار کر دیتے ہوں۔ یہی لوگ تو عصبیّت کی عمارت کی

گہری بنیاد، فتنہ کے کاخ وایوان کے ستون اور جاہلیت کے نسبی تفاخر کی تلواریں ہیں، لہذا اللہ سے ڈرو، اس کی دی ہوئی نعمتوں کے دشمن نہ بنو، اور انہ اس کے فضل و کرم کے جو تم پر ہے۔ حاسد نہ بنو اور جھوٹے مدعیان اسلام کی پیروی نہ کرو کہ جن کا گدلا پانی تم اپنے صاف پانی میں سمو کر پیتے ہو اور اپنی درستگی کے ساتھ ان کی خرابیوں کو غلط ملط کر لیتے ہو اور اپنے حق میں ان کے باطل کے لیے بھی راہ پیدا کر دیتے ہو وہ فسق و فجور کی بنیاد ہیں۔ اور نافرمانیوں کے ساتھ چسپیدہ ہیں۔ جنہیں شیطان نے گمراہی بار بردار سواری قرار دے رکھا ہے اور ایسا لشکر جس کے ساتھ لے کر لوگوں پر حملہ کرتا ہے ایسے ترجمان کے جن کی زبان سے وہ گویا ہوتا ہے تاکہ تمہاری عقلیں چھین لے تمہاری آنکھوں میں گھس جائے اور تمہارے کانوں میں پھونک دے۔ اس طرح اس نے تمہیں اپنے تیروں کا ہدف اپنے قدموں کی جولانگاہ اور اپنے ہاتھوں کا کھلونا بنالیا ہے۔

تمہیں لازم ہے کہ تم سے قبل سرکش امتوں پر جو قہر و عذاب اور عتاب وعقاب نازل ہوا، اس سے عبرت لو، اور ان کے رخساروں کے بل لیٹنے اور پہلوؤں کے بل گرنے کے مقامات سے نصیحت حاصل کرو، اور جس طرح زمانہ کی مصیبتوں سے پناہ مانگتے ہو، اسی طرح معزور و سرکش بنانے والی چیزوں سے اللہ کے دامن میں پناہ مانگو۔ اگر خدا عالم اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو بھی کبر و رعونت کی اجازت دے سکتا ہوتا تو وہ اپنے مخصوص انبیاء واولیاء کو اس کی اجازت دیتا لیکن اس نے ان کو کبر و غرور سے بیزار ہی رکھا، اور ان کے لیے عجز و مسکنت ہی کو پسند فرمایا۔ چنانچہ انہوں رخسار زمین سے پیوستہ اور چہرے خاک آلودہ رکھے اور

مومنین کے آگے تواضع وانکسار سے جھکتے رہے اور وہ دنیا میں کمزور و بے بس تھے، جنہیں اللہ نے بھوک سے آزمایا تعب ومشقت میں مبتلا کیا۔ خوف وخطر کے موقعوں سے انہیں تہ و بالا کیا۔ لہٰذا خدا کی خوشنودی کا معیار اولادو مال کو قرار نہ دو۔ کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اللہ دولت اور اقتدار سے بھی کس کس طرح بندوں کا امتحان لیتا ہے چنانچہ اللہ سبحانہ،، کا ارشاد ہے کہ" وہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو مال و اولاد سے انہیں سہارا دیتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ بھلائیاں کرنے میں سرگرم ہیں۔ مگر جو (جو اصل واقعہ ہے اسے) یہ لوگ سمجھتے نہیں" اسی طرح کا واقعہ یہ ہے کہ اللہ اپنے ان بندوں کا جو بجائے خود اپنی بڑائی کا گھمنڈ رکھتے ہیں۔ امتحان لیتا ہے۔ اپنے ان دوستوں کے ذریعہ سے جو ان کی نظروں میں عاجز و بے بس ہیں (چنانچہ اس کی مثال یہ ہے کہ) موسیٰ (علیہ السلام) اپنے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو ساتھ لے کر اس حالت میں فرعون کے پاس آئے کہ ان کے جسم پر اونی کُرتے اور ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔ اور اس سے یہ قول وقرار کیا کہ وہ اسلام قبول کرلے تو اس کا ملک بھی باقی رہے گا اور اس کی عزت بھی برقرار رہے گی۔ تو اس نے (اپنے حاشیہ نشینوں سے) کہا کہ تمہیں تعجب نہیں ہوتا کہ یہ دونوں مجھ سے یہ معاملہ ٹھہرا رہے ہیں کہ میری عزت بھی برقرار رہے گی۔ اور ذلیل صورت میں یہ ہیں تم دیکھ ہی رہے ہو (اگر ان میں اتنا ہی دم خم تھا تو پھر)ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن کیوں نہیں پڑے ہوئے۔ یہ اس لیے کہ وہ سونے کو اور اس کی جمع آوری کو بڑی چیز سمجھتا تھا اور بالوں کے کپڑوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

اگر خداوند عالم یہ چاہتا کہ جس وقت اس نے نبیوں کو مبعوث کیا تو ان کے لیے سونے کے خزانوں اور خالص طلاء کی کانوں منہ کھول دیتا اور باغوں کی کشت زاروں کو ان کے لیے مہیا کردیتا اور فضا کے پرندوں اور زمین کے صحرائی جانوروں کو ان کے ہمراہ کر دیتا تو کرسکتا تھا اور اگر ایسا کرتا تو پھر آزمائش ختم، جزاؤ سزا بیکار اور (آسمانی) خبریں اکارت ہوجاتیں اور آزمائش میں پڑنے والوں کا اجر اس طرح ماننے والوں کے لیے ضروری نہ رہتا اور نہ ایسے ایمان ۲ لانے والے نیک کرداروں کی جزا کے مستحق رہتے۔ اور نہ الفاظ اپنے معنی کا ساتھ دیتے لیکن اللہ سبحانہ، اپنے رسولوں کو ارادوں میں قوی اور آنکھوں کو دکھائی دینے والے ظاہری حالت میں کمزور وناتواں قرار دیتا ہے اور انہیں ایسی قناعت سے سرفراز کرتا ہے۔ جو (دیکھنے اور سننے والے کے) دلوں اور آنکھوں کو بے نیازی سے بھر دیتی ہے اور افلاس ان کے دامن سے وابستہ کرتا ہے جس سے آنکھوں کو دیکھ کر اور کانوں کو سن کر اذیت ہوتی ہے۔ اگر انبیاء ایسی قوت وطاقت رکھتے کہ جسے دبانے کا قصد وارادہ بھی نہ ہوسکتا ہوتا اور ایسا تسلّط واقتدار رکھتے کہ جس پر تعدی ممکن ہی نہ ہوتی اور ایسی سلطنت کے مالک ہوتے کہ جس کی طرف لوگوں کی گردنیں مڑتیں اور اس کے رخ پر سواریوں کے پالان کسے جاتے تو یہ چیز نصیحت پذیری کے لیے بڑی آسان اور اس سے انکار وسرتابی بہت بعید ہوتی اور لوگ چھائے ہوئے خوف یا مائل کرنے والے اسباب رغبت کی بناء پر ایمان لے آتے تو اس کے پیغمبروں کا اتباع اس کی کتابوں کی تصدیق اس کے سامنے فروتنی اس کے احکام کی فرمانبرداری اور اس کی اطاعت یہ سب چیزیں اسی کے لیے مخصوص ہوں اور ان میں کوئی

دوسرا شائبہ تک نہ ہو اور جتنی۔ آزمائش کڑی ہوگی اتنا ہی زیادہ اجر و ثواب ہوگا۔ تم دیکھتے نہیں کہ

اللہ سبحانہ، نے آدم سے لے کر اس جہاں کے آخر تک کے اگلے پچھلوں کو ایسے پتھروں سے آزمایا ہے کہ جو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اس نے ان پتھروں ہی کو اپنا محترم گھر قرار دیا کہ جسے لوگوں کے لیے (امن کے) قیام کا ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ پھر یہ اس نے اسے زمین کے رقبوں میں سے ایک سنگلاخ رقبہ اور دنیا میں بلندی پر واقع ہونے والی آبادیوں میں سے ایک کم مٹی والے مقام اور گھاٹیوں میں سے ایک تنگ اطراف والی گھاٹی میں قرار دیا کھرے اور کھردرے پہاڑوں نرم ریتلے میدانوں، کم آب چشموں اور متفرق دیہاتوں کے درمیان فرق کہ جہاں اونٹ، گھوڑا اور گائے بکری نشوونما نہیں پا سکتے۔ پھر بھی اس نے آدم اور ان کی اولاد کو حکم دیا کہ اپنے رخ اس کی طرف موڑیں، چنانچہ وہ ان کے سفروں سے فائدہ اٹھانے کا مرکز اور پالانوں کے اترنے کی منزل بن گیا کہ دور افتادہ بے آب و گیاہ بیابانوں دور دراز گھاٹیوں کے نشیبی راہوں اور (زمین سے) کٹے ہوئے دریاؤں کے جزیروں سے نفوس انسانی ادھر متوجہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ پوری فرمانبرداری سے اپنے کاندھوں کو ہلاتے ہوئے اس کے گرد لبیک الھم لبیک کی آوازیں بلند کرتے ہیں اور اپنے پیروں سے پویہ دوڑ لگاتے ہیں۔ اس حالت میں کہ ان کے بال بکھرے ہوئے اور بدن خاک میں اٹے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنا لباس پشت پر ڈال دیا ہوتا ہے اور بالوں کو بڑھا کر اپنے کو بدصورت بنا

لیا ہوتا ہے۔ یہ بڑی ابتلا، کڑی آزمائش کھلم کھلا امتحان اور پوری پوری جانچ ہے۔ اللہ نے اسے اپنی رحمت کا ذریعہ اور جنت تک پہنچنے کا وسیلہ قرار دیا ہے اور اگر خداوند عالم یہ چاہتا کہ وہ اپنا محترم گھر اور بلند پایہ عبادت گاہیں ایسی جگہ پر بنائے کہ جس کے باغ و چمن کی قطاریں بہتی ہوئی نہریں ہوں زمین نرم وہموار ہو کہ (جس میں) درختوں کے جھنڈ اور (ان میں) جھکے ہوئے پھلوں کے خوشے ہوں جہاں عمارتوں کا جال بچھا ہوا ہو۔ اور آبادیوں کا سلسلہ ملا ہوا ہو۔ جہاں سرخی مائل گیہوں کے پودے، سرسبز مرغزار، چمن در کنار سبزہ زار پانی میں شرابور میدان، لہلہاتے ہوئے کھیت اور آباد گزرگاہیں ہوں، تو البتہ وہ جزا وسزا کو اسی اندازے سے کم کر دیتا ہے کہ جس اندازہ سے ابتلاء و آزمائش میں کمی واقع ہوئی اگر وہ بنیاد کہ جس پر اس گھر کی تعمیر ہوئی ہے اور وہ پتھر کہ جس پر اس کی عمارت اٹھائی گئی ہے زمرد سبز و یاقوت سرخ کے ہوتے اور (ان میں) نور وضیاء (کی تابانی) ہوتی تو یہ چیز سینے میں شک و شبہات کے ٹکراؤ کو کم کر دیتی اور دلوں سے شیطان کی دوڑ (کا اثر) مٹا دیتی اور لوگوں سے شکوک کے خلجان دور کر دیتی۔

لیکن اللہ سبحانہ، اپنے بندوں کو گوناگوں سختیوں سے آزماتا ہے اور ان سے ایسی عبادت کا خواہاں ہے کہ جو طرح طرح کی مشقتوں سے بجا لائی گئی ہو اور انہیں قسم قسم کی ناگواریوں سے جانچتا ہے تاکہ ان کے دلوں سے تمکنت وغرور کو نکال باہر کرے اور ان کے نفوس میں عجز وفروتنی کو جگہ دے اور یہ کہ اس ابتلاؤ آزمائش (کی راہ) سے اپنے فضل واتنان کے کھلے

ہوئے دروازوں تک (انہیں) پہنچائے اور اسے اپنی معافی و بخشش کا آسان وسیلہ و ذریعہ قرار دے۔

دنیا میں سرکشی کی پاداش اور آخرت میں ظلم کی گرانباری کے عذاب اور غرور و نخوت کے برے انجام کے خیال سے اللہ کا خوف کھاؤ کیونکہ یہ (سرکشی ظلم اور غرور و تکبر) شیطان کا بہت بڑا جال اور بہت بڑا ہتھکنڈا ہے جو لوگوں کے دلوں میں زہر قاتل کی طرح اتر جاتا ہے۔ نہ اس کا اثر کبھی رائیگاں جاتا ہے نہ اس کا وار کسی سے خطا کرتا ہے۔ نہ 3 عالم سے اس کے علم باوجود اور نہ پھٹے پرانے چیتھڑوں میں کسی فقیر بے نوا سے۔ یہی وہ چیز ہے جس سے خداوند عالم ایمان سے سرفراز ہونے والے بندوں کو نماز، زکوٰۃ اور مقرر دنوں میں روزوں کے جہاد کے ذریعہ محفوظ رکھتا ہے اور اس طرح اس کے ہاتھ پیروں (کی طغیانیوں) کو سکون کی سطح پر لاتا ہے۔ ان کی آنکھوں کو عجز و شکستگی سے جھکا کر نفس کو رام اور دلوں کو متواضع بنا کر رعونت و خود پسندی کو ان سے دور کرتا ہے (نماز میں) نازک چہروں کو عجز و نیازمندی کی بناء پر خاک آلودہ کیا جاتا ہے اور روزوں میں ارز وئے فرمانبرداری پیٹ پیٹھ سے مل جاتے ہیں اور زکوٰۃ میں زمین کی پیداوار وغیرہ کو فقراء اور مساکین تک پہنچایا جاتا ہے۔ دیکھو! کہ ان اعمال وعبادت میں غرور کے ابھرے ہوئے اثرات کو مٹانے اور تمکنت کے نمایاں ہونے والے آثار دبانے کے کیسے کیسے فوائد مضمر ہیں۔

میں نے نگاہ دوڑائی تو دنیا بھر میں ایک فرد کو بھی ایسا نہ پایا کہ وہ کسی چیز کی پاسداری

کرتا ہو، مگر یہ کہ اس کی نظروں میں اس کی کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے کہ جو جاہلوں کے اشتباہ کا باعث بن جاتی ہے یا کوئی ایسی دلیل ہوتی ہے جو بیوقوفوں کی عقلوں سے چپک جاتی ہے۔ سوا تمہارے کہ تم ایک چیز کی جانب داری کرتے ہو، مگر اس کی کوئی علت اور وجہ نہیں معلوم ہوتی، ابلیس ہی کو لو کہ اس نے آدم کے سامنے حمیّت و جاہلیت کا مظاہرہ کیا تو اپنی اصل (آگ) کی وجہ سے اور ان پر چوٹ کی تو اپنی خلقت و پیدائش کی بناء پر، چنانچہ اس نے آدم سے کہا کہ میں آگ سے بنا ہوں اور تم مٹی سے (یونہی) خوش حال قوموں کے مالدار لوگ اپنی نعمتوں پر اتراتے ہوئے بڑے بول بولے کہ "ہم مال و اولاد میں بڑھے ہوئے ہیں ہمیں کیونکر عذاب کیا جاسکتا ہے"۔ اب اگر تمہیں فخر کرنا ہی ہے تو اس کی پاکیزگی اخلاق، بلند کردار اور حسن سیرت پر فخر و ناز کرو کہ جس میں عرب گھرانوں کے باعظمت و بلند ہمت سرداران قوم اپنی خوش اطواریوں بلند پایہ دانائیوں اعلیٰ مرتبوں اور پسندیدہ کارناموں کی وجہ سے ایک دوسرے پر برتری ثابت کرتے تھے۔ تم بھی ان قابل ستائش خصلتوں کی طرفداری کرو۔ جیسے ہمسایوں کے حقوق کی حفاظت کرنا عہد و پیمان کو نبھانا۔ نیکوں، اطاعت اور سرکشوں کی مخالفت کرنا حسن سلوک کا پابند اور ظلم و تعدی سے کنارہ کش رہنا خونریزی سے پناہ مانگنا، خلق خدا سے عدل و انصاف برتنا غصہ کو پی جانا، زمین میں شر انگیزی سے دامن بچانا تمہیں ان عذابوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے نازل ہوئے اور (اپنے) اچھے اور برے حالات میں ان کے احوال و واردات کو پیش نظر رکھو اور اس امر سے خائف و ترساں رہو کہ کہیں تمہیں بھی انہی کے جیسے نہ ہو جاؤ۔ اگر تم نے ان کی دونوں (اچھی بری) حالتوں پر غور

کرلیا ہے تو پھر ہراس چیز کی پابندی کرو کہ جس کی وجہ سے عزت و برتری نے ہر حال میں ان کا ساتھ دیا اور دشمن ان سے دور دور رہے اور عیش و سکون کے دامن ان پر پھیل گئے۔ اور نعمتیں سرنگوں ہو کر ان کے ساتھ ہو لیں اور عزت و سرفرازی نے اپنے بندھن ان سے جوڑ لیے۔ (وہ کیا چیزیں تھیں) یہ کہ وہ افتراق سے بچے اور اتفاق و یکجہتی پر قائم رہے۔ اسی پر ایک دوسرے کو ابھارتے تھے اور اسی کی باہم سفارش کرتے تھے اور تم ہر اس امر سے بچ کر رہو کہ جس نے ان کی ریڑھ کی ہڈی کو توڑ ڈالا اور قوت و توانائی کو ضعف سے بدل دیا۔ (اور وہ یہ تھا) کہ انہوں نے دلوں میں کینہ اور سینوں میں بغض رکھا ایک دوسرے کی مدد سے پیٹھ پھرا لی اور باہمی تعاون سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اور تم کو لازم ہے کہ گزشتہ زمانہ کے اہل ایمان کے وقائع و حالات پر غور و فکر کرو، کہ (صبر آزما) ابتلاؤں اور (جانکاہ) مصیبتوں میں ان کی کیا حالت تھی کیا وہ ساری کائنات سے زیادہ گرانبار تمام لوگوں سے زائد مبتلائے تعب و مشقت اور دنیا جہان سے زیادہ تنگی و ضیق کے عالم میں نہ تھے؟ کہ جنہیں دنیا کے فرعون نے اپنا غلام بنا رکھا تھا اور انہیں سخت سے سخت اذیتیں پہنچاتے اور تلخیوں کے گھونٹ پلاتے تھے اور ان کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہ تباہی و ہلاکت کی ذلتوں اور غلبہ و تسلّط کی قہر سامانیوں میں گھرتے چلے جا رہے تھے۔ نہ انہیں بچاؤ کی کوئی تدبیر اور نہ روک تھام کا کوئی ذریعہ سوجھتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اللہ سبحانہ، نے دیکھا کہ یہ میری محبت میں اذیتوں پر پوری کدوکاوش سے صبر کیئے جا رہے ہیں اور میرے خیال سے مصیبتوں کو جھیل رہے ہیں تو ان کے لیے مصیبت و ابتلاء کی تنگنائے سے وسعت کی راہیں نکالیں اور ان کی ذلت کو عزت و

سرفرازی حاصل ہوئی۔غور کرو! کہ جب ان کی جمعیتیں یک جا،خیالات یکسو اور دل یکساں تھے اور ان کے ہاتھ ایک دوسرے کو سہارا دیتے اور تلواریں ایک دوسرے کی معین و مددگار تھیں اور ان کی بصیرتیں تیز اور ارادے متحد تھے،تو اس وقت ان کا کیا عالم تھا،کیا وہ اطراف زمین میں فرمانروا اور دنیا والوں کی گردنوں پر حکمران نہ تھے؟اور تصویر کا یہ رخ بھی دیکھو !جب ان میں پھوٹ پڑ گئی۔یکجہتی درہم برہم ہوگئی۔ان کی باتوں اور دلوں میں اختلافات کے شاخسانے پھوٹ نکلے،اور وہ مختلف ٹولیوں میں بٹ گئے اور الگ جتھے بن کر ایک دوسرے سے لڑنے بھڑنے لگے تو ان کی نوبت یہ ہوگئی کہ اللہ نے ان سے عزت و بزرگی کا پیراہن اتار لیا اور نعمتوں کی آسائش ان سے چھین لیں اور تمہارے درمیان ان کے واقعات کی حکایتیں عبرت بن کر رہ گئیں۔(اب ذرا) اسماعیل کی اولاد اسحاق کے فرزندوں اور یعقوب کے بیٹوں کے حالات سے عبرت حاصل کرو۔حالات کتنے ملتے ہوئے ہیں اور طور طریقے کتنے یکساں ہیں۔ان کے منتشر و پراگندہ ہوجانے کی صورت میں جو واقعات رو نما ہوئے،ان میں فکر و تعامل کرو کہ جب شاہان عجم اور سلاطین روم پر حکمران تھے وہ انہیں اطراف عالم کے سبزہ زاروں عراق کے دریاؤں اور دنیا کی شادابیوں سے خاردار جھاڑیوں ہواؤں کے بے روگ گزرگاہوں اور معیشت کی دشواریوں کی طرف دھکیل دیتے تھے اور آخر کار انہیں فقیر و نادار اور زخمی پیٹھ والے اونٹوں کا چرواہا اور بالوں کی جھونپڑیوں کا باشندہ بنا چھوڑتے تھے۔ان کے گھر بار دنیا جہاں سے بڑھ کر خستہ و خراب اور ان کے ٹھکانے خشک سالیوں سے تباہ حال تھے،نہ ان کی کوئی آواز تھی جس کے پر و بال کا سہارا لیں،نہ انس و

محبت کی چھاؤں تھی جس کے بل بوتے پر بھروسا کریں۔ان کے حالات پراگندہ ہاتھ الگ الگ تھے کثرت وجمعیت بٹی ہوئی، جانگدار مصیبتوں اور جہالت کی تہ بہ تہ تہوں میں پڑے ہوئے تھے یوں کہ لڑکیاں زندہ درگور تھیں (گھر گھر مورتی پوجا ہوتی تھی) رشتے ناتے توڑے جاچکے تھے اورلوٹ کھسوٹ کی گرم بازاری تھی۔ دیکھو! کہ اللہ نے ان پر کتنے احسانات کئے ہیں کہ ان میں اپنا رسول بھیجا کہ جس نے اپنی اطاعت کا انہیں پابند بنایا اور انہیں ایک مرکز وحدت پر جمع کر دیا اور کیونکہ خوش حالی نے اپنے پروبال ان پر پھیلا دیئے اوران کے لیے بخشش و فیضان کی نہریں بہادیں اورشریعت نے انہیں اپنی برکت کے بے بہا فائدوں میں لپیٹ لیا چنانچہ وہ اس کی نعمتوں میں شرابور اوراس کی زندگی کی تروتازگیوں میں خوشحال اورایک مسلّط فرمانروا (اسلام کے) زیر سایہ ان کی زندگی کے تمام شعبے (نظم و ترتیب سے) قائم ہوگئے اوران کے حالات (کی درستگی) نے انہیں غلبہ و بزرگی کے پہلو میں جگہ دی اورایک مضبوط سلطنت کی سربلند چوٹیوں میں (دین ودنیا کی) سعادتیں ان پر جھک پڑیں۔وہ تمام جہان پر حکمران اورزمین کی پہنائیوں میں تخت وتاج کے مالک بن گئے اورجن پابندیوں کی بنا پر دوسروں کے زیردست تھے۔اب یہ انہیں پابند بنا کر ان پر مسلّط ہوگئے۔نہ ان کا دم خم ہی نکالا جاسکتا ہے اورنہ ہی ان کا کس بل توڑا جاسکتا ہے۔

دیکھو! تم نے اطاعت کے بندھنوں سے اپنے ہاتھوں کو چھڑا لیا اور زمانہ جاہلیت کے طور طریقوں سے اپنے گرد کھچے ہوئے حصار میں رخنہ ڈال دیا

خداوند عالم نے اس امت کے لوگوں پر اس نعمت بے بہا کے ذریعہ سے لطف واحسان فرمایا

ہے جس کی قدر و قیمت کو مخلوقات میں سے کوئی نہیں پہچانتا کیونکہ وہ ہر (ٹھہرائی ہوئی) سے گراں تر اور ہر شرف بلندی سے بالاتر ہے۔ اور وہ یہ کہ ان کے درمیان انس و یکجہتی کا رابطہ (اسلام) قائم کیا کہ جس کے سایہ میں وہ منزل کرتے ہیں، اور جس کے کنار (عاطفت) میں پناہ لیتے ہیں۔

یہ جانے رہو کہ تم (جہالت و نادانی) کو خیر باد کہہ دینے کے بعد صحرائی بدو باہمی دوستی کی بعد پھر مختلف گروہوں میں بٹ گئے ہو اسلام سے تمہارا واسطہ نام کو رہ گیا ہے اور ایمان سے چند ظاہری لکیروں کے علاوہ تمہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا تمہارا قول یہ ہے کہ آگ میں کود پڑیں گے۔ مگر عار قبول نہیں نہ کریں گے گویا تم یہ چاہتے ہو کہ اسلام کی ہتک حرمت اور اس کا عہد توڑ کر اسے منہ کے بل اوندھا کر دو، وہ عہد کہ جسے اللہ نے زمین میں پناہ اور مخلوقات میں امن قرار دیا ہے۔ (یاد رکھو!) کہ اگر تم نے اسلام کے علاوہ کہیں اور کا رخ کیا تو کفار تم سے جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے پھر نہ جبرئیل و میکائیل ہیں اور نہ انصار و مہاجر ہیں کہ تمہاری مدد کریں، سوا اس کے کہ تلواروں کو کھٹکھٹاؤ یہاں تک کہ اللہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دے خدا کا سخت عذاب، جھنجھوڑنے والا عقاب ابتلاؤں کے دن اور تعزیر و ہلاکت کے حادثے تمہارے سامنے ہیں۔ اس کی گرفت سے انجان بن کر اور اس کی پکڑ کو آسان سمجھ کر اور اس کی سختی سے غافل ہو کر اس کے قہر و عذاب کو دور نہ سمجھو۔ خداوند عالم نے گزشتہ امتوں کو محض اس لیے اپنی رحمت سے دور رکھا کہ وہ اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے سے منہ موڑ چکے تھے۔ چنانچہ اللہ نے بے وقوفوں پر ارتکاب گناہ کی وجہ سے اور دانشمندوں پر

خطاؤں سے باز نہ آنے کے سبب سے لعنت کی ہے۔ دیکھو! تم نے اسلام کی پابندیاں توڑ دیں اور اس کی حدیں بیکار کر دیں اور اس کے احکام سرے سے ختم کر دیئے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ نے مجھے باغیوں عہد شکنوں اور زمین میں فساد پھیلانے والوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ میں نے عہد شکنوں (اصحاب جمل) سے جنگ کی نافرمانوں (اہل صفین) سے جہاد کیا اور بے دینوں (خوارج نہروان) کو بھی پوری طرح ذلیل کر کے چھوڑا۔ مگر گڑھے ۵ (میں گر کر مرنے) والا شیطان۔ میرے لیے اس کی مہم سر ہوگئی۔ ایک ایسی چنگھاڑ کے ساتھ کہ جس میں اس کے دل کی دھڑکن اور سینے کی تھرتھری کی آواز میرے کانوں میں پہنچ رہی تھی۔ اب باغیوں میں سے کچھ رہے سہے باقی رہ گئے ہیں اگر اللہ نے پھر مجھے ان پر دھاوا بولنے کی اجازت دی تو میں انہیں تہس نہس کر کے دولت وسلطنت کا رخ دوسری طرف موڑ دوں گا (پھر) وہی لوگ بچ سکیں گے جو مختلف شہروں کی دور دراز حدوں میں تتر بتر ہو چکے ہوں گے، میں نے تو بچپن ہی میں عرب کا سینہ پیوند زمین کر دیا تھا اور قبیلہ ربیعہ ومضر کے ابھرے ہوئے سینگوں کو توڑ دیا تھا۔ تم جانتے ہی ہو کہ رسول اللہ سے قریب کی عزیز داری اور مخصوص قدر ومنزلت کی وجہ سے میرا مقام ان کے نزدیک کیا تھا میں بچہ ہی تھا کہ رسول نے مجھے گود میں لے لیا تھا۔ اپنے سینے سے چمٹائے رکھتے تھے۔ بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے اور تھے اور اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے۔ پہلے آپ کسی چیز کو چباتے پھر اس کے لقمے بنا کر میرے منہ میں دیتے تھے انہوں نے نہ تو میری کسی بات جھوٹ کا شائبہ پایا نہ میرے کسی کام میں لغزش وکمزوری دیکھی اللہ نے آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی

سے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپ کے ساتھ لگا دیا تھا جو انہیں شب و روز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا، اور میں ان کے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپ ہر روز میرے لیے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور ہر سال (کوہ) حرا میں کچھ عرصہ قیام فرماتے تھے اور وہاں میرے علاوہ کوئی انہیں نہیں دیکھتا تھا۔ اس وقت رسول اللہ اور (ام المومنین) خدیجہ کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام نہ تھا البتہ تیسرا ان میں میں تھا میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ جب آپ پر (پہلے پہل) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی جس پر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ کیسی آواز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے کہ جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو گیا ہے (اے علی) جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو، فرق اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ (میرے) وزیر و جانشین ہو اور یقینا بھلائی کی راہ پر ہو۔ میں رسول اللہ کے ساتھ تھا کہ قریش کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی اور انہوں نے آپ سے کہا کہ اے محمد آپ نے ایک بہت بڑا دعویٰ کیا ہے۔ ایسا دعویٰ نہ تو آپ کے باپ دادا نے کیا نہ آپ کے خاندان والوں میں سے کسی اور نے کیا ہم آپ سے ایک امر کا مطالبہ کرتے ہیں اگر آپ نے اسے پورا کر کے ہمیں دکھلا دیا تو پھر ہم بھی یقین کر لیں گے کہ آپ نبی و رسول ہیں اور اگر نہ کر سکے تو ہم جان لیں گے کہ (معاذ اللہ) آپ جادوگر اور جھوٹے ہیں حضرت نے فرمایا کہ وہ تمہارا مطالبہ کیا؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے لیے اس درخت

کو پکاریں کہ یہ جڑ سمیت اکھڑ آئے اور آپ کے سامنے آ کر ٹھہر جائے آپ نے فرمایا بلا شبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر اس نے تمہارے لیے ایسا کر دکھایا تو کیا ایمان لے آؤ گے۔ اور حق کی گواہی دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا کہ اچھا جو تم چاہتے ہو تمہیں دکھائے دیتا ہوں اور میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم بھلائی کی طرف پلٹنے والے نہیں ہو۔ یقیناً تم میں سے کچھ لوگ تو وہ ہیں جنہیں چاہ (بدر) میں جھونک دیا جائے گا اور کچھ وہ ہیں جو (جنگ)احزاب میں جتھا بندی کریں گے۔ پھر آپ نے فرمایا اے درخت اگر تو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ تو اپنی جڑ سمیت اکھڑ آ یہاں تک کے تو بحکم خدا میرے سامنے آ کر ٹھہر جائے۔ (رسول کا یہ فرمانا تھا کہ) اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا وہ درخت جڑ سمیت اکھڑ آیا اور اس طرح آیا کہ اس سے سخت کھڑ کھڑاہٹ اور پرندوں کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ کی سی آواز آتی تھی یہاں تک کہ وہ لچکتا جھومتا ہوا رسول اللہ کے روبرو آ کر ٹھہر گیا اور بلند شاخیں ان پر اور کچھ شاخیں میرے کندھوں پر ڈال دیں اور میں آپ کی دائیں جانب کھڑا تھا۔ جب قریش نے یہ دیکھا نخوت و غرور سے کہنے لگے کہ اسے کہیں کہ آدھا آپ کے پاس آئے اور آدھا اپنی جگہ پر رہے۔ چنانچہ آپ نے اسے حکم دیا تو اسکا ادھا حصہ آپ کی طرف بڑھ آیا اس طرح کہ اس کا آنا پہلے آنے سے زیادہ عجیب صورت سے زیسدہ تیز آواز کے ساتھ تھا اور اب کہ وہ قریب تھا کہ وہ رسول اللہ سے لپٹ جائے انہوں نے کفر و شرکشی سے کہا کہ اب اس ادھے کو حکم دیجیے کہ یہ اپنے دوسرے حصے کے پاس پلٹ جائے جس طرح پہلے تھا چنانچہ آپ

نے اسے یہی حکم دیا تو اس کا آدھا حصہ آپ کی طرف بڑھ آیا اس طرح کہ اس کا آنا (پہلے آنے سے بھی) زیادہ عجیب صورت سے اور زیادہ آواز کے ساتھ تھا اور اب وہ اس کے قریب تھا کہ وہ رسول اللہ سے لپٹ جائے اب انہوں نے کفر و سرکشی سے کہا کہ اب اس آدھے کو حکم دیجیے کہ یہ اپنے دوسرے حصے کی طرف پلٹ جائے جس طرح پہلے تھا چنانچہ آپ نے حکم دیا اور وہ پلٹ گیا میں نے (یہ دیکھ کر) کہا کہ لا الہ الا اللہ اے اللہ کے رسول میں آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں، اور سب سے پہلے اس کا اقرار کرنے والا ہوں کہ اس کے درخت نے بحکم خدا آپ کی نبوت کی تصدیق اور آپ کے کلام کی عظمت و برتری دکھانے کے لیے جو کچھ کیا ہے وہ امر واقعی ہے۔ (کوئی آنکھ کا پھیر نہیں) یہ سن کر وہ ساری قوم کہنے لگی کہ یہ (پناہ بخدا) پرلے درجے کے جھوٹے اور جادوگر ہیں۔ ان کا سحر عجیب و غریب ہے اور ہیں بھی اس میں چابکدست اس امر پر آپ کی تصدیق ان جیسے ہی کر سکتے ہیں اور اس سے مجھے مراد لیا (جو چاہیں کہیں) میں تو اس جماعت میں سے ہوں کہ جن پر اللہ کے بارے میں کوئی ملامت اثر انداز نہیں ہوتی وہ جماعت ایسی ہے جن کے چہرے سچوں کی تصویر اور جن کے کلام نیکوں کے کلام کا آئینہ دار ہے، وہ شب زندہ دار دن کے روشن مینار اور خدا کی رسی سے وابستہ ہیں یہ لوگ اللہ کے فرمانوں اور پیغمبر کی سنتوں کو زندگی بخشتے ہیں، نہ سربلندی دکھاتے ہیں نہ خیانت کرتے ہیں اور نہ فساد پھیلاتے ہیں۔ ان کے دل جنت میں اٹکے ہوئے اور جسم اعمال میں لگے ہوئے ہیں۔

۱۔مطلب یہ کہ جس طرح حاسد محسود کی تباہی کے درپے ہوتا ہے اسی طرح تم کفران نعمت و ارتکاب معاصی سے زوال نعمت کے اسباب پیدا نہ کرو۔

۲۔مطلب یہ ہے کہ اگر ظاہری رعب و دبدبہ سے مرعوب ہو کر ایمان لایا جائے گا اور قوت و طاقت سے متاثر ہو کر عبادت کی جائے گی تو یہ ایمان اپنے حقیقی مفہوم پر اور نہ عبادت اپنے اصلی معنی پر باقی رہے گی کیونکہ ایمان تصدیق باطنی اور یقین قلبی کا نام ہے اور جبر و اکراہ سے جس یقین کا مظاہرہ کیا جائے گا وہ صرف زبانی اقرار ہو گا۔مگر قلبی اعتراف نہیں ہو گا اور عبادت عبودیت کے مظاہرہ کا نام ہے اور جس عبادت میں احساس عبودیت و جذبہ نیاز مندی نہ ہو اور صرف سطوت و ہیبت کے پیش نظر بجا لائی گئی ہو وہ عبادت نہیں ہو سکتی۔لہٰذا ایسا ایمان اور ایسی عبادت اپنے صحیح معنی و مفہوم کی آئینہ وار نہ ہو گی۔

۳۔عالم اور فقیر کی وجہ تخصیص یہ ہے کہ عالم کے پاس علم کی روشنی ہوتی ہے جو اس کی رہنمائی کر سکتی ہے اور فقیر کی بے مائگی اس کے لیے مانع ہو سکتی ہے مگر اس کے باوجود عالم و فقیر دونوں اس کے فریب میں آجاتے ہیں تو پھر جاہل کس طرح اپنے کو اس کے ہتھکنڈوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے اور مالدار کہ جس کے پاس بے راہ روی کے سارے وسائل و ذرائع موجود ہوتے ہیں کس طرح اس سے اپنا بچاؤ کر سکتا ہے۔کلا ان الانسان لیطغیٰ ان رآہ استغنیٰ بے شک انسان جب اپنے کو مالدار دیکھتا ہے تو سرکشی کرنے لگتا ہے۔

4.امم سابقہ کے عروج وزوال اور وقائع وحالات پر اگر نظر کی جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قوموں کا بننا بگڑنا صرف بخت واتفاق کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ اس میں بڑی حد تک ان کے افعال واعمال کا دخل ہوتا ہے اور اعمال جس نوعیت کے ہوتے ہیں، ویسا ہی ان کا نتیجہ وثمرہ ظاہر ہوتا ہے چنانچہ گذشتہ قوموں کے حالات وواقعات اس کے آئینہ دار ہیں کہ ظلم وبدعملی کا نتیجہ ہمیشہ تباہی وہلاکت اور نیکی اور سلامت روی کا ثمرہ ہمیشہ خوش بختی و کامرانی رہا ہے اور چونکہ زمانوں اور قوموں کے اختلاف سے نتائج میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔لہٰذا ویسے حالات اگر پھر پیدا ہوں اور ویسے واقعات اگر پھر دوہرائے جائیں تو وہی نتائج اب بھی ظاہر ہوں۔ جو ان جیسے واقعات سے ظاہر ہو چکے ہیں لیکن نتائج کی یک رنگی ہی وہ چیز ہے جو گذشتہ واقعات کو بعد والوں کے لیے مرقع عبرت بنا کر پیش کرتی ہے چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر امیرالمومنین نے بنی اسماعیل و بنی اسحٰق وبنی اسرائیل کے مختلف حالات وادوار اور شاہان عجم وروم کے ہاتھوں ان کی ابتلا ومشقت اور تباہی وبربادی کا تذکرہ کر کے دعوت فکر وبصیرت دی ہے۔

حضرت ابراہیم کے بڑے فرزند حضرت اسماعیل کی اولاد بنی اسماعیل اور چھوٹے بیٹے حضرت اسحٰق کی اولاد بنی اسحٰق کہلاتی ہے جو بعد میں شاخ در شاخ ہو کر مختلف قبیلوں میں بٹتی اور مختلف ناموں سے موسوم ہوتی گئی،ان کا ابتدائی مسکن فلسطین کے علاقے میں مقام کنعان تھا۔ جہاں حضرت ابراہیم سرزمین دجلہ وفرات سے ہجرت کر کے مقیم ہو گئے تھے

جہاں حضرت ابراہیم انہیں اور انکی والدہ کو چھوڑ گئے تھے ان کے فرزند حضرت اسماعیل نے انہی اطراف میں بسنے والے قبیلہ جرہم کی ایک خاتون السیدہ بنت مضاض سے شادی کی جن سے ان کی اولاد پھلی پھولی اور اطراف واکناف عالم میں پھیل گئی۔ حضرت ابراہیم کے دوسرے فرزند حضرت اسحٰق کنعان ہی میں مقیم رہے اور ان کے فرزند حضرت یعقوب (اسرائیل) تھے۔ جنھوں نے اپنے ماموں لبان ابن ناہر کی دختر لیا سے عقد کیا اور اس کے مرنے کے بعد ان کی دوسری صاحبزادی راحیل سے شادی کی اور ان دونوں سے ان کی اولاد ہوئی جو بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔ ان فرزندوں میں سے ایک فرزند حضرت یوسف تھے جو اپنے ہمسایہ ملک مصر میں ایک ناگہانی صورت سے پہنچ گئے اور غلامی واسیری کی کڑیاں جھیلنے کے بعد انہوں نے اپنے تمام عزیزوں اور کنبہ والوں کو بھی وہیں بلا لیا اور اس طرح مصر بنی اسرائیل کا مستقر قرار پا گیا یہ لوگ کچھ عرصہ تک امن چین سے رہتے سہتے اور عزت واحترام کی زندگی گزارتے رہے مگر رفتہ رفتہ وہاں کے باشندے انہیں ذلت وحقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور انہیں ہر طرح کے مظالم کا نشانہ بنالیا یہاں تک کہ لڑکوں کو ذبح اور ان کی عورتوں کو کنیزی کے لیے رکھ لیتے تھے، جس سے ان کی عزم وہمت پامال اور روح آزادی مضمحل ہو کر رہ گئی۔ آخر حالات نے پلٹا کھایا اور چار سو برس تک کے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہنے کے بعد نکبت ومصیبت کا دور کٹا اور فرعونی حکومت کے مظالم سے نجات دلانے کے لیے قدرت نے حضرت موسیٰ کو بھیج دیا جو انہیں لے کر مصر سے نکل کھڑے ہوئے لیکن قدرت نے فرعون کو تباہ کرنے کے لیے اسرائیلیوں کا رخ دریائے نیل کی طرف موڑ

دیا۔ جہاں آگے پانی کی طغیانیاں تھیں۔ اور پیچھے فرعون کی دل بادل فوجیں جس سے یہ لوگ سخت پریشان ہوئے۔ مگر قدرت نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ وہ بے کھٹکے دریا کے اندر اتر جائیں۔ چنانچہ جب وہ بڑھے تو دریا میں ایک چھوڑ کئی راستے پیدا ہو گئے اور حضرت موسیٰ اسرائیلیوں کو لے کر دریا کے اس پار اتر گئے۔ فرعون عقب سے آ ہی رہا تھا۔ جب اس نے ان کو گزرتے ہوئے دیکھا تو لشکر کے ساتھ آگے بڑھا اور جب وسط دریا میں پہنچا تو رکے ہوئے پانی میں حرکت پیدا ہوئی اور فرعون کو اور اس کے لشکر کو اپنی لپیٹ میں لے کر فنا کے گھاٹ اتار دیا چنانچہ قدرت کا ارشاد ہے:

اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی جو تمہیں برے سے برا عذاب دیتے تھے تمہارے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی کٹھن آزمائش تھی۔

بہرصورت جب یہ حدود مصر سے نکل کر اپنے آبائی وطن فلسطین و شام میں پہنچے تو اپنی سلطنت وحکومت کی بنیاد رکھ کر آزادی کی فضاء میں سانس لینے لگے۔ اور قدرت نے ان کی پستی و ذلت کو فرمانروائی کی بلندی ورفعت سے بدل دیا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

ہم نے اس جماعت کو جو کمزور و ناتواں سمجھی جاتی تھی زمین کے پورب وپچھّم کے ان حصوں کا

وارث بنایا۔جنہیں ہم نے اپنی برکتوں سے مالا مال کیا ہے۔ اے پیغمبر! تمہارے پروردگار کا خوشگوار وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا۔چونکہ وہ (فرعون کے مظالم پر) صبر و استقامت سے جمے رہے اور جو کچھ فرعون اور اس کی قوم بناتی اور جو عمارتیں بلند کرتی تھی ہم نے سب برباد کردیں۔

اسرائیلیوں نے تخت فرمانروائی پر قدم رکھنے اور خوشحال و فارغ البالی حاصل کرنے کے بعد دور غلامی کی تمام ذلتوں اور رسوائیوں کو فراموش کردیا۔اور اللہ کی بخشی ہوئی شکر گزار ہونے کی بجائے سرکشی اور بغاوت پر اتر آئے چنانچہ وہ بدکرداری و بداخلاقی کی طرف بے جھجک بڑھتے۔شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، حیلے حوالوں سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہرانے میں کوئی باک نہ کرتے۔خدا کی طرف سے تبلیغ و دعوت کے فرائض سرانجام دینے والے انبیاء کو ستاتے اور ان کے خون ناحق سے ہاتھ رنگتے۔اب ان کی بد اعمالیوں کا تقاضا یہی تھا انہیں ان کے پاس عمل کی گرفت میں جکڑ لیا جائے۔چنانچہ بخت نصر کہ جو 600ق۔م۔بابل (عراق) پر اپنا پرچم حکومت لہرا رہا تھا۔شام فلسطین پر حملہ کرنے کے لیے اٹھا اور اپنی خونچکاں تلواروں ستر ہزار اسرائیلیوں کو قتل اور ان کی بستیوں کو تباہ و برباد کردیا،اور بقیۃ السیف کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکا کر کے اپنے ساتھ لے لیا،اور انہیں غلامی کے بندھنوں میں کر قعر مذلت میں لا پھینکا۔اگرچہ اس تباہی و بربادی کے بعد کوئی ایسی صورت نظر نہ آتی تھی کہ وہ پھر اوج و عروج حاصل کرسکیں گے مگر قدرت نے انہیں سنبھلنے کا

ایک موقع دیا۔ چنانچہ بخت نصر کے مرنے کے بعد حکومت کا نظم ونسق بیل شازار کے سپرد ہوا، تو اس نے رعیت پر طرح طرح کے مظالم شروع کر دیئے جس سے تنگ آ کر وہاں کے باشندوں نے شہنشاہ فارس (سائرس) کو پیغام بھجوایا کہ ہم اپنے فرمانروا کے ظلم و جور سہتے سہتے عاجز آ گئے ہیں۔ آپ ہماری دستگیری کیجئے اور بیل شازار کے مظالم سے چھٹکارا دلا یئے۔ سائرس جو عدل گستر و انصاف پرور حکمران تھا۔ اس آواز پر لبیک کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا، وہاں کے لوگوں کے تعاون سے اس نے بابل کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ جس کے نتیجہ میں بنی اسرائیل کی گردنوں سے غلامی کا طوق اترا اور فلسطین کی طرف پلٹ جانے کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ انہوں نے ستر برس غلامی میں گزارنے کے بعد دوبارہ اپنے ملک میں قدم رکھا اور حکومت کی باگ سنبھال لی۔ اب وہ گزشتہ واقعات سے عبرت حاصل کرتے تو ان بد اعمالیوں کے مرتکب نہ ہوتے کہ جن کے نتیجہ میں انہیں غلامی کی ذلت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ مگر اس ناہنجار قوم کے مزاج کی ساخت ہی کچھ اس طرح کی تھی کہ جب بھی انہیں آسائش و فارغ البالی حاصل ہوتی تو دولت کی سرمستیوں میں کھو جاتے اور عیش پرستیوں میں پڑ جاتے۔ احکام شریعت کا تمسخر اڑاتے اور انبیاء کا استہزاء کرتے بلکہ ان کے قتل سے بھی ان کی جبیں پر کوئی شکن نہ آتی تھی۔ چنانچہ جب ان کے فرمانروا ہیرودیس نے اپنی محبوبہ کے کہنے سے حضرت یحیٰ کا سر قلم کر کے اسے بطور تحفہ پیش کیا تو کسی ایک سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ وہ اس ظلم کے خلاف کوئی آواز بلند کرتا یا اس سے کوئی اثر لیتا۔ ان کی سرکشیوں اور منہ زوریوں کا یہی عالم تھا کہ حضرت عیسیٰ نے ظہور فرمایا جو انہیں بے راہ رویوں سے روکتے اور

نیکی وخوش اطواری کی تلقین فرماتے تھےلیکن انہوں نے ان کی بھی مخالفت کی اورطرح طرح کے دکھ پہنچائے یہاں تک کہ ان کی زندگی کا خاتمہ کر دینے کے درپے ہو گئے،لیکن قدرت نے ان کی تمام کوششوں کو نا کام بنادیا اور حضرت عیسیٰ کوان کے دستبرد سے محفوظ کر دیا۔جب ان کی طغیانیاں اس حد تک بڑھ گئیں اور قبول ہدایت کی صلاحیتیں دم توڑ چکیں تو تقدیر نے ان کی ہلاکت و بربادی کا سامان مکمل کر کے ان کی تباہی کا فیصلہ کرلیا۔چنانچہ قیصر روم اسنبانوس نے اپنے لڑکے ملیطوس (ٹیٹس) کوشام پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا جس نے بیت المقدس کے گرد گھیرا ڈال دیا۔مکانوں کومسمار اور ہیکل کی دیواروں کوتوڑ دیا جس سے ہزاروں اسرائیلی اسرائیل کوچھوڑ کر منتشر ہوگئے اور ہزاروں بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر گئے اور جورہ گئے وہ تلواروں کی نذر ہو گئے اور وہ اسرائیلی جو حصار کے زمانہ میں بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔اس میں سے بیشتر حجاز و یثرب میں آ کر آباد ہو گئے۔مگر پیغمبر آخرالزماں کے انکار سے ان کی قومیت کا شیرازہ اس طرح بکھرا کہ پھر کسی مرکز عزت پر جمع نہ ہوسکے اور ذلت ورسوائی کے سوا عزت وسرفرازی کی زندگی انہیں نصیب نہ ہوئی۔

اسی طرح شاہان عجم نے بھی عرب پر شدید حملے کئے اور وہاں کے باشندوں کومقہور ومغلوب بنالیا۔چنانچہ سابورابن ہرمز نے سولہ برس کی عمر میں چار ہزار جنگجوؤں کواپنے ساتھ لے کر ان عربوں پر حملہ کیا جوحدود فارس میں اباد تھے اور پھر بحرین قطیف اور حجر کی طرف چڑھائی کی اور بنی تمیم و بنی بکرابن وائل و بنی عبدقیس کوتباہ و برباد کیا اور ستر ہزار عربوں کے شانے چیر

ڈالے جس سے اس کا لقب زوالہ کناف پڑ گیا۔اس نے عربوں کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ صرف بالوں کی جھونپڑیوں میں رہیں اپنے سر کے بالوں کو بڑھالیں۔سفید لباس نہ پہنیں اور بغیر زین کے گھوڑوں پر سواری کریں اور پھر عراق وشام کے درمیان نصیبین ہیں بارہ ہزار اصفہان اور فارس کے دوسرے شہروں کے باشندے بسائے اور اس طرح وہاں کے رہنے والوں کو سرسبز وشاداب جگہوں سے صحراؤں اور بے آب و گیاہ جنگلوں کی طرف دھکیل دیا۔جہاں نہ زندگی وراحت کا کوئی سامان تھا۔اور نہ معیشیت کا کوئی ذریعہ اور یہ کہ آپس کے تفرقہ و انتشار کے نتیجہ میں مدتوں تک دوسروں کی قہر سامانیوں کا نشانہ بنتے رہے آخر قدرت نے سرور کائنات کو مبعوث فرما کر انہیں ذلت سے عروج ورفعت کی بلند منزل پر پہنچا دیا۔

5۔گڑھے میں گر مرنے والے شیطان سے مراد ذوالثدیہ ہے جو نہروان میں صاعقہ آسمانی کے گرنے سے ہلاک ہوا اور اس پر تلوار اٹھانے کی ضرورت ہی نہ پڑی اس کی ہلاکت کے متعلق پیغمبر اکرم پیشن گوئی فرما چکے تھے۔اس لیے امیر المومنین نہروان کے میدان میں استیصال خوارج کے بعد اس کی تلاش میں نکلے۔لیکن س کی لاش کہیں نظر نہ آئی۔مگر ریان ابن صبرہ نے نہر کے کنارے ایک گڑھے کے اندر چالیس پچاس لاشیں دیکھیں۔جب انہیں نکالا گیا تو ان میں ذوالثدیہ کی بھی لاش تھی اور اس کے شانے پر گوشت کا ایک لوتھڑا ابھرا ہوا تھا جس کی وجہ سے اسے ذوالثدیہ کہا جاتا تھا۔جب امیر المومنین نے دیکھا تو فرمایا۔۔اللہ و اکبر۔خدا کی قسم !نہ میں نے جھوٹ کہا تھا اور نہ مجھے جھوٹی خبر دی گئی تھی

خطبہ 191:

متقین کے اوصاف اور ابنِ کوا کی غلط فہمی کا ازالہ

بیان کیا گیا ہے کہ امیرالمومنین (علیہ السلام) کے ایک 1 صحابی نے کہ جنہیں ہمام کہا جاتا ہے اور جو بہت عبادت گذار شخص تھے حضرت سے عرض کیا کہ یا امیرالمومنین مجھ سے پرہیز گاروں کی حالت اس طرح بیان فرمائیں کہ ان کی تصویر میری نظروں میں پھرنے لگے۔ حضرت نے جواب دینے میں کچھ تامل کیا۔ پھر اتنا فرمایا کہ اے ہمام اللہ سے ڈرو اور اچھے عمل کرو، کیونکہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی و نیک کردار ہوں۔ ہمام نے آپ کے اس جواب پر اکتفا نہ کیا اور آپ کو (مزید بیان فرمانے کے لیے) قسم دی جس پر حضرت نے خدا کی حمد و ثنا کی اور نبی پر درود بھیجا اور یہ فرمایا: اللہ سبحانہ، نے جب مخلوقات کو پیدا کیا تو ان کی اطاعت سے بے نیاز اور ان کے گناہوں سے بے خطر ہو کر کارگاہ ہستی میں انہیں جگہ دی کیونکہ اسے نہ کسی معصیت کار کی معصیت سے نقصان ہے اور نہ کسی فرمانبردار کی اطاعت سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اس نے زندگی کا سروسامان ان میں بانٹ دیا ہے اور دنیا میں ہر ایک کو اس کے مناسب حال محل و مقام پہ رکھا ہے۔ چنانچہ فضیلت ان کے لیے ہے جو پرہیز گار ہیں کیونکہ ان کی گفتگو جچی تلی ہوئی، پہناوا میانہ روی اور چال ڈھال عجز و فروتنی ہے۔ اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے انہوں نے آنکھیں بند کر لیں اور فائدہ مند علم پر کان دھر لیے ہیں ان کے نفس زحمت و تکلیف میں بھی ویسے ہی رہتے ہیں جیسے آرام و آسائش میں۔ اگر (زندگی مقررہ) مدت نہ ہوتی جو اللہ نے ان کے لیے لکھ دی ہے تو ثواب کے شوق اور عتاب کے

خوف سے ان کی روحیں ان کے جسموں میں چشم زدن کے لیے بھی نہ ٹھہرتیں۔ خالق کی عظمت ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے۔ اس لیے کہ اس کے ماسوا ہر چیز ان کی نظروں میں ذلیل وخوار ہے۔ ان کو جنت کا ایسا ہی یقین ہے جیسے آنکھوں دیکھی چیز کا ہوتا ہے تو گویا وہ اسی وقت جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہیں اور دوزخ کا بھی ایسا ہی یقین ہے جیسے کہ وہ دیکھ رہے ہیں تو انہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہاں کا عذاب ان کے گردوپیش موجود ہے ان کے دل غمزدہ، مخزون اور لوگ ان کے شر و ایذا سے محفوظ و مامون ہیں۔ ان کے بدن لاغر، ضروریات کم اور نفس نفسانی خواہشوں سے بری ہیں۔ انہوں نے چند مختصر سے دلوں کی (تکلیفوں پر) صبر کیا جس کے نتیجہ میں دائمی آسائش حاصل کی۔ یہ ایک فائدہ مند تجارت ہے جو اللہ نے ان کے لیے مہیا کی، دنیا نے انہیں چاہا مگر انہوں نے دنیا کو نہ چاہا اس نے تمہیں قیدی بنایا تو انہوں نے اپنے نفسوں کا فدیہ دے کر اپنے کو چھڑا لیا۔ رات ہوتی ہے تو اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر قرآن کی آیتوں کی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرتے ہیں، جس سے اپنے دلوں میں غم واندوہ تازہ کرتے ہیں اور اپنے مرض کا چارہ ڈھونڈتے ہیں۔ جب کسی ایسی آیت پر ان کی نگاہ پڑتی ہے جس میں جنت کی ترغیب دلائی گئی ہو، تو اس کے طمع میں ادھر جھک پڑتے ہیں اور اس کے اشتیاق میں ان کے دل بے تابانہ کھنچتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ (پرکیف) منظر ان کی نظروں کے سامنے ہے اور جب کسی ایسی آیت پر ان کی نظر پڑتی ہے کہ جس میں (دوزخ سے) ڈرایا گیا ہو، تو اس کی جانب دل کے کانوں کو جھکا دیتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ جہنم کے شعلوں کی آواز اور وہاں کی چیخ و پکار ان کے کانوں کے

اندر پہنچ رہی ہے،وہ (رکوع میں) اپنی کمریں جھکائے اور (سجدہ میں) اپنی پیشانیاں ہتھیلیاں گھٹنے اور پیروں کے کنارے (انگھوٹھے) زمین پر بچھائے ہوئے ہیں اور اللہ سے گلوخلاصی کے لیے التجائیں کرتے ہیں۔دن ہوتا ہے تو وہ دانشمند عالم،نیکوکار اور پرہیزگار نظر آتے ہیں۔خوف نے انہیں تیروں کی طرح لاغر کر چھوڑا ہے۔دیکھنے والا انہیں دیکھ کر مریض سمجھتا ہے،حالانکہ انہیں کوئی مرض نہیں ہوتا اور جب ان کی باتوں کو سنتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ ان کی عقلوں میں فتور ہے (ایسا نہیں) بلکہ انہیں تو ایک دوسرا ہی خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ وہ اپنے اعمال کی کم مقدار سے مطمئن نہیں ہوتے اور زیادہ کو زیادہ نہیں سمجھتے وہ اپنے ہی نفسوں پر (کوتاہیوں) کا الزام رکھتے ہیں اور اپنے اعمال سے خوف زدہ رہتے ہیں،جب ان میں سے کسی ایک کو (صلاح وتقویٰ کی بنا پر) سراہا جاتا ہے تو وہ اپنے حق میں کہی ہوئی باتوں سے لرز اٹھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میں دوسروں سے زیادہ اپنے نفس کو جانتا ہوں،اور یہ کہ میرا پروردگار مجھ سے بھی زیادہ میرے نفس کو جانتا ہے۔خدایا ان کی باتوں پر میری گرفت نہ کرنا اور میرے متعلق جو یہ حسن ظن رکھتے ہیں مجھے اس سے بہتر قرار دینا اور میرے ان گناہوں کو بخش دینا جو ان کے علم میں نہیں۔ان میں سے ایک کی علامت یہ ہے کہ تم اس کے دین میں استحکام،نرمی و خوش خلقی کے ساتھ دور اندیشی،ایمان میں یقین و استواری،بردباری کے ساتھ دانائی،خوش حالی میں میانہ روی،عبادت میں عجز و نیازمندی، فقر و فاقہ میں آن بان،مصیبت میں صبر،طلب رزق میں حلال پر نظر، ہدایت میں کیف و سرور اور طمع سے نفرت و بے تعلقی دیکھو گے۔وہ نیک اعمال بجالانے کے باوجود خائف رہتا

ہے۔شام ہوتی ہےتو اس کے پیش نظر اللہ کا شکر اور صبح ہوتی ہےتو اس کا مقصد یا دخدا ہوتا ہے۔رات خوف وخطر میں گزارتا ہےاور صبح کوخوش اٹھتا ہے۔خطرہ اس کا کہ رات غفلت میں نہ گزر جائے اور خوشی اس فضل ورحمت کی دولت پر جو اسے نصیب ہوئی ہے۔اگر اس کا نفس کسی ناگوار صورت حال کے برداشت کرنے سے انکار کرتا ہےتو وہ اس کی من مانی خواہش کو پورا نہیں کرتا،جاودانی نعمتوں میں اس کے لیے آنکھوں کا سرور ہےاور دار فانی کی چیزوں سے بے تعلقی و بیزاری ہے۔اس نے علم میں حلم اور قول میں عمل کو سمو دیا ہےتم دیکھو گے اس کی امیدوں کا دامن کوتاہ،لغزشیں کم،دل متواضع اور نفس قانع،غذا قلیل،رویہ بے زحمت،دین محفوظ،خواہشیں مردہ اور غصہ ناپید ہےاس سے بھلائی ہی کی توقع ہوسکتی ہےاور اس سے گزند کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔جس وقت ذکر خدا سے غافل ہونے والوں میں نظر آتا ہے جب بھی ذکر کرنے والوں میں لکھا جاتا ہے چونکہ اس کا دل غافل نہیں ہوتا اور جب ذکر کرنے والوں میں ہوتا ہےتو ظاہر ہی ہے کہ اسے غفلت شعاروں میں شمار نہیں کیا جاتا،جو اس پر ظلم کرتا ہےاس سے درگزر کر جاتا ہے جو اسے محروم کرتا ہےاس کا دامن اپنی عطا سے بھر دیتا ہے جو اس سے بگاڑتا ہے یہ اس سے بناتا ہےبیہودہ بکواس اس کے قریب نہیں پھٹکتی اس کی باتیں نرم، برائیاں ناپید اور اچھائیاں نمایاں ہیں۔خوبیاں ابھر کر سامنے آتی ہیں۔یہ مصیبت کے جھٹکوں میں کوہ حلم و وقار سختیوں پر صابر اور خوش حالی میں شاکر رہتا ہے جس کا دشمن بھی ہو اس کے خلاف بے جا زیادتی نہیں کرتا اور جس کا دوست ہوتا ہے اس کی خاطر بھی کوئی گناہ نہیں کرتا۔قبل اس کے کہ اس کی کسی بات کے خلاف گواہی کی ضرورت

پڑے وہ خود ہی اعتراف کر لیتا ہے۔ امانت کو ضائع و برباد نہیں کرتا جو اسے یاد دلایا گیا ہے اسے فراموش نہیں کرتا۔ نہ دوسروں کو برے ناموں سے یاد کرتا ہے نہ ہمسایوں کو گزند پہنچاتا ہے، نہ دوسروں کی مصیبتوں پر خوش ہوتا ہے، نہ باطل کی سرحد میں داخل ہوتا ہے اور نہ جادہ حق سے قدم باہر نکالتا ہے۔ اگر چپ سادھ لیتا ہے تو اس کی خاموشی سے اس کا دل نہیں بجھتا، اور اگر ہنستا ہے تو آواز بلند نہیں ہوتی۔ اگر اس پر زیادتی کی جائے تو سہہ لیتا ہے تاکہ اللہ ہی اس کا انتقام لے۔ اس کا نفس اس کے ہاتھوں مشقت میں مبتلا ہے اور دوسرے لوگ اس سے امن وراحت میں ہیں۔ اس نے آخرت کی خاطر اپنے نفس کو زحمت میں اور خلق خدا کو اپنے نفس (کے شر) سے راحت میں رکھا ہے جن سے دوری اختیار کرتا ہے تو یہ زہد و پاکیزگی کے لیے ہوتی ہے اور جن سے قریب ہوتا ہے تو یہ خوش خلقی ورحم دلی کی بنا پر ہے نہ اس کی دوری غرور وکبر کی وجہ سے نہ اس کا میل جول کسی فریب اور مکر کی بنا پر ہوتا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ ان کلمات کو سنتے سنتے ہمام پر غشی طاری ہوئی اور اسی عالم میں اس کی روح پرواز کر گئی۔ امیر المومنین نے فرمایا، کہ خدا کی قسم مجھے اس کے متعلق یہی خطرہ تھا۔ پھر فرمایا کہ موثر نصیحتیں نصیحت پذیر طبیعتوں پر یہی اثر کیا کرتی ہیں۔ اس وقت ایک 2 کہنے والے نے کہا کہ یا امیر المومنین علیہ السّلام! پھر کیا بات ہے کہ خود آپ پر ایسا اثر نہیں ہوتا؟ حضرت نے فرمایا کہ بلاشبہ موت کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے کہ وہ اس سے آگے بڑھ ہی نہیں سکتا اور اس کا ایک سبب ہوتا ہے جو کبھی ٹل نہیں سکتا۔ ایسی (بے معنی) گفتگو سے جو شیطان نے تمہاری زبان پر جاری کی ہے۔ باز آؤ اور ایسی بات پھر زبان پر نہ لانا

۱۔ابن الحدید کے نزدیک اس سے ہمام ابن شریح مراد ہیں اور علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ اس سے بظاہر ہمام ابن عبادہ مراد ہیں۔

۲۔یہ شخص عبدا بن کوا تھا جو خوارج کی ہنگامہ آرائیوں میں پیش پیش اور حضرت کا سخت مخالف تھا۔

خطبہ 192:

پیغمبر کی بعثت، قبائلِ عرب کی عداوت اور منافقین کی حالت کا تذکرہ

ہم اس کی حمد و ستائش کرتے ہیں جس نے اطاعت کی توفیق بخشی اور معصیت سے روک کر رکھا۔ہم اس سے نعمتوں کے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی خواہش اور اس سے (اسلام کی) رسی سے وابستہ رہنے کا سوال کرتے ہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد اس کے عبد اور رسول ہیں۔جو اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے ہر سختی میں پھاند پڑے اور جنہوں نے اس کے لیے غم و غصہ کے گھونٹ پیے۔جن کے قریبیوں نے بھی مختلف رنگ بدلے اور دور والوں نے بھی ان کی دشمنی پر ایکا کر لیا اور عرب والے بھی ان کے خلاف بگٹٹ چڑھ دوڑے اور دور دراز جگہوں اور دور افتادہ سرحدوں سے سواریوں کے پیٹ پر ایڑ لگاتے ہوئے آپ سے لڑنے کے لیے جمع ہو گئے اور عداوتوں کے (پشتارے) آپ کے صحن میں لا اتارے۔

اے خدا کے بندو! میں اللہ سے ڈرتے رہنے کی تمہیں وصیت کرتا ہوں اور منافقوں سے بھی چوکنا کئے دیتا ہوں، کیونکہ وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والے بے راہ اور بے راہروی پر لگانے والے ہیں۔ وہ مختلف رنگ اور ہر بات میں جداگانہ پینترا بدلتے ہیں اور (تمہیں ہم) خیال بنانے کے لیے ہر قسم کے مکروفریب کے اڑانوں کا سہارا دیتے ہیں اور ہر گھات کی جگہ میں تمہاری تاک لگائے بیٹھے ہیں۔ ان کے دل (بظاہر کدورتوں سے) پاک وصاف ہیں وہ اندر ہی اندر چالیں چلتے ہیں اور (بہکانے کے لیے) اس طرح رینگتے ہوئے بڑھتے ہیں جس طرح مرض چپکے سے سرایت کرتا ہے۔ ان کے طور طریقے دوا، باتیں شفا اور کرتوت درد بے درماں ہیں۔ (دوسروں کی) خوشحالی پر جلنے والے انہیں مصیبت میں پھنسانے کے لیے جدوجہد کرنے والے اور انہیں امیدوں سے بے آس بنانے والے ہیں۔ ہر راہ گذر پر ان کا ایک کشتہ اور ہر دل میں گھر کرنے کا ان کے پاس وسیلہ ہے اور ہر غم کے لیے (ان کی آنکھوں میں مگر مچھ) کے آنسو ہیں ایک دوسرے کی قرضہ کے طور پر مدح وستائش کرتے ہیں اور اس کا بدلہ دیئے جانے کی آس لگائے رکھتے ہیں۔ اگر مانگتے ہیں تو لپٹ ہی جاتے ہیں اور برا بھلا کہنے پر آتے ہیں تو پھر رسوا کر کے ہی چھوڑتے ہیں۔ اگر کوئی فیصلہ کرتے ہیں تو بے راہروی میں حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ انہوں نے ہر حق کے مقابلے میں باطل اور ہر راست کے مقابلے میں کج، ہر زندہ کے لیے قاتل ہر در کے کلید اور ہر رات کے لیے چراغ مہیا کر رکھا ہے، وہ بے آسی میں آس پیدا کر لیتے ہیں کہ جس سے اپنے بازار جمائیں اور اپنے مال کو رواج دیں۔ غلط بات کو صحیح بات کے انداز میں کہتے ہیں اور باطل کو حق کا رنگ

دے کر پیش کرتے ہیں۔انہوں نے (اپنے لیے) تو راستے آسان بنا رکھے ہیں اور دوسروں کے لیے پیچیدگیاں ڈال دی ہیں۔وہ شیطان کا گروہ اور آگ کا شعلہ ہیں (جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ) شیطان کا گروہ ہی گھاٹا اٹھانے والا ہے۔

خطبہ 193:

قیامت کے برپا ہونے کی کیفیت

تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے اپنی فرمانروائی وجلال کبریائی کے آثار کو نمایاں کر کے اپنی قدرت کی عجیب وغریب نقش آرائیوں سے آنکھ کی پتلیوں کو محو حیرت کر دیا ہے اور انسانی واہموں کو اپنی صفتوں کی تہہ تک پہنچنے سے روک دیا ہے۔میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ایسا اقرار جو سراپا ایمان، یقین، اخلاص اور فرمانبرداری ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندہ ورسول ہیں۔جنہیں اس وقت رسول بنا کر بھیجا کہ جب ہدایت کے نشان مٹ چکے تھے۔اور دین کی راہیں اجڑ چکی تھیں، آپ نے حق کو آشکار کیا۔خلق خدا کو نصیحت کی۔ہدایت کی جانب رہنمائی فرمائی اور افراط وتفریط کی سمتوں سے بچ کر درمیانی راہ پر چلنے کا حکم دیا۔خدا ان پر اور ان کے اہل بیت پر رحمت نازل کرے۔ اے خدا کے بندو! اس بات کو جانے رہو کہ اس نے تم کو بیکار پیدا نہیں کیا اور نہ یونہی کھلے بندوں چھوڑ دیا ہے جو نعمتیں اس نے تمہیں دی ہیں، ان کی مقدار سے آگاہ اور جو احسانات تم پر کئے ہیں اس کا شمار جانتا ہے۔اس سے فتح وکامرانی اور حاجت روائی چاہو۔اس کے سامنے دست طلب پھیلاؤ۔اس سے بخشش وعطا کی بھیک مانگو۔تمہارے اور اس کے

درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے اور نہ تمہارے لیے اس کا دروازہ بند ہے، وہ ہر جگہ اور ہر ساعت و ہر آن اور جن و انسان کے ساتھ موجود ہے نہ جود و سخا سے اس میں کوئی رخنہ پڑتا ہے نہ داد و دہش سے اس کے ہاں کمی ہوتی ہے نہ مانگنے والے اس کے خزانوں کو ختم کر سکتے ہیں نہ بخشش و فیضان اس کی نعمتوں کو انتہا تک پہنچا سکتا ہے۔ نہ ایک طرف التفات دوسروں سے اس کی توجہ کو موڑ سکتا ہے اور نہ ایک آواز میں محویت دوسری آواز سے اسے بے خبر بناتی ہے نہ اسے (بیک وقت) ایک نعمت کا دینا۔ دوسری نعمت کے چھین لینے سے مانع ہوتا ہے اور نہ غضب (کے شرارے) رحمت (کے فیضان) سے اسے روکتے ہیں اور نہ لطف و کرم اسے تنبیہ و عقاب سے غافل کرتا ہے، اس کی ذات کی پوشیدگی اس کے آثار کی جلوہ پاشیوں پر نقاب نہیں ڈالتی اور نہ آثار کی جلوہ طرازیاں اس کی ذات کی پوشیدگی کو الگ کر سکتی ہیں۔ وہ قریب پھر بھی دور ہے اور بلند مگر نزدیک ہے، وہ ظاہر مگر اسی کے ساتھ باطن وہ پوشیدہ مگر آشکار ہے۔ وہ جزا دیتا ہے مگر اسے جزا نہیں دی جا سکتی اس نے خلقت کائنات کو سوچ سوچ کر ایجاد نہیں کیا اور نہ تکان کی وجہ سے ان سے مدد لینے کا محتاج ہے۔

اے اللہ کے بندو! میں تمہیں خوف خدا کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ یہ سعادت کی باگ ڈور اور (دین کا) مضبوط سہارا ہے اس کے بندھنوں سے وابستہ رہو اور اس کی حقیقتوں کو مضبوطی سے پکڑ لو کہ یہ تمہیں آسائش کی جگہوں، آسودگی کے گھروں، حفاظت کے قلعوں اور عزت کی منزلوں میں پہنچائے گا۔ جس دن کہ آنکھیں (خوف کی وجہ سے) پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ ہر طرف اندھیرا ہو گا۔ دس دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں بیکار کر دی جائیں گی اور صور

پھونکا جائے گا۔تو ہر جان بدن سے نکل جائے گی زبانیں گونگی ہوجائیں گی۔اور بلند پہاڑ اور مضبوط چٹانیں ریزہ ریزہ ہوجائیں گی،اور سخت پتھر (آپس میں ٹکرا ٹکرا کر) چمکتے ہوئے سراب کی طرح ہوجائیں گے اور جہاں آبادیاں (اور فلک بوس عمارتیں) تھیں وہ جگہیں ہموار میدان کی صورت میں ہوجائیں گی (اس موقعہ پر) نہ کوئی عزیز ہوگا جو (اس عذاب کی روک تھام کرے) نہ عذر و معذرت پیش کی جاسکے گی کہ کچھ فائدہ بخشے۔

خطبہ 194:

بعثتِ پیغمبر ﷺ کے وقت دنیا کی حالت

اللہ نے اپنے رسول کو اس وقت مبعوث کیا جبکہ (ہدایت) کا کوئی نشان باقی نہ رہا تھا نہ (دین کا) کوئی بلند مینار اور نہ (شریعت) کی کوئی واضح راہ موجود تھی۔اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں اور اس دنیا سے متنبہ کئے دیتا ہوں کہ جو کوچ کی جگہ اور بے لطفی و بے معنی و بدمزگی کا مقام ہے۔اس میں بسنے والا آخر اس سے چل چلاؤ پر مجبور ہوگا اور ٹھہرنے والا اپنا رخ موڑ کر اس سے الگ ہوجائے گا یہ اپنے رہنے والوں سمیت اس طرح ڈانواڈول ہورہی ہے جس طرح وہ کشتی جسے تند ہوائیں ہچکولے دے رہی ہوں کچھ تو ان میں سے ہلاک و غرق ہوگئے ہیں اور جو بچ رہے ہیں وہ موجوں کی سطح پر تھپیڑے کھا رہے ہیں اور ہوائیں اپنے دامنوں سے انہیں دھکیل رہی اور ہولناکیوں میں بڑھائے لیے جارہی ہیں جو غرق ہو چکا ہے،وہ ہاتھ نہیں لگے گا،اور جو بچ رہا ہے وہ مہلکوں میں پڑا رہے گا۔اے اللہ کے بندو! اعمال نیک بجالاؤ،ابھی جب کہ زبانوں کے لیے کوئی رکاوٹ

نہیں۔ بدن تندرست اور ہاتھ پیروں میں لچک ہے (کہ جو چاہو ان سے کام لے سکتے ہو) آنے جانے کی جگہ وسیع اور میدان (عمل) کشادہ ہے، قبل اس کے فرصت رفتہ موقع نہ دے اور موت ٹوٹ پڑے۔ اپنے لیے موت کو یہ سمجھو کہ وہ آچکی۔ اس کا انتظار نہ کرو کہ وہ آئے گی۔

خطبہ 195:

آپ علیہ السلام نے ھی پیغمبر کی تجہیز و تکفین کے فرائض انجام دئے

پیغمبر کے وہ اصحاب جو (احکام شریعت) کے امین ٹھہرائے گئے تھے اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ میں 1 نے کبھی ایک آن کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے سرتابی نہیں کی اور میں نے اس جوانمردی 2 کے بل بوتے پر کہ جس سے اللہ نے مجھے سرفراز کیا ہے پیغمبر کی دل و جان سے مدد ان موقعوں پر کی جن موقعوں سے بہادر (جی چرا کر) بھاگ کھڑے ہوئے تھے اور قدم (آگے بڑھنے کی بجائے) پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ جب رسول نے رحلت فرمائی تو ان کا سر (اقدس) میرے سینے پر تھا اور جب میرے ہاتھوں میں ان کی روح طیب نے مفارقت کی تو میں نے (تبرکاً) اپنے ہاتھ منہ پر پھیر لیے۔ میں نے آپ کے غسل کا فریضہ انجام دیا۔ اس عالم میں کہ ملائکہ میرا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ (آپ کی رحلت سے) گھر اور اس کے اطراف و جوانب نالہ و فریاد سے گونج رہے تھے اور ایک گروہ چڑھتا تھا۔ وہ حضرت پر نماز پڑھتے تھے اور ان کی دھیمی آوازیں برابر میرے کانوں میں آرہی تھیں۔ یہاں تک کہ ہم نے انہیں قبر میں چھپا دیا تو اب ان کی زندگی میں اور موت کے

بعد مجھ سے زائد کون ان کا حق دار ہوسکتا ہے؟ (جب میرا حق تمہیں معلوم ہو چکا) تو تم بصیرت کے جلو میں دشمن سے جہاد کرنے کے لیے صدق نیت سے بڑھو۔اس ذات کی قسم کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، بلا شبہ میں جادہ حق پر ہوں اور وہ (اہل شام) باطل کی ایسی گھاٹی پر ہیں کہ جہاں سے پھسلے کہ پھسلے۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہ تم سن رہے ہو میں اپنے اور تمہارے لیے اللہ سے آمرزش کا طلب گار ہوں۔

1. ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے کہ امیر المومنین کا ارشاد ہے" کہ میں نے کبھی پیغمبر کے احکام سے سرتابی نہیں کی"۔ یہ ان لوگوں پر ایک طرح کا طنز ہے کہ جو پیغمبر کے حکام کو رد کرنے میں بیباک تھے اور انہیں ٹوکنے کی جسارت کر گزرتے تھے جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب پیغمبر کفار قریش سے صلح پر آمادہ ہو گئے تو صحابہ میں سے ایک صاحب اتنے برا فروختہ ہوئے کہ وہ پیغمبر کی رسالت میں شک کا اظہار کرنے لگے جس پر حضرت ابوبکر کو یہ کہنا پڑا: تم پر افسوس ہے تمہیں ان کی رکاب تھامے رہنا چاہیئے۔ یہ یقینا اللہ کے رسول ہیں اور اللہ انہیں ضائع و برباد نہیں ہونے دے گا۔

اس شک کے ازالہ کے لیے فتم ان ّ اور لام تاکید کے ذریعہ نبوّت کے یقین دلانے کی کوشش کرنا اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ مخاطب شک کی منزل سے بھی کچھ آگے نکل چکا تھا کیونکہ یہ تاکیدی لفظیں وہیں پر استعمال کی جاتی ہیں جہاں انکار تک کی نوبت پہنچ چکی ہو، بہر

صورت اگر ایمان عدم شک کا نام ہے تو شک سے ایمان کا مجروح ہونا بھی ضروری ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ، کا ارشاد ہے۔ مومن بس وہی لوگ ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان لانے کے بعد شک نہیں کرتے۔

اسی طرح جب پیغمبر نے ابن سلول کی میت پر نماز پڑھنے کا ارادہ کیا تو پیغمبر سے کہا کیف تستعفر لراس المنافقین کیا ان منافقوں کے سردار کے لیے آپ دعائے مغفرت کریں گے اور یہ کہہ کر پیغمبر کو دامن سے پکڑ کر کھینچ لیا جس پر پیغمبر کو یہ کہنا پڑا کہ میرا کوئی اقدام حکم خدا کے بغیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح جیش اسامہ کے ہمراہ جانے میں پیغمبر کے تاکیدی حکم کو ٹھکرا دیا گیا اور ان تمام سرتابیوں سے بڑھ کر وہ سرتابی تھی جو تحریر وصیّت کے سلسلہ میں ظاہر ہوئی اور پیغمبر کی طرف ایسی غلط نسبت دی گئی کہ جس سے احکام شریعت پر سے اعتماد ہی اٹھ جاتا ہے اور حکم کے متعلق یہ احتمال پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ حکم وحی الٰہی کی بناء پر ہے یا معاذ اللہ کسی بدحواسی کا نتیجہ ہے۔

2۔ اس سے کس کو انکار ہوسکتا ہے کہ اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب ہر معرکہ اور جان جوکھوں کے موقعہ پر پیغمبر کے سینہ سپر رہے اور اپنی خداداد جرات وہمت سے ان کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے چنانچہ پہلا جانثاری کا موقعہ وہ ہے کہ جب قریش نے قتل پیغمبر کا عزم بالجزم کرلیا تو آپ تلواروں کے نرغہ اور دشمنوں کے ہجوم میں بستر نبوّت پر سو گئے جس

سے دشمنوں کو اپنے ارادے میں ناکام و نامراد ہونا پڑا۔ پھر ان جنگوں میں کہ جہاں دشمن ہجوم کر کے پیغمبر پر ٹوٹ پڑتے تھے اور اچھے اچھے بہادروں کے قدم ڈگمگا جاتے تھے۔ آپ علم لشکر کو لے کر پامردی سے جمے رہتے تھے چنانچہ ابن عبدالعزیز تحریر کرتے ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ امیر المومنین میں چار خصوصیتیں ایسی تھیں جو ان کے علاوہ کسی کو حاصل نہ تھیں ایک یہ کہ آپ نے ہر عربی و غیر عربی سے پہلے رسول کے ساتھ نماز پڑھی اور دوسرے ہر معرکہ میں علمبردار ہوتے رہے اور تیسرے جب لوگ پیغمبر کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے تھے تو آپ صبر و استقامت سے جمے رہتے تھے اور چوتھے یہ کہ آپ ہی نے پیغمبر کو غسل دیا اور قبر میں اتارا۔

اسلامی غزوات کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ جنگ تبوک کے علاوہ کہ جس میں بحکم پیغمبر امیر المومنین شرکت نہ کر سکے تمام جنگیں آپ کی حسن کارکردگی کی آئینہ دار ہیں تمام فتوحات آپ کے قوت بازو کی مرہون منت ہیں چنانچہ جنگ بدر میں ستر کفار قتل ہوئے جن میں سے نصف امیر المومنین کی تلوار سے مارے گئے جنگ احد میں جب مسلمانوں کے مال غنیمت پر ٹوٹ پڑنے کی وجہ سے فتح شکست کی صورت اختیار کر گئی اور دشمنوں کے اچانک حملہ سے مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے تو امیر المومنین جہاد کو فریضہ ایمانی سمجھتے ہوئے ثابت قدمی سے جمے رہے اور پیغمبر کی ہمدردی و جان نثاری میں وہ کارنمایاں کیا کہ جس کا پیغمبر نے بھی اعتراف کیا اور ملک نے بھی اقرار کیا۔ جنگ احزاب میں پیغمبر کے ہمراہ تین

ہزار نبرد آزما تھے۔ مگر عمرو ابن عبدود کے مقابلہ میں بڑھنے کی کسی ایک کو بھی جرات نہ ہوتی۔ آخر امیر المومنین نے اسے قتل کر کے مسلمانوں کو رسوائی سے بچا لیا۔ جنگ خیبر میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر علم لے کر گئے مگر پلٹ آئے اس موقع پر بھی امیر المومنین نے اس مہم کو سر کیا۔ جنگ حنین میں مسلمانوں کو اپنی کثرت پر بڑا گھمنڈ تھا چونکہ ان کی تعداد دس ہزار تھی اور کفار کی گنتی چار ہزار تھی، مگر یہاں بھی مال غنیمت پر لپک پڑے جس کی وجہ سے کفار کو موقع مل گیا کہ وہ ان پر ٹوٹ پڑیں۔ چنانچہ اس اچانک حملہ سے مسلمان گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی اور حنین کے دن بھی کہ جب تم اپنی کثرت پر اتراتے تھے اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر چلتے بنے۔

اس موقع پر بھی امیر المومنین پہاڑ کی طرح جمے رہے اور آخر تائید خداوندی سے فتح و کامرانی حاصل ہوئی۔

خطبہ 196:

اسلام اور بعثت نبوی ﷺ کا تذکرہ

وہ (خداوند عالم) بیابانوں میں چوپاؤں کے نالے (سنتا ہے) تنہائیوں میں بندوں کے گناہوں سے آگاہ ہے اور اتھاہ دریاؤں میں مچھلیوں کی آمدوشد اور تند ہواؤں کے ٹکراؤ سے پانی کے تھپیڑوں کو جانتا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے برگزیدہ اس کی وحی کے ترجمان

اور رحمت کے پیغامبر ہیں ۔ میں تمہیں اس اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں کہ جس نے تمہیں پیدا کیا اور جس کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔ وہی تمہاری کامرانیوں کا ذریعہ اور تمہاری آرزؤں کی منزل کی منتہا ہے تمہاری راہ حق اسی کی طرف پلٹتی ہے اور وہی خوف و ہراس کے وقت تمہارے لیے پناہ گاہ۔ (دل میں اللہ کا خوف رکھو) کیونکہ یہ تمہارے دلوں کے روگ کا چارہ، فکر و شعور کی تاریکیوں کے لیے اجالا، جسموں کی بیماریوں کے لیے شفا، سینے کی تباہ کاریوں کے لیے پاکیزگی آنکھوں کی تیرگی کے لیے جلا، دل کی دہشت کے لیے ڈھارس اور جہالت کی اندھیاریوں کے لیے روشنی ہے۔ صرف ظاہری طور پر اللہ کی اطاعت کا جامہ نہ اوڑھ لو (بلکہ) اسے اپنا اندرونی پہناوا بناؤ، نہ صرف اندرونی پہناوا۔ بلکہ ایسا کرو کہ وہ تمہارے باطن میں اتر جائے اور پسلیوں کے اندر (دل میں) رچ بس جائے اور اسے اپنے معاملات پر حکمران اور (حشر میں) وارد ہونے کے وقت سرچشمہ، منزل مقصود تک پہنچنے کا وسیلہ، خوف کے دن کے لیے سپر، نہاں خانہ قبر کے لیے چراغ، (تنہائی) کی طویل وحشتوں کے لیے ہمنوا و دمساز اور منزل کی اندوہناکیوں سے رہائی (کا ذریعہ) قرار دو کیونکہ اطاعت خدا گھیرنے والے مہلکوں، پیش آئند خوف و دہشت کے مرحلوں اور بھڑکتی ہوئی آگ کی لپکوں کے لیے پناہ گاہ ہے جو تقویٰ کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے تو مصیبتیں اس کے قریب ہونے کے باوجود دور ہٹ جاتی ہیں۔ تمام امور تلخی و بدمزگی کے بعد شیریں و خوشگوار ہو جاتے ہیں (تباہی و ہلاکت کی) موجیں ہجوم کرنے کے بعد چھٹ جاتی ہیں اور دشواریاں سختیوں میں مبتلا کرنے کے بعد آسان ہو جاتی ہیں۔ قحط و نایابی کے بعد

لطف وکرم کی جھڑی لگ جاتی ہے۔رحمت و برکت کی دھواں دھار بارشیں ہونے لگتی ہیں اس اللہ سے ڈرو! کہ جس نے پند وموعظمت سے تمہیں فائدہ پہنچایا۔اپنے پیغام کے ذریعے تمہیں وعظ ونصیحت کی اپنی نعمتوں سے تم پر لطف واحسان کیا۔اس کی بندگی و نیاز مندی کے لیے اپنے نفسوں کورام کرو،اوراس کی فرمانبرداری کا پورا پورا حق ادا کرو۔پھر یہ کہ اسلام ہی وہ دین ہے جسے اللہ نے اپنے پہچنوانے کے لیے پسند کیا اپنی نظروں کے سامنے اس کی دیکھ بھال کی۔اس کی (تبلیغ کے لیے) بہترین خلق کا انتخاب فرمایا۔اپنی محبت پر اس کے ستون کھڑے کئے،اس کی برتری کی وجہ سے تمام دینوں کو سرنگوں کیا اوراس کی بلندی کے سامنے سب ملتوں کو پست کیا۔اس کی عزت و بزرگی کے ذریعہ دشمنوں کو ذلیل اوراس کی نصرت و تائید سے مخالفوں کو رسوا کیا۔اس کے ستون سے گمراہی کے کھمبوں کو گرادیا۔پیاسوں کو اس کے تالابوں سے سیراب کیا اور پانی الچنے والوں کے ذریعہ حوضوں کو بھر دیا۔پھر یہ کہ اسے اس طرح مضبوط کیا کہ اس کے بندھنوں کے لیے شکست و ربخت نہیں، نہ اس حلقہ (کی کڑیاں) الگ الگ ہوسکتی ہیں، نہ اس کی بنیاد گرسکتی ہے، نہ اس کے ستون اپنی جگہ چھوڑ سکتے ہیں، نہ اس کا درخت اکھڑ سکتا ہے، نہ اس کی مدت ختم ہوسکتی ہے، نہ اس کے قوانین محو ہوسکتے ہیں، نہ اس کی شاخیں کٹ سکتی ہیں، نہ اس کی راہیں تنگ، نہ اس کی آسانیاں دشوار ہیں، نہ اس کے سفید دامن پر سیاہی کا دھبہ، نہ اس کی استقامت میں پیچ وخم، نہ اس کی لکڑی میں کجی، نہ اس کی کشادہ راہ میں کوئی دشواری ہے، نہ اس کے چراغ گاہ ہوتے ہیں، نہ اس کی خوشگواریوں تلخیوں کا گزر ہوتا ہے۔اسلام ایسے ستونوں پر حاوی ہے جس کے پائے اللہ نے

حق (کی سرزمین) میں قائم کئے ہیں اوران کی اساس و بنیاد کو استحکام بخشا ہے اور ایسے سر چشمے ہیں جن کی لوئیں ضیاء بار ہیں اور ایسے نشان ہیں کہ جن سے سیدھی راہوں کا قصد کیا جاتا ہے اور ایسے گھاٹ ہیں جن پر اترنے والے ان سے سیراب ہوتے ہیں۔ اللہ نے اسلام میں اپنی انتہائے رضامندی بلندترین ارکان اور اپنی اطاعت کی اونچی سطح کو قرار دیا ہے چنانچہ اللہ کے نزدیک اس کے ستون مضبوط اس کی عمارت سربلند دلیلیں روشن اور ضیائیں نور پاش ہیں۔ اس کی سلطنت غالب اور مینار بلند ہیں اور اس کی بیخ کنی دشوار ہے۔ اس کی عزت و وقار باقی رکھو۔ اس کے (احکام کی) پیروی کرو۔ اس کے حقوق ادا کرو اور اس کے (ہر حکم کو) اس کی جگہ پر قائم کرو۔ پھر یہ کہ اللہ سبحانہ، نے محمد کو اس وقت حق کے ساتھ مبعوث کیا جب کہ فنا نے دنیا کے قریب ڈیرے ڈال دیئے اور آخرت سر پر منڈلانے لگی اس کی رونقوں کا اجالا اندھیرے سے بدلنے لگا اور اپنے رہنے والوں کے لیے مصیبت بن کر کھڑی ہوگئی۔ اس کا فرش درشت و ناہموار ہوگیا اور فنا کے ہاتھوں میں باگ ڈور دینے کے لیے آمادہ ہوگئی۔ یہ اس وقت کہ جب اس کی مدت اختتام پذیر اور (فنا کی) علامتیں قریب آگئیں، اس کے بسنے والے تباہ اور اس کے حلقہ کی کڑیاں الگ ہونے لگیں۔ اس کے بندھن پراگندہ اور نشانات بوسیدہ ہوگئے، اس کے عیب کھلنے اور پھیلے ہوئے دامن سمٹنے لگے۔ اللہ نے ان کو پیغام رسانی اور امت کی سرفرازی کا ذریعہ اہل عالم کے لیے بہار اور یار و انصار کی رفعت و عزت کا سبب قرار دیا۔ پھر آپ پر ایک ایسی کتاب نازل فرمائی جو (سراپا) نور ہے جس کی قندیلیں گل نہیں ہوتیں، ایسا چراغ ہے جس کی لو خاموش نہیں ہوتی، ایسا دریا ہے جس میں راہ

پیمائی بے راہ نہیں کرتی، ایسی کرن ہے جس کی پھوٹ مدہم نہیں پڑتی وہ ایسا (حق و باطل ہیں) امتیاز کرنے والا ہے جس کی دلیل کمزور نہیں پڑتی۔ ایسا کھول کر بیان کرنے والا ہے جس کے ستون منہدم نہیں کئے جاسکتے وہ سراسر شفا ہے۔ (کہ جس کے ہوتے ہوئے روحانی) بیماریوں کا کھٹکا نہیں، وہ سرتا سر عزت وغلبہ ہے جس کے یار و مددگار شکست نہیں کھاتے وہ (سراپا) حق ہے۔ جس کے معین و معاون بے مدد چھوڑے نہیں جاتے، وہ ایمان کا معدن اور مرکز ہے۔ اس سے علم کے چشمے پھوٹتے اور دریا بہتے ہیں۔ اس میں عدل کے چمن اور انصاف کے حوض ہیں۔ وہ اسلام کا سنگ بنیاد اور اس کی اساس ہے۔ حق کی وادی اور اس کا ہموار میدان ہے۔ وہ ایسا دریا ہے کہ جسے پانی بھرنے والے ختم نہیں کر سکتے۔ وہ ایسا چشمہ ہے کہ پانی الچنے والے اسے خشک نہیں کر سکتے، وہ ایسی گھاٹ ہے کہ اس پر اترنے والوں سے اس کا پانی گھٹ نہیں سکتا، وہ ایسی منزل ہے کہ جس کی راہ میں کوئی راہرو بھٹکتا نہیں، وہ ایسا نشان ہے کہ چلنے والے کی نظر سے اوجھل نہیں ہوتا۔ وہ ٹیلہ ہے کہ حق کا قصد کرنے والے اس سے آگے گزر نہیں سکتے۔ اللہ نے اسے عالموں کی تشنگی کے لیے سیرابی فقیہوں کے دلوں کے لیے بہار اور نیکوں کی رہگذر کے لیے شاہراہ قرار دیا ہے۔ یہ ایسی دوا ہے کہ جس سے کوئی مرض نہیں رہتا، ایسا نور ہے جس میں تیرگی کا گزر نہیں، ایسی رسی ہے کہ جس کے حلقے مضبوط ہیں۔ ایسی چوٹی ہے کہ جس کی پناہ گاہ محفوظ ہے جو اس سے وابستہ ہو اس کے لیے پیغام صلح و امن ہے۔ جو اس کی پیروی کرے اس کے لیے ہدایت ہے جو اسے اپنی طرف نسبت دے اس کے لیے حجت ہے جو اس کی رو سے بات کرے اس کے لیے دلیل و برہان

ہے۔ جو اس کی بنیاد پر بحث و مناظرہ کرے اس کے لیے گواہ ہے۔ جو اسے حجت بنا کر پیش کرے اس کے لیے فتح و کامرانی ہے جو اس کا بار اٹھائے یہ اس کا بوجھ بٹانے والا ہے جو اسے اپنا دستور العمل بنائے اس کے لیے مرکب (تیز گام) ہے۔ یہ حقیقت شناس کے لیے ایک واضح نشان ہے، (جو ضلالت سے ٹکرانے کے لیے) سلاح بند ہو اس کے لیے سپر ہے، جو اس کی ہدایت کو گرہ میں باندھ لے اس کے لیے علم و دانش ہے، بیان کرنے والے کے لیے بہترین کلام اور فیصلہ کرنے والے کے لیے قطعی حکم ہے۔

خطبہ 197:

نماز، زکوۃ اور امانت کے بارے میں فرمایا

حضرت اپنے اصحاب کو یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ نماز کی پابندی اور اس کی نگہداشت کرو اسے زیادہ سے زیادہ بجالاؤ اور اس کے ذریعہ سے خدا کا تقرب چاہو، کیونکہ نماز مسلمانوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ واجب کی گئی ہے۔ کیا (قرآن میں) دوزخیوں کے جواب کو تم نے نہیں سنا کہ تمہیں کون سی چیز دوزخ کی طرف کھینچ لائی؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے۔ بلاشبہ نماز گناہوں کو جھاڑ کر اس طرح الگ کر دیتی ہے جس طرح چوپاؤں کی گردنوں سے ان کے پھندے کھول کر انہیں رہا کیا جاتا ہے۔ رسول نے نماز کو اس گرم چشمہ سے تشبیہ دی ہے جو کسی شخص کے گھر کے دروازہ پر ہو اور وہ اس میں دن رات پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا امید کی جاسکتی ہے کہ اس کے (جسم پر) کوئی میل رہ جائیگا؟ نماز کا حق تو وہی مردان باخدا پہچانتے ہیں جنہیں متاع دنیا کی سج دھج اور مال و اولاد کا سرور دیدہ و دل اس سے

غفلت میں نہیں ڈالتا۔ (چنانچہ) اللہ سبحانہ، کا ارشاد ہے کہ" کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جنہیں ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ تجارت غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت"۔ اور رسول باوجود یہ کہ انہیں جنت کی نوید دی جاچکی تھی (بکثرت) نماز پڑھنے سے اپنے کو زحمت وتعب میں ڈالتے تھے چونکہ انہیں اللہ کا ارشاد تھا" کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس کی پابندی کرو" چنانچہ حضرت اپنے گھر والوں کو خصوصیت کے ساتھ نماز کی تاکید بھی فرماتے تھے اور خود بھی اس کی کثرت اور بجا آوری میں زحمت ومشقت برداشت کرتے تھے۔ پھر مسلمانوں کے لیے نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو بھی تقرب خدا کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے تو جو شخص اسے برضا ورغبت ادا کرے گا۔ اس کے لیے یہ گناہوں ک ا کفارہ اور دوزخ سے آڑ او ربچاؤ ہے۔ (دیکھو! ادا کرنے کے بعد) کوئی شخص اس کا خیال تک دل میں نہ لائے اور نہ اس پر زیادہ ہائے وائے مچائے کیونکہ جو شخص دلی لگن کے بغیر زکوٰۃ دے کہ اس سے بہتر چیز چشم براہ رہتا ہے وہ سنت سے بے خبر، اجر کے اعتبار سے نقصان اٹھانے والا، غلط کار اور دائمی پریشانی وندامت میں گرفتار ہے۔ پھر امانت کا ادا کرنا ہے، جو اپنے کو امانت کا اہل نہ بنا سکے وہ ناکام و نامراد ہے اس امانت کو مضبوط آسمانوں میں پھیلی ہوئی زمینوں اور لمبے چوڑے گڑے ہوئے پہاڑوں پر پیش کیا گیا بھلا ان سے تو بڑھ کر کوچیز لمبی اونچی اور بڑی نہیں ہے تو اگر کوئی چیز لمبائی چوڑائی یا قوت وغلبہ کے بل بوتے پر سرتابی کرسکتی ہوتی تو یہ سرتابی کر سکتے تھے۔ لیکن یہ تو اس کے عقاب وعتاب سے ڈر گئے اور اس چیز کو جان گئے۔ جسے ان سے کمزور تر مخلوق انسان نہ جان سکا۔ بلاشبہ انسان بڑا ناانصاف اور بڑا جاہل

ہے۔ یہ بندگان خدارات (کے پردوں) اور دن (کے اجالوں) میں جو گناہ کرتے ہیں وہ اللہ سے ڈھکے چھپے ہوئے نہیں وہ تو ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز سے آگاہ اور ہر شے پر اس کا علم محیط ہے۔ تمہارے ہی اعضاء اس کے سامنے گواہ بن کر پیش ہوں گے اور تمہارے ہی ہاتھ پاؤں اس کے لاؤلشکر ہیں اور تمہاری تنہائیوں (کے عشرت کدے) اس کی نظروں کے سامنے ہیں۔

خطبہ 198:

معاویہ کی غداری وفریب کاری

خدا1 کی قسم! معاویہ مجھ سے زیادہ چلتا پرزہ اور ہوشیار نہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ وہ غداریوں سے چوکتا نہیں اور بدکرداریوں سے باز نہیں آتا۔ اگر مجھے عیاری وغداری سے نفرت نہ ہوتی تو میں سب لوگوں سے زائد ہوشیار وزیرک ہوتا۔ لیکن ہر غداری گناہ اور ہر گناہ حکم الٰہی کی نافرمانی ہے۔ چنانچہ قیامت کے دن ہر غدار کے ہاتھوں میں ایک جھنڈا ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔ خدا کی قسم! مجھے ہتھکنڈوں سے غفلت میں نہیں ڈالا جاسکتا اور نہ سختیوں سے دبایا جاسکتا ہے۔

1.وہ افراد جو مذہب واخلاق سے بیگانہ شرعی قید و بند سے آزاد اور جزا وسزا کے تصوّر سے ناآشنا ہوتے ہیں ان کے لیے مطلب برآری کے لیے حیل وذرائع کی کمی نہیں ہوتی وہ ہر منزل پر کامیابی وکامرانی کی تدبیریں نکال لیتے ہیں جہاں انسانی واسلامی تقاضے اور اخلاق

وشرعی حدیں روک بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں وہاں حیلہ وتدبیر کا میدان تنگ اور جولانگاہ عمل کی وسعت محدود ہو جاتی ہے۔ چنانچہ معاویہ کا نفوذ وتسلّط انہی تدابیر وحیلہ کا نتیجہ تھا کہ جن پر عمل پیرا ہونے میں اسے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ نہ حلال وحرام کا سوال اس کے لیے سدّ راہ ہوتا تھا۔ اور نہ پاداش آخرت کا کوئی خوف اسے ان مطلق العنانیوں اور بیباکیوں سے روکتا تھا جیسا کہ امام راغب اصفہانی اس کی سیرت وکردار کا جائزہ لیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ اس کا مطمع نظر یہی ہوتا تھا کہ جس طرح بن پڑے اپنا مطلب پورا کرو۔ نہ حلال وحرام سے اسے کوئی واسطہ تھا نہ دین کی اسے کوئی پرواہ تھی اور نہ خدا کے غضب کی کوئی فکر تھی۔

چنانچہ اس نے اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے غلط بیانی وافتراء پردازی کے سہارے ڈھونڈھے، طرح طرح کے حربے استعمال کئے اور جب یہ دیکھا کہ امیر المومنین کو جنگ میں الجھائے بغیر کامیابی نہیں مل سکتی تو طلحہ وزبیر کو آپ کے خلاف ابھار کھڑا کر دیا اور جب اس صورت سے بھی کامیابی نہ ہوئی تو شامیوں کو بھڑکا کر جنگ صفین کا فتنہ برپا کر دیا اور پھر حضرت عمار کی شہادت سے جب اس کا ظلم وعدوان بے نقاب ہونے لگا تو عوام فریبی کے لیے کبھی یہ کہہ دیا کہ عمار کے قاتل علی ہیں۔ کیونکہ وہی انہیں ہمراہ لانے والے ہیں اور کبھی حدیث پیغمبر میں لفظ فئة باغية کی یہ تاویل کی کہ اس کے معنی باغی گروہ کے نہیں۔ بلکہ اس کے معنی طلب کرنے والی جماعت کے ہیں۔ یعنی عمار اس گروہ سے قتل ہوں گے جو خون عثمان کے قصاص کا طالب ہوگا۔ حالانکہ اس حدیث کا دوسرا ٹکڑا یہ ہے۔ یدعوھم الی الجنة ویدعونہم الی

النار (عمار ان کو بہشت کی دعوت دیں گے اور وہ انہیں جہنم کی طرف بلائیں گے) اس تاویل کی کوئی گنجائش پیدا نہیں کرتا۔ جب ایسے اوچھے ہتھیاروں سے بھی فتح و کامرانی کے آثار نظر نہ آئے تو قرآن کو نیزوں پر بلند کرنے کا پرفریب حربہ استعمال کیا حالانکہ اس کی نظروں میں نہ قرآن کا کوئی وزن اور نہ اس کے فیصلہ کی کوئی اہمیت تھی۔ اگر اسے قرآن کا فیصلہ ہی مطلوب ہوتا تو یہ مطالبہ جنگ کے چھڑنے سے پہلے کرتا اور پھر جب اس پر حقیقت کھل گئی کہ عمرو ابن العاص نے ابوموسیٰ کو فریب دے کر اس کے حق میں فیصلہ کیا ہے اور اس کے فیصلہ کو قرآن سے دور کا بھی لگاؤ نہیں ہے تو وہ اس پرفریب تحکیم کے فیصلہ پر رضامند نہ ہوتا اور عمرو ابن العاص کو اس فریب کاری کی سزا دیتا یا کم از کم تنبیہ و سرزنش کرتا۔ مگر یہاں تو اس کے کارناموں پر اس کی تحسین و آفرین کی جاتی ہے اور اس کارگردگی کے صلہ میں اسے مصر کا گورنر بنا دیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس امیر المومنین کی سیرت و شریعت و اخلاق کے اعلیٰ معیار کا نمونہ تھی وہ ناموافق حالات میں بھی حق و صداقت کے مقتضیات کو نظر میں رکھتے تھے اور اپنی پاکیزہ زندگی کو حیلہ ومکر کی آلودگیوں سے آلودہ نہ ہونے دیتے تھے وہ چاہتے تو حیلوں کا توڑ حیلوں سے کر سکتے تھے اور اس کی رکاکت آمیز حرکتوں کا جواب ایسی ہی حرکتوں سے دیا جا سکتا تھا جیسے اس نے فرات پر پہرا بٹھا کر پانی روک دیا تھا۔ تو اس کو اس امر کے جواز میں پیش کیا جا سکتا تھا کہ جب عراقیوں نے فرات پر قبضہ کر لیا تو ان پر بھی پانی بند کر دیا جاتا اور اس کے ذریعہ سے

ان کی قوت حرب وضرب کو مضمحل کر کے انہیں مغلوب بنا لیا جاتا۔ مگر امیر المومنین ایسے ننگ انسانیت اقدام سے کہ جس کی کوئی آئین و اخلاق اجازت نہیں دیتا کبھی اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دیتے تھے اگرچہ دنیا والے ایسے حربوں کو دشمن کے مقابلہ میں جائز سمجھتے ہیں اور اپنی کامرانی کے لیے ظاہر و باطن کی دورنگی کی سیاست و حسن تدبیر سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر امیر المومنین کسی موقعہ پر فریب کاری و دورنگی سے اپنے اقتدار کے استحکام کا تصوّر بھی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ جب لوگوں نے آپ کو یہ مشورہ دے کر عثمانی دور کے عمال کو ان عہدوں پر برقرار رہنے دیا جائے اور طلحہ وزبیر کو کوفہ و بصرہ کی امارت دے کر ہمنوا بنا لیا جائے اور معاویہ کو شام کا اقتدار سونپ کر اس کے دنیاوی تدبر سے فائدہ اٹھایا جائے تو آپ نے دنیاوی مصلحتوں پر شرعی تقاضوں کو ترجیح دیتے ہوئے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور معاویہ کے متعلق صاف صاف لفظوں میں فرمایا۔ اگر میں اسے اس کے مقبوضہ علاقہ پر برقرار رہنے دوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں گمراہ کرنے والوں کو اپنا قوت بازو بنا رہا ہوں۔

ظاہر ہے لوگ صرف ظاہری کامیابی کو دیکھتے ہیں اور یہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ یہ کامیابی کن ذرائع سے حاصل ہوئی ہے۔ وہ شاطرانہ چالوں سے اور عیارانہ گھاتوں سے جسے کامیاب و کامران ہوتے دیکھتے ہیں اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور اسے مدبر و بافہم اور سیاست دان و بیدار مغز اور خدا جانے کیا کیا سمجھنے لگتے ہیں اور جو الٰہی تعلیمات اور اسلامی ہدایات کی پابندی کی وجہ سے چالوں اور ہتھکنڈوں کو کام میں نہ لائے اور غلط طریق

کار سے حاصل ہوئی کامیابی پر محرومی کو ترجیح دے وہ ان کی نظروں میں سیاست سے نا آشنا اور سوجھ بوجھ کے لحاظ سے کمزور سمجھا جاتا ہے۔انہیں اس پر غور کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی کہ وہ یہ سوچیں کہ ایک پابند اصول وشرع کی راہ میں کتنی مشکلیں اور رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں کہ جو منزل کامرانی کے قریب پہنچنے کے باوجود اسے قدم آگے بڑھانے سے روک دیتی ہیں۔

خطبہ 199:

راہِ ھدایت پر چلنے والوں کی کمی اور قومِ ثمود کے متعلق فرمایا

اے لوگو! ہدایت کی راہ میں ہدایت پانے والوں کی کمی سے گھبرا نہ جاؤ کیونکہ لوگ تو اسی دنیا کے خوان نعمت پر ٹوٹے پڑتے ہیں جس سے شکم پری کی مدت کم اور گرسنگی کا عرصہ دراز ہے۔ اے لوگو! (افعال واعمال چاہے مختلف ہوں مگر رضا وناراضگی کے جذبات تمام لوگوں کو ایک حکم میں لے آتے ہیں آخر قوم 1 ثمود کی اونٹنی کو ایک ہی شخص نے پے کیا تھا۔لیکن اللہ نے عذاب سب پر نازل کیا کیونکہ وہ سارے کے سارے اس پر رضا مند تھے۔چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے۔کہ انہوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے اور صبح کے وقت (جب عذاب کے آثار دیکھے تو اپنے کئے پر) نادم و پریشان ہوئے (عذاب کی آمد یوں تھی) کہ زمین کے دھنسنے (اور زلزلوں کے جھٹکوں سے) ایسی گھڑ گھڑاہٹ ہونے لگی جیسے نرم زمین میں ہل کی تپی ہوئی پھالی کے چلانے سے آواز آتی ہے۔اے لوگو! جو روشن وواضح راہ پر چلتا ہے وہ سر

چشمہ (ہدایت) پر پہنچ جاتا ہے اور جو بے راہ روی کرتا ہے وہ صحرائے بے آب و گیاہ میں گر پڑتا ہے۔

ا۔ثمود ابن عامر ابن سام کی اولاد قوم ثمود کہلاتی ہے ان کا موطن و مستقر حجاز و شام کے راستے میں مقام وادی القری تھا جو متفرق بستیوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس نام سے موسوم تھا۔خداوند عالم نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ان میں حضرت صالح کو مبعوث فرمایا جو 16 برس کی عمر سے 120 برس کی عمر تک انہیں ہدایت و تبلیغ کرتے رہے مگر وہ بتوں کی پرستش اور اپنی گمراہی وضلالت سے باز نہیں آئے۔آخر اللہ نے ایک اونٹنی کو ان کے سامنے اپنی آیت ونشانی کے طور پر پیش کیا جس کے متعلق حضرت صالح نے ان سے کہا کہ ایک دن چشمہ کا پانی یہ پیئے گی اور ایک دن تم اور تمہارے مویشی پیئیں گے اور یہ جہاں چاہے چرتی پھرے تم اس سے کوئی تعرض نہ کرنا اور اگر تم نے اسے کوئی صدمہ پہنچایا تو تم پر عذاب الہی نازل ہوگا۔چنانچہ کچھ عرصہ تک ایسا ہی ہوتا رہا کہ ایک دن وہ اپنی ضروریات کے لیے پانی لے لیتے اور دوسرے دن اس اونٹنی کے پینے کے لیے چھوڑ دیتے۔مگر ان لوگوں نے اس پر اکتفا نہ کیا اور آپس میں مشورہ کر کے اس اونٹنی کو ہلاک کرنے کا تہیا کر لیا چنانچہ قدار ابن سالف نے اس کی کونچیں کاٹ کر اسے ہلاک کر دیا۔حضرت صالح نے جب یہ دیکھا تو ان سے فرمایا کہ تم نے اللہ کی نافرمانی کی ہے اگر تم تین دن کے اندر اندر توبہ نہ کرلو گے تو تم پر عذاب نازل ہوگا۔مگر ان لوگوں نے نہ مانا اور ان کی بات کا تمسخر اڑا دیا۔آخر تین دن

گزرنے کے بعد ایسا آتش فشاں زلزلہ آیا جس نے ان کا نام ونشان تک صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

خطبہ 200:

جنابِ سیدہ (ع) کے دفن کے موقع پر فرمایا

سیّدۃ النساء حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے دفن کے موقع پر فرمایا: یارسول اللہ آپ کو میری جانب سے اور آپ کے پڑوس میں اترنے والی اور آپ سے جلد ملحق ہونے والی آپ کی بیٹی کی طرف سے سلام ہو۔ یارسول اللہ آپ کی برگزیدہ (بیٹی کی رحلت) سے میرا صبر وشکیب جاتا رہا میری ہمت وتوانائی نے ساتھ چھوڑ دیا۔لیکن آپ کی مفارقت کے حادثہ عظمیٰ اور آپ کی رحلت کے صدمہ جانکاہ پر صبر کر لینے کے بعد مجھے اس مصیبت سے بھی صبر وشکیبائی ہی سے کام لینا ہوگا۔ جب کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے آپ کو قبر کی لحد میں اتارااور اس عالم میں آپ کی روح نے پرواز کی جب آپ کا سر میری گردن اور سینے کے درمیان رکھا تھا۔ اب یہ امانت پلٹائی گئی گروی رکھی ہوئی چیز چھڑا لی گئی لیکن میرا غم بے پایاں اور میری راتیں بےخواب رہیں گی۔ یہاں تک کہ خداوند عالم میرے لیے بھی اس گھر کو منتخب کرے جس میں آپ رونق افروز ہیں۔ وہ وقت آ گیا کہ آپ کی بیٹی آپ کو بتائے کہ کس 1 طرح آپ کی امت نے ان پر ظلم ڈھانے کے لیے ایکا کرلیا۔ آپ ان سے پورے طور پر پوچھیں اور تمام احوال و واردات دریافت کریں۔ یہ ساری مصیبتیں ان پر بیت گئیں۔ حالانکہ آپ کو گزرے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور نہ آپ کے تذکروں سے زبانیں بند ہوئی

تھیں۔آپ دونوں پر میرا اسلام جو کسی ملول و دل تنگ کی طرف ہوتا ہے۔اب اگر میں (اس جگہ سے) پلٹ جاؤں تو اس لیے نہیں کہ آپ سے میرا دل بھر گیا ہے اور اگر ٹھہرا رہوں تو اس لیے نہیں کہ میں اس وعدہ سے بدظن ہوں جو اللہ نے صبر کرنے والوں سے کیا ہے۔

خطبہ 201:

زادِ آخرت مہیا کرنے کے متعلق فرمایا

اے لوگو! یہ دنیا گزرگاہ ہے اور آخرت جائے قرار ہے۔اس راہ گذر سے اپنی منزل کے لیے توشہ اٹھا لو جس کے سامنے تمہارا کوئی بھید چھپا نہیں رہ سکتا۔اپنے پردے چاک نہ کرو۔قبل اس کے تمہارے جسم دنیا سے الگ کر دیئے جائیں اپنے دل اس سے ہٹا لو۔اس دنیا میں تمہیں جانچا جا رہا ہے لیکن تمہیں پیدا دوسری جگہ کے لیے کیا گیا ہے جب انسان مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کیا چھوڑ گیا ہے؟ اور فرشتے کہتے ہیں کہ اس نے آگے کے لیے کیا سرو سامان کیا ہے؟ خدا تمہارا بھلا کرے کچھ آگے کے لیے بھی بھیجو کہ وہ تمہارے لیے ایک طرح سے (اللہ کے ذمہ) قرضہ ہوگا۔سب کا سب پیچھے نہ چھوڑ جاؤ کہ وہ تمہارے لیے بوجھ ہوگا۔

خطبہ 202:

اپنے اصحاب کو عقبیٰ کے خطرات سے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا

اکثر اپنے اصحاب سے پکار کر فرمایا کرتے تھے خدا تم پر رحم کرے کچھ سفر کا ساز و سامان کر لو۔کوچ کی صدائیں تمہارے گوش گذار ہو چکی ہیں۔دنیا کے وقفہء قیام کو زیادہ تصور نہ

کرو، اور جو تمہارے دسترس میں بہترین زاد ہے، اسے لے کر (اللہ کی طرف پلٹو) کیونکہ تمہارے سامنے ایک دشوار گزار گھاٹی ہے اور پر ہول وخوفناک مراحل ہیں کہ جہاں اترے اور ٹھہرے بغیر تمہیں کوئی چارہ نہیں تمہیں جاننا چاہیے کہ موت کی ترچھی نظریں تم سے قریب پہنچ چکی ہیں اور گویا تم اس کے پنجوں میں ہو جو تم میں گڑ دیئے گئے ہیں اور موت کے شدائد و مشکلات تم پر چھا گئے ہیں۔ دنیا سے سارے علائق قطع کر لو اور زاد و تقوی سے اپنے کو تقویت پہنچاؤ۔

(سید رضی کہتے ہیں کہ اس خطبہ کا کچھ حصہ پہلے بھی گزر چکا ہے لیکن اس روایت کے الفاظ پہلی روایت سے کچھ مختلف ہیں۔)

خطبہ 203:

جب طلحہ و زبیر نے یہ کہا کہ ہم سے مشورہ کیوں نہیں لیا جاتا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا

حضرت کے ہاتھ پر بعیت کرنے کے بعد طلحہ اور زبیر نے آپ سے شکایت کی کہ ان سے کیوں (امور حکومت میں) مشورہ نہیں لیا جاتا اور کیوں ان سے امداد کی خواہش نہیں کی جاتی تو حضرت نے فرمایا۔

ذرا سی بات پر تو تمہارے تیور بگڑ گئے ہیں اور بہت سی چیزوں کو تم نے پس پشت ڈال دیا

ہے۔کیا مجھے بتا سکتے ہو کہ کسی چیز میں تمہارا حق تھا اور میں نے اسے دبا لیا ہو یا تمہارے حصہ میں کوئی چیز آتی ہو اور میں نے اس سے دریغ کیا ہو یا کسی مسلمان نے میرے سامنے کوئی دعویٰ پیش کیا ہو اور میں اس کا فیصلہ کرنے سے عاجز یا اس کے حکم سے جاہل رہا ہوں یا صحیح طریق کار سے خطا کی ہو۔خدا کی قسم! مجھے تو کبھی بھی اپنے لئے خلافت اور حکومت کی حاجت وتمنا نہیں رہی۔تم ہی لوگوں نے مجھے اس کی طرف دعوت دی اور اس پر آمادہ کیا۔چنانچہ جب وہ مجھ تک پہنچ گئی تو میں نے اللہ کی کتاب کو نظر میں رکھا اور جو لائحہ عمل اس نے ہمارے سامنے پیش کیا اور جس طرح فیصلہ کرنے کا اس نے حکم دیا۔میں اسی کے مطابق چلا اور جو سنت پیغمبر قرار پا گئی اس کی پیروی کی اس میں نہ تم سے کبھی مجھے رائے لینے کی احتیاج ہوئی اور نہ تمہارے علاوہ کسی اور سے لیکن تم نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ میں نے (بیت المال سے) برابر کی تقسیم جاری کی ہے تو یہ میری رائے کا حکم اور میری خواہش نفسانی کا فیصلہ نہیں بلکہ یہ وہی طے شدہ چیز ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے جو میرے بھی سامنے ہے اور تمہارے بھی پیش نظر ہے،تو جس چیز کی اللہ نے حد بندی کر دی ہے اور اس کا قطعی حکم دے۔اس میں تم سے رائے لینے کی مجھے احتیاج نہیں خدا کی قسم تمہیں اور تمہارے علاوہ کسی کو بھی اس معاملہ میں شکایت کرنے کا حق نہیں۔خدا ہمارے اور تمہارے دلوں کو حق پر ٹھہرائے اور ہمیں اور تمہیں صبر عطا کرے۔

(پھر آپ نے ارشاد فرمایا) خدا اس شخص پر رحم کرے جو حق کو دیکھے تو اس کی مدد، باطل کو دیکھے تو اسے ٹھکرا دے اور صاحب حق کا حق کے ساتھ معین ہو۔

خطبہ 204:

جب میدانِ صفین میں اپ علیہ السلام نے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ شامیوں پر سب و شتم کر رہے ہیں تو فرمایا

آپ نے جنگ صفین کے موقع پر اپنے ساتھیوں میں سے چند آدمیوں کو سنا کہ وہ شامیوں پر سب وشتم کررہے ہیں تو آپ نے فرمایا:۔

میں تمہارے لئے اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ تم گالیاں دینے لگو۔ اگر تم ان کے کرتوت کھولو اوران کے صحیح حالات پیش کرو، تو یہ ایک ٹھکانے کی بات اور عذر تمام کرنے کا صحیح طریق کار ہوگا۔ تم گالم گلوچ کے بجائے یہ کہو کہ خدایا ہمارا بھی خون محفوظ رکھ اوران کا بھی، اور ہمارے اوران کے درمیان اصلاح کی صورت پیدا کر اور انہیں گمراہی سے ہدایت کی طرف لاتا کہ حق سے بے خبر حق کو پہچان لیں اور گمراہی وسرکشی کے شیدائی اس سے اپنا رخ موڑ لیں۔

خطبہ 205:

جب امام حسن علیہ السلام صفین کے میدان میں تیزی سے بڑھے تو فرمایا

صفین کے موقع پر جب آپ نے اپنے فرزند حسن (علیہ السلام) کو جنگ کی طرف تیزی سے لپکتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:۔ میری طرف سے اس جوان کو روک لو کہیں (اس کی موت مجھے خستہ و بے حال نہ کر دے۔ کیونکہ میں ان دونوں نوجوانوں (حسن اور حسین علیہم السلام) کو موت کے منہ میں دینے سے بخل کرتا ہوں کہ کہیں ان کے (مرنے سے) رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل قطع نہ ہو جائے۔ سید رضی کہتے ہیں کہ حضرت کا ارشاد (املکو اعنی ہذا الغلام) میری طرف سے اس جوان کو روک لو۔ بہت بلند اور فصیح جملہ ہے

خطبہ 206:

جب صفین میں آپ علیہ السلام کا لشکر تحکیم کے سلسلہ میں سرکشی پر اُتر آیا تو فرمایا

جب تحکیم 1 کے سلسلہ میں آپ کے اصحاب آپ پر پیچ و تاب کھانے لگے تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔ اے لوگو! جب تک جنگ نے تمہیں بے حال نہیں کر دیا میرے حسب منشا میری بات تم سے بنی رہی۔ خدا کی قسم! اس نے تم میں سے کچھ کو تو اپنی گرفت میں لے لیا اور کچھ کو چھوڑ دیا۔ اور تمہارے دشمنوں کو تو اس نے بالکل ہی نڈھال کر دیا۔ اگر تم جمے رہتے تو پھر جیت تمہاری تھی۔ مگر اس کا کیا علاج کہ میں کل تک امر و نہی کا مالک تھا اور آج دوسروں کے امر و نہی پر مجھے چلنا پڑ رہا ہے۔ تم (دنیا کی) زندگانی چاہنے لگے اور یہ چیز میرے بس میں نہ رہی کہ جس چیز (جنگ) سے تم بیزار ہو چکے تھے اس پر تمہیں برقرار رکھتا:۔

1. جب شامیوں کی بچی بچائی اور نیچی کھچی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر آمادہ ہو گئی تو معاویہ نے قرآن کو آلہ کار بنا کر جنگ کا نقشہ ہی بدل دیا اور عراقیوں میں ایسی پھوٹ ڈلوا دی کہ امیرالمومنین کے سمجھانے بجھانے کے باوجود وہ ایک قدم بھی اٹھانے پر آمادہ نہ ہوئے اور جنگ کے رکوانے پر بضد ہو گئے جس سے حضرت کو بھی مجبوراً تحکیم پر

رضا مند ہونا پڑا۔ ان لوگوں میں کچھ تو ایسے تھے جو واقعاً دھوکے میں آ گئے تھے اور یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ حقیقتہً قرآن کی طرف دعوت دی جا رہی ہے اور کچھ لوگ وہ تھے جو جنگ کی اس طولانی مدت سے اکتا چکے تھے اور اب جی چھوڑ بیٹھے تھے۔ چنانچہ انہیں جنگ کے رکوانے کا حیلہ مل گیا، تو انہوں نے التوائے جنگ کا شور مچا دیا اور کچھ لوگ وہ تھے۔ جو حضرت کے اقتدار سے متاثر ہو کر ساتھ ہو گئے تھے۔ مگر دل سے ان کے ہمنوا نہ تھے۔ اور نہ یہ چاہتے تھے کہ آپ کو فتح و کامرانی حاصل ہو اور کچھ لوگ وہ تھے جن کے توقعات معاویہ سے وابستہ تھے اور اس کارکردگی کے صلہ میں اس سے امیدیں باندھنے لگے تھے اور کچھ پہلے ہی اس سے ساز باز کئے ہوئے تھے۔ ان حالات میں اور ایسی فوج کے ساتھ دشمن سے اس حد تک ٹکرا جانا بھی امیر المومنین کی حسن سیاست اور فوجی نظم و نسق کی صلاحیت کا نتیجہ تھا اور اگر معاویہ یہ چال نہ چلتا تو کامیابی میں کوئی شبہ ہی نہ تھا۔ کیونکہ فوج شام کی قوت حرب و ضرب ختم ہو چکی تھی اور شکست اس کے سر پر منڈلا رہی تھی، چنانچہ ابن ابی الحدید تحریر کرتے ہیں کہ خلص الاشتر الی معاویہ فاخذہ بعنقہ ولم یکن بقی من قوۃ الشام الا کحرکتہ ذنب الوزعۃ عند قتلھا یضرب یمیناً وشمالاً (شرح ابن ابی الحدید ج3 ص10) مالک اشتر معاویہ تک پہنچ چکے تھے اور اسے گردن سے پکڑ لیا تھا اور شامیوں کا سارا دم خم جا تا رہا تھا۔ بس ان میں ایسی ہی حرکت باقی رہ گئی تھی جیسے چھپکلی کو مار دیا جائے تو اس کی دم دائیں بائیں اچھلتی رہتی ہے۔

خطبہ 207:

جب علاء ابن زیاد حارثی کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو اس کے گھر کی وسعت کو دیکھ کر اُسے دارِ آخرت کی طرف متوجہ کیا اور اُس کے بھائی کو رھبانیت کی زندگی سے منع فرمایا

بصرہ میں اپنے ایک صحابی علاء ابن زیاد حارثی کے ہاں عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو اس گھر کی وسعت کو دیکھ کر فرمایا:۔تم دنیا میں اس گھر کی وسعت کو کیا کرو گے؟ درآنحالیکہ آخرت میں تم گھر کہ وسعت کے زیادہ محتاج ہو (کہ جہاں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے) ہاں! اگر اس کے ساتھ تم آخرت میں بھی وسیع گھر چاہتے ہو تو اس میں مہمانوں کی مہمان نوازی قریبوں سے اچھا برتاؤ اور موقع و محل کے مطابق حقوق کی ادائیگی کرو اگر ایسا کیا تو اس کے ذریعے آخرت کی کامرانیوں کو پالو گے۔علاء ابن زیاد نے کہا کہ یا امیر المومنین مجھے اپنے بھائی عاصم ابن زیاد کی آپ سے شکایت کرنا ہے۔حضرت سے پوچھا کیوں اسے کیا ہوا؟ علاء1 نے کہا کہ اس نے بالوں کی چادر اوڑھ لی ہے اور دنیا سے بالکل بے لگاؤ ہو گیا ہے تو حضرت نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ: اے اپنی جان کے دشمن تمہیں شیطان خبیث نے بھٹکا دیا ہے تمہیں اپنی آل اولاد پر ترس نہیں آتا؟ اور کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ نے جن پاکیزہ چیزوں کو تمہارے لیے حلال کیا ہے اگر تم انہیں کھاؤ برتو گے تو اسے ناگوار گزرے گا۔تم اللہ کی نظروں میں اس سے کہیں زیادہ گرے ہوئے ہو کہ وہ تمہارے لیے یہ چاہے۔اس نے کہا کہ یا امیر المومنین آپ کا پہناوا بھی تو موٹا جھوٹا

اور کھانا روکھا سوکھا ہوتا ہے تو حضرت نے فرمایا کہ تم پر حیف ہے میں تمہارے مانند نہیں ہوں۔ خدا نے آئمہ حق پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے کو مفلس و نادر لوگوں کی سطح پر رکھیں تا کہ مفلوک الحال اپنے فقر کی وجہ سے پیچ وتاب نہ کھائے:۔

1۔ رہبانیت و ترک علائق کو زمانہ قدیم سے طہارت نفس و درستگی اعمال کا ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ جو لوگ زہد و استغراق میں زندگی بسر کرنا چاہتے تھے وہ شہروں اور بستیوں سے نکل کھڑے ہوتے اور جنگلوں اور پہاڑوں کی غاروں میں سکونت اختیار کر کے بخیال خود اللہ سے لو لگائے پڑے رہتے۔ اگر کسی راہ گیر یا آس پاس کی بستی والے نے کچھ کھانے کو دے دیا تو کھا لیا ورنہ جنگلی درختوں کے پھلوں اور چشموں کے پانی پر قناعت کر لیتے اور اس طرح زندگی کے لمحات گزار دیتے اس طریقہ عبادت کی ابتدا یوں ہوئی کہ کچھ لوگ حکمرانوں کے ظلم وتشدد سے تنگ آ کر اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور ان کی گرفت سے بچنے کے لئے کسی سنسان جنگل یا کسی پہاڑ کی کھو میں جا چھپے اور وہاں اللہ کی عبادت و پرستش میں منہمک ہو گئے بعد میں اس قہری زہد و انزدا نے اختیاری صورت حاصل کر لی اور لوگ با اختیار خود کھاؤں اور غاروں میں گوشہ نشین ہونے لگے اور یہ طریقہ رائج ہو گیا کہ جو روحانی ترقی کا خواہشمند ہوتا وہ تمام دینوی بندھنوں کو توڑ کر کسی گوشے میں معتکف ہو جاتا، چنانچہ صدیوں تک اس پر عمل درآمد ہوتا رہا اور اب تک اس طریقہ عبادت کے آثار بدھسٹوں اور عیسائیوں میں پائے جاتے ہیں لیکن اسلام کا عتدال پسندانہ مزاج اس خانقاہی زندگی سے

سازگار نہیں ہے وہ روحانی ترقی کے لئے دنیا کی نعمتوں اور سعادتوں سے ہاتھ اٹھا لینے کی تعلیم نہیں دیتا اور نہ اس چیز کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے کہ مسلمان گھر بار چھوڑ کر اور ابنائے جنس سے علیحدہ ہو کر کسی گوشے میں چھپ کر بیٹھ جائے اور صرف رسمی عبادت میں لگا رہے اسلام میں عبادت کا مفہوم صرف چند مخصوص اعمال تک محدود نہیں ہے کہ جائز ذریعہ معاش حقوق وفرائض کو نظر انداز کر دے کہ نہ اہل وعیال کی ذمہ داریوں کو محسوس کرے۔ نہ کسب معاش کے لئے سعی وکوشش کو برسر کار رکھے اور دوسروں پر سہارا کر کے ہر وقت مراقبہ میں پڑا رہے تو وہ مقصد حیات کو پورا کرنے کے بجائے اپنی زندگی کو تباہ کر رہا ہے اگر اللہ کو یہی چیز مطلوب ہوتی تو پھر دنیا کو بسانے اور آباد کرنے کی ضروت ہی کیا تھی جب کہ پہلے ہی سے ایک ایسی مخلوق موجود تھی جو ہمہ وقت اس کی عبادت و پرستش میں مشغول رہتی تھی۔ انسان کو تو قدرت نے اس دوراہے پر کھڑا کیا ہے کہ جس میں حد وسط ہی ہدایت کا مرکز ہے کہ اگر ذرا اس نقطہ اعتدال سے ادھر ادھر ہوا تو اس کے لیے گمراہی ہی گمراہی ہے اور وہ حد وسط یہ ہے کہ انسان نہ دنیا کی طرف اتنا جھکے کہ آخرت کو نظر انداز کر کے صرف دنیا ہی کا ہو کر کے صرف دنیا ہی کا ہو کر رہ جائے اور نہ دنیا سے اتنا کنارہ کش ہو جائے کہ کسی چیز سے کوئی لگاؤ نہ رکھے اور ہر چیز سے دستبردار ہو کر کسی گوشہ میں معتکف ہو جائے۔ جب اللہ نے انسان کو دنیا میں پیدا کیا ہے تو اسے اس دنیا میں رہتے ہوئے دستور حیات پر عمل پیرا ہونا چاہیے اور حد اعتدال میں رہتے ہوئے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں اور آسائشوں سے بہرہ اندوز ہونا چاہیے۔ ایسا نہیں کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو کھانا برتنا خدا برستی کے خلاف ہو۔ بلکہ

قدرت نے ان نعمتوں کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ ان سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ جو خاصان خدا تھے وہ دنیا میں مل جل کر رہتے تھے اور دنیا داروں کی طرح کھاتے پیتے تھے انہیں ویرانوں پہاڑوں کی غاروں کو اپنا مسکن بنانے اور دنیا والوں سے منہ موڑ کر کسی دور دراز جگہ پر منزل کرنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ بلکہ دنیا کے جھمیلوں میں پڑ کر اللہ کو یاد رکھتے تھے اور زندگی کی آسائشوں اور راحتوں کے باوجود موت کو نہ بھولتے تھے۔ رہبانیت کی زندگی عموماً ایسے مفاسد کا باعث ہوتی ہے۔ کہ جو دنیا کے ساتھ عقبیٰ کو بھی تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور انسان صحیح معنے میں خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو کر رہ جاتا ہے چنانچہ جب فطری خواہشات کو حلال و مشروع طریقے سے پورا نہیں کیا جاتا تو انسان کا ذہن خیالات فاسدہ کا مرکز بن جاتا ہے اور اطمینان و یکسوئی سے عبادت کو سرانجام دینے سے قاصر رہتا ہے اور کبھی ہوائے نفس اس طرح اس پر غلبہ پا لیتی ہے کہ وہ تمام اخلاقی بندھنوں کو توڑ کر نفسیانی خواہشوں کو پورا کرنے کے درپے ہو جاتا ہے اور پھر ہلاکت کے ایسے گڑھے میں جا پڑتا ہے کہ جس سے نکلنا ناممکن ہو جاتا ہے اسی لیے شریعت نے متاہل کی عبادت کو غیر متاہل کی عبادت پر فضلت دی ہے۔ کیونکہ وہ عبادت و اعمال میں ذہنی سکون و یکسوئی بہم پہنچا سکتا ہے۔ وہ افراد جو جامہ تصوف پہن کر ذہد و بے تعلقی دنیا اور روحانی عظمت کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں وہ اسلام کی عملی راہ سے الگ اور اس کی حکیمانہ تعلیم سے ناآشناہ ہیں اور صرف شیطان کے بہکانے نے خود ساختہ سہاروں پر بھروسہ کر کے ضلالت کے راستے پر گامزن ہیں۔ چنانچہ ان کی گمراہی اس حد تک بڑھ جاتی ہے۔ کہ وہ اپنے پیشواؤں کو اس سطح پر سمجھنے

لگتے ہیں کہ گویا ان کی آواز خدا کی آواز اور ان کا عمل خدا کا عمل ہے اور کبھی شرعی حدود و قیود سے اپنے کو آزاد سمجھتے ہوئے ہر امر قبیح کو اپنے لئے جائز قرار دے لیتے ہیں۔ اس الحاد و بے دینی کو تصوف کے نام سے پیش کیا جاتا ہے اور اسی کے غیر شرعی اصولوں کو طریقت کے نام سے پکارا جاتا ہے اور یہ مسلک اختیار کرنے والے صوفی کہے جاتے ہیں سب سے پہلے ابو ہاشم کوفی وشامی نے یہ لقب اختیار کیا کہ جو اموی النسب اور جبری العقیدہ تھا۔ اسے اس لقب سے پکارے جانے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے زہدو تقویٰ کی نمائش کے لئے صوف کا لباس پہن رکھا تھا۔ بعد میں اس لقب نے عمومیت حاصل کر لی۔ اور اس کی وجہ تسمیہ میں مختلف توجیہات گڑھ لی گئیں۔ چنانچہ ایک توجیہ یہ ہے کہ صوف کے تین حرف ہیں ص، و، ف، صاد سے مراد صبر، صدق اور صفا ہے اور او رو سے مراد ودو اور وفا ہے۔ اور فا سے مراد فرد، فقرا اور فنا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صفہ سے ماخوذ ہے اور صفہ مسجد نبوی کے قریب ایک چبوترا تھا جس پر کھجور کی شاخوں کی چھت پڑی ہوئی تھی جس میں رہنے والے اصحاب صفہ کہلاتے تھے اور غربت و بیچارگی کی وجہ سے وہیں پڑے رہتے تھے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ عرب کے ایک قبیلہ کے جداعلیٰ کا نام صوفہ تھا۔ اور یہ قبیلہ خانہ کعبہ اور حجاج کی خدمت کے فرائض سر انجام دیتا تھا اور اسی قبیلہ کی نسبت سے یہ لوگ صوفی کہے جاتے تھے۔ یہ گروہ متعدد فرقوں میں بٹا ہوا ہے لیکن بنیادی فرقے صرف سات ہیں۔

وحدتیہ:۔ یہ فرقہ وحدۃ الوجود کا قائل ہے۔ چنانچہ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز خدا ہے

یہاں تک کہ ہر نجس و ناپاک چیز کو بھی یہ اسی منزل الوہیت پر ٹھہراتے ہیں اور اللہ کو دریا سے اور مخلوقات کو اس میں اٹھنے والی لہروں سے تشبیہ دیتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ دریا کی لہریں دریا کے علاوہ کوئی جداگانہ وجود نہیں رکھتیں بلکہ ان کا وجود بعینہ دریا کا وجود ہے جو کبھی ابھرتی ہیں اور کبھی دریا کے اندر سمٹ جاتی ہیں۔لہذا کسی چیز کو اس کی ہستی سے الگ نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

اتحادیہ:۔اس فرقہ کا خیال یہ ہے کہ وہ اللہ سے، اور اللہ اس سے متحد ہو چکا ہے یہ اللہ کو آگ سے اور اپنے کو اس لوہے سے تشبیہ دیتے ہیں کہ جو آگ میں پڑا رہنے کی وجہ سے اس کی صورت و خاصیت پیدا کر چکا ہو۔

حلولیہ:۔اس کا عقیدہ یہ ہے۔کہ خداوند عالم عارفوں اور کاملوں کے اندر حلول کر جاتا ہے اور ان کا جسم اس کی فرودگاہ ہوتا ہے۔اس لیے بظاہر بشر اور باطن خدا ہوتے ہیں۔

واصلیہ :۔یہ فرقیہ اپنے کو واصل باللہ سمجھتا ہے اور اس کا نظریہ ہے کہ احکام شرع تکمیل نفس و تہذیب اخلاق کا ذریعہ ہیں اور جب نفس حق سے متصل ہو جاتا ہے تو پھر اسے تکمیل و تہذیب کی احتیاج نہیں رہتی۔لہذا واصلین کے لیے عبادت و اعمال بیکار ہو جاتی ہے)لہذا وہ جو چاہیں کریں۔ان پر حرف گیری نہیں کی جاسکتی۔

زراقیہ:۔یہ فرقہ نغمہ و سرود کی دھنوں اور حال و قال کی سرمستیوں کو سرمایہ عبادت سمجھتا ہے اور درویشی و دریوزہ گری سے دنیا کماتا ہے اور اپنے پیشواؤں کی من گڑھت کرامتیں سنا کر عوام

کو مرعوب کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔

عشاقیہ:۔اس فرقہ کا نظریہ یہ ہے کہ المجازۃ قنطرۃ الحقیقت عشق مجازی عشق حقیقی کا ذریعہ ہوتا ہے لہٰذا عشق الٰہی کی منزل تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ کسی مہوش سے عشق کیا جائے لیکن جس عشق کو یہ عشق الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ صرف اختلال دماغی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے عاشق قبل وروح کی پوری توجہ کے ساتھ ایک فرد کی طرف مائل ہوجاتا ہے۔اور اس تک رسائی ہی اس کی منزل آخر ہوتی ہے۔ یہ عشق فسق و فجور کی راہ پر تو لگا سکتا ہے۔مگر عشق حقیقی کی منزل سے اسے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔عشق مجاز چوں بہ حقیقت نظر کنی دیواست و دیورانہ بود پائے رہبری

تلقیہ:۔اس فرقے کے نزدیک علوم دینیہ کا پڑھنا اور کتب علمیہ کا مطالعہ کرنا قطعاً حرام ہے بلکہ جو مرتبہ عملی ستر برس تک پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتا وہ ایک ساعت میں مرشد کے تصرف روحانی سے حاصل ہوجاتا ہے۔علمائے شیعہ کے نزدیک یہ تمام فرقے گمراہ اور اسلام سے خارج ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آئمہ اطہار کے بکثرت ارشادات موجود ہیں اور اس خطبہ میں بھی امیرالمومنین نے عاصم بن زیاد کے قطع علائق دنیا کو شیطانی وسوسہ کا نتیجہ قرار دیا ہے اور اسے اس راہ پر چلنے سے بشت منع کیا ہے۔

خطبہ 208:

اختلاف احادیث کے وجوہ و اسباب اور رواۃِ حدیث کے اقسام

ایک شخص 1 نے آپ سے من گھڑت اور متعارض حدیثوں کے متعلق دریافت کیا جو (عام طور سے) لوگوں کے ہاتھوں میں پائی جاتی ہیں تو آپ 2 نے فرمایا کہ:۔لوگوں کے ہاتھوں میں حق اور باطل، سچ اور جھوٹ، ناسخ اور منسوخ، عام اور خاص، واضح اور مبہم، صحیح اور غلط سبھی کچھ ہے، خود رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور میں آپ پر بہتان لگائے گئے یہاں تک کہ آپ کو کھڑے ہو کر خطبہ میں کہنا پڑا کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر بہتان باندھے گا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے تمہارے پاس چار طرح کے لوگ حدیث لانے والے ہیں کہ جن کا پانچواں نہیں، ایک تو وہ جس کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ وہ ایمان کی نمائش کرتا ہے اور مسلمانوں کی سی وضع قطعہ بنا لیتا ہے۔نہ گناہ کرنے سے گھبراتا ہے اور نہ کسی افتاد میں پڑنے سے جھجکتا ہے۔وہ جان بوجھ کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہٗ وسلم پر جھوٹ باندھتا ہے اگر لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ یہ منافق اور جھوٹا ہے، تو اس سے نہ کوئی حدیث قبول کرتے اور نہ اس کی بات کی تصدیق کرتے لیکن وہ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابی ہے اس نے آنحضرت کو دیکھا بھی ہے اور ان سے حدیثیں بھی سنیں ہیں اور آپ سے تحصیل علم بھی کی ہے چنانچہ وہ (بے سوچے سمجھے) اس بات کو قبول کر لیتے ہیں۔حالانکہ اللہ نے تمہیں منافقوں کے متعلق خبر دے رکھی ہے اور ان کے رنگ ڈھنگ سے بھی تمہیں آگاہ کر دیا ہے پھر وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی باقی و برقرار رہے اور کذب اور بہتان کے

ذریعہ گمراہی کے پیشواؤں اور جہنم کا بلاوہ دینے والوں کے یہاں اثر ورسوخ پیدا کیا۔ چنانچہ انہوں نے ان کو (اچھے اچھے) عہدوں پر لگایا اور حاکم بنا کر لوگوں کی گردنوں پر مسلّط کر دیا اوران کے ذریعہ سے اچھی طرح دنیا کو حلق میں اتارا اور لوگوں کا تو یہ قاعدہ ہے ہی کہ وہ بادشاہوں اور دنیا (والوں) کا ساتھ دیا کرتے ہیں۔ مگر سوا ان (محدودے چند افراد کے) جنہیں اللہ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ چار میں سے ایک تو یہ ہوا اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے (تھوڑا بہت) رسول اللہ سے سنا لیکن جوں کا توں اسے یاد نہ رکھ سکا اور اس میں اسے سہو ہو گیا۔ یہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا یہی کچھ اس کے دسترس میں ہے اسے ہی دوسروں سے بیان کرتا ہے اور اسی پر خود بھی عمل پیرا ہوتا ہے اور کہتا بھی یہی ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ اگر مسلمانوں کو یہ خبر ہو جاتی کہ اس کی یادداشت میں بھول چوک ہو گئی ہے تو وہ اس کی بات کو نہ مانتے اور اگر خود بھی اسے اس کا علم ہو جاتا تو اسے چھوڑ دیتا۔ تیسرا شخص وہ ہے کہ جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے سنا آپ نے ایک چیز کے بجالانے کا حکم دیا ہے۔ پھر پیغمبر نے تو اس سے روک دیا۔ لیکن یہ اسے معلوم نہ ہو سکا یا یوں کہ اس نے پیغمبر کو ایک چیز سے منع کرتے ہوئے سنا پھر آپ نے اس کی اجازت دے دی لیکن اس کے علم میں یہ چیز نہ آسکی اس نے (قول) منسوخ کو یاد رکھا اور (حدیث) ناسخ کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ اگر اسے خود معلوم ہو جاتا کہ یہ منسوخ ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتا اور مسلمانوں کو بھی اس کے منسوخ ہو جانے کی خبر ہوتی تو وہ بھی اسے نظر انداز کر دیتے۔ اور چوتھا شخص وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ نہیں باندھتا۔ وہ خوف خدا اور عظمت

رسول اللہ کے پیش نظر کذب سے نفرت کرتا ہے اس کی یادداشت میں غلطی واقع نہیں ہوتی بلکہ جس طرح سنا اسی طرح اسے یاد رکھا اور اسی طرح اسے بیان کیا اور نہ اس میں کچھ بڑھایا۔ نہ اس میں سے کچھ گھٹایا۔ حدیث ناسخ کو یاد رکھا، تو اس پر عمل بھی کیا، حدیث منسوخ کو بھی اپنی نظر میں رکھا۔ اور اس سے اجتناب برتا، وہ اس حدیث کو بھی جانتا ہے جس کا دائرہ محدود اور اسے بھی جو ہمہ گیر اور سب کو شامل ہے اور ہر حدیث کو اس کے محل ومقام پر رکھتا ہے، اور یوں ہی واضح اور مبہم حدیثوں کو پہچانتا ہے۔ کبھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام دورُخ لیے ہوتا تھا، کچھ کلام وہ جو کسی وقت یا افراد سے مخصوص ہوتا تھا اور کچھ وہ جو تمام اوقات اور تمام افراد کو شامل ہوتا تھا اور ایسے افراد بھی سن لیا کرتے تھے کہ جو سمجھ ہی نہ سکتے تھے، کہ اللہ نے اس سے کیا مراد لیا ہے۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس سے مقصد کیا ہے۔ تو یہ سننے والے اسے سن تو لیتے تھے اور کچھ اس کا مفہوم بھی قرار دے لیتے تھے۔ مگر اس کے حقیقی معنی اور مقصد اور وجہ سے ناواقف ہوتے تھے اور اصحاب پیغمبر میں سب ایسے تھے کہ جنہیں آپ سے سوال کرنے کی ہمت ہو، بلکہ وہ تو یہ چاہا کرتے تھے کہ کوئی صحرائی بدو یا پردیسی آجائے اور وہ کچھ پوچھیں تو یہ بھی سن لیں مگر میرے سامنے سے کوئی چیز نہ گزرتی تھی۔ مگر یہ کہ میں اس کے متعلق پوچھتا تھا اور پھر اسے یاد رکھتا تھا۔ یہ ہیں لوگوں کی احادیث وروایات میں اختلاف کی وجوہ واسباب۔

1. یہ سلیم ابن قیس ہلالی تھے جو امیر المومنین کے رواۃ حدیث میں سے ہیں۔

2. امیر المومنین نے اس خطبہ میں رواۃ حدیث کو چار قسموں میں منحصر کیا ہے۔

پہلی قسم یہ ہے کہ راوی خود سے کسی روایت کو وضع کر کے پیغمبر کی طرف منسوب کردے۔ چنانچہ ایسی روایتیں گھڑ کر آپ کے سر منڈھ دی جاتی تھیں اور یونہی یہ سلسلہ جاری رہا اور نت نئی روایتیں معرض وجود میں آتی رہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور اگر کوئی انکار کرتا ہے تو اس کی بنیاد علم و بصیرت نہیں بلکہ سخن پروری و مناظرانہ ضرورت پر ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ علم الہدیٰ سیّد مرتضی کو علمائے اہل سنت سے مناظرہ کا اتفاق ہوا۔ تو سیّد مرتضی نے تاریخی حقائق سے ثابت کیا کہ اکابر صحابہ کے فضائل میں جو روایتیں نقل کی جاتی ہیں وہ خود ساختہ اور جعلی ہیں۔ اس پر ان علماء نے کہا کہ کوئی رسول اللہ پر افتراء باندھنے کی جرات کرے اور اپنی طرف سے کوئی روایت گھڑ کر ان کی طرف منسوب کردے سیّد مرتضی نے فرمایا کہ پیغمبر کی حدیث ہے۔

میرے بعد مجھ پر کثرت سے جھوٹ باندھا جائے گا۔ دیکھو! جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

تو اگر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہو تو تسلیم کرو کہ پیغمبر پر جھوٹ باندھا گیا۔ اور غلط ہونا خود ہمارے دعویٰ کی دلیل ہے۔ بہر صورت یہ وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں نفاق بھرا ہوا تھا او ردین میں فتنہ و انتشار پیدا کرنے اور کمزور عقیدہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے من گھڑت روایتیں بناتے رہتے تھے اور جس طرح پیغمبر کے زمانے میں مسلمانوں سے گھلے ملے رہتے

تھے اس طرح ان کے بعد بھی ان کے بعد بھی ان میں گھلے ملے رہے اور جس طرح اس وقت فساد و تخریب میں لگے رہتے تھے۔ اسی طرح ان کے بعد بھی اسلام کی تعلیمات کو بگاڑنے اور اس کے نقوش کو مسخ کرنے کی فکر سے غافل نہ تھے بلکہ پیغمبر رہتے تھے کہ کہیں زمانہ میں تو ڈرے سہمے رہتے تھے کہ کہیں پیغمبر انہیں بے نقاب کر کے رسوا نہ کر دیں مگر آنحضرت کے بعد ان کی منافقانہ سرگرمیاں بڑھ گئیں۔ اور بے جھجک اپنے ذاتی مفاد و اغراض کے لیے پیغمبر پر افتراء باندھ دیتے تھے اور سننے والے انہیں صحابی رسول سمجھ کر اعتبار کر لیتے تھے کہ بس جو کہہ دیا ہے وہ صحیح ہے۔ اور جو فرما دیا ہے وہ درست ہے اور بعد میں بھی الصحابۃ کلھم عدول (صحابہ سب کے سب عادل ہیں) کے عقیدہ نے زبانوں پر پہرا بٹھا دیا کہ جس کی وجہ سے نقد و نظر اور جرح و تعدیل سے انہیں بلند و بالا سمجھ لیا گیا اور پھر ان کے کارہائے نمایاں نے انہیں بارگاہ حکومت میں بھی مقرب بنا رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے خلاف زبان کھولنے کے لیے جرات و ہمت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ امیر المومنین کا یہ قول شاہد ہے:۔ ان لوگوں نے کذب و بہتان کے ذریعے گمراہی کے پیشواؤں اور جہنم کا بلاوا دینے والوں کے یہاں اثر و رسوخ پیدا کیا۔ چنانچہ انہوں نے ان کو (اچھے اچھے) عہدوں پر لگایا اور حاکم بنا کر لوگوں کو گردنوں پر مسلّط کر دیا۔

منافقین کا مقصد اسلام کی تخریب کے ساتھ دنیا کا حاصل کرنا بھی تھا اور وہ انہیں مدعی اسلام بنے رہنے کی وجہ سے پوری فراوانی حاصل ہو رہی تھی جس کی وجہ سے وہ اسلام کی نقاب اتا

رکر اپنے اصلی خط وخال میں سامنے آنا نہیں چاہتے تھے اور اسلام ہی کے پردے میں اپنے شیطانی اطوار کو جاری رکھتے تھے اور اس کی بنیادی تخریب کے لیے روایات وضع کر کے انتشار پھیلانے میں لگے رہتے تھے۔ چنانچہ ابن الحدید نے لکھا ہے۔ جب انہیں کھلا چھوڑ دیا گیا تو انہوں نے بھی بہت سی باتوں کو چھوڑ دیا اور جب ان سے خاموشی اختیار کر لی گئی تو انہوں نے بھی اسلام اور اہل اسلام کے بارے میں چپ سادھ لی مگر در پردہ فریب کاریاں عمل میں لاتے رہتے تھے۔ جیسے کذب تراشی کہ جس کی طرف امیرالمومنین نے اشارہ کیا ہے کیونکہ حدیث میں جھوٹ کی بہت زیادہ آمیزش کر دی گئی تھی اور یہ فاسد عقیدہ رکھنے والوں کے ذریعہ سے گمراہی پھیلاتے۔ دلوں میں خدشے اور عقائد میں خرابیاں پیدا کرتے تھے اور بعض کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ ایک جماعت کو بلند کریں کہ جس سے ان کی دنیاوی اغراض وابستہ ہوتی تھی۔

اس دور کے گزرنے کے بعد جب معاویہ دین کی راہنمائی اور ملک کی قیادت کا ذمہ دار بن کر تخت فرمانروائی پر متمکن ہوا تو اس نے جعلی روایتیں گھڑنے کا باقاعدہ ایک محکمہ کھول دیا اور اپنے کارندوں کو اس پر مامور کیا۔ کہ وہ اہلبیت اطہار کی تنقیص اور عثمان اور بنی امیہ کے فضائل میں حدیثیں گھڑ کر نشر کریں اور اس کے لیے انعامات اور جاگیریں مقرر کیں جس کے نتیجہ میں کثیر التعداد خود ساختہ فضائل کی روایتیں کتب احادیث میں پھیل گئیں۔ چنانچہ ابوالحسن مدائنی نے کتاب الاحداث میں تحریر کیا ہے اور ابن الحدید نے اپنی شرح سے درج

کیا ہے کہ:۔معاویہ نے اپنے عمال حکومت کو تحریر کیا کہ جو تمہارے یہاں عثمان کے طرفدار ہوں، خواہ اور دوستدار ہوں ان پر نظر و توجہ رکھو اور ان لوگوں کو جو ان کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہیں انہیں اپنا دربار نشین اور مقرب قرار دو اور ان کا احترام کرو اور ان میں سے جو شخص جو روایت کرے وہ مجھے لکھو اور اس کے باپ اور اس کے قوم قبیلے کے نام سے مجھے آگاہ کرو۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ عثمان کے مناقب و فضائل کے انبار لگا دیئے کیونکہ امیر معاویہ ایسے لوگوں کو جائزے خلعتیں، عطیے اور جاگیریں دیتا تھا۔

جب حضرت عثمان کے فضائل میں خود ساختہ روایتیں چاروانگ میں پھیل گئیں تو اس خیال سے خلفا کا پلہ سبک نہ رہ جائے اس نے اپنے عمال کو تحریر کیا۔ جب تمہیں میرا یہ فرمان ملے تو لوگوں کو اس امر کی دعوت دو کہ وہ صحابہ اور پہلے خلفاء کے فضائل میں بھی حدیثیں روایت کریں اور دیکھو مسلمانوں میں سے جو شخص بھی ابوتراب کے بارے میں کوئی حدیث بیان کرے تو اسے توڑنے کے لیے صحابہ کے لیے بھی ویسی ہی حدیثیں گھڑ کر بیان کرو، کیونکہ یہ چیز مجھے بہت پسند ہے اور میرے لیے خنکی چشم کا باعث ہے اور یہ چیز ابوتراب اور اس کے شیعوں کی محبت کو کمزور کرنے والی اور عثمان کے فضائل و مناقب سے بھی زیادہ گراں گزرنے والی ہے۔ چنانچہ اس کے خطوط لوگوں کو پڑھ کر سنائے گئے۔ جس کے نتیجے میں صحابہ کے فضائل میں ایسی روایتیں گھڑنا شروع ہوگئیں جن کی کوئی اصل و حقیقت نہ ہوتی تھی۔

اس سلسلہ میں ابن عرفہ معروف نے بہ لفظ و یہ نے کہ جو اکابر علماء و محدثین میں سے تھے اپنی تاریخ میں تحریر کیا ہے اور ابن ابی الحدید نے اسے اپنی شرح میں درج کیا ہے کہ۔صحابہ کے فضائل میں اکثر موضوع حدیثیں بنی امیہ کے دور میں گھڑی گئیں تا کہ ان کی بارگاہ میں رسوخ حاصل کیا جائے کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ وہ اس ذریعہ سے بنی ہاشم کو ذلیل و پست کر سکیں گے۔

وضع روایات کی عادت تو پڑ ہی چکی تھی۔اب دنیا پرستون نے سلاطین و امراء کا تقرب حاصل کرنے اور مال دنیا سمیٹنے کے لیے اسے ایک ذریعہ بنا لیا۔جیسا کہ غیاث ابن ابراہیم نے مہدی ابن منصور کو خوش کرنے اور اس سے تقرب حاصل کرنے کے لیے کبوتروں کی پرواز میں ایک روایت گھڑ کر سنا دی اور ابوسعید مدائنی وغیرہ نے اسے ذریعہ معاش بنا لیا اور حد یہ ہے کہ کرامیہ اور بعض متصوفہ نے معصیت سے روکنے اور اطاعت کی طرف راغب کرنے کے لیے وضع کی حدیث کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیا۔چنانچہ ترغیب وترہیب کے سلسلہ میں بے کھٹکے روایتیں وضع کی جاتی تھیں اور اسے شریعت و دیانت کے خلاف نہ سمجھا جاتا تھا۔بلکہ عموماً یہ کام وہی سرانجام دیتے تھے کہ جو بظاہر زہد وتقویٰ اور صلاح ورشد سے آراستہ ہوتے تھے اور جن کی راتیں مصلّوں پر اور دن جھوٹی روایتوں سے دفتر سیاہ کرنے میں گزرتے تھے۔چنانچہ ان جعلی روایتوں کی کثرت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ امام بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے دو ہزار چھ سو اکسٹھ حدیثیں منتخب کیں مسلم نے آٹھ لاکھ

حدیثوں میں سے چار ہزار حدیثیں قابل سمجھیں۔ ابوداؤد نے پانچ لاکھ حدیثوں میں سے چار ہزار آٹھ سو حدیثیں انتخاب کیں۔ احمد بن حنبل نے سات لاکھ پچاس ہزار حدیثوں میں سے تیس ہزار منتخب کیں۔ مگر جب اس انتخاب کو دیکھا جاتا ہے تو ایسی حدیثیں سامنے آتی ہیں کہ وہ کسی حالت میں بھی پیغمبر اکرم کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتیں۔ چنانچہ آج مسلمانوں میں ایک معتدبہ ایسا پیدا ہو چکا ہے جو کہ ان مسانید و صحاح پر نظر کرنے کے بعد سرے سے حدیث کی حمیعت ہی سے انکار کر چکا ہے۔

دوسری قسم کے رواۃ وہ ہیں جو موقع محل کو سمجھے بغیر جو الٹا سیدھا انہیں یاد رہ جاتا تھا وہ روایت کر دیتے تھے چنانچہ صحیح بخاری باب البکاء علی المیت میں ہے جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو صہیب روتے ہوئے ان کے ہاں آئے تو حضرت عمر نے کہا کہ:۔ اے صہیب تم مجھ پر روتے ہو، حالانکہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ گھر والوں کے رونے سے میّت پر عذاب ہوتا ہے۔

جب حضرت عمر کے انتقال کے بعد حضرت عائشہ سے اس کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا کہ خدا عمر پر رحم کرے۔ رسول اللہ نے تو ایسا نہیں فرمایا تھا کہ گھر والوں کے رونے سے مومن کی میت پر عذاب ہوتا ہے۔ البتہ یہ فرمایا تھا کہ کافر کی میت پر اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب میں زیادتی ہوتی ہے اس کے بعد ام المومنین نے فرمایا کہ قرآن میں تو یہ ہے کہ

لاتزر وازرۃ وزر ااخریٰ (ایک کا بار دوسرا نہیں اٹھاتا) تو یہاں رونے والوں کا بار میت کیسے اٹھائے گی۔ پھر حضرت عائشہ سے یہ حدیث درج ہے کہ جس سے پہلی حدیث کی مزید تشریح ہوتی ہے:۔ زوجہ رسول حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ایک یہودی عورت کی طرف سے ہو کر گزرے کہ جس پر اس کے گھر والے پر رو رہے ہیں اور وہ قبر میں مبتلائے عذاب ہے:۔

تیسری قسم کے رواۃ وہ ہیں کہ جنہوں نے پیغمبر سے حدیث منسوخ کو سنا مگر اس کی ناسخ کو حدیث کے سننے کا ان کو موقع ہی نہ ملا کہ وہ اسے بیان کرتے یا اس پر عمل کرتے حدیث ناسخ کی مثال پیغمبر کا یہ ارشاد ہے کہ جس میں حدیث منسوخ کی طرف بھی اشارہ ہے نھیتکم عن زیارۃ القبور الافزوروھا (میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا مگر اب تم زیارت کر سکتے ہو) اس میں زیارت قبور کی نہی کو اذان زیارت قبور سے منسوخ کر دیا ہے تو جن لوگوں نے صرف حدیث منسوخ کو سن رکھا تھا وہ اسی پر عمل پیرا رہے۔

چوتھی قسم کی رواۃ وہ ہیں کہ جو عدالت سے آراستہ فہم و ذکا کے مالک حدیث کے موردو محل سے آگاہ ناسخ و منسوخ خاص و عام، مقید و مطلق سے واقف کذب و افتراء سے کنارہ کش ہو تے تھے جو وہ سنتے تھے ان کے حافظہ میں محفوظ رہتا تھا اور اسے صحیح صحیح دوسروں تک پہنچا دیتے تھے۔ انہی کی بیان کردہ احادیث اسلام کا سرمایہ غل و غش سے پاک اور قابل

اعتماد و عمل ہیں خصوصاً وہ سرمایہ احادیث جو امیر المومنین علیہ السلام سے امانتدار سینوں میں منتقل ہوتا رہا اور قطع و برید اور تحریف و تبدل سے محفوظ رہنے کی وجہ سے اسلام کو صحیح صورت پیش کرتا ہے۔ کاش کہ دنیا علم کے ان سرچشموں سے پیغمبر کے فیوض حاصل کرتی۔ مگر تاریخ کا یہ افسوس ناک باب ہے کہ خوارج و معاندین آل محمد سے تو حدیث لی جاتی ہے اور جہاں سلسلہ روایت میں اہل بیت کی کسی فرد کا نام آجاتا ہے تو قلم رک جاتا ہے۔ چہرے پر شکنیں پڑ جاتی ہیں اور تیور بدل جاتے ہیں۔

خطبہ 209:

زمین و آسمان اور دریاؤں کی خلقت کے متعلق فرمایا

اللہ سبحانہ، کے زور فرمانروائی اور عجیب و غریب صنعت کی لطیف نقش آرائی ایک یہ ہے کہ اس نے ایک انتھاہ دریا کے پانی سے جس کی سطحیں تہ بہ تہ اور موجیں تھپیڑے مار رہی تھیں۔ ایک خشک و بے حرکت زمین کو پیدا کیا پھر یہ کہ اس نے پانی (کے بخار) کی تہوں پر تہیں چڑھا دیں جو آپس میں ملیں ہوئی تھیں اور انہیں الگ الگ کر کے سات آسمان بنائے جو اس کے حکم سے تھمے ہوئے اور اپنے مرکز پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور زمین کو اس طرح قائم کیا کہ اسے ایک نیلگوں گہرا اور (فرمان الٰہی کے حدود میں) گھرا ہوا دریا اٹھائے ہوئے ہے جو اس کے حکم کے آگے بے بس اور اس کی ہیبت کے سامنے سرنگوں ہے اور اس کے خوف سے اس کی روانی تھمی ہوئی ہے اور ٹھوس چکنے پتھروں، ٹیلوں اور پہاڑوں کو پیدا کیا اور ان کو ان کی جگہوں پر نصب اور ان کی قرارگاہوں میں قائم کیا۔ چنانچہ ان کی چوٹیاں فضا کو چیرتی ہوئی

نکل گئی ہیں اور بنیادیں پانی میں گڑی ہوئی ہیں۔اس طرح اس نے پہاڑوں کو پست اور ہموار زمین سے بلند کیا ہے اوران کی بنیادوں کوان کے پھیلاؤ اوران کے ٹھہراؤ کی جگہوں میں زمین کے اندر اتار دیا۔ان کی چوٹیوں کو فلک بوس اور بلندیوں کو آسمان پیما بنا دیا اور انہیں زمین کے لیے ستون قرار دیا اور میخوں کی صورت میں انہیں گاڑا، چنانچہ وہ ہچکولے کھانے کے بعد تھم گئی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے رہنے والوں کو لے جھک پڑے یا اپنے بوجھ کی وجہ سے دھنس جائے یا اپنی جگہ چھوڑ دے پاک ہے وہ ذات کہ جس نے پانی کی طغیانیوں کے بعد زمین کو تھام رکھا اور اس کے بعد خشک کیا اور اسے اپنی مخلوقات کے لیے گہوارہ (استراحت) بنایا اور ایک ایسے گہرے دریا کی سطح پر اس کے لیے فرش بچھایا جو تھما ہوا ہے بہتا نہیں اور رکا ہوا ہے جنبش نہیں کرتا جسے تند ہوائیں اِدھر سے اُدھر دھکیلتی رہتی ہیں، اور برسنے والے بادل اسے متھ کر پانی کھینچتے رہتے ہیں۔ بے شک ان چیزوں میں سروسامان عبرت ہے اس شخص کے لیے جو اللہ سے ڈرے۔

خطبہ 210:

حق کی حمایت سے ہاتھ اٹھا لینے والوں کے بارے میں فرمایا

خدایا تیرے بندوں میں سے جو بندہ ہماری ان باتوں کو سنے کہ جو عدل کے تقاضوں سے ہمنوا، اور ظلم و جور سے الگ ہیں جو دین و دنیا کی اصلاح کرنے والی اور شر انگیزی سے دور ہیں اور سننے کے بعد پھر بھی انہیں ماننے سے انکار کر دے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ تیری نصرت سے منہ موڑنے والا، اور تیرے دین کو ترقی دینے سے کوتاہی کرنے والا ہے۔اے

گواہوں میں سب سے بڑے گواہ! ہم تجھے اوران سب کو جنہیں تو نے آسمانوں اور زمینوں میں بسایا ہے اس شخص کے خلاف گواہ کرتے ہیں۔ پھر اس کے بعد تو ہی اس نصرت و امداد سے بے نیاز کرنے والا ہے اور اس کے گناہ کا اس سے مواخذہ کرنے والا ہے۔

خطبہ 211:

خداوند عالم کی عظمت اور پیغمبر ﷺ کی توصیف و مدحت

تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جو مخلوقات کی مشابہت سے بلند تر، توصیف کرنے والوں کے تعریفی کلمات سے بالاتر، اپنے عجیب و غریب نظم و نسق کی بدولت دیکھنے والوں کے سامنے آشکار اور اپنے جلال عظمت کی وجہ سے وہم و گمان دوڑانے والوں کے فکر و اوہام سے پوشیدہ ہے۔ وہ عالم ہے۔ بغیر اس کے کہ کسی سے کچھ سیکھے یا علم میں اضافہ اور کہیں سے استفادہ کرے اور وہ بغیر فکر و تامل کے ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا ہے، نہ اسے تاریکیاں ڈھانپتی ہیں، نہ وہ روشنیوں سے کسب ضیا کرتا ہے نہ رات اسے گھیرتی ہے، نہ (دن کی) گردشوں کا اس پر گزر ہوتا ہے اور اس کا جاننا بوجھنا آنکھوں کے۔ذریعہ سے نہیں اور نہ اس کا علم دوسروں کے بتانے پر منحصر ہے۔ اسی خطبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ نے انہیں روشنی کے ساتھ بھیجا اور انتخاب کی منزل میں سب سے آگے رکھا تو ان کے ذریعہ سے تمام پراگندگیوں اور پریشانیوں کو دور کیا اور غلبہ پانے والوں پر مسلّط جما لیا۔ مشکلوں کو سہل اور دشواریوں کو آسان بنا یا۔ یہاں تک کہ دائیں بائیں (افراط وتفریط) کی سمتوں سے گمراہی کو دور ہٹا یا۔

خطبہ 212:

پیغمبر ﷺ کی خاندانی شرافت اور نیکو کاروں کے اوصاف

میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ ایسا عادل ہے کہ جس نے عدل ہی کی راہ اختیار کی ہے اور ایسا حکم ہے جو (حق و باطل کو) الگ الگ کر دیتا ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندہ و رسول اور بندوں کے سیّد و سردار ہیں۔ شروع سے انسانی نسل میں جہاں جہاں پر سے شاخیں الگ ہوئیں ہر منزل میں وہ شاخ جس میں اللہ نے آپ کو قرار دیا تھا دوسری شاخوں سے بہتر ہی تھی۔ آپ کے نسب میں کسی بدکاری کا ساجھا اور کسی فاسق کی شرکت نہیں۔ دیکھو! اللہ نے بھلائی کے لیے اہل حق کے لیے ستون، اور اطاعت کے لیے سامان حفاظت مہیا کیا ہے ہر اطاعت کے موقعہ پر تمہارے لیے اللہ کی طرف سے نصرت و تائید دستگیری کے لیے موجود ہوتی ہے (جس کو) اس نے زبانوں سے ادا کیا ہے اور اس سے دلوں کو ڈھارس دی ہے۔ اس میں بے نیازی چاہنے والے کے لیے بے نیازی اور شفا چاہنے والوں کے لیے شفا ہے۔ تمہیں جاننا چاہیے کہ اللہ کے وہ بندے جو علمِ الٰہی کے امانتدار ہیں وہ محفوظ چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور اس کے چشموں کو (تشنگان علم و معارف کے لیے) بہاتے ہیں۔ ایک دوسرے کی (اعانت کے لیے) باہم ملتے ملاتے ہیں۔ اور خلوص و محبت سے میل ملاقات کرتے ہیں اور (علم و حکمت کے) سیراب کرنے والے ساغروں سے چھک کر سیراب ہوتے ہیں اور سیراب ہو کر (سرچشمہ) علم سے پلٹتے ہیں۔ ان میں شک و شبہہ کا شائبہ نہیں ہوتا اور غیبت کا گزر نہیں ہوتا۔ اللہ نے ان کے پاکیزہ اخلاق کو ان

کی طینت وفطرت میں سمودیا ہے۔انہی خوبیوں کی بنا پر وہ اپس میں محبت وانس رکھتے ہیں او رایک دوسرے سے ملتے ملاتے ہیں۔وہ لوگوں میں اس طرح نمایاں ہیں جس طرح (بیجوں) میں -صاف ستھرے بیج کہ (اچھے دانوں کو) لے لیا جاتا ہے اور (بروں کو) پھینک دیا جاتا ہے۔اس صفائی و پاکیزگی نے انہیں چھانٹ اور پرکھنے نے نکھار دیا ہے۔انسان کو چاہیے کہ وہ ان اوصاف کی پذیرائی سے اپنے لیے شرف وعزت قبول کرے اور قیامت کے وارد ہونے سے پہلے اس سے ہراساں رہے اور اسے چاہیے کہ وہ (زندگی کے)مختصر دنوں اور اس کے گھر کے تھوڑے سے قیام کہ جو بس اتنا ہے کہ اس کو آخرت کے گھر سے بدل لے،آنکھیں کھولے اور غفلت میں نہ پڑے۔اور اپنی جائے بازگشت اور منزل آخرت کے جانے پہچانے ہوئے مرحلوں (قبر) برزخ،حشر کے لیے نیک اعمال کرلے،مبارک ہو اس پاک و پاکیزہ دل والے کو کہ جو ہدایت کرنے والے کی پیروی اور تباہی میں ڈالنے والے سے کنارہ کرتا ہے اور دیدہ وبصیرت میں جلا بخشنے والے کی روشنی اور ہدایت کرنے والے کے حکم کی فرمانبرداری سے سلامتی کی راہ پالیتا ہے اور ہدایت کے دروازوں کے بند اور وسائل وذرائع کے قطع ہونے سے پہلے ہدایت کی طرف بڑھ جاتا ہے۔توبہ کا دروازہ کھلواتا ہے اور (پھر) گناہ کا دھبہ اپنے دامن سے چھڑاتا ہے۔وہ سیدھے راستے پر کھڑا کردیا گیا ہے۔اور وہ واضح راہ اسے بتادی گئی ہے۔

خطبہ213:

آپ علیہ السلام کے دعائیہ کلمات

امیر المومنین علیہ السلام کے وہ دعائیہ کلمات جو اکثر آپ کی زبان پر جاری رہتے تھے۔تمام حمد اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے اس حالت میں رکھا کہ نہ مردہ ہوں، نہ بیمار، نہ میری رگوں پر برص کے جراثیم کا حملہ ہوا، نہ برے اعمال (کے نتائج) میں گرفتار ہوں نہ بے اولاد ہوں، نہ دین سے برگشتہ نہ اپنے پروردگار کا منکر ہوں اور نہ ایمان سے متوحش نہ میری عقل میں فتور آیا ہے اور نہ پہلی امتوں کے سے عذاب میں مبتلا ہوں۔ میں اس کا بے اختیار بندہ اور اپنے نفس پر ستم دان ہوں (اے اللہ) تیری حجّت مجھ پر تمام ہو چکی ہے، اور میرے لیے اب کوئی عذر کی گنجائش نہیں ہے۔ خدایا! مجھ میں کسی چیز کے حاصل کرنے کی قوت نہیں سوا اس کے کہ جو تو مجھے عطا کر دے اور کسی چیز سے بچنے کی سکت نہیں سوائے اس کے جس سے تو مجھے بچائے رکھے۔ اے اللہ میں تجھ سے پناہ کا خواستگار ہوں کہ تیری ثروت کے باوجود فقیر و تہی دست رہوں یا تیری رہنمائی کے ہوتے ہوئے بھٹک جاؤں یا تیری سلطنت میں رہتے ہوئے ستایا جاؤں یا ذلیل کیا جاؤں۔ جبکہ تمام اختیارات تجھے حاصل ہیں۔ خدایا! میری ان نفیس چیزوں میں جنہیں تو چھین لے گا۔ میری روح کو اوّلیت کا درجہ عطا کر اور مجھے سونپی ہوئی ان امانتوں میں جنہیں تو پلٹا لے گا اسے پہلی امانت قرار دے۔ اے اللہ! ہم تجھ سے پناہ کے طلب گار ہیں۔ اس بات سے کہ تیرے ارشاد سے منہ موڑیں یا ایسے فتنوں میں پڑ جائیں کہ تیرے دین سے پھر جائیں۔ یا تیری طرف سے آئی ہوئی ہدایت کو قبول کرنے

کی بجائے نفسانی خواہشیں ہمیں برائی کی طرف لے جائیں۔

خطبہ 214:

حکمران اور رعیت کے باھمہ حقوق کے بارے میں فرمایا

صفین کے موقع پر فرمایا:۔ اللہ سبحانہ، نے مجھے تمہارے امور کا اختیار دے کر میرا حق تم پر قائم کر دیا ہے، اور جس طرح میرا تم پر حق ہے، ویسا ہی تمہارا بھی مجھ پر حق ہے۔ یوں تو حق کے بارے میں باہمی اوصاف گنوانے میں بہت وسعت ہے لیکن آپس میں حق و انصاف کرنے کا دائرہ بہت تنگ ہے۔ دو آدمیوں میں اس کا حق اس پر اسی وقت ہے جب دوسرے کا بھی اس پر حق ہو اور اس کا حق اس پر جب ہی ہوتا ہے جب اس کا حق اس پر بھی ہو اور اگر ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کا حق تو دوسروں پر ہو لیکن اس پر کسی کا حق نہ ہو تو یہ امر ذات باری کے لیے مخصوص ہے نہ اس کی مخلوق کے لیے کیونکہ وہ اپنے بندوں پر پورا تسلّط و اقتدار رکھتا ہے۔ اور اس نے تمام ان چیزوں میں کہ جن پر اس کے فرمان قضا جاری ہوئے ہیں عدل کرتے ہوئے (ہر صاحب حق کا حق دے دیا ہے) اس نے بندوں پر اپنا یہ حق رکھا ہے کہ وہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کریں اور اس نے محض اپنے فضل و کرم اور اپنے احسان کو وسعت دینے کی بنا پر کہ جس کا وہ اہل ہے۔ ان کا کئی گنا اجر قرار دیا ہے۔ پھر اس نے ان حقوق انسانی کو بھی کہ جنہیں ایک کے لیے دوسرے پر قرار دیا ہے۔ اپنے ہی حقوق میں سے قرار دیا ہے اور انہیں اس طرح ٹھہرایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں برابر اتریں اور کچھ ان میں سے کچھ حقوق کا باعث ہوتے ہیں اور اس وقت تک واجب نہیں ہوتے جب

تک اس کے مقابلہ میں حقوق ثابت نہ ہو جائیں اور سب سے بڑا حق کہ جسے اللہ سبحانہ، نے واجب کیا ہے۔ حکمران کا رعیّت پر اور رعیّت کا حکمران پر ہے۔ کہ جسے اللہ نے والی و رعیّت میں سے ہر ایک کے لیے فریضہ بنا کر عائد کیا ہے اور اسے ان میں رابطہ محبت قائم کرنے اور اور ان کے دین کو سرفرازی بخشنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ رعیّت اسی وقت خوشحال رہ سکتی ہے جب حاکم کے طور طریقے درست ہوں اور حاکم بھی اسی وقت صلاح و درستگی سے آراستہ ہوسکتا ہے۔ جب رعیّت اس کے احکام کی انجام دہی کے لیے آمادہ ہو جب رعیّت فرمان روا کے حقوق پورے کرے اور فرمانروا رعیّت کے حقوق سے عہدہ برآ ہو تو ان کے حق باوقار، دین کی راہیں استوار اور عدل وانصاف کے نشانات برقرار ہو جائیں گے اور پیغمبر کی سنتیں اپنے دھرے پر چل نکلیں گی اور زمانہ سدھر جائے گا۔ بقائے سلطنت کے توقعات پیدا ہو جائیں گے اور دشمنوں کی حرص وطمع یاس و نا امیدی سے بدل جائے گی۔ اور جب رعیّت حاکم پر مسلّط ہو جائے یا حاکم رعیّت پر ظلم ڈھانے لگے تو اس موقعہ پر ہر بات میں اختلاف ہوگا۔ ظلم کے نشانات ابھر آئیں گے۔ دین میں مفسدے بڑھ جائیں گے، شریعت کی راہیں متروک ہو جائیں گی۔ خواہشوں پر عمل درآمد ہوگا شریعت کے احکام ٹھکرا دیئے جائیں گے۔ نفسانی بیماریاں بڑھ جائیں گی اور بڑے سے بڑے حق کو ٹھکرا دینے اور بڑے سے بڑے باطل پر عمل پیرا ہونے سے بھی کوئی نہ گھبرائے گا۔ ایسے موقعہ پر نیکوکار ذلیل، اور بدکردار باعزت ہو جاتے ہیں اور بندوں پر اللہ کی عقوبتیں بڑھ جاتی ہیں۔ لہٰذا اس حق کی ادائیگی میں ایک دوسرے سے بخوبی تعاون کرنا تمہارے لیے ضروری

ہے اس لیے کہ کوئی شخص بھی اللہ کی اطاعت و بندگی میں اس حد تک نہیں پہنچ سکتا کہ جس کا وہ اہل ہے۔ چاہے وہ اس کی خوشنودیوں کو حاصل کرنے کے لیے کتنا ہی حریص ہو، اور اس کی عملی کوششیں بھی بڑھی چڑھی ہوئی ہوں۔ پھر بھی اس نے بندوں پر یہ حق واجب قرار دیا ہے کہ وہ مقدور بھر پند و نصیحت کریں اور اپنے درمیان حق کو قائم کرنے کے لیے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں۔ کوئی شخص بھی اپنے کو اس سے بے نیاز نہیں قرار دے سکتا۔ کہ اللہ نے جس ذمہ داری کا بوجھ اس پر ڈالا ہے اس میں اس کا ہاتھ بٹایا جائے، چاہے وہ حق میں کتنا ہی بلند منزلت کیوں نہ ہو اور دین میں اسے فضیلت و برتری کیوں نہ حاصل ہو اور کوئی شخص اس سے بھی گیا گزرا نہیں کہ حق میں تعاون کرے یا اس کی طرف دست تعاون بڑھایا جائے، چاہے لوگ اسے ذلیل سمجھیں اور اپنی حقارت کی وجہ سے آنکھوں میں نہ جچے۔ اس موقعہ پر آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ایک طویل گفتگو کی جس میں حضرت کی بڑی مدح و ثنا کی اور آپ کی باتوں پر کان دھرنے اور ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا اقرار کیا، تو آپ نے فرمایا جس شخص کے دل میں جلال الٰہی کی عظمت اور قلب میں منزلت خداوندی کی رفعت کا احساس ہوا اسے سزاوار ہے کہ اس کی جلالت و عظمت کے پیش نظر اللہ کے ماسوا ہر چیز کو حقیر جانے اور ایسے لوگوں میں وہ شخص اور بھی اس کا زیادہ اہل ہے کہ جسے اس نے بڑی نعمتیں دی ہوں اور اچھے احسانات کیے ہوں اس لیے کہ جتنی اللہ کی نعمتیں کسی پر بڑی ہوں گی اُتنا ہی اُس پر اللہ کا حق زیادہ ہوگا نیک بندوں کے نزدیک فرمانرواؤں کی ذلیل ترین صورت حال یہ ہے کہ ان کے متعلق یہ گمان ہونے لگے کہ وہ فخر و

سر بلندی کو دوست رکھتے ہیں اور ان کے حالات کبر و غرور پر محمول ہو سکیں مجھے یہ تک ناگوار معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اس کا وہم و گمان بھی گزرے کہ میں ب ڑھ بڑھ کر سراہے جانے یا تعریف سننے کو پسند کرتا ہوں۔ بحمداللہ! کہ میں ای سا نہیں ہوں اور اگر مجھے اس کی خواہش بھی ہوتی کہ ایسا کہا جائے تو بھی اللہ کے سامنے فروتنی کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیتا کہ ایسی عظمت و بزرگی کو اپنایا جائے کہ جس کا وہی اہل ہے یوں تو لوگ اکثر اچھی کارکردگی کے بعد مدح و ثنا کو خوشگوار سمجھا کرتے ہیں (لیکن) میری اس پر مدح و ستائش نہ کرو کہ اللہ کی اطاعت اور تمہارے حقوق سے عہدہ برآ ہوا ہوں۔ کیونکہ ابھی ان حقوق کا ڈر ہے جنہیں پورا کرنے سے میں ابھی فارغ نہیں ہوا، اور ان فرائض کا ابھی اندیشہ ہے کہ جن کا نفاذ ضروری ہے۔ مجھ سے ویسی باتیں نہ کیا کرو۔ جیسی جابر سرکش فرمانرواؤں سے کی جاتی ہیں۔ اور نہ مجھ سے اس طرح بچاؤ کرو۔ جس طرح طیش کھانے والے حاکموں سے بچ بچاؤ کیا جاتا ہے اور مجھ سے اس طرح کا میل جول نہ رکھو جس سے چاپلوسی اور خوشامد کا پہلو نکلتا ہو۔ میرے متعلق یہ گمان نہ کرو کہ میرے سامنے کوئی حق بات کہی جائے گی تو مجھے گراں گزرے گی اور نہ یہ خیال کرو کہ میں یہ درخواست کروں گا کہ مجھے بڑھا چڑھا دو۔ کیونکہ جو اپنے سامنے حق کے کہے جانے اور عدل کے پیش کئے جانے کو بھی گراں سمجھتا ہو۔ اسے حق اور انصاف پر عمل کرنا کہیں زیادہ دشوار ہوگا تم اپنے کو حق کی بات کہنے اور عدل کا مشورہ دینے سے نہ روکو۔ میں 1 تو اپنے کو اس سے بالاتر نہیں سمجھتا کہ خطا کروں اور نہ اپنے کسی کام کو لغزش سے محفوظ سمجھتا ہوں۔ مگر یہ کہ خدا میرے نفس کو اس سے بچائے کہ جس پر وہ مجھ سے زیادہ

اختیار رکھتا ہے۔ہم اورتم اسی رب کے اختیار بندے ہیں کہ جس کے علاوہ کوئی رب نہیں۔وہ ہم پر اتنا اختیار رکھتا ہے۔کہ خود ہم اپنے نفسوں پر اتنا اختیار نہیں رکھتے۔اسی نے ہمیں پہلی حالت سے نکال کر جس میں ہم تھے بہبودی کی راہ پر لگایا اور اسی نے ہماری گمراہی کو ہدایت سے بدلا اور بے بصیرتی کے بعد بصیرت عطا کی۔

1.یہ امر کسی تصریح کا محتاج نہیں ہے کہ عصمت ملکی اور ہے اور عصمت بشریٰ او رہے۔فرشتوں کے معصوم ہونے کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ان میں کسی خطا ؤلغزش کی تحریک ہی پیدانہیں ہوتی۔مگر انسان کے معصوم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں بشریٰ تقاضے اور نفسانی خواہشیں ہوتی ہیں۔مگر وہ انہیں روکنے کی ایک قوت خاص رکھتا ہے اور ان سے مغلوب ہوکر کسی خطا کا مرتکب نہیں ہوتا اور اسی قوت کا نام عصمت ہے جو کہ ذاتی خواہشات و جذبات کو ابھرنے نہیں دیتی۔حضرت کے ارشاد فانّی لست فی نفسی بفوق اب اخطی (میں اپنے کو اس سے بالاتر نہیں سمجھتا کہ خطا کروں) میں انہی بشری تقاضوں اورخواہشوں کی طرف اشارہ ہے اور الّا ان یکفی اللہ فی نفسی (مگر یہ کہ خدا میرے نفس کو اس سے بچائے رکھے) میں عصمت کی طرف اشارہ ہے۔چنانچہ اسی لب ولہجہ میں حضرت یوسف کی زبانی قرآن میں وارد ہے کہ وما ابرّی نفسی ان النفس لامارہ بالسوء الا مارحم ربی (میں اپنے نفس کو گناہ سے پاک نہیں ٹھہراتا۔کیونکہ انسان کا نفس گناہ پر بہت ابھارنے والا ہے یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے۔توجس طرح یہاں پر الاّ مارحم ربی کا جو استثناء ہے۔اس کی وجہ سے آیت کے پہلے

جزو سے آپ کی عصمت کے خلاف دلیل نہیں لائی جا سکتی۔اسی طرح امیر المومنین کے کلام میں الا ان یکفی اللہ کا جو استثناء ہے اس کے ہوتے ہوئے کلام کے پہلے ٹکڑے سے آپ کے غیر معصوم ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا ورنہ ایک نبی کی عصمت سے بھی انکار کرنا پڑے گا۔یونہی اس خطبہ کے آخری ٹکڑے سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ بعثت رسول سے پہلے دور جاہلیت کے عقائد سے متاثر رہ چکے ہوں گے اور جس طرح دوسروں کا دامن کفر و شرک سے آلودہ رہ چکا تھا۔اسی طرح آپ بھی تاریکی و ضلالت میں رہے ہوں گے۔کیونکہ آپ پیدائش کے دن سے رہبر عالم کے زیر سایہ پرورش پا رہے تھے اور انہی کی تعلیم و تربیت کے اثرات آپ کے دل و دماغ میں چھائے ہوئے تھے۔لہٰذا یہ تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ابتدائے عمر سے پیغمبر کے نقش قدم پر چلنے والا زندگی کے کسی لمحہ میں ہدایت سے بیگانہ ہو گا۔چنانچہ مسعودی نے تحریر کیا ہے کہ:۔آپ نے کبھی شرک ہی نہیں کیا کہ اس سے الگ ہو کر آپ کے اسلام لانے کا سوال پیدا ہو بلکہ تمام افعال و اعمال میں رسول کے تابع اور ان کے پیرو تھے اور اسی حالت اتباع میں آپ نے سرحد بلوغ میں قدم رکھا۔

اس مقام پر ان لوگوں سے جن کو اللہ نے تاریکی و گمراہی سے راہ راست پر لگا یا وہ لوگ مراد ہیں جو آپ کے مخاطب تھے۔چنانچہ ابن الحدید لکھتے ہیں کہ:۔یہ خود امیر المومنین (علیہ السلام) کی طرف اشارہ نہیں کیونکہ وہ کبھی کافر نہیں رہے کہ کفر کے بعد اسلام لاتے بلکہ لوگوں کی مختلف جماعتیں تھیں جو آپ کے مخاطب تھیں ان کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

خطبہ215:

قریش کے مظالم کے متعلق فرمایا اور بصرہ پر چڑھائی کرنے والوں کے مظالم کا بیان

خدایا! میں قریش سے انتقام لینے پر تجھ سے مدد کا خواستگار رہوں کیونکہ انہوں نے میری قرابت وعزیز داری کے بندھن توڑ دیئے اور میرے ظرف (عزت وحرمت) کو اوندھا کر دیا اور اس حق میں کہ جس کا میں سب سے زیادہ اہل ہوں جھگڑا کرنے کے لیے انکار کرلیا اور یہ کہنے لگے کہ یہ بھی حق ہے کہ آپ کو اس سے روک دیا جائے تو غم وحزن کی حالت میں صبر کیجئے یا رنج واندوہ سے مرجایئے۔ میں نے نگاہ دوڑائی تو مجھے اپنے اہل بیت کے سوا نہ کوئی معاون نظر آیا اور نہ کوئی سینہ سپر اور معین دکھائی دیا تو میں نے انہیں موت کے منہ میں دینے سے بخل کیا۔ آنکھوں میں خس وخاشاک تھا مگر میں نے چشم پوشی کی حلق میں (غم ورنج کے) پھندے تھے مگر میں لعاب دہن نگلتا رہا اور غم وغصہ پی لینے کی وجہ سے ایسے حالات پر صبر کیا جو حنظل (اندرائن) سے زیادہ تلخ اور دل کے لیے چھریوں کے کچوکوں سے زیادہ المناک تھے۔ سیّد رضی فرماتے ہیں کہ حضرت کا یہ کلام ایک پہلے خطبہ کے ضمن میں گزر چکا ہے مگر میں نے پھر اس کا اعادہ کیا ہے چونکہ دونوں روایتوں کی لفظوں میں کچھ فرق ہے۔ اسی خطبہ کا ایک جز یہ ہے جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو آپ سے لڑنے کے لیے بصرہ کی طرف نکل کھڑے ہوئے تھے۔ وہ میرے عاملوں اور مسلمانوں کے اس بیت المال کے خزینہ داروں پر کہ جس کا اختیار میرے ہاتھوں میں تھا اور شہر (بصرہ) کے رہنے والوں پر کہ جو سب کے

سب میرے فرمانبردار اور میری بیعت پر برقرار تھے چڑھ دوڑے چنانچہ انہوں نے ان میں پھوٹ ڈلوادی اور مجھ پر ان کی یک جہتی کو درہم برہم کر دیا اور میرے پیرو کاروں پر ٹوٹ پڑے اور ان میں سے ایک گروہ کو غداری سے قتل کر دیا (البتہ) ایک گروہ نے شمشیر بکف ہو کر دانتوں کو بھینچ لیا اور ان کے ساتھ تلواروں سے ٹکرائے یہاں تک کہ وہ سچائی کا جامہ پہنے ہوئے اللہ کے حضور میں پہنچ گئے۔

خطبہ 216:

جب طلحہ اور عبد الرحمن بن عتاب کو میدانِ جنگ میں مقتول دیکھا تو فرمایا

جب آپ طلحہ اور عبدالرحمٰن ابن عتاب ابن اسید کی طرف سے گزرے کہ جب وہ میدان جمل میں مقتول پڑے تھے تو فرمایا:۔ابو محمد (طلحہ) اس جگہ گھر بار سے دور پڑا ہے۔خدا کی قسم! میں پسند نہیں کرتا تھا کہ قریش ستاروں کے نیچے (کھلے میدانوں میں) مقتول پڑے ہوں میں نے عبد مناف کی اولاد سے (ان کے کئے کا) بدلہ لے لیا ہے (لیکن) بنی جمع 1 کے اکابر میرے ہاتھوں سے بچ نکلتے ہیں انہوں نے اس چیز کی طرف گردنیں اٹھائی تھیں جس کے وہ اہل نہ تھے چنانچہ اس تک پہنچنے سے پہلے ہی ان کی گردنیں توڑ دی گئیں۔

1۔جنگ جمل میں بنی جمع کی ایک جماعت حضرت عائشہ کے ہمراہ تھی۔لیکن اس جماعت کے سرکردہ افراد میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ان بھاگنے والوں میں سے چند یہ ہیں: عبداللہ الطویل ابن صفوان، یحییٰ ابن حکیم، عامر ابن مسعود، ایوب ابن حبیب۔

خطبہ 217:

متقی و پرھیز گار کے اوصاف

مومن نے اپنی عقل کو زندہ رکھا اور اپنے نفس کو مار ڈالا۔ یہاں تک کہ اس کا ڈیل ڈول لاغر و رتن و توش ہلکا ہو گیا۔اس کے لیے بھر پور درخشندگیوں والا نور ہدایت چمکا کہ جس نے اس کے سامنے راستہ نمایاں کر دیا اور اسے سیدھی راہ پر لے چلا، اور مختلف دروازے اسے دھکیلتے ہوئے سلامتی کے دروازہ اور (دائمی) قرار گاہ تک لے گئے اور اس کے پاؤں بدن کے ٹکاؤ کے ساتھ امن و راحت کے مقام پر جم گئے۔ چونکہ اس نے اپنے دل کو عمل میں لگائے رکھا تھا اور اپنے پروردگار کو راضی و خوشنود کیا تھا۔

خطبہ 218:

سورہ الھا کم التکاثر کی تلاوت کے وقت فرمایا

امیر المومنین نے آیت الھٰکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر (تمہیں قوم قبیلے کی کثرت پر اترانے نے غافل کر دیا یہاں تک کہ تم نے قبریں دیکھ ڈالیں) کی تلاوت 1 کرنے کے بعد فرمایا:۔ دیکھو تو ان بوسیدہ ہڈیوں پر فخر کرنے والوں کا مقصد کتنا دور از عقل ہے، اور یہ قبروں پر آنے والے کتنے غافل و بے خبر ہیں اور یہ مہم کتنی سخت و دشوار ہے۔انہوں نے مرنے والوں کو کیسی کیسی عبرت آموز چیزوں سے خالی سمجھ لیا اور دور دراز جگہ سے انہیں (سرمایہ افتخار بنانے کے لیے) لے لیا۔کیا یہ اپنے باپ داداؤں کی لاشوں پر فخر کرتے ہیں۔ یا ہلاک ہونے

والوں کی تعداد سے اپنی کثرت میں اضافہ محسوس کرتے ہیں، وہ ان جسموں کو پلٹانا چاہتے ہیں جو بے روح ہو چکے ہیں اور ان جنبشوں کو لوٹانا چاہتے ہیں جو تھم چکی ہیں۔ وہ سبب افتخار بننے سے زیادہ سامان عبرت بننے کے قابل ہیں۔ ان کی وجہ سے عجز وفروتنی کی جگہ پر اترنا، عزت وسرفرازی کے مقام پر ٹھہرنے سے زیادہ مناسب ہے۔ انہوں نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور ان سے (عبرت لینے کی بجائے) جہالت کے گہراؤ میں اتر پڑے۔ اگر وہ ان کی سرگذشت کو ٹوٹے ہوئے مکانوں اور خالی گھروں کے صحنوں سے پوچھیں تو وہ کہیں گے کہ وہ گمراہی کی حالت میں زمین کے اندر چلے گئے اور تم بھی بے خبری و جہالت کے عالم میں ان کے عقب میں بڑھے جا رہے ہو، تم ان کی کھوپڑیوں کو روندتے ہو، اور ان کے جسموں کی جگہ پر عمارتیں کھڑی کرنا چاہتے ہو، جس چیز کو انہوں چھوڑ دیا ہے، اس میں چر رہے ہو اور جسے وہ خالی چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ اس میں آ بسے ہو، اور یہ دن بھی تمہارے اور ان کے درمیان ہیں تم پر رو رہے ہیں اور نوحہ پڑھ رہے ہیں۔ تمہاری منزل منتہا پر پہلے سے پہنچ جانے والے اور تمہارے سرچشموں پر قبل سے وارد ہونے والے وہی لوگ ہیں جن کے لیے عزت کی منزلیں تھیں اور فخر وسربلندی کی فراوانی تھی کچھ تاجدار تھے کچھ دوسرے درجہ کے بلند نصب مگر اب تو وہ برزخ کی گہرائیوں میں راہ پیما ہیں کہ جہاں زمین ان پر مسلّط کردی گئی ہے جس نے ان کا گوشت کھالیا ہے اور لہو چوس لیا ہے۔ چنانچہ وہ قبر کے شگافوں میں نشوونما کھو کر جماد کی صورت میں پڑے ہیں اور یوں نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں کہ (ڈھونڈھے سے) نہیں ملتے۔ نہ پرہول خطرات کا آنا انہیں خوفزدہ کرتا ہے نہ

حالات کا انقلاب انہیں اندوہناک بناتا ہے، نہ زلزلوں کی پروا کرتے ہیں، نہ رعد کی کڑک پر کان دھرتے ہیں وہ ایسے غائب ہیں کہ جن کا انتظار نہیں کیا جاتا اور ایسے موجود ہیں کہ سامنے نہیں آتے وہ مل جل کر رہتے تھے جواب بکھر گئے ہیں اور اب آپس میں میل محبت رکھتے ہیں، جواب جدا ہو گئے ہیں ان کے گھروں کی خاموشی امتداد زمانہ اور دوسری منزل کی وجہ سے نہیں بلکہ انہیں (موت کا) ایسا ساغر پلا دیا گیا ہے کہ جس نے ان کی گویائی چھین کر انہیں گونگا بنا دیا اور قوت شنوائی سلب کر کے بہرا کر دیا ہے اور ان کی حرکت وجنبش کو سکون و بے حسی سے بدل دیا ہے گویا کہ وہ سرسری نظر میں یوں دکھائی دیتے ہیں جیسے نیند میں لیٹے ہوئے ہوں۔ وہ ایسے ہمسائے ہیں جو ایک دوسرے سے انس ومحبت کا لگاؤ نہیں رکھتے اور ایسے دوست ہیں جو آپس میں ملتے ملاتے نہیں۔ ان کے جان پہچان کے رابطے بوسیدہ ہو چکے ہیں اور بھائی بندی کے سلسلے ٹوٹ گئے ہیں۔ وہ ایک ساتھ ہوتے ہوئے پھر اکیلے ہیں، اور دوست ہوتے ہوئے پھر علیحدہ وجدا ہیں۔ یہ لوگ شب ہو تو اس کی صبح سے بے خبر، دن ہو تو اس کی شام سے ناآشنا ہیں۔ جس 2 رات یا جس دن میں انہوں نے رخت سفر باندھا ہے وہ ساعت ان پر ہمیشہ اور یکساں رہنے والی ہے۔ انہوں نے منزل آخرت کی ہولناکیوں کو اس سے بھی زیادہ ہولناک پایا۔ جتنا انہیں ڈر تھا اور وہاں کے آثار کو اس سے عظیم تر دیکھا جتنا کہ وہ اندازہ لگاتے تھے (مومنوں اور کافروں کی) منزل انتہا کو جائے باز گشت (دوزخ وجنت تک پھیلا دیا گیا ہے۔ وہ کافروں کے لیے) ہر درجہ خوف سے بالاتر اور (مومنوں کے لیے) ہر درجہ امید سے بالاتر ہے، اگر وہ بول سکتے ہوتے جب بھی دیکھی

ہوئی چیزوں کے بیان سے ان کی زبانیں گنگ ہوجاتیں۔اگرچہ ان کے نشانات مٹ چکے ہیں اوران کی خبروں کا سلسلہ قطع ہوچکا ہے۔لیکن چشم بصیرت انہیں دیکھتی اور گوش عقل وخرد ان کی سنتے ہیں، وہ بولے مگر نطق وکلام کے طریقہ پر نہیں بلکہ انہوں نے زبان حال سے کہا شگفتہ چہرے بگڑ گئے۔نرم ونازک بدن مٹی میں مل گئے اور ہم نے بوسیدہ کفن پہن رکھا ہے اور قبر کی تنگی نے ہمیں عاجز کردیا ہے۔خوف و دہشت کا ایک دوسرے سے ورثہ پایا ہے۔ہماری خاموش منزلیں ویران ہوگئیں ہمارے جسم کی رعنائیاں مٹ گئیں۔ہماری جانی پہچانی ہوئی صورتیں بدل گئیں۔ان وحشت کدوں میں ہماری مدت رہائش دراز ہوگئی۔نہ بے چینی سے چھٹکارا نصیب ہے۔نہ تنگی سے فراخی حاصل ہے۔اب اس عالم میں کہ جب کیڑوں کی وجہ سے ان کے کان سماعت کوکھوکر بہرے ہو چکے ہیں۔اوران کی آنکھیں خاک کا سرمہ لگا کر اندر کو دھنس چکی ہیں اوران کے منہ میں زبانیں طاقت وروانی دکھانے کے بعد پارہ پارہ ہوچکی ہیں اور سینوں میں دل چوکنا رہنے کے بعد بے حرکت ہو چکے ہیں۔اوران کے ایک ایک عضوکونت نئی بوسیدگیوں نے تباہ کرکے بدہیت بنادیا ہے اوراس حالت میں کہ وہ (ہرمصیبت سہنے کے لیے) بلامزاحمت آمادہ ہیں۔ان کی طرف آفتوں کا راستہ ہموار کردیا ہے، نہ کوئی ہاتھ ہے جوان کا بچاؤ کرے اورنہ (پسیجنے والے) دل ہیں جو بے چین ہوجائیں،اگرتم اپنی عقلوں میں ان کا نقشہ جماؤ، یا یہ کہ تمہارے سامنے سے ان پر پڑا ہوا پردہ ہٹادیا جائے تو البتہ تم ان کے دلوں کے اندوہ اورآنکھوں میں پڑے ہوئے خس وخاشاک کودیکھوگے کہ ان پر شدت وسختی کی ایسی حالت ہے کہ وہ بدلتی نہیں اورایسی مصیبت

وجان کا ہی ہے کہ ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتی، اور تمہیں معلوم ہو گا کہ زمین نے کتنے باوقار جسموں اور دلفریب رنگ وروپ کو کھالیا جو رنج کی گھڑیوں میں بھی مسرت انگیز چہروں سے دل بہلاتے تھے۔ اگر کوئی مصیبت ان پر آن پڑتی تھی تو اپنے عیش کی تازگیوں پر للچائے رہنے اور کھیل تفریح پر فریفتہ ہونے کی وجہ سے خوش وقتیوں کے سہارے ڈھونڈتے تھے اسی دوران میں کہ وہ غافل و مدہوش کرنے والی زندگی کی چھاؤں میں دنیا کو دیکھ کر ہنس رہے تھے، اور دنیا انہیں دیکھ دیکھ کر قہقہے لگا رہی تھی کہ اچانک زمانہ نے انہیں کانٹوں کی طرح روند دیا اور ان کے سارے زور توڑ دیئے اور قریب ہی سے موت کی نظریں ان پر پڑنے لگیں اور ایسا غم و اندوہ ان پر طاری ہوا کہ جس سے وہ آشنا نہ تھے اور ایسے اندرونی قلق میں مبتلا ہوئے کہ جس سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔ اور اس حالت میں کہ وہ صحت سے بہت زیادہ مانوس تھے۔ ان میں مرض کی کمزوریاں پیدا ہو گئیں تو اب انہوں نے انہی چیزوں کی طرف رجوع کیا جن کا طبیبوں نے انہیں عادی بنا رکھا تھا کہ گرمی کے زور کو سرد دواؤں سے سے ہٹایا جائے اور سردی کو گرم دواؤں سے فرو کیا جائے مگر سرد دواؤں نے گرمی کو بجھان کی بجائے اور بھڑکا دیا اور گرم دواؤں نے ٹھنڈک کو ہٹانے کی بجائے اس کا جوش اور بڑھا دیا اور نہ ان طبیعتوں میں مخلوط ہونے والی چیزوں سے ان کے مزاج نقطہ اعتدال پر آئے۔ بلکہ ان چیزوں نے ہر عضو ماؤف کا آزار اور بڑھا دیا۔ یہاں تک کہ چارہ گر سست پڑ گئے۔ تیمار دار (مایوس ہو کر) غفلت برتنے لگے۔ گھر والے مرض کی حالت بیان کرنے سے عاجز آ گئے اور مزاج پرسی کرنے والوں کے جواب سے خاموشی اختیار کر لی اور اس سے چھپاتے ہوئے

اس اندوہناک خبر کے بارے میں اختلاف رائے کرنے لگے۔ایک کہنے والا یہ کہتا تھا کہ اس کی حالت جو ہے سو ظاہر ہے اور ایک صحت وتندرستی کے پلٹ آنے کی امید دلاتا تھا اور ایک اس کی (ہونے والی) موت پر انہیں صبر کی تلقین کرتا اور اس سے پہلے گزر جانے والوں کی مصیبتیں انہیں یاد دلاتا تھا۔اسی اثنا میں کہ وہ دنیا سے جانے اور دوستوں کو چھوڑنے کے لیے پر تول رہا تھا کہ ناگاہ گلوگیر پھندوں میں سے ایک ایسا پھندہ اسے لگا کہ اس کے ہوش و حواس پاشان و پریشان ہو گئے اور زبان کی تری خشک ہو گئی اور کتنے ہی مبہم سوالات تھے کہ جن کے جواب وہ جانتا تھا۔مگر بیان کرنے سے عاجز ہو گیا اور کتنی ہی دل سوز صدائیں اس کے کان سے ٹکرائیں کہ جن کے سننے سے بہرہ ہو گیا وہ آواز یا کسی ایسے بزرگ کی ہوتی تھی جس کا وہ بڑا احترام کرتا تھا، یا کسی ایسے خوردسال کی ہوتی تھی جس پر یہ مہربان وشفیق تھا موت کی سختیاں اتنی ہیں کہ مشکل ہے کہ دائرہ بیان میں آسکیں یا اہل دنیا کی عقلوں کے اندازہ پر پوری اتر سکیں۔

1۔اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ بنی عبدمناف اور بنی سہم مال ودولت کی فراوانی اور افراد قبیلہ کی کثرت پر آپس میں تفاخر کرنے لگے اور ہر ایک اپنی کثرت دکھانے کے لیے اپنے مردوں کو بھی شمار کرنے لگا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تمہیں مال واولاد کی کثرت نے غافل کر دیا ہے۔یہاں تک کہ تم نے زندوں کے ساتھ مردوں کو بھی شمار کرنا شروع کر دیا ہے۔اس آیت کے ایک معنی یہ بھی کہے گئے ہیں کہ مال واولاد کی فراوانی نے تمہیں غافل کر دیا ہے، یہاں تک کہ تم مر کر قبروں تک پہنچ گئے۔مگر امیر المومنین کے ارشاد سے پہلے معنی کی تائید ہوتی ہے۔

2.مطلب یہ کہ جو دن کے وقت مرتے ہیں ان کی نگاہوں میں ہمیشہ دن ہی رہتا ہے اور جو رات کے وقت مرتے ہیں ان کے لیے رات کا اندھیرا نہیں چھٹتا۔ کیونکہ وہ ایسے مقام پر ہیں جہاں چاند، سورج کی گردش کا اور شب و روز کا چکر نہیں ہوتا اس مضمون کو ایک شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے۔ لابد من یوم بلا لیلۃ اولیلۃ تاتی بلا یوم پھر اجالی رات کا منظر نہ دیکھے گا یہ دن صبح کا جلوہ نہ دیکھے گی کبھی شام فراق

خطبہ 219:

رجال لا تلھیھم تجارۃ کی تلاوت کے وقت فرمایا

آیہ رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ" وہ لوگ ایسے ہیں جنہیں تجارت اور خرید و فروخت ذکر الٰہی سے غافل نہیں بناتی" " کی تلاوت کے بعد فرمایا بیشک اللہ سبحانہ، نے اپنی یاد کو دلوں کی صیقل قرار دیا ہے جس کے باعث وہ (اوامر و نواہی سے) بہرا ہونے کے بعد سننے لگے اور اندھے پن کے بعد دیکھنے لگے اور دشمنی و عناد کے بعد فرمانبردار ہو گئے یکے بعد دیگرے ہر عہد اور انبیاء سے خالی دور میں حضرت ربّ العزّت کے کچھ مخصوص بندے ہمیشہ موجود رہے ہیں کہ جن کی فکروں میں سرگوشیوں کی صورت میں (حقائق و معارف کا) القاء کرتا ہے اور ان کی عقلوں سے الہامی آوازوں کے ساتھ کلام کرتا ہے چنانچہ انہوں نے اپنی آنکھوں، کانوں اور دلوں میں بیداری کے نور سے (ہدایت و بصیرت کے) چراغ روشن کئے ہیں۔ وہ مخصوص یادرکھنے (کے قابل) دنوں کی یاد دلاتے ہیں۔ اور اس کی جلالت و بزرگی سے ڈراتے ہیں۔ وہ لق و دق صحراؤں میں دلیل راہ ہیں۔ جو میانہ روی اختیار کرتا

ہے۔اس کے طور طریقے پر تحسین و آفرین کرتے ہیں اور اسے نجات کی خوشخبری سناتے ہیں اور جو (افراط و تفریط کی) دائیں بائیں سمتوں پر ہو لیتا ہے اس کے رویہ کی مذمت کرتے ہیں اور اسے تباہی و ہلاکت سے خوف دلاتے ہیں۔انہی خصوصیتوں کے ساتھ یہ ان اندھیاریوں کے چراغ اور ان کے شبہوں کے لیے راہنما ہیں۔کچھ اہل ذکر ہوتے ہیں جنہوں نے یاد الٰہی کو دنیا کے بدلے لے لیا۔انہیں نہ تجارت اس سے غافل رکھتی ہے نہ خرید و فروخت اسی کے ساتھ زندگی کے دن بسر کرتے ہیں اور محرمات الہیہ سے متنبہ کرنے والی آوازوں کے ساتھ غفلت شعاروں کے کانوں میں پکارتے ہیں۔عدل و انصاف کا حکم دیتے ہیں اور خود بھی اس پر عمل کرتے ہیں۔برائیوں سے روکتے ہیں اور خود بھی ان سے باز رہتے ہیں، گویا کہ انہوں نے دنیا میں ہوتے ہوئے آخرت تک منزل کو طے کرلیا اور جو کچھ دنیا کے عقب میں ہے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور گویا کہ وہ اہل برزخ کے ان چھپے ہوئے حالات پر جو ان کے طویل عرصہ قیام میں نہیں پیش آئے، آگاہ ہو چکے ہیں اور گویا قیامت نے ان کے لیے اپنے وعدوں کو پورا کر دیا اور انہوں نے اہل دنیا کے سامنے (ان چیزوں پر سے پردہ الٹ دیا یہاں تک کہ گویا وہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں جسے دوسرے نہیں دیکھ سکتے اور وہ سب کچھ سن رہے ہیں جسے دوسرے نہیں سن سکتے۔اگر تم ان کی پاکیزہ جگہوں اور پسندیدہ محفلوں میں ان کی تصویر اپنے ذہن میں کھینچو جبکہ وہ اپنے اعمال ناموں کو کھولے ہوں اور اپنے نفسوں سے ہر چھوٹے بڑے کام کا محاسبہ کرنے پر آمادہ ہوں۔ایسے کام کو جن پر وہ مامور تھے اور انہوں نے کوتاہی کی یا ایسے جن سے انہیں روکا گیا تھا، اور ان سے تقصیر

ہوئی اور ہمیشہ اپنی پشتوں کو اپنے گناہوں سے گرانبار محسوس کرتے رہے ہوں کہ جن کے اٹھانے سے وہ اپنے کو عاجز و درماندہ پاتے ہوں اس لیے روتے روتے ان کی ہچکیاں بندگئی ہوں اور بلک بلک کر روتے ہوئے ایک دوسرے کو جواب دے رہے ہوں۔ اور ندامت و اعتراف گناہ کی منزل پر کھڑے ہوئے اللہ سے چیخ چیخ کر فریاد کر رہے ہوں تو اس صورت میں تمھیں ہدایت کے نشان اور اندھیروں کے چراغ نظر آئیں گے جن کے گرد فرشتے حلقہ کئے ہوں گے۔ تسلی و تسکین کا ان پر درود ہو۔ آسمان کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہوں، عزت کی مسندیں ان کے لیے مہیا ہوں۔ ایسی جگہ پر کہ جہاں اللہ کی نظر توجہ ان پر ہو وہ ان کی کوششوں سے خوش ہو اور ان کی منزلت پر آفرین کرتا ہو۔ وہ اسے پکارنے کی وجہ سے عفو و بخشش کی ہواؤں میں سانس لیتے ہوں، وہ اس کی عظمت و رفعت کے سامنے ذلت و پستی میں جکڑے ہوئے ہوں غم و اندوہ کی طویل مدت نے ان کے دلوں کو زخمی اور گریہ و بکا کی کثرت نے ان کی آنکھوں کو مجروح کر دیا ہو۔ ہر اس دروازہ پر ان کا ہاتھ دستک دینے والا ہے جو اس کی طرف متوجہ و راغب کرے وہ اس سے مانگتے ہیں کہ جس کے جود و کرم کی پہنائیاں تنگ نہیں ہوتیں اور نہ خواہش لے کر بڑھنے والے ناامید پھرتے ہیں تم اپنی بہبودی کے لیے اپنے نفس کا محاسبہ کرو کیوں کہ دوسروں کا محاسبہ کرنے والا تمہارے علاوہ دوسرا ہے۔

خطبہ 220:

آیت یاایھا الانسان ماغرّك بربّك الكريم کی تلاوت کے وقت فرمایا

آیت یاایھاالانسان ماغرّک بربّک الکریم" اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے پروردگار کریم کے بارے میں دھوکا دیا" کی تلاوت کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:۔ یہ شخص جس سے سوال ہو رہا ہے جواب میں کتنا عاجز اور یہ فریب خوردہ عذر پیش کرنے میں کتنا قاصر ہے وہ اپنے نفس کو سختی سے جہالت میں ڈالے ہوئے ہے۔اے انسان کس چیز نے تجھے گناہ پر دلیر کر دیا ہے اور کس چیز نے تجھے اپنے پروردگار کے بارے میں دھوکا دیا ہے اور کس چیز نے تجھے اپنی تباہی پر مطمئن بنا دیا ہے۔کیا تیرے مرض کے لیے شفا اور تیرے خواب (غفلت) کے لیے بیداری نہیں ہے،کیا تجھے اپنے پر اتنا بھی رحم نہیں آتا جتنا دوسروں پر ترس کھاتا ہے۔بسا اوقات تو جلتی دھوپ میں کسی کو دیکھتا ہے تو اس پر سایہ کر دیتا ہے یا کسی کو درد و کرب میں مبتلا پاتا ہے تو اس پر شفقت کی بنا پر تیرے آنسو نکل پڑتے ہیں۔مگر خود اپنے روگ پر کس نے تجھے صبر دلا یا ہے اور کس نے تجھے اپنی مصیبتوں پر توانا کر دیا ہے اور خود اپنے اوپر رونے سے تسلی دے دی ہے۔حالانکہ سب جانوں سے تجھے اپنی جان عزیز ہے اور کیوں کر عذاب الٰہی کے رات ہی کو ڈیرے ڈال دینے کا خطرہ تجھے بیدار نہیں رکھتا حالانکہ تو اپنے گناہوں کی بدولت اس کے قہر و تسلّط کی راہ میں پڑا ہوا ہے۔دل کی کوتاہیوں کے روگ کا چارہ عزم راسخ سے آنکھوں کے خواب غفلت کا مداوا بیداری سے کرو۔اللہ کے مطیع و فرمانبردار بنو اور اس کی یاد سے جی لگاؤ، ذرا اس حالت کا تصوّر کرو، وہ تمہاری طرف

بڑھ رہا ہے اور تم اس سے منہ پھیرے ہوئے ہو اور وہ تمہیں اپنے دامن عفو میں لینے کے لیے بلا رہا ہے اور اپنے لطف و احسان سے ڈھانپنا چاہتا ہے اور تم ہو کہ اس سے روگرداں ہو کر دوسری طرف رخ کئے ہوئے ہو، بلند برتر ہے وہ خدائے قوی و توانا کہ جو کتنا بڑا کریم ہے، اور تو اتنا عاجز و ناتواں اور اتنا پست ہو کر گناہوں پر کتنا جری اور دلیر ہے حالانکہ اسی کے دامن پناہ میں اقامت گزیں ہے اور اسی کے لطف و احسان کی پہنائیوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے۔ اس نے اپنے لطف و کرم کو تجھ سے روکا نہیں اور نہ تیرا پردہ چاک کیا ہے، بلکہ اس کی کسی نعمت میں جو اس نے تیرے لیے خلق کی یا کسی گناہ میں کہ جس پر اس نے پردہ ڈالا یا کسی مصیبت و ابتلاء میں کہ جس کا رخ تجھ سے موڑا تو اس کے لطف و کرم سے لحظہ بھر کے لیے محروم نہیں ہوا یہ اس صورت میں ہے کہ جب تو اس کی معصیت کرتا ہے تو پھر تیرا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اگر تو اس کی اطاعت کرتا ہوتا۔ خدا کی قسم! اگر یہی رویہ دو ایسے شخصوں میں ہوتا جو قوت و قدرت میں برابر کے ہم پلہ ہوتے (اور ان میں سے ایک تو ہوتا جو بے رخی کرتا اور دوسرا تجھ پر احسان کرتا تو تو ہی سب سے پہلے اپنے نفس پر کج خلقی اور بد کرداری کا حکم لگاتا، سچ کہتا ہوں کہ دنیا نے تجھ کو فریب نہیں دیا بلکہ تو خود (جان بوجھ کر) اس کے فریب میں آیا ہے۔ اس نے تو تیرے سامنے نصیحتوں کو کھول کر رکھ دیا اور تجھے (ہر چیز سے) یکساں طور پر آگاہ کر دیا۔ اس نے جن بلاؤں کو تیرے جسم پر نازل ہونے اور جس کمزوری کے تیرے قوای پر طاری ہونے کا وعدہ کیا ہے اس میں راستگو اور ایفائے عہد کرنے والی ہے بجائے اس کے کہ تجھ سے جھوٹ کہا ہو یا فریب دیا ہو۔ کتنے ہی اس دنیا

کے بارے میں سچے نصیحت کرنیوالے ہیں جو تیرے نزدیک ناقابل اعتبار ہیں اور کتنے ہی اس کے حالات کو صحیح صحیح بیان کرنے والے ہیں جو جھٹلائے جاتے ہیں۔ اگر تو ٹوٹے ہوئے گھروں اور سنسان مکانوں سے دنیا کی معرفت حاصل کرے تو تو انہیں اچھی یاد دہانی اور موثر پند ہی کے لحاظ سے بمنزلہ ایک مہربان کے پائے گا جو تیرے (ہلاکتوں میں پڑنے سے) بخل سے کام لیتے ہیں یہ دنیا اس کے لیے اچھا گھر ہے جو اسے گھر سمجھنے پر خوش نہ ہو، اور اسی کے لیے اچھی جگہ ہے جو اسے اپنا وطن بنا کر نہ رہے۔ اس دنیا کی وجہ سے سعادت کی منزل پر کل وہی لوگ پہنچیں گے جو آج اس سے گریزاں ہیں۔ جب زمین زلزلہ میں اور قیامت اپنی ہولناکیوں کے ساتھ آجائے گی اور ہر عبادت گاہ سے اس کے پجاری ہر معبود سے اس کے پرستار اور ہر پیشوا سے اس کے مقتدی ملحق ہو جائیں گے تو اس وقت فضائیں شگاف کرنے والی نظر اور زمین میں قدموں کی ہلکی چاپ کا بدلہ بھی اس کی عدالت گستری و انصاف پروری کے پیش نظر حق و انصاف سے پورا پورا دیا جائے گا۔ اس دن کتنی ہی دلیلیں غلط و بے معنی ہو جائیں گی اور عذر و معذرت کے بندھن ٹوٹ جائیں گے تو اب اس چیز کو اختیار کرو جس سے تمہارا عذر قبول اور تمہاری حجّت ثابت ہو سکے جس دنیا سے تم نے ہمیشہ بہرایاب نہیں ہونا اس سے وہ چیزیں لے لو جو تمہارے لیے ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں اپنے سفر کے لیے تیار رہو (دنیا کی ظلمتوں میں) نجات کی چمک پر نظر کرو اور جدو جہد کی سواریوں پر پالان کس لو۔

خطبہ 221:

عقیل کی حالتِ فقر و احتیاج اور اشعث ابن قیس کی رشوت کی پیشکش

خدا کی قسم! مجھے سعد 1 ان کانٹوں پر جاگتے ہوئے رات گزارنا اور طوق و زنجیر میں مقید ہو کر گھسیٹا جانا اس سے کہیں زیادہ پسند ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ میں نے کسی بندے پر ظلم کیا ہو۔ یا مال دنیا میں سے کوئی چیز غصب کی ہو، میں اس نفس کی خاطر کیونکر کسی پر ظلم کر سکتا ہوں جو جلد ہی فنا کی طرف پلٹنے والا اور مدتوں تک مٹی کے نیچے پڑا رہنے والا ہے۔ بخدا میں نے (اپنے بھائی) عقیل کو سخت فقر و فاقہ کی حالت میں دیکھا، یہاں تک کہ وہ تمہارے (حصہ کے) گیہوں کے ایک صاع مجھ سے مانگتے تھے اور میں نے ان کے بچوں کو بھی دیکھا جن کے بال بکھرے ہوئے اور فقر و بے نوائی سے رنگ تیرگی مائل ہو چکے تھے گویا ان کے چہرے نیل چھڑک کر سیاہ کر دیئے گئے ہیں۔ وہ اصرار کرتے ہوئے میرے پاس آئے اور اس بات کو بار بار دھرایا میں نے ان کی باتوں کو کان دے کر سنا تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ میں ان کے ہاتھ اپنا دین بیچ ڈالوں گا اور اپنی روش چھوڑ کر ان کے پیچھے ہو جاؤں گا۔ مگر میں نے کیا یہ کہ ایک لوہے کے ٹکڑے کو تپایا اور پھر ان کے جسم کے قریب لے گیا تا کہ عبرت حاصل کریں۔ چنانچہ وہ اس طرح چیخے جس طرح کوئی بیمار درد و کرب سے چیختا ہے اور قریب تھا کہ ان کا بدن اس داغ دینے سے جل جائے۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ

اے عقیل رونے والیاں تم پر روئیں کیا تم اس لوہے کے ٹکڑے سے چیخ اٹھے ہو جسے ایک

انسان نے ہنسی مذاق میں (بغیر جلانے کی نیت سے) تپایا ہے اور تم مجھے اس آگ کی طرف کھینچ رہے ہو کہ جسے خدائے قہار نے اپنے غضب سے بھڑکایا ہے۔ تم تو اذیت سے چیخو اور میں جہنم کے شعلوں سے نہ چلاؤں۔ اس سے عجیب تر واقع یہ ہے کہ ایک شخص2 رات کے وقت (شہد میں) گندھا ہوا حلوہ ایک برتن میں لیے ہوئے ہمارے گھر پر آیا۔ جس سے مجھے ایسی نفرت تھی کہ محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ سانپ کے تھوک یا اس کی قے میں گوندھا گیا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ کیا یہ کسی بات کا انعام ہے یا زکوٰۃ ہے یا صدقہ ہے کہ جو ہم اہل بیت پر حرام ہے۔ تو اس نے کہا کہ نہ یہ ہے نہ وہ ہے بلکہ یہ تحفہ ہے۔ تو میں نے کہا سپر مردہ عورتیں تجھ پر روتیں کیا تو دین کی راہ سے مجھے فریب دینے کے لیے آیا ہے۔ کیا تو بہک گیا ہے؟ یا پاگل ہو گیا ہے یا یونہی ہذیاں بک رہا ہے۔ خدا کی قسم! اگر ہفت اقلیم ان چیزوں سمیت جو آسمانوں کے نیچے ہیں مجھے دے دیئے جائیں۔ صرف اللہ کی اتنی معصیت کروں کہ میں چیونٹی سے جو کا ایک چھلکا چھین لوں تو کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ یہ دنیا تو میرے نزدیک اس پتّی سے بھی زیادہ بے قدر ہے جو ٹڈی کے منہ میں ہو کہ جسے وہ چبا رہی ہو۔ علی کو فنا ہونے والی نعمتوں اور مٹ جانے والی لذتوں سے کیا واسطہ۔ ہم عقل کے خواب غفلت میں پڑ جانے اور لغزشوں کی برائیوں سے خدا کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور اسی سے مدد کے خواستگار ہیں۔

ا۔ ایک خاردار جھاڑی ہے جسے اونٹ چرتا ہے۔

۲۔ یہ اشعث ابن قیس تھا۔

خطبہ 222:

آپ علیہ السلام کے دعائیہ کلمات

خدایا! میری آبرو کو غنا و تونگری کے ساتھ محفوظ رکھ اور فقر و تنگ دستی سے میری منزلت کو نظروں سے نہ گرا کہ تجھ سے رزق مانگنے والوں سے رزق مانگنے لگوں اور تیرے بندوں کی نگاہ لطف و کرم کو اپنی طرف موڑنے کی تمنا کروں اور جو مجھے دے اس کی مدح و ثنا کرنے لگوں اور جو نہ دے اس کی برائی کرنے میں مبتلا ہو جاؤں اور ان سب چیزوں کے پس پردہ تو ہی عطا کرنے اور روک لینے کا اختیار رکھتا ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

خطبہ 223:

اہلِ قبور کی حالتِ بے چارگی

(یہ دنیا) ایک ایسا گھر ہے جو بلاؤں میں گھرا ہوا ہے اور فریب کاریوں میں شہرت یافتہ ہے اور اس کے حالات کبھی یکساں نہیں رہتے اور نہ اس میں فروکش ہونے والے صحیح و سالم رہ سکتے ہیں۔ اس کے حالات مختلف اور اطوار ادلنے بدلنے والے ہیں۔ خوش گزرانی کی صورت اس میں قابلِ مزمت اور امن و سلامتی کا اس میں پتہ نہیں۔ اس کے رہنے والے تیر اندازی کے ایسے نشانے ہیں کہ جن پر دنیا اپنے تیر چلاتی رہتی ہے اور موت کے ذریعہ انہیں فنا کرتی رہتی ہے۔ اے خدا کے بندو! اس بات کو جانے رہو کہ تمہیں اور اس دنیا کی اُن چیزوں کو کہ جن میں تم ہو انہی لوگوں کی راہ پر گزرنا ہے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں کہ جو تم سے

زیادہ لمبی عمروں والے، تم سے زیادہ آباد گھروں والے اور تم سے زیادہ پائدار نشانیوں والے تھے۔ ان کی آوازیں خاموش ہو گئیں، بندھی ہوائیں اکھڑ گئیں، بدن گل سڑ گئے، گھر سنسان ہو گئے اور نام و نشان تک مٹ گئے۔ انہوں نے مضبوط محلوں اور بچھی ہوئی مسندوں کو پتھروں اور چنی ہوئی سلوں اور پیوند زمین ہونے والی (اور) لحد والی قبروں سے بدل لیا کہ جن کے صحنوں کی بنیاد تباہی و ویرانی پر ہے اور مٹی ہی سے اُن کی عمارتیں مضبوط کی گئی ہیں۔ ان قبروں کی جگہیں آپس میں نزدیک نزدیک ہیں اور ان میں بسنے والے دور افتادہ مسافر ہیں ایسے مقام میں کہ جہاں وہ بوکھلائے ہوئے ہیں اور ایسی جگہ میں کہ جہاں (دنیا کے کاموں سے) فارغ ہو کر آخرت (کی فکروں میں) مشغول ہیں۔ وہ اپنے وطن سے اُنس نہیں رکھتے اور نزدیک کی ہمسائیگی اور گھروں کے قرب کے باوجود ہمسایوں کی طرح آپس میں میل ملاپ نہیں رکھتے اور کیونکر آپس میں ملنا جلنا ہو سکتا ہے۔ جبکہ بوسیدگی و تباہی نے اپنے سینہ سے انہیں پیس ڈالا ہے اور پتھروں اور مٹی نے انہیں کھا لیا ہے۔ تم بھی یہی سمجھو کہ (گویا) وہیں پہنچ گئے جہاں وہ پہنچ چکے ہیں اور اسی خواب گاہ (قبر) نے تمہیں بھی جکڑ لیا ہے اور اسی امانت گاہ (لحد) نے تمہیں بھی چمٹا لیا ہے۔ اس وقت تمہاری حالت کیا ہو گی کہ جب تمہارے سارے مرحلے انتہا کو پہنچ جائیں گے اور قبروں سے نکل کھڑے ہو گے۔ وہاں ہر شخص اپنے اعمال کے (نفع و نقصان) کی جانچ کرے گا اور وہ اپنے سچے مالک خدا کی طرف پلٹائے جائیں گے اور جو کچھ افترا پردازیاں کرتے تھے اُن کے کام نہ آئیں گی۔

خطبہ 224:

آپ کے دعائیہ کلمات

اے اللہ! تو اپنے دوستوں کے ساتھ تمام اُنس رکھنے والوں سے زیادہ مانوس ہے اور جو تجھ پر بھروسہ رکھنے والے ہیں اُن کی حاجت روائی کے لئے ہمہ وقت پیش پیش ہے۔ تو ان کی باطنی کیفیتوں کو دیکھ رہا ہے اور ان کے چھپے ہوئے بھیدوں کو جانتا اور ان کی بصیرتوں کی رسائی سے باخبر ہے۔ ان کے راز تیرے سامنے آشکارا اور اُن کے دل تیرے آگے فریادی ہیں۔ اگر تنہائی سے ان کا جی گھبراتا ہے تو تیرا ذکر ان کا دل بہلاتا ہے۔ اگر مصیبتیں اُن پر پڑتی ہیں تو وہ تیرے دامن میں پناہ لینے کے لئے ملتجی ہوتے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ سب چیزوں کی باگ ڈور تیرے ہاتھ میں ہے اور اُن کے نفاذ پذیر ہونے کی جگہیں تیرے ہی فیصلوں سے وابستہ ہیں۔ خدایا! اگر میں سوال کرنے سے عاجز رہوں یا اپنے مقصود پر نظر نہ ڈال سکوں تو تُو میری مصلحتوں کی طرف رہنمائی فرما اور میرے دل کو اصلاح و بہبودی کی صحیح منزل پر پہنچا۔ یہ چیز تیری رہنمائیوں اور حاجت روائیوں کو دیکھتے ہوئے کوئی نرالی نہیں۔ خدایا! میرا معاملہ اپنے عفو و بخشش سے طے کرنا اپنے عدل و انصاف کے معیار سے۔

خطبہ 225:

اپنے ایک صحابی کے متعلق فرمایا جو انتشار و فتنہ سے قبل دنیا سے اٹھ گئے تھے

فلاں 1 شخص کی کارکردگیوں کی جزا اللہ دے انہوں نے ٹیڑھے پن کو سیدھا کیا، مرض کا چارہ کیا۔ فتنہ و فساد کو پیچھے چھوڑ گئے۔ سنت کو قائم کیا صاف ستھرے دامن اور کم عیبوں کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ (دنیا کی) بھلائیوں کو پالیا اور اُس کی شرانگیزیوں سے آگے بڑھ گئے۔ اللہ کی اطاعت بھی کی اور اس کا پورا پورا خوف بھی کھایا۔ خود چلے گئے اور لوگوں کو ایسے متفرق راستوں میں چھوڑ گئے جن میں گم کردہ راہ کی راستہ نہیں پا سکتا اور ہدایت یافتہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔

1. ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے کہ لفظ جلاں کنایہ ہے حضرتِ عمر سے اور یہ کلمات انہی کی مدح و توصیف میں کہے گئے ہیں جیسا کہ سید رضی کے تحریر کردہ نسخہ نہج البلاغہ میں لفظ جلاں کے نیچے انہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا لفظ عمر موجود تھا۔ یہ ابن ابی الحدید کا دعویٰ، مطر دیکھنا یہ ہے کہ اگر سید رضی نے بطور تشریح حضرت عمر کا نام لکھا ہوتا تو جس طرح ان کی دوسری تشریحات موجود ہیں تو اس تشریح کو بھی موجود ہونا چاہئے تھا اور ان نسخوں میں بھی اس کا وجود ہونا چاہئے تاکہ جو ان کے نسخہ سے نقل ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ اب بھی موصل میں مستعصم باللہ کے دور کے شُہرہ آفاق خطاط یاقوت المستعصمی کے ہاتھ کا لکھا ہوا قدیم ترین نہج البلاغہ کا نسخہ موجود ہے، مطر سید رضی کی اس تشریح کی نشان دہی کسی ایک نے بھی نہیں کی، اور اگر ابن ابی الحدید کی اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اسے زائد سے چائد جناب رضی کی ذاتی رائے کہا جا سکتا ہے جسے کسی قوی دلیل کی موجودگی میں بطور موید تو پیش کیا جا سکتا ہے مگر مستقلاً اس شخصی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی ہے۔

حیرت ہے کہ ابن ابی الحدید ساتویں ہجری میں سید رضی کے ڈھائی سو برس بعد یہ افادہ فرماتے ہیں کہ اس سے حضرت عمر مراد ہیں اور یہ کہ خود سید رضی نے اس کی تصریح کر دی تھی۔ چنانچہ ان کے تتبع میں بعض دوسرے شارحین نے بھی یہی لکھنا شروع کر دیا۔لیکن سید رضی کے معاصرین میں سے جن لوگوں نے بھی نہج البلاغہ کے متعلق کچھ لکھا ہے ان کی تحریرات میں اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔حالانکہ بحیثیت معاصر ہونے کے سید رضی کی تحریر پر انہیں زیادہ مطلع ہونا چاہئے تھا۔ چنانچہ علامہ علی ابن الناصر جو جناب سید رضی کے ہمعصر تھے اور انہی کے سور میں نہج البلاغہ کی شرح اعلام نہج البلاغہ کے نام لکھتے ہیں وہ اس خطبہ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: حضرت نے اپنے اصحاب میں سے ایک ایسے شخص کو حسنِ سیرت کے ساتھ سراہا ہے کہ جو پیغمبر کے بعد پیدا ہونے والے فتنہ سے پہلے ہی انتقال کر چکا تھا۔

اس کی تائید علامہ قطب الدین راوندی متوفی 573 ہجری کی شرح نہج البلاغہ سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن میثم نے بھی ان کا یہ قول نقل کیا ہے: حضرت نے اس سے زمانہ پیغمبر کے اپنے ایک ایسے ساتھی کو مراد لیا ہے جو فتنہ کے برپا ہونے اور پھیلنے سے پہلے ہی رحلت کر چکا تھا۔

اگر یہ کلمات حضرتِ عمر کے متعلق ہوتے اور اس کے متعلق کوئی قابلِ اعتماد سند ہوتی تو ابنِ ابی الحدید اس سند و روایت کو درج کرتے اور اس کا ذکر تاریخ میں آتا اور زبانوں پر اس کا چرچا

ہوتا، مگر یہاں تو اثباتِ مُدعا کے لیے خودساختہ قرائن کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ چنانچہ وہ "خیرھا وشرھا" کی ضمیر کا مرجع خلافت کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کلمات ایسے ہی شخص پر صادق آسکتے ہیں جو تسلط واقتدار رکھتا ہو، کیونکہ اقتدار کے بغیر ناممکن ہے کہ سنت کی ترویج اور بدعت کی روک تھام کی جا سکے۔ یہ اِس دلیل کا خلاصہ جسے اس مقام پر پیش کیا ہے، حالانکہ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ ضمیر کا مرجع خلافت ہے بلکہ وہ ضمیر دنیا کی طرف راجع ہوسکتی ہے جو سیاقِ کلام سے مستفاد ہے اور مفادِ عامہ کی حفاظت اور ترویج سنت کے لیے اقتدار کی شرط لگا دینا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بند کر دینا ہے حالانکہ خداوندِ عالم نے شرطِ اقتدار کے بغیر امت کے ایک گروہ پر یہ فریضہ عائد کیا ہے: تم میں سے ایک ایسا گروہ ہونا چاہیئے جو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کاموں کا حکم دے اور بُرے کاموں سے روکے۔

اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ: لوگ جب تک امر بالمعروف انر نہی عن المنکر کرتے رہیں گے اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹاتے رہیں گے وہ بھلائی پر باقی رہیں گے۔

یونہی امیر المومنینؑ اپنی ایک وصیت میں عمومیت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ: توحید اور سنت کے ستونوں کو قائم کرو اوران دونوں چراغوں کو روشن رکھو۔

ان ارشادات میں کہیں بھی اس طرف اشارہ نہیں کہ اس فریضہ کی انجام دہی حکومت واقتدار کے بغیر نہیں ہوسکتی اور واقعات بھی یہی بتاتے ہیں کہ امراؤ سلاطین لشکر و سپاہ اور قوت و طاقت کے باوجود برائیوں کو اس حد تک نہ ظاہر کر سکے اور نیکیوں کو اس قدر رواج نہ دے سکے جس قدر بعض گم نام اور شکستہ حال درویش دل و دماغ پر اپنی روحانیت کا نقش بٹھا کر اخلاقی رفعتوں کو ابھار گئے۔ حالانکہ ان کی پشت پر نہ فوج نہ سپاہ ہوتی تھی اور نہ بے سروسامانی کیے علاوہ کوءسروسامان ہوتا تھا۔ بے شک تسلط واقتدار سروں کو جھکا سکتا ہے، لیکن ضروری نہیں کہ دلوں میں نیکی کر راہ بھی پیدا کر سکے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بیشتر اسلامی تاجداروں نے اسلامی خدوخال کو مٹا کر رکھ دیا اور اسلام اپنے بقاء فروغ میں صرف اُن بے نواؤں کا مرہونِ منت رہا جن کی جھولی میں فقرو نامرادی کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا۔

اگر اسی پر اصرار ہو کہ ان سے صرف ایک حکمران ہی مراد لیا جا سکتا ہے تو کیوں نہ اس سے حضرت کا کوئی ایسا ساتھی مراد لیا جائے جو کسی صوبہ پر حکمران رہ چکا ہو جیسے حضرت سلمان فارسی جن کی تجہیز وتکفین کے لیے حضرت مدائن تشریف لے گئے اور بعید نہیں کہ ان کے دفن کرنے کے بعد ان کی زندگی اور آئین حکمرانی پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہوں۔ پھر یہ سمجھنا کہ وہ حضرتِ عمر ہی کے متعلق الفاظ ہیں بلا دلیل ہی تو ہے۔ آخر میں اثباتِ مُدعا کے لیے طبری کی اس روایت کو پیش کیا ہے: مغیرہ ابن شعبہ سے روایت ہے کہ جب حضرتِ عمر انتقال کر گئے تو بنت ابی حثمہ نے روتے ہوئے کہا کہ ہائے عمر تو وہ تھا جس نے

ٹیڑھے پیچ کو سیدھا کیا، بیماریوں کو دور کیا، فتنوں کو مٹایا اور سنتوں کو زندہ کیا۔ پاکیزہ دامن اور عیبوں سے بچ کر چل بسا۔ (مورخ طبری کہتے ہیں کہ) مغیرہ نے بیان کیا کہ جب حضرت عمر دفن ہو گئے تو میں حضرت علیؑ کے پاس آیا اور میں چاہتا تھا کہ آپ سے حضرت عمر کے بارے میں کچھ سنوں۔ چنانچہ میرے جانے پر حضرت باہر تشریف لائے اس حالت میں کہ آپؑ غسل فرما کر ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے اور سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو جھٹک رہتے تھے اور آپ کو اس میں کوئی شبہ نہ تھا کہ خلافت آپ ہی کی طرف پلٹے گی۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا خدا ابن خطاب پر رحم کرے۔ بنت ابی حثمہ نے سچ کہا ہے کہ وہ خلافت کے فائدے اٹھا گئے اور بعد میں پیدا ہونے والے فتنوں سے بچ نکلے۔ خدا کی قسم بنت ابی حثمہ نے کہا نہیں بلکہ اس سے کہلوایا گیا ہے۔ (طبری، جلد 3، صفحہ 285)

اس واقعہ کا راوی مغیرہ ابن شعبہ ہے جس کا اُمِ جمیل کے ساتھ فعلِ بد کا مرتکب ہونا اور شہادت کے باوجود حضرت عمر کا اُسے حد سے بچا لے جانا اور معاویہ کے حکم سے اس کا کوفہ میں علانیہ امیر المومنینؑ پر شب و شتم کرنا تاریخی مسلمات میں سے ہے۔ اس بنا پر اس کی روایت کا جو وزن ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے اور درایۃً بھی اس روایت کو قبول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مغیرہ کا یہ کہنا کہ امیر المومنین کو اپنی خلافت میں کوئی شبہ نہ تھا حقیقت کے خلاف ہے۔ آخر وہ کون سے قرائن تھے جن سے اُس نے یہ اندازہ لگایا جبکہ تاریخی حقائق اس کے سراسر خلاف ہیں اور اگر کسی کی خلافت یقینی تھی تو وہ حضرتِ عثمان تھے۔ چنانچہ عبدالرحمن ابن عوف

نے شوریٰ کے موقع پر امیر المومنینؑ سے کہا کہ: اے علی، تم اپنے لیے ضرر کی صورت پیدا نہ کرو۔ میں نے دیکھ بھال لیا ہے اور لوگوں سے مشورہ بھی لیا ہے، وہ سب عثمان کو چاہتے ہیں۔(طبری، جلد3، صفحہ 297)

چنانچہ حضرت کو خلافت کے نہ ملنے کا پورا یقین تھا جیسا کہ خطبہ شقشقیہ کے ذیل میں تاریخ طبری سے نقل کیا جاچکا ہے کہ امیر المومنینؑ نے ارکانِ شوریٰ کے نام دیکھتے ہی عباس ابن عبد المطلب سے فرما دیا تھا کہ خلافت عثمان کے علاوہ کسی اور کو نہیں مل سکتی کیونکہ تمام اختیارات عبدالرحمان کو سونپ دیے گئے ہیں اور وہ عثمان کے بہنوئی ہوتے ہیں اور سعد ابن ابی وقاص، عبدالرحمان کے ہم قبیلہ و عزیز ہیں اور یہ دونوں مل کر خلافت عثمان کو ہی دیں گے۔

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا جذبہ تھا جس نے مغیرہ کے دل میں تڑپ پیدا کی کہ وہ حضرت عمر کے متعلق امیر المومنین سے کچھ کہلوائے، اگر وہ یہ جانتا تھا کہ حضرت ان کے متعلق اچھے خیالات رکھتے ہیں تو ان کے تاثرات کا بھی اندازہ ہوسکتا تھا اور اگر یہ سمجھتا تھا کہ امیر المومنینؑ اُن کے متعلق حسنِ ظن نہیں رکھتے تو پوچھنے کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا کہ آپ جو کچھ فرمائیں اسے اُچھال کر فضا کو ان کے خلاف اور ارکانِ شوریٰ کو انسے بدظن کیا جا:: اور ارکانِ شوریٰ کے نظریات تو اسی سے ظاہر ہیں کہ وہ انتخابِ خلافت میں سیرتِ شیخین کی پابندی لگا کر شیخین سے اپنی عقیدت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان حالات میں جب مغیرہ نے یہ سازش کرنا چاہی تو آپؑ نے حکایت واقعہ کے طور پر یہ فرمایا لقد ذھب بخیر

ھاونجا من شرھا۔اس جملہ کو مدح وتوصیف سے کوئی لگاؤ نہیں، یقیناً وہ اپنے دور میں ہر طرح کے فائدے اٹھاتے رہے اور اور بعد میں پیدا ہونے والے فتنوں سے ان کا دور خالی رہا۔ ابنِ ابی الحدید اس روایت کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: اس روایت سے ظن قوی ہو جاتا ہے کہ اس کلام سے مراد و مقصود عمر ابن خطاب ہیں۔

اگر اس کلام سے وہ کلمات مراد ہیں جو بنت ابی حثمہ نے کہے ہیں کہ جن کے متعلق امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ یہ اس کے دل کی آواز نہیں بلکہ اس سے کہلوائے گئے ہیں تو بیشک اس سے حضرت عمر مراد ہیں۔لیکن یہ کہ یہ الفاظ امیر المومنینؑ نے ان کی مدح میں کہے ہیں تو یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس روایت سے تو صراحتاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بنت ابی حثمہ نے کہے تھے، خدا جانے کس بنا پر۔ بنت ابی حثمہ کے الفاظ کو درج کر کے یہ دعویٰ کرنے کی جرات کی جاتی ہے کہ یہ الفاظ امیر المومنینؑ نے حضرت عمر کے بارے میں کہے ہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنینؑ نے کسی موقع پر یہ الطاظ کسی کے متعلق کہے ہوں گے۔اور بنتِ ابی حثمہ نے حضرت عمر کے انتقال پر ان سے ملتے جلتے ہوئے الفاظ کہے تو حضرت علیؑ کے کلمات کو بھی حضرت عمر کی مدح میں سمجھ لیا گیا، ورنہ عقل اعتزال کے علاوہ کوئی عقل یہ تجویز نہیں کر سکتی کہ بنت ابی حثمہ کے کہے ہوئے الفاظ کو اس کی دلیل قرار دیا جائے کہ کہ امیر المومنینؑ نے حضرت عمر کی مدح میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہوں۔اور پھر غور طلب بات یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ حضرت عمر کی رحلت کے موقع پر فرمائے ہوتے تو جب شوریٰ کے موقع

پر علانیہ سیرتِ شیخین کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں تو آپ سے یہ نہیں کہا جاتا کہ کل تو آپ یہ فرما رہے تھے کہ انھوں نے سنت کو قائم کیا اور بدعت کو مٹایا تو جب ان کی سیرت سُنت سے ہمنوا ہے تو پھر سنت کو تسلیم کرنے کے بعد سیرت سے انکار کرنے کے کیا معنی ہوتے ہیں۔[نوٹ از پبلشر: مولا علیؑ کی حضرت ابوبکر اور عمر کے بارے میں جو رائے ہے وہ حضرت عمر کو بھی معلوم تھی اور صاف طور پر صحیح مسلم میں بھی موجود ہے: صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر ، باب حکم الفیء قَالَ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ أَبُوبَكْرٍ أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَجِئْتُمَا تَطْلُبُ مِيرَاثَكَ مِنَ ابْنِ أَخِيكَ وَيَطْلُبُ هَذَا مِيرَاثَ امْرَأَتِهِ مِنْ أَبِيهَا فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم " مَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ " ۔ فَرَأَيْتُمَاهُ كَاذِبًا آثِمًا غَادِرًا خَائِنًا وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُ لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ثُمَّ تُوُفِّيَ أَبُوبَكْرٍ وَأَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَوَلِيُّ أَبِي بَكْرٍ فَرَأَيْتُمَانِي كَاذِبًا آثِمًا غَادِرًا خَائِنًا

ترجمہ: (عمر علی ابن ابی طالب اور عباس سے کہہ رہے ہیں) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا تو ابوبکر نے کہا: "میں رسول کا ولی ہوں" اس پر تم دونوں آئے اور (فدک کی) جائیداد کا مطالبہ کیا۔ (پھر عباس کو مخاطب کر کے کہا) تم نے اپنے بھتیجے کی جائیداد کا مطالبہ کیا، اور تم (علی ابن طالب) نے اپنی بیوی کے حوالے سے جائیداد کا مطالبہ کیا۔ اس پر ابو بکر نے کہا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا ہے کہ ہم (گروہِ انبیاء) اپنا کوئی وارث نہیں چھوڑتے اور جو کچھ ہم چھوڑتے ہیں وہ صدقہ میں دے دیا جاتا ہے۔ اس پر تم دونوں (عباس اور علی) نے ابوبکر کو کاذب (جھوٹا)، گنہگار، بے ایمان اور خائن (عربی الفاظ ہیں: کاذبا آثما غادرا خائنا)

ٹھہرایا۔ اور اللہ جانتا ہے کہ وہ سچے تھے اور حق پر تھے۔ اب جبکہ ابوبکر انتقال کر گئے ہیں اور میں رسول کا اور ابوبکر کا ولی بنا ہوں تو تم دونوں مجھے بھی کاذب، گنہگار، بے ایمان اور خائن جانتے ہو۔]

خطبہ 226:

اپنی بیعت کے متعلق فرمایا

آپؑ کی بیعت کے بیان میں ایسا ہی ایک خطبہ اس سے قبل اس سے کچھ مختلف لفظوں میں گذر چکا ہے۔ تم نے (بیعت کے لیے) میرا ہاتھ اپنی طرف پھیلانا چاہا تو میں نے اُسے روکا اور تم نے کھینچا تو میں اُسے سمیٹتا رہا مگر تم نے مجھ پر اس طرح ہجوم کیا جس طرح پیاسے اونٹ پانی پینے کے دن تالابوں پر ٹوٹتے ہیں۔ یہاں تک کہ جوتی (کے تسمے) ٹوٹ گئے اور عبا کاندھے سے گر گئی۔ کمزور و ناتواں کچلے گئے اور میری بیعت پر لوگوں کی مسرت یہاں تک پہنچ گئی کہ چھوٹے چھوٹے بچے خوشیاں منانے لگے اور بوڑھے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے بیعت کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ بیمار بھی اٹھتے بیٹھتے ہوئے پہنچ گئے اور نوجوان لڑکیاں پردوں سے نکل کر دوڑ پڑیں۔

خطبہ 226:

اپنی بیعت کے متعلق فرمایا

آپؑ کی بیعت کے بیان میں ایسا ہی ایک خطبہ اس سے قبل اس سے کچھ مختلف لفظوں میں گذر چکا ہے۔تم نے (بیعت کے لیے) میرا ہاتھ اپنی طرف پھیلانا چاہا تو میں نے اُسے روکا اور تم نے کھینچا تو میں اُسے سمیٹتا رہا مگر تم نے مجھ پر اس طرح ہجوم کیا جس طرح پیاسے اونٹ پانی پینے کے دن تالابوں پر ٹوٹتے ہیں۔ یہاں تک کہ جوتی (کے تسمے) ٹوٹ گئے اور عبا کاندھے سے گر گئی۔ کمزور و ناتواں کچلے گئے اور میری بیعت پر لوگوں کی مسرت یہاں تک پہنچ گئی کہ چھوٹے چھوٹے بچے خوشیاں منانے لگے اور بوڑھے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے بیعت کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ بیمار بھی اٹھتے بیٹھتے ہوئے پہنچ گئے اور نوجوان لڑکیاں پردوں سے نکل کر دوڑ پڑیں۔

خطبہ 227:

موت سے خائف رہنے والے اور زھد اختیار کرنے والے کے متعلق فرمایا

بے شک اللہ کا خوف ہدایت کی کلید اور آخرت کا ذخیرہ ہے (خواہشوں کی) ہر غلامی سے آزادی اور ہر تباہی سے رہائی کا باعث ہے۔اس کے ذریعہ طلبگار منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے

اور (سختیوں سے) بھاگنے والا نجات پاتا ہے اور مطلوبہ چیزوں تک پہنچ جاتا ہے۔ (اچھے) اعمال بجالے آؤ ابھی جبکہ اعمال بلند ہو رہے ہیں تو یہ فائدہ دے سکتی ہے۔ پکار سنی جا رہی ہے۔ حالات پر سکون اور (کراماً کاتبین کے) قلم رواں ہیں۔ ضعف و پیری کی طرف پلٹانے والی عمر زنجیرِ پا بن جانے والے مرض اور جھپٹ لینے والی موت سے پہلے اعمال کی طرف جلدی کرو کیونکہ موت تمہاری لذتوں کو تباہ کرنے والی خواہشات کو مکدر بنانے والی اور تمھاری منزلوں کو دور کر دینے والی ہے۔ یہ ناپسندیدہ ملاقاتی اور شکست نہ کھانے والا حریف ہے اور ایسی خونخوار ہے کہ اس سے (خون بہا کا) مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے پھندے تمہیں جکڑے ہوئے ہیں اور اس کی تباہ کاریاں تمھیں گھیرے ہوئے ہیں اور اس کے (تیروں کے) پھل تمھیں سیدھا نشانہ بنائے ہوئے ہیں اور تم پر اس کا غلبہ و تسلط عظیم اور تم پر اس کا ظلم و تعدی برابر جاری ہے اور اس کے وار خالی جانے کا امکان کم ہے۔ قریب ہے کہ سحابِ مرگ کی تیرگیاں، مرض الموت کے لو کے جان لیوا سختیوں کے اندھیرے، سانس اکھڑنے کی مدہوشیاں، جان کنی کی اذیتیں، اس کے ہر طرف سے چھا جانے کی تاریکی اور کام ودہن کے لیے اس کی بدمزگی تمھیں گھیر لے گویا کہ وہ تم پر اچانک آپڑی ہے کہ جس نے تمھارے ساتھ چپکے چپکے باتیں کرنے والے کو خاموش کر دیا اور تمھاری جماعت کو متفرق و پراگندہ کر دیا اور تمھارے نشانات کو مٹا دیا اور تمھارے گھروں کو سنسان کر دیا۔ اور تمھارے وارثوں کو تیار کر دیا کہ وہ تمھارے ترکہ کو مخصوص عزیزوں میں کہ جنھوں نے تمھیں کچھ بھی فائدہ نہ دیا اور ان غم زدہ قریبیوں میں کہ جو (موت کو) روک نہ سکے اور اُن کوش ہونے

والے (رشتہ داروں) میں جو ذرا بے چین نہیں ہوئے۔ تقسیم کر لیں۔ لہذا تمہیں لازم ہے کہ تم سعی و کوشش کرو، اور (سفرِ آخرت) کے لیے تیار ہو جاؤ اور سرو سامان مہیا کرو اور زادِ مہیا کر لینے والی منزل سے زاد فراہم کر لو۔ دنیا تمھیں فریب نہ دے۔ جس طرح تم سے پہلے گذر جانے والی امتوں اور گزشتہ لوگوں کو فریب دیا کہ جنھوں نے اس دنیا کا دودھ دوہا اور اُس غفلت سے فائدہ اٹھا لے گئے اور اس کے گنے چنے (دنوں کو) فنا اور تازگیوں کو پژمردہ کر دیا۔ ان کے گھروں نے قبروں کی صورت اختیار کر لی، ان کا مال ترکہ بن گیا جو ان کی قبروں پر آتا ہے، اسے پہچانتے نہیں جو انہیں روتا ہے اس کی پرواہ نہیں کرتے اور جو پکارے اُسے جواب نہیں دیتے۔ اس دنیا سے ڈرو کہ یہ غدار، دھوکہ باز اور فریب کار ہے، دینے والی (اور پھر) لے لینے والی ہے۔ لباس پہنانے والی اور پھر اتروا لینے والی ہے۔ اس کی آسائشیں ہمیشہ نہیں رہتیں نہ اس کی سختیاں ختم ہوتی ہیں اور نہ اس کی مصیبتیں تھمتی ہیں۔

اس خطبہ کا یہ حصہ زاھدوں کے اوصاف میں ہے: وہ ایسے لوگ تھے جو اہلِ دنیا میں سے تھے، مگر (حقیقتاً) دنیا والے نہ تھے۔ وہ دنیا میں اس طرح رہے کہ گویا دنیا سے نہ ہوں، اُن کا عمل ان چیزوں پر ہے جنھیں خوب جانے پہچانے ہوئے ہیں اور جس چیز سے خائف ہیں اُس سے بچنے کے لیے جلدی کرتے ہیں۔ اُن کے جسم گویا اہل آخرت کے مجمع میں گردش کر رہے ہیں۔ وہ اہلِ دنیا کو دیکھتے ہیں کہ وہ ان کی جسمانی موت کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور وہ ان اشخاص کے حال کو زیادہ اندوہناک سمجھتے ہیں جو زندہ ہیں مگر اُن کے دل مردہ ہیں۔

خطبہ 228:

جب بصرہ کی طرف روانہ ہوئے تو فرمایا

امیرالمومنینؑ نے بصرہ کی طرف جاتے ہوئے مقام ذی قار میں یہ خطبہ ارشاد فرمایا، اس کا واقدی نے کتابِ جمل میں ذکر کیا ہے: رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو حکم تھا اُسے آپ نے کھول کر بیان کر دیا اور اللہ کے پیغامات پہنچا دیئے۔ اللہ نے آپ کے ذریعہ بکھرے ہوئے افراد کی شیرازہ بندی کی سینوں میں بھری ہوئی سخت عداوتوں اور دلوں میں بھڑک اٹھنے والے کینوں کے بعد خویش و اقارب کو آپس میں شیر و شکر کر دیا۔

خطبہ 229:

عبداللہ ابن زمعہ نے آپ سے مال طلب کیا تو فرمایا

عبداللہ ابن زمعہ جو آپ کی جماعت میں محسوب ہوتا تھا آپ کے زمانہ خلافت میں کچھ مال طلب کرنے کے لیے حضرت کے پاس آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: یہ مال نہ میرا ہے نہ تمھارا، بلکہ مسلمانوں کا حق مشترک اور اُن کی تلواروں کا جمع کیا ہوا سرمایہ ہے۔ اگر تم ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے ہوتے تو تمھارا حصہ بھی اُن کے برابر ہوتا، ورنہ ان کے ہاتھوں کی کمائی دوسروں کے منہ کا نوالہ بننے کے لیے نہیں ہے۔

خطبہ 230:

جب جعدہ ابن ہبیرہ خطبہ نہ دے سکے تو فرمایا

معلوم 1 ہونا چاہیئے کہ زبان انسان (کے بدن کا) ایک ٹکڑا ہے۔ جب انسان (کا ذہن) رک جائے تو پھر کلام اُن کا ساتھ نہیں دیا کرتا اور جب اُس کے (معلومات میں) وسعت ہو تو پھر کلام زبان کو رکنے کی مہلت نہیں دیا کرتی اور ہم (اہلبیت) اقلیم سخن کے فرمانروا ہیں۔ وہ ہمارے رگ و پے میں سمایا ہوا ہے اور اُس کی شاخیں ہم پر جھکی ہوئی ہیں۔ خدا تم پر رحم کرے اس بات کو جان لو کہ تم ایسے دور میں ہو جس میں حق گو کم، زبانیں صدق بیانی سے کند اور حق والے ذلیل و خوار ہیں۔ یہ لوگ گناہ و نافرمانی پر جمے ہوئے ہیں اور ظاہر داری و نفاق کی بنا پر ایک دوسرے سے صلح و صفائی رکھتے ہیں ان کے جوان بدخو، ان کے بوڑھے گنہگار، ان کے عالم منافق اوان کے واعظ چاپلوس ہیں۔ نہ چھوٹے بڑوں کی تعظیم کرتے ہیں اور نہ مال دار فقیر و بےنوا کی دستگیری کرتے ہیں۔

1. امیرالمومنینؑ نے ایک دفعہ اپنے بھانجے جعدہ ابن ہبیرہ مخزومی سے فرمایا کہ وہ خطبہ دیں، مگر جب خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو زبان لڑکھڑانے لگی اور کچھ نہ کہہ سکے۔ جس پر حضرت خطبہ دینے کے لیے منبر پر بلند ہوئے اور ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا جس کے چند جملے سید رضی نے یہاں درج کئے ہیں۔

خطبہ 231:

لوگوں کے اختلاف صورت وسیرت

ذعلب یمانی نے ابنِ قتیبہ سے اور اُس نے عبداللہ ابنِ یزید سے انھوں نے مالک ابن وحیہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ ہم امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر تھے کہ لوگوں کے اختلاف (صورت وسیرت) کا ذکر چھڑا، تو آپ نے فرمایا: ان 1 کے مبدا طینت نے ان میں تفریق پیدا کر دی ہے اور یہ اس طرح کہ وہ شورہ زار و شیریں زمین اور سخت و نرم مٹی سے پیدا ہوئے ہیں۔ لہذا وہ زمین کے قرب کے اعتبار سے متفق ہوتے اور اختلاف کے تناسب سے مختلف ہوتے ہیں (اس پر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ) پورا خوش شکل انسان عقل میں ناقص اور بلند قامت آدمی پست ہمت ہو جاتا ہے اور نیکو کار، بدصورت اور کوتاہ قامت دور اندیش ہوتا ہے اور طبعاً نیک سرشت کسی بری عادت کو پیچھے لگا لیتا ہے اور پریشان دل والا پراگندہ عقل اور چلتی ہوئی زبان والا ہوش مند دل رکھتا ہے۔

1. حضرت نے اس کلام میں انسانی صورت وسیرت کے اختلاف کا سبب انسان کے مبادی طینت کو قرار دیا ہے کہ جن کے مطابق ان کے خط و خال بنتے ہیں اور سیرت و کردار کے سانچے ڈھلتے ہیں۔ چنانچہ انسانوں کے مبادی طینت میں جتنا باہمی قرب ہوگا اُتنا ہی ان کے ذہنی وفکری رجحانات ہم آہنگ ہوں گے اور جتنا اُن میں بُعد ہوگا اتنا ہی اُن کے امیال و عواطف میں اختلاف اُبھریگا۔ مبادی شے سے مراد وہ چیزیں ہوتی ہیں کہ جن پر اس کے

وجود کا انحصار ہو، مگر وہ اس کے لیے علت نہ ہوں اور طین طینت کی جمع ہے جس کے معنی اصل و بنیاد کے ہوتے ہیں اور یہاں پر طینت سے مراد نطفہ ہے کہ جو نشوونما کی مختلف منزلوں سے گذر کر انسانی صورت میں رونما ہوتا ہے اور اس کے مبادی سے مراد وہ اجزاء عنصریہ ہیں جس سے اُن چیزوں کی پیدائش ہوتی ہے جس سے نطفہ کی تخلیق وابستہ ہے۔ چنانچہ زمین شورہ زار سے شیریں اور نرم وسخت سے انہی اجزاء عنصریہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ اجزاء عنصریہ چونکہ مختلف کیفیات کے حامل ہوتے ہیں۔ لہذا ان سے پیدا ہونے والا نطفہ بھی مختلف خصوصیات و استعدادات کا حامل ہوگا۔ جن کا اظہار اس سے پیدا ہونے والی مخلوق کے اختلاف صور واخلاق سے ہوتا ہے۔

ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے کہ مبادی طینت سے مراد نفوس مدبرہ ہیں کہ جو اپنی ماہیات میں مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ افلاطون اور حکماء کی ایک جماعت کا مسلک ہے اور انھیں مبادی طینت سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جسمِ انسانی کے لیے حصار اور عناصر کے متفرق و پاشاں ہونے سے مانع ہوتے ہیں۔ تو جس طرح شے کا وجود اس سے مبادی پر منحصر ہوتا ہے، اُسی طرح جسد عنصری کی بقاء نفس مدبرہ پر منحصر ہے۔ چنانچہ جب تک نفس مدبرہ باقی رہتا ہے بدن شکست وریخت سے اور عناصر منتشر و پراگندہ ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور جب وہ بدن کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے تو پھر عناصر کا شیرازہ بھی بکھر جاتا ہے۔

اس تاویل کی بنا پر حضرت کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ قدرت نے مختلف نفوس پیدا کئے ہیں جن میں سے کچھ شقی ہیں، کچھ سعید اور کچھ ضعیف ہیں اور کچھ قوی اور جس میں جیسا نفس کارفرما ہوگا اُس سے ویسے ہی افعال واعمال صادر ہوں گے اور دو شخصوں کے رجحانات میں اگر یکسانیت وہم آہنگی ہوتی ہے تو اس لیے کہ ان کے نفس یکساں وہمرنگ ہیں اور اگر ان کے میلانات میں فرق ہوتا ہے تو اس لیے کہ ان کے نفس آپس میں کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔ لیکن یہ تاویل قابلِ قبول نہیں کیونکہ امیر المومنینؑ کے ارشاد میں صرف سیرت و کردار کے اختلاف کا تذکرہ نہیں بلکہ سورت وشکل کے اختلاف کا بھی ذکر ہے اور صورت وشکل کے اختلاف کو نفس کے اختلاف کا نتیجہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

بہر صورت، انسانی صورت وسیرت کے اختلاف کی وجہ نفوس مدبرہ ہوں یا اجزاء عنصر یہ ان کلمات سے نفی اختیار اور جبر کا توہم ہوتا ہے کہ اگر انسان کی فکری وعملی خصوصیات طینت کی کارفرمائی کی وجہ سے ہوتی ہیں تو وہ اپنے کو ایک معینہ سانچے میں ڈھالنے پر مجبور ہوگا کہ جس کی وجہ سے نہ اچھی خصلت پر تحسین وآفرین کا مستحق قرار پائے گا اور نہ بری خصلت پر نفرت وملامت کے قابل سمجھا جائے گا۔ لیکن یہ توہم غلط ہے، کیونکہ یہ چیز اپنے مقام پر ثابت ہے کہ خداوند کریم جس طرح کائنات کی ہر چیز کو اس کے موجود ہونے کے بعد جانتا ہے، اسی طرح اس کے موجود ہونے سے پہلے بھی جانتا تھا، اور اس کے علم میں تھا کہ انسان اپنے ارادہ واختیار سے کن چیزوں پر عمل کرے گا اور کن چیزوں کو ترک کرے گا۔ تو ذرات

نے اس کے اختیاری افعال کے لحاظ سے ویسی ہی اسے استعداد دے دی اور ویسی ہی طینت سے اسے خلق کر دیا اور یہ طینت ان افعال کے وقوع کی علت نہیں کہ انسان کو مجبور قرار دے کر اس سے اختیار کو سلب کر لیا جائے، بلکہ منسب طینت سے خلق کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اس کے لیے بجز مانع نہیں ہوتا اور جس راہ پر وہ بااختیار خود چلنا چاہتا ہے، چلنے دیتا ہے۔

خطبہ 232:

پیغمبر ﷺ کو غسل دیتے وقت فرمایا

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل وکفن دیتے وقت فرمایا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ کے رحلت فرما جانے سے نبوت، خدائی احکام اور آسمانی خبروں کا سلسلہ قطع ہو گیا جو کسی اور (نبی) کے انتقال سے قطع نہیں ہوا تھا۔ (آپ نے) اس مصیبت میں اپنے اہلبیت کو مخصوص کیا۔ یہاں تک کہ آپ نے دوسروں کے غموں سے تسلی دے دی اور (اس غم کو) عام بھی کر دیا کہ سب لوگ آپ کے (سوگ میں) برابر کے شریک ہیں۔ اگر آپ نے صبر کا حکم اور نالہ وفریاد سے روکا نہ ہوتا تو ہم آپ کے غم میں آنسوؤں کا ذخیرہ ختم کر دیتے اور یہ درد منت پذیر درماں نہ ہوتا اور یہ غم وحزن ساتھ نہ چھوڑتا (پھر بھی یہ) گریہ وبکا اور اندوہ حزن آپ کی مصیبت کے مقابلہ میں کم ہوتا۔ لیکن موت ایسی چیز ہے کہ جس کا پلٹانا اختیار میں نہیں ہے اور نہ اس کا دور کرنا بس میں ہے۔ میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں۔ ہمیں بھی اپنے پروردگار کے پاس یاد کیجئے گا۔ اور ہمارا خیال رکھئے گا۔

خطبہ 233:

ہجرتِ پیغمبر ﷺ کے بعد اُن کے عقب میں روانہ ہونے کے متعلق فرمایا

اس 1 میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کے بعد اپنی کیفیت اور پھر اُن تک پہنچنے تک کی حالت کا تذکرہ کیا ہے: میں رسول (ص) کے راستہ پر روانہ ہوا، اور آپ کے ذکر کے خطوط پر قدم رکھتا ہوا مقامِ عرج تک پہنچ گیا۔ سید رضی کہتے ہیں کہ یہ ٹکڑا ایک طویل کلام کا جز ہے اور (فاطا ذکرہ) ایسا کلام ہے جس میں منتہا درجہ کا اختصار اور فصاحت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ابتدائے سفر سے لے کر یہاں تک کہ میں اس مقامِ عرج تک پہنچا برابر آپکی اطلاعات مجھے پہنچ رہی تھیں۔ آپ نے اس مطلب کو اس عجیب و غریب کنایہ میں ادا کیا ہے۔

1. پیغمبر اسلام (ص) بعثت کے بعد تیرہ برس تک مکہ میں رہے۔ یہ عرصہ آپ کی انتہائی مظلومیت و بے سروسامانی کا تھا۔ کفارِ قریش نے آپ پر وسائل معیشت کے تمام دروازے بند کر دیئے تھے اور ایذا رسانی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا یہاں تک کہ آپ کی جان کے دشمن ہو کر اس فکر میں لگ گئے کہ کسی طرح آپ کا کام تمام کر دیا جائے۔ چنانچہ اس کے چالیس سرکردہ افراد دارالندوہ میں صلاح و مشورہ کے لیے جمع ہوئے اور یہ فیصلہ کیا کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک فرد منتخب کر لیا جائے اور وہ مل کر آپ پر حملہ کریں۔ اسی طرح بنی ہاشم یہ جرات نہ کر

سکیں گے کہ تمام قبائل کا مقابلہ کریں اور یہ معاملہ خون بہا پر ٹل جائے گا۔ اس قرارداد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ربیع الاول کی شبِ اول کو یہ لوگ پیغمبر کے گھر کے قریب گھات لگا کر بیٹھ گئے کہ جب حضرت بستر پر استراحت فرمائیں تو ان پر حملہ کر دیا جائے۔ ادھر قتل کی تیاری مکمل ہو چکی تھی، اُدھر قدرت نے کفارِ قریش کی تمام سازشوں سے آپ کو آگاہ کر دیا اور حضرت علی (ع) کو اپنے بستر پر سلا کر مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ پیغمبر نے علی ابن ابی طالب کو بلا کر اُن سے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور فرمایا کہ اے علی تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ امیر المومنینؑ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا میرے سو جانے سے آپ کی جان بچ جائے گی۔ فرمای کہ ہاں! یہ سن کر امیر المومنینؑ سجدہ شکر بجالائے اور سر و تن کی بازی لگا کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر لیٹ گئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکان کے عقبی دروازے سے نکل گئے۔ کفارِ قریش جھانک جھانک کر دیکھ رہے تھے اور حملہ کے لیے پر تول رہے تھے کہ ابو لہب نے کہا کہ رات کے وقت حملہ کرنا مناسب نہیں کیونکہ گھر میں عورتیں بچے ہیں جب صبح ہو تو حملہ کر دینا اور رات بھر ان پر کڑی نگرانی رکھو کہ ادھر اُدھر نہ ہونے پائیں۔ چنانچہ رات بھر وہ بستر پر نظریں جمائے رہے اور جب پو پھٹی تو دبے پاؤں آگے بڑھے۔ امیر المومنینؑ نے اُن کے قدموں کی چاپ سن کر شادرالت دی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ قریش آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے کہ یہ نظروں کا پھیر ہے یا حقیقت ہے، مگر جب یقین ہو گیا کہ یہ علی ہیں تو پوچھا کہ محمد کہاں ہیں، فرمایا کہ کیا مجھے سپرد کر گئے تھے کہ جو مجھ سے پوچھتے ہو۔ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ تعاقب میں آدمی دوڑائے گئے مگر غارِ ثور تک نشانِ قدم ملتا رہا اور

اس کے بعد نہ نشانِ قدم تھا اور نہ غار میں چھپنے کے کچھ آثار تھے۔ حیران وسراسیمہ ہو کر پلٹ آئے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن غارِ ثور میں گذار کر مدینہ کی طرف چل دیئے۔ امیر المومنینؑ نے یہ تین دن مکہ میں گذارے، لوگوں کی امانتیں اُن کے حوالے کیں اور پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جستجو میں مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مقام عرج تک جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بستی ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پتہ انھیں چلتا رہا اور اُن کے شوق میں قدم اٹھتے رہے، یہاں تک کہ بارہ ربیع الاول کو مقامِ قبا میں پیغمبر سے جا ملے اور پھر انہی کے ہمراہ مدینہ میں داخل ہوئے۔

خطبہ 234:

دنیا میں زادِ آخرت مہیا کرنے اور موت سے پہلے عمل بجالانے کے متعلق فرمایا

اعمال بجالاؤ، ابھی جب کہ تم زندگی کی فراخی ووسعت میں ہو اعمال نامے کھلے ہوئے اور توبہ کا دامن پھیلا ہوا ہے اللہ سے رخ پھیر لینے والے کو پکارا جا رہا ہے اور گنہگاروں کو امید دلائی جا رہی ہے قبل اس کے کہ عمل کی روشنی گل ہو جائے اور مہلت ہاتھ سے جاتی رہے اور مدت ختم ہو جائے اور توبہ کا دروازہ بند ہو جائے اور ملائکہ آسمان پر چڑھ جائیں۔ چاہیئے کہ انسان خود اپنے سے اپنے واسطے اور زندہ سے مردہ کے لیے اور فانی سے باقی کی خاطر نفع و بہبود حاصل کرے وہ انسان جسے ایک مدت تک عمر دی گئی ہے اور عمل کی انجام دہی کے لیے مہلت بھی ملی ہے۔ اُسے اللہ سے ڈرنا چاہیئے، مرد وہ ہے جو اپنے نفس کو لگام دے کر اور اُس کی باگیں

چڑھا کر اپنے قابو میں رکھے اور لگام کے ذریعہ اُسے اللہ کی نافرمانیوں سے روکے اور اُس کی باگیں تھام کر اللہ کی اطاعت کی طرف اُسے کھینچ لے جائے۔

خطبہ 235:

حکمین کے بارے میں فرمایا

دونوں ثالثوں (ابوموسیٰ وعمرو ابنِ عاص) کے بارے میں اور اہلِ شام کی مذمت میں فرمایا: وہ تندخو اوباش اور کمینے بدقماش ہیں کہ جو ہر طرف سے اکھٹا کر لئے گئے ہیں اور مخلوط النسب لوگوں میں سے چن لیے گئے ہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو جہالت کی بناء پر اس قابل ہیں کہ انھیں (ابھی اسلام کے متعلق) کچھ بتایا جائے اور شائستگی سکھائی جائے (اچھائی اور برائی کی تعلیم) دی جائے اور (عمل کی) مشق کرائی جائے اور ان پر کسی نگران کو چھوڑا جائے، نہ تو وہ مہاجر ہیں نہ انصار اور نہ ان لوگوں میں سے ہیں جو مدینہ میں فروکش تھے۔ دیکھو! اہلِ شام نے تو اپنے لئے ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو ان کے پسندیدہ مقصد کے بہت قریب ہے اور تم نے ایسے شخص کو چنا ہے جو تمہارے ناپسندیدہ مقصد سے انتہائی نزدیک ہے۔ تم کو عبد اللہ ابن قیس (ابوموسیٰ) کا کل والا وقت یاد ہوگا۔ (کہ وہ کہتا پھرتا تھا) کہ یہ جنت ایک فتنہ ہے۔ لہٰذا اپنی کمانوں کے چلوں کو توڑ دو اور تلواروں کو نیاموں میں رکھ لو۔ اگر وہ اپنے اس قول میں سچا تھا تو (ہمارے ساتھ) چل کھڑا ہونے میں خطا کار ہے جب کہ اس پر کوئی جبر بھی نہیں اور اگر جھوٹا تھا تو اس پر (تمھیں) بے اعتمادی ہونا چاہیئے لہٰذا عمرو ابن عاص کے دھکیلنے کے لیے عبداللہ ابن عباس کو منتخب کرو۔ ان دنوں کی مہلت

غنیمت جانو اور اسلامی (شہروں کی) سرحدوں کو گھیر لو کیا تم اپنے شہروں کو نہیں دیکھتے کہ ان پر حملے ہو رہے ہیں اور تمھاری قوت و طاقت کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

خطبہ 236:

آلِ محمد کی توصیف اور روایت میں عقل و درایت سے کام لینے کے لئے فرمایا

اس میں آلِ محمد کا ذکر فرمایا: وہ علم کے لیے باعثِ حیات اور جہالت کے لیے سبب مرگ ہیں۔ ان کا حلم ان کے علم کا اور ان کا ظاہر ان کے باطن کا اور ان کی خاموشی ان کے کلام کی حکمتوں کا پتہ دیتی ہے۔ وہ نہ حق کی خلاف ورزی کرتے ہیں نہ اس میں اختلاف پیدا کرتے ہیں۔ وہ اسلام کے ستون اور بچاؤ کا ٹھکانا ہیں ان کی وجہ سے حق اپنے اصلی مقام پر پلٹ آیا اور باطل اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور اس کی زبان جڑ سے کٹ گئی۔ انھوں نے دین کو سمجھ کر اور اس پر عمل کر کے اسے پہچانا ہے۔ نہ صرف نقل و سماعت سے اسے جانا ہے۔ یوں تو علم کے راوی بہت ہیں مگر اس پر عمل پیرا ہو کر اس کی نگہداشت کرنے والے کم ہیں۔

خطبہ 237:

جب عثمان نے عبداللہ ابن عباس کے ذریعے آپ کو یہ پیغمام بھجوایا کہ آپ ینبع چلے جائیں تو یہ فرمایا

جن دنوں میں عثمان ابن عفان محاصرہ میں تھے تو عبداللہ ابن عباس ان کی ایک تحریر لے کر امیرالمومنینؑ کے پاس آئے جس میں آپ سے خواہش کی تھی کہ آپ اپنی جاگیر ینبع کی طرف چلے جائیں تا کہ خلافت کے لیے جو حضرت کا نام پکارا جارہا ہے اس میں کچھ کمی آ جائے اور وہ ایسی درخواست پہلے بھی کر چکے تھے جس پر حضرت نے ابن عباس سے فرمایا:

اے ابنِ عباس! عثمان تو بس یہ چاہتے ہیں کہ وہ مجھے اپنا شترِ آب کش بنا لیں کہ جو ڈول کے ساتھ کبھی آگے بڑھتا ہے اور کبھی پیچھے ہٹتا ہے۔ انھوں نے پہلے بھی یہی پیغام بھیجا تھا کہ میں (مدینہ سے) باہر نکل جاؤں اور اس کے بعد یہ کہلوا بھیجا کہ پلٹ آؤں۔ اب پھر وہ پیغام بھیجتے ہیں کہ میں یہاں سے چلا جاؤں (جہاں تک مناسب تھا) میں نے ان کو بچایا، اب تو مجھے ڈر ہے کہ میں (ان کو مدد دینے سے) کہیں گنہگار نہ ہو جاؤں۔

خطبہ 238:

اپنے اصحاب کو آمادہ جنگ کرنے اور آرام طلبی سے بچنے کے لئے فرمایا

خداوندِ عالم تم سے ادائے شکر کا طلبگار ہے اور تمھیں اپنے اقتدار کا مالک بنایا ہے اور تمھیں اس (زندگی کے) محدود میدان میں مہلت دے رکھی ہے تا کہ سبقت کا انعام حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرو۔ کمریں مضبوطی سے کس لو اور دامن گردان لو۔ بلند ہمتی اور دعوتوں کی خواہش ایک ساتھ نہیں چل سکتی۔ رات کو گہری نیند دن کی مہموں میں بڑی کمزوری پیدا کرنے والی ہے اور (اس کی) اندھیاریاں ہمت و جرات کی یاد کو بہت مٹا دینے والی ہیں۔

و صلی اللہ علی سیدنا محمد النبی الامی و علی آلہ مصابیح الدجی و العروۃ الوثقی و سلم تسلیما کثیرا

ISLAMICMOBILITY.COM

IN THE AGE OF INFORMATION
IGNORANCE IS A CHOICE

"Wisdom is the lost property of the Believer,

let him claim it wherever he finds it"

Imam Ali (as)